ذاتی خیالات

اُردو کیسے بڑھے

(از عبداللہ فاروقی)

سالنامہ محشرِ خیال کے بعد سے میں نے محشرِ خیال کو مرتب نہیں کیا کچھ تو میری مصروفیت اور رسالہ خاتونِ مشرق کی نگرانی اور اشاعت۔ اور مسلسل سفر اور تقریروں کا سلسلہ۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ سفر کو بند کر کے تقریریں کرنا ترک کر دوں۔ لیکن احباب کے پیہم اصرار اور "ذاتی خیالات" میرے ارادوں پر غالب رہتے ہیں۔ اس لئے چند مہینے سے میرے چھوٹے بھائی مقیم الدین فاروقی بی۔ اے آنرز (جو ابھی نو عمر ہیں) اور مسٹر بشیر انصاری دونوں مل کر محشرِ خیال کو مرتب کر دیتے ہیں۔ میں دفتر میں جم کر بیٹھوں اس طرف توجہ دوں۔ لیکن حالات پر میرا قبضہ ہو سکے تو کام چلے۔

آج ۲ ار جولائی کو ضلع ایٹہ کے سفر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ محشرِ خیال بابت ماہ جولائی در دست چھپ گیا ہے۔ صرف پہلی کاپی میں دو صفحے باقی ہیں۔ دو صفحے کا مضمون ہو تو منشی حمید حسین صاحب اس کو کتابت کر دیں اور کاپی پریس میں چلی جائے اور دو تین روز میں رسالہ چھپ جائے۔ اور خریداروں کو بھیجا جائے۔

یوں تو دفتر میں اتنے مضامین مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رکھے ہیں کہ اگر دس سال تک ایک حرف بھی دوسرے مضمون نگار نہ بھیجیں تب بھی رسالہ شائع ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے کہ رسالہ کے ابتدائی صفحات میں ایڈیٹر چند صفحات لازماً لکھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ دو صفحے "ذاتی خیالات" پر لکھوں۔

اگرچہ لکھنے کو اتنے مسائل موجود ہیں کہ ان پر ہزارہا صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے بہت سا وقت چاہیئے۔ اس لئے چند سطریں اردو پر لکھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو کی ترقی میں ہم مسلمانوں کی اکثریت نے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ آپ سوچیں گے وہ دیوار کہاں ہے۔ کیسی ہے۔ کس نے کھڑی کی ہے۔ اس کا جواب پڑھ لیجئے اور سن لیجئے۔

ہم مسلمان سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کو برادرانِ وطن مٹانا چاہتے ہیں۔ برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کی جگہ ہندی اور سنسکرت لانا چاہتے ہیں۔ میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اُ[illegible] پر ایک طرف تو یہ ملے۔ اور دوسری طرف ہم کیا خدمت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ اور سرمایہ دار جماعت اور بڑے بڑے سرکاری عہدے دار تو سوائے ہندوستان ٹائمز۔ یا ڈنیر۔ لیڈر۔ اسٹیٹسمین اور بمبئی کرانیکل کے اردو اخباروں کو ہاتھ لگانا اپنی توہین اور گناہ کبیرہ خیال کرتے ہیں۔ اگر کبھی کسی بھائی کو مسٹر جناح۔ سر یعقوب۔ سر رضا علی۔ سر سکندر اور مسٹر فضل الحق اور ڈاکٹر خان صاحب سے ملنے کا اتفاق ہو جائے تو ان کی کوٹھیوں میں اردو کا اعلیٰ سے اعلیٰ اخبار یا رسالہ دیکھنے کے لئے بھی نہیں مل سکتا۔

مسلمانوں کا ادنیٰ طبقہ مثلاً دیہاتی بھائی۔ مزدور لوگ۔ پڑھے لکھے ہوتے نہیں۔ ان کی طرف سے اردو مٹ جائے یا رہ جائے ان کو کیا۔ جس چیز سے وہ آشنا نہیں ہیں۔ اس کو وہ خریدیں کیسے۔ اب دیکھ مسلمانوں کا درمیانی طبقہ رہ گیا۔ اس طبقہ میں سے بھی اکثر بھائی انگریزی اخبارات پڑھتے ہیں درمیانی طبقہ کے بعض دوستوں سے میں نے کہا کہ اردو کی ترقی کے لئے۔ اردو اخبار پڑھنا چاہئے۔ لیکن جواب یہ ملا کہ کسی بھی اخبار میں ہر قسم کی خبریں نہیں ملتیں اور یہ بھی جواب ملا کہ ہر اخبار کا مالک ذاتی پروپیگنڈے پر صفحے کے صفحے سیاہ کرتا ہے۔ اور خوب گند گی اچھالتا ہے خریدار کو ایک آنہ خرچ کر کے کچھ نہیں ملتا۔

میرے دوستوں کا جواب ایک حد تک معقول ہے۔ لیکن میرے خیال میں بڑی حد تک اس کی ذمہ داری مسلمان پبلک پر بھی ہے۔ مثلاً ایسا ہوتا ہے کہ پورے بازار میں ایک پیسہ کا اخبار ایک صاحب نے خرید لیا۔ اور تمام بازار نے اس کو پڑھ لیا۔ بازار کے تمام مسلمانوں نے سمجھا کہ ایک پیسہ ہم نے خرچ کر کے اردو کی خدمت کر دی۔ حالانکہ ترقی یافتہ ملکوں میں ایک کا اخبار دوسرا نہیں پڑھ سکتا۔ یہ بات وہاں معیوب خیال کی جاتی ہے۔ شہر سے نکل کر قصبوں میں جایئے۔ قصبے والے مسلمان بھائی روزنامہ کو بوجہ ذوق نہ ہونے کے کم پڑھتے ہیں۔ ان کی معراج یہ ہے کہ ایک ہفتہ وار

ذکوں نے ... ...

... ... چاہیے۔ ... ہیں چونکہ تعلیم بہت کم

ہے۔ ... ہیں ایک دو اخبار یا رسالہ جاتا ہوگا

... ... اردو کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ اور مسلمان

... ... توجہ کرتے ہی نہیں۔ مجھکو خوب اندازہ ہے کہ ۹۵ فی صدی

مسلمان بھائی ایک روپیہ میں بجائے بارہ پرچوں کے تیرہ اور چودہ پرچے لینا

چاہتے ہیں۔ اور جو پرچے نمونتاً منگالیتے ہیں۔ ان کو سالانہ چندہ میں

... نہیں کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندی زبان اردو کے مقابلہ میں زیادہ ترقی کر رہی ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہندو قوم کو احساس ہو گیا ہے۔ اور احساس کے ساتھ قوت عمل اُن میں پیدا ہو گئی ہے۔ مسلمانوں میں احساس تو پایا جاتا ہے۔ لیکن سلطنت ضائع کرنے کے بعد قوت عمل باقی نہیں رہی سب سے زیادہ اردو کی ترقی اردو رسالوں اور اخباروں کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ لیکن رسالوں اور اخباروں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔

میرا انشاء چند سطریں لکھنے سے یہ نہیں ہے کہ میں صرف محشر خیال کے لئے پروپیگنڈا کروں اور جگہ نکالنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میرا دلی منشا یہ ہے کہ تمام اخبار اور رسالے پڑھیں۔ ترقی کریں۔ اور ان کی اشاعت ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں ہو جائے۔ لیکن یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ پڑھے لکھے مسلمان ... اور ... ہوں۔ اخبار اور رسالے کا پڑھنا اور دوسروں کو سنانا زندگی کا اہم مقصد سمجھنے لگیں۔ اور مانگ مانگ کر اخبار اور رسالے دیکھنا گناہ سمجھیں ... تجربہ میں یہ بات آئی ہے کہ بعض اردو خواں لوگوں کی عادت ثانیہ ... گئی ہے کہ وہ نمونے منگا منگا کر رسالوں کو پڑھتے ہیں۔ سالانہ چندہ ... نہیں کرتے۔ بلکہ ہر ماہ ایک کارڈ پوسٹ کر دیتے ہیں۔ اخبار والے یہ ... ہیں کہ شاید یہ صاحب خریدار ہو جائیں۔ فوراً نمونہ روانہ کر دیتے ہیں مگر نتیجہ صفر رہتا ہے۔ اگر ایک صاحب نے کرم کر کے ایک روپیہ بھیجدیا ... ان کے نام رسالہ جاری کر دیا گیا۔ ہماری بدقسمتی سے اگر کسی مہینے کا رسالہ ... میں گم ہو گیا۔ یا ڈاک خانہ والے ہضم کر گئے تو فوراً ہم کو بے ایمانی کا سرٹیفکٹ پہنچ گیا۔ ہم نے ناک بھوں چڑھا کر دوسرا رسالہ بھیجدیا۔ خدا ... کے ایک سال پورا ہوا تو ہم نے خریدار صاحب کی خدمت میں درخواست ... کہ آپ کی میعاد خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم زر چندہ مرحمت فرمایئے ... خریداری سے انکار کیجیے۔ تاکہ رسالہ آپ کے نام بھیجنا بند کر دیا جائے ... میں سے دس بیس نے تو چندہ بھیجدیا۔ دس بیس نے انکاری خطوط بھیجکر ... بند کرا لیا۔ دوسرے مہینے میں دفتر سے باقی خریداروں کے نام سالانہ چندہ وصول کرنے کے لئے آٹھ سو وی۔ پی بھیجے گئے۔ جن پر دو سو روپے کے ٹکٹ صرف ہوئے (علاوہ کارکنان رسالہ کی محنت اور جانفشانی کے)

ایک مہینے کے ... رجسٹر پر نظر ثانی کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ چھ سو وی۔ پی واپس آئے اور صرف دو سو وی۔ پی وصول ہوئے۔ اس وقت میری جو حالت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ سوائے اُن بھائیوں کے جو میری طرح اخباری کام کرتے ہیں۔

جن بھائیوں نے یہ وی۔ پی واپس کئے تھے۔ اگر یہ اردو کے قدر دان "اطلاع نامہ" کو پڑھ کر انکاری خط لکھ دیتے۔ تو کارکنان رسالہ وی۔ پی بھیجنے کی زحمت نہ اٹھاتے اور ڈیڑھ سو روپے محصول ڈاک میں ضائع نہ جاتے۔ وی۔ پی کی واپسی پر ہی اکتفا نہیں۔ بلکہ اس قسم کے حادثات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔

چند ضروری باتیں نوٹ کر لیجئے

(از منیجر)

سالانہ چندہ منی آرڈر سے روانہ کرنے میں چار آنے کی کفایت ... رسالہ وی۔ پی سے منگوانے میں فیس رجسٹری وغیرہ پر چار آنے زائد ہوتے ہیں جو پوسٹ آفس ہضم کر لیتا ہے۔ منی آرڈر کرنے میں اگر دشواری ... وی۔ پی منگایا جا سکتا ہے۔

شکایت کرتے وقت نمبر خریداری کا لکھنا ضروری ہے۔ کسی وجہ سے اگر نمبر خریداری یاد نہیں رہا تو سالانہ چندہ ادا کرنے کی تاریخ یا مہینہ لکھنا چاہئے جو صاحب ان دونوں باتوں پر عمل نہیں کریں گے اور شکایتی خطوط بھیجیں گے ان کا "نامۂ مبارک" ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔

ہزاروں ناموں میں سے ایک نام تلاش کرنا بہت مشکل ہے ایک صاحب بمبئی سے روانہ ہو کر پونہ چلے گئے۔ ۱۰ر جنوری کو خط لکھتے ہیں کہ جنوری کا رسالہ مجھ کو اب تک نہیں ملا اب میں پونہ آگیا ہوں۔

ان حضرت نے نہ نمبر خریداری لکھا اور نہ سابقہ مکمل پتہ۔ ان کا رسالہ وقت مقررہ پر بمبئی کے پتہ پر چلا گیا کسی صاحب نے پوسٹ مین سے لے لیا اور ہضم کر گئے۔ بمبئی سے روانہ ہونے والے یہ خریدار کاندھی جی نہیں تھے کہ جو رہ بھی نہیں سکتے جو ان کی ڈاک ان کے پیچھے پیچھے پھرتی۔ اس قسم کے خریداروں سے ہمارا شدید نقصان ہوتا ہے۔

نو مشق شاعر اور مضمون نگار بھائی اپنے مضامین محشر خیال کے لئے نہ بھیجیں۔ اس کیلئے کوئی دوسرا رسالہ منتخب کرنا چاہئے۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنا اور ہمارا پتہ صاف اور خوشخط لکھئے۔

نظم و نثر مضامین کاغذ کے ایک طرف لکھئے جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ ورنہ جواب نہ دیا جائے گا۔

مرے حسین تصوّر مجھے وہیں لے چل

(از جناب نواب زادہ راحت سعید خاں صاحب آف چھتاری بی۔ اے (علیگ)

(ایک دن جنگل کے مغنّی نے نوازسے میں نے پوچھا "تم شعر کیوں کہتے ہو؟ تمہارے نغمے فضا میں کس لئے آوارہ رہتے ہیں؟" کہنے لگا "یہ ایک طویل داستان ہے، میں شاعر نہیں، دیوانہ ہوں ——— اُس کی حنائی انگلیوں نے بربط حیات کے نیم شکستہ تاروں کو کچھ اس طرح چھیڑا کہ تخیل کی تمام رعنائی توخیں مرکز یاس سے ہم آہنگ نظر آنے لگیں ——— اب میں ان نغموں سے اس کی پوجا کرتا ہوں ——— وہ انہیں ٹھکرا دیتی ہے، اور میں "کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو"! یہ کہتے کہتے اس کی ذہنی اور سیاہ پلکیں آہستہ آہستہ بلند ہوئیں اور میں نے اس کی قسمت کے ستارے زمرّہ گاں ڈبڈباتے ہوئے دیکھا، میں خاموش ہوگیا!)

انتساب:۔ میرس روڈ کے مُظلومین کے نام! (راحت)

تجھے قسم ہے مرے اضطراب پیہم کی
تجھے قسم ہے انہیں کے شباب برہم کی
تجھے قسم ہے ستاروں کی، آسمانوں کی
تجھے قسم ہے مرے دکھ بھرے فسانوں کی

جہاں پہاڑ ہیں، بادل ہیں، سرد آہیں ہیں
جہاں حمیدہ حمیدہ سی چندراہیں ہیں
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"!

جہاں پہاڑ پہ پھیلی ہے روشنی ہر سو
جہاں جنوں کو ملتی ہے زندگی ہر سو
جہاں کی سرمگیں راتیں ہیں منتظر میری
جہاں حواس کو رہتی نہیں خبر میری
جہاں حیات کے نغموں سے گونجتی ہے صدا
جہاں پیام نگاہی نہیں رہین صدا
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"!

جہاں نگاہیں ملیں، مل کے مسکرائیں تھیں
جہاں وہ پہلے پہل مجھ سے ملنے آئیں تھیں
جہاں کرا یا تھا اُس گوہر نہ سُفتہ کو
جہاں جگایا تھا اُن کے شباب خفتہ کو
جہاں شراب سے رنگینیاں چرائیں تھیں
جہاں شباب سے نیرنگیاں اڑائیں تھیں
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"

جہاں حجاب مقدس ہے بے سروساماں
جہاں شباب مجسم ہے مطلع ارماں

فریب خوردۂ الفت جہاں مچلتے ہیں
جہاں وہ گیسوئے مشکیں بہار ملتے ہیں
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"!

جہاں فضا پہ تھا ہر سمت اختیار اُن کا
جہاں سپہر کو رہتا تھا انتظار اُن کا
جہاں ہنسا کے ہنساتے تھکا دیا تھا انہیں
جہاں جلاتے جلاتے رلادیا تھا انہیں
جہاں ترانے محبت کے گائے جاتے تھے
جہاں بجھے ہوئے دل پھر ہنسائے جاتے تھے
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"

اُس اونچی چوٹی پہ وہ زرد زرد کاشانہ
جہاں بلا کے مجھے کردیا تھا دیوانہ
جہاں سکون کی دنیا کو کھو دیا میں نے
جہاں خدا کو فراموش کردیا میں نے
جہاں خیال کی وسعت میں کھو گیا تھا میں
جہاں جمال کے پہلو میں سو گیا تھا میں
"مرے حسین تصور مجھے وہیں لے چل"

کتابوں کا تعارف

(از عبد الصمد فاروقی)

ہمدرد صحت کا ضبط تولید نمبر

دہلی کے مشہور و معروف "ہمدرد دواخانہ" سے رسالہ "ہمدرد صحت" طب یونانی کی خدمت اور یونانی ادویات کی شہرت کیلئے کئی سال سے جاری ہے۔ اس رسالہ کا ہر سال ایک خاص نمبر شائع ہوتا ہے۔ گزشتہ سالوں میں خاص نمبر۔ عورت۔ بچہ و وقت۔ تربیت اطفال۔ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں جولائی ۱۹۳۷ء میں ہمدرد صحت کا خاص نمبر "ضبط تولید اور اصلاح نسل" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس نمبر میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مشہور و معروف حکما اور ڈاکٹروں کے اعلیٰ اور تازہ مضامین شائع ہوئے ہیں

اس زمانے میں جب کہ کمزور نسلیں پیدا ہو کر ملک کی تباہی کا باعث ہو رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے طبی رسالوں کو ہر مرد اور عورت فرض سمجھ کر اپنے مطالعہ میں رکھے۔

ضبط تولید اور اصلاح نسل نمبر "مرد اور عورت کی ہر کمی کو پورا کر سکیگا" جناب حکیم حاجی عبد الحمید صاحب مالک ہمدرد دواخانہ دہلی نے کثیر محنت اور روپیہ خرچ کر کے یہ نمبر تیار کیا ہے۔ رسالہ مخشر خیال کے برابر سائز ہے۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ عمدہ۔ کئی درجن تصاویر اور کارٹوں۔ اعلیٰ ایڈیشن بارہ آنے کا۔ اور ادنیٰ ایڈیشن آٹھ آنے کا۔ ۲۳۲ صفحات۔ ہمدرد دواخانہ بازار لال کنواں دہلی سے خرید یئے۔

کربلا کے بعد

قیمت دو روپے۔ صفحات ۴۰۳۔ لکھائی چھپائی کاغذ بہت عمدہ۔ دفتر رسالہ پیشوا دہلی سے خرید یئے۔

اس کتاب میں حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی خلافتوں کا ذکر ہے اور بنو امیہ کے عہد کے ان مظالم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے اہل بیت اور بنو فاطمہ کو امامت سے محروم رکھنے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے سلسلے میں اہل بیت اور بنو فاطمہ پر کئے۔

ہو سکتا ہے کہ اکثر مسلمان مورخین مولف کی اس رائے سے متفق نہ ہوں اور بنو امیہ کو اتنا ظالم خیال نہ کرتے ہوں جس قدر مولف کتاب سمجھتے ہیں یہ مسئلہ اپنی نوعیت جداگانہ رکھتا ہے۔ بہر حال کتاب پوری محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے۔ پیرزادہ سید عزیز حسن صاحب بقائی مستحق مبارکباد ہیں۔ جنھوں نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ اور پوری بے باکی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کر دی۔ تاریخ اسلام سے ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

حکایات صحابہ

۲۴۰ صفحات۔ لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ عمدہ۔ قیمت بارہ آنے۔ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ناشر کتب خانہ رشیدیہ متصل جامع مسجد دہلی۔

مولف کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں صحابی مردوں۔ صحابی عورتوں۔ صحابی بچوں کے زہد و تقویٰ۔ فقر و عبادت۔ علمی مشاغل۔ ایثار۔ ہمدردی بے مثل جرأت و بہادری۔ حیرت انگیز اور ایمانی قوت کے واقعات درج کئے ہیں۔

راقم الحروف نے اس کتاب کو کہیں کہیں سے دیکھا ہے۔ واقعی مولف نے محنت کے ساتھ "صحابہ" کے حالات جمع کئے ہیں۔ مدح صحابہ اور نیز اس کے دور میں اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

محبّت کا افسانہ

ساڑھے تین سو صفحات۔ کتابی سائز۔ لکھائی۔ چھپائی کاغذ بہت عمدہ۔ مجلد کتاب کی قیمت دو روپے۔ ل۔ احمد صاحب۔ منٹولہ آگرہ سے خرید یئے۔

ہندوستان کے مشہور و معروف افسانہ نگار حضرت لطیف الدین احمد صاحب یعنی ل۔ احمد صاحب نے اس کتاب میں افسانہ نگاری کے ذریعہ شادی کی مسرتوں سے دلچسپ اور حکیمانہ بحث کی ہے۔ ہر باب اور افسانے میں معاشرت اور اخلاق کے مسائل حل کئے ہیں۔

ہر اہل ذوق کے پاس ل۔ احمد صاحب کے افسانوں کا یہ مجموعہ رہنا چاہیئے۔

عِصمت کی دیوی

(چودہ برس کی نوجوان لڑکی گھر سے غائب ہو گئی۔ اس کا باپ اور گھر کے تمام لوگ پریشان تھے کہ آخر یہ کیا راز ہے؟ ہوس پرستی کا عبرت انگیز انجام)

رضیہ کا بچپن تو خیریت سے گذر گیا مگر جب اُس پر نوجوانی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو وہ کچھ سے کچھ نظر آنے لگی۔ اُس کے چہرہ پر حسن کی پوری شانیں جھلکنے لگیں اور وہ ایک بہترین حسین دوشیزہ معلوم ہونے لگی۔ رضیہ کی تعلیم کا انتظام ماں باپ کی نگرانی میں کالج سے زائد ہو چکا تھا۔ اس لئے اس میں دو حسن تھے۔ ایک خوبصورتی اور دوسرا علم۔ ابھی اُس کی عمر چودہ سال کی تھی کہ ادھر اُدھر سے شادی کے پیغام آنے لگے۔ مگر والدین نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی رضیہ بچی ہے۔ دیکھا جائے گا جلدی کیا ہے۔ انہی پیام دینے والوں میں رشید مرزا ایک رئیس زادے بھی تھے، باپ کے مرنے کے بعد بے انتہا دولت ہاتھ لگی تھی اس لئے بڑی آزادی سے عیش و عشرت میں روپیہ خرچ کر رہے تھے جس محلہ میں رضیہ کے والدین رہتے تھے اسی میں یہ بھی رہتے تھے تین چار مکانوں کا فاصلہ تھا۔ ایک دن جب کہ رضیہ نہا کر اٹھی تھی اور بال کھولے ہوئے کپڑے پہن رہی تھی رشید مرزا نے اُسے دیکھ لیا اور دل سے عاشق ہو گئے۔ مگر رضیہ نے جب یک بیک دیکھا کہ ایک غیر شخص اُسے دیکھ رہا ہے تو وہ بے حد پشیمان ہوئی بے حد شرمندہ ہوئی، اُس کے نہائے ہوئے بدن پر پھر پسینہ آ گیا وہ اک دم چھت پر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنے ہونٹھ دانتوں میں دبا لئے اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ کچھ دیر تک یوں ہی بیٹھی رہی اور سوچتی رہی کہ میں اوپر اس وقت کیوں آئی تھی۔ بڑی دیر میں اُس کی شرمندگی دور ہوئی اور وہ چھت پر بیٹھے بیٹھے نیچے اتر گئی۔ جس کے بعد تمام عمر کسی نے اُسے دن کو یا شام کو کوٹھے پر نہ دیکھا۔ گرمیوں میں بھی جب خوب رات ہو جاتی تو وہ اوپر چڑھتی تھی اور فوراً اپنے بستر پر لیٹ جاتی تھی۔

رضیہ کو یہ تو معلوم تھا کہ اسے ایک غیر شخص نے دیکھ لیا ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ دیکھنے والا کون ہے۔ نہ اُس نے اس کی کوئی تحقیق کی، نہ اسے اس کا خیال رہا مگر رشید مرزا تو گویا سچ مچ کے عاشق ہو گئے، دوست احباب کے سامنے اپنا واقعہ لمبے چوڑے حاشیوں کے ساتھ بیان کیا، چند جھوٹی سچی آہیں کھینچیں، بیٹھے سے لیٹ گئے، لیٹے سے اٹھ بیٹھے، دوست احباب نے سمجھایا تسلی دی، اور اطمینان دلایا کہ حضور رئیس ہیں، شریف ہیں، شریف زادے ہیں، آپ نے جسے دیکھا ہے وہ بھی ایک شریف کی لڑکی ہے۔ اس لئے ہم شادی کا پیغام بھیجتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ لڑکی کے والدین اُسے منظور کرلیں، ماشاء اللہ آپ سا خوبصورت نوجوان پھر ایسا دولت مند، کس کے نصیب میں کہ آپ سا داماد یا آپ سا دولہا پائے۔ جہاں آپ بیاہے جائیں گے اُس دہلیز کے نصیب کھل جائیں گے، آپ ٹھہرئیے تو سہی پیام تو جانے دیجئے لڑکی کے والدین فوراً منظور کر لیں گے۔

رضیہ کے لئے اس قدر پیاموں کی بھرمار ہوئی کہ آخر والدین نے تنگ آکر اس کی شادی کا ارادہ کر لیا اور سات درخواستوں میں سے ایک درخواست مسٹر حامد حسین ڈپٹی کلکٹر کے صاحبزادے نفیس حسین کی منظور کر لی۔

رضیہ کے والدین گو زیادہ دولت مند نہ تھے۔ مگر اپنی لڑکی کے مستقبل کو سنوارنے کی امکانی کوشش کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے نفیس حسین کو منتخب کر لیا۔ جو بی۔ اے کا ایک اٹھارہ سالہ حسین نوجوان تھا۔

اس انتخاب کے بعد رضیہ کے والد چاہتے تھے کہ منظوری کا خط مسٹر حامد حسین کو لکھ دیں کہ اتنے میں ایک نوجوان شخص بڑے ٹھاٹھ باٹ سے موٹر میں سوار اِدھر سے گزرا اور رضیہ کے مکان کے دروازہ پر موٹر ٹھہرا کر ملازم سے کہا کہ یعقوب علی صاحب کو آواز دے۔ ملازم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور رضیہ کے والد فوراً باہر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک رئیس ان کے دروازہ پر موٹر لئے کھڑا ہے۔ وہ بڑے حیران ہوئے سلام کیا اور پوچھا آپ کو کس سے کام ہے۔ موٹر سوار نے کہا مجھے آپ ہی سے کام ہے۔ یہ سنکر رضیہ کے والد نے مردانہ نشست کے دروازے کھولدئے اور آنے والے نو وارد شخص کو عزت کے ساتھ کرسی پر بٹھا کر پوچھا فرمائیے کیا ارشاد ہے؟

نو وارد (ایک مرصع معطر رومال دیتے ہوئے) لیجئے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

یعقوب علی نے رومال کھولا۔ تو اس میں حظر میں لکھا ہوا ایک خط تھا انہوں نے رومال لاپروائی سے میز پر رکھدیا اور خط پڑھنے لگے خط کا مضمون یہ تھا:۔

جناب والا! میں اس محلہ کا رئیس ہوں غالباً آپ مجھ سے اور میرے خاندان سے واقف ہوں گے والد صاحب کے انتقال کے بعد تمام املاک اور جائداد کا میں بلا شرکت غیرے مالک و مختار ہوں۔ دو گاؤں ہیں۔ چند

انتظامات بھی ہیں اور پچیس ہزار روپیہ بینک میں جمع ہے۔ میری عمر اس وقت ۲۵ سال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ اور اپنی لڑکی کا عقد مجھ سے کر دیں۔ میرے یہاں تمام انتظامات مکمل ہیں صرف آپ کی منظوری کی دیر ہے۔"

آپ کا خادم رشید مرزا

جب یعقوب علی خط پڑھ چکے تو پیام لانے والے نے نمک مرچ ملا کر خوب خوب رشید مرزا کی شان میں تعریفی قصیدے پڑھے اُس کے حسن و جمال کی تعریف کی دولت مندی کا رعب جمایا۔ ان سب باتوں کے جواب میں یعقوب علی نے کہا بہت اچھا میں ذرا سوچ لوں پھر جواب دوں گا۔

پیام لانے والا شخص سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ یعقوب علی اندر آئے اور اپنی بیوی سے تمام قصہ کہا۔ بیوی نے کہا بات تو اچھی ہے مگر میں نے سنا ہے کہ لڑکے کی عادتیں اچھی نہیں ہیں۔

یعقوب علی۔ عادتیں اچھی؟ وہ تو اوّل درجہ کا شرابی اور عیاش ہے۔ میں تو اس کی رگ رگ سے واقف ہوں روز راتوں کو طوائفیں آتی ہیں ۲-۲ بجے رات تک ادھم رہتا ہے تمام محلے والے تنگ ہو گئے ہیں، ہزاروں شکایتیں سن چکا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آوارہ مزاج چھوکرے کو میرے یہاں پیام بھیجنے کی جرأت کس طرح ہوئی؟

بیوی۔ تو پھر؟

یعقوب علی۔ تو پھر کیا میں صاف لکھے دیتا ہوں کہ پیام منظور نہیں ہے۔

بیوی۔ کوئی قصہ تو نہیں بڑھے گا؟

یعقوب علی۔ قصہ ہی کیا ہے۔ پیام کا منظور کرنا نہ کرنا تو ہمارے اختیار میں ہے۔ میں صاف لکھ دوں گا کہ چونکہ لڑکی ایک جگہ منسوب ہو چکی ہے۔ اس لئے مجبوری ہے۔

بیوی۔ ہاں بس یہی ٹھیک ہے اور پھر جلد از جلد نکاح کی تاریخ بھی مقرر کر دی جائے۔ حامد حسین خود جلدی کر رہے ہیں۔

یعقوب علی۔ ہاں مگر میں نے سوچا تھا کہ نفیس بی۔ اے کے امتحان سے فارغ ہو جائیں تو پھر یہ کام ہو۔ مگر اب تاخیر کی ضرورت نہیں۔

میاں بیوی میں یہ مشورہ ہو چکا تو یعقوب علی نے ایک خط رشید مرزا کو بھیجا اور لکھ دیا کہ چونکہ لڑکی مسٹر حامد حسین ڈپٹی کلکٹر کے صاحبزادے سے منسوب ہو چکی ہے اس لئے میں مجبور ہوں کہ آپ کا پیام منظور نہیں کر سکتا۔

دوسرا خط انہوں نے مسٹر حامد حسین کو لکھا کہ جہاں تک ممکن ہو تقریب جلد از جلد مکمل ہو جانی چاہئے۔ میں رات کو آکر آپ سے کچھ باتیں بالمواجہ کروں گا۔

رشید مرزا کی یہ آرزو کہ جلد سے جلد رضیہ کو حاصل کر لے بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی اُسے کسی بات میں لطف نہ آتا تھا۔ اُس نے اپنی بہت سی عیش کوشیاں ترک کر دی تھیں اور وہ ہر وقت رضیہ کے خیال میں محو رہتا تھا جس کا نام اُسے محلہ والوں سے بمشکل معلوم ہوا تھا اس نے رضیہ کا نام ایک کاغذ کے خوبصورت منقش بورڈ پر لکھوا کر اپنی خلوت گاہ میں لگا لیا تھا اور اسی طرح اس کا نام اس نے دل پر بھی لکھا ہوا تھا۔ اُسے کامل یقین تھا کہ اس کی درخواست منظور ہو جائے گی مگر ایک نوکر کے ہاتھ جو خط اسے وصول ہوا اس نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے چلا کر کہا "ایسا نہیں ہو سکتا۔ نفیس ڈپٹی کلکٹر کا بیٹا؟ کا بیٹا کیوں نہ ہو مگر میرے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

اس کے دوست جو وہاں بیٹھے تھے سہم گئے اور دبی زبان سے کہنے لگے۔ حضور کیا ہے۔ کیا بات ہے۔ کون نفیس۔ کون ڈپٹی کلکٹر؟

رشید نے یعقوب علی کا خط اُن کی طرف پھینک کر کہا "لو پڑھو خدا کا غضب ہے کہ ایک رئیس کے مقابلہ میں گورنمنٹ کے ایک معمولی ملازم کو ترجیح دی جا رہی ہے کیا یہ ممکن ہے؟ کیا یعقوب علی اپنی اس تجویز میں کامیاب ہو جائیں گے؟ میں زمین آسمان کے قلابے ملا دوں گا۔ ساری دنیا کو ہلا دوں گا مگر رضیہ کو کبھی نفیس کے پہلو میں نہ جانے دوں گا۔ نفیس نفیس! نفیس خبیث کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے!"

وہ غصہ میں کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا اور وہ اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے رضیہ کا نام دیوار پر دیکھا اُسے بوسہ دیا۔ اور کہا "تم میری ہو اس لئے میرے پاس آنے کے لئے تیار رہو۔"

محبت کے جذبات غصہ پر غالب آ گئے اور رشید مرزا کے چہرہ پر رنگ کی کیلی مسکرانے لگی تو دوستوں نے کہا رضیہ کتنی بدنصیب ہے اور اس کے والدین کس قدر بے وقوف ہیں وہ آنکھیں دیکھی دولت کو ٹھکرا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نفیس کی کچھ سازش ہے اور عجب نہیں کہ نفیس اور رضیہ میں پہلے سے کچھ ساز باز ہو۔ رشید مرزا نے کہا پھر اب کیا کرنا چاہئے۔ میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ رضیہ صرف میرے پہلو کی زینت ہو سکتی ہے۔ کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ دس منٹ کے بعد رشید مرزا نے ایک دوست سے کہا آپ جائیے اور ابھی پتہ لگا کر آئیے کہ شادی کی کونسی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اُسے بھیجنے کے بعد سب کھانے پر بیٹھ گئے جانے والا واپس آیا اور کہا۔ شوال کی ۱۰ تاریخ جمعہ کا دن مقرر ہو گیا ہے۔

رشید مرزا۔ کیا! یعنی اسی ہفتہ میں۔؟

وہ پانچ منٹ کے لئے پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دوست محسن کو اشارہ سے الگ بلا کر کچھ کہا محسن فوراً چلا گیا۔ اور مجلس مشاورت پھر تھوڑی دیر کے لئے ختم ہو گئی۔

عید آئی اور اپنی پوری عظمتیں اور مسرتیں دنیا پر [illegible] کرکے چلی بھی [illegible]
دن جلدی جلدی گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ ۲۰ تاریخ اور جمعرات کا دن بھی
آگیا۔ یعقوب علی اور مسٹر حامد حسین کے گھروں میں مہمان جمع ہوئے۔ شادی
کا جلوس مرتب ہوا۔ دیگیں کھڑکنے لگیں مگر دلوں پر نحوست برسنے لگی کیونکہ کل
سہ پہر کا دن وداع کے لئے مقرر تھا۔

رضیہ کی طبیعت ہمیشہ سے خلوت پسند تھی، مگر شادی کے دنوں میں
مہمانوں کے ہجوم نے اُسے بے حد پریشان کر دیا تھا وہ رسماً کہیں جا بھی نہیں سکتی
تھی اور دلہنوں کی طرح ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے ۱۰ بجے تھے۔ کچھ مہمان
سو رہے تھے کچھ جماہیاں لے رہے تھے، باہر کھانا پکنے کا انتظام تھا کبھی کبھی
کوئی لڑکا اندر آکر مسالہ یا چاول یا گھی لے جاتا تھا، بہرحال ہنگامہ نہ تھا اور
صبح کے لئے سب آرام کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت اپنی جگہ سے اٹھی
جو نہیں معلوم کہاں سے آئی تھی اور جو رضیہ کی معلمہ کی بہن بتائی جاتی تھی وہ اٹھ کر
رضیہ کے پاس گئی اور چپکے سے کہا "بیٹی کب سے بیٹھی ہو چلو پیشاب پاخانہ سے
فارغ ہو لو پھر صبح ہونے والی ہے۔" رضیہ کو شاید یہ ضرورت پہلے سے محسوس ہو رہی
تھی معاً اس زینے میں گئی، اس کی ماں نے دیکھا کہ رضیہ اوپر جا رہی ہے، اس
نے کہا "میں چلوں بیٹی" مگر اس عورت نے کہا "جی نہیں آپ تکلیف نہ کریں، میں
جا رہی ہوں۔"

جب رضیہ اور یہ عورت اوپر پہنچ گئی تو رضیہ سنڈاس میں چلی گئی اور عورت
چھت پر آئی نیچے اِدھر اُدھر دیکھا کسی کو کچھ اشارہ کیا اور پھر زینے میں آکر کھڑی ہو گئی
اتنے میں رضیہ بھی فارغ ہو کر نکلی، وہ ابھی باہر آئی ہی تھی کہ اس نامراد کمبخت
عورت نے کلوروفارم کا ایک رومال رضیہ کی ناک پر رکھ دیا۔ وہ کسمسائی اور اس
نے بہتیری چیخنے اور چلانے کی کوشش کی مگر منہ اس بری طرح سے بند کر دیا گیا
تھا کہ آواز نہ نکل سکی۔ آخر رضیہ بے ہوش ہو گئی۔ مکان کی شرقی دیوار کے پیچھے
افتادہ زمین تھی وہاں پہلے سے سیڑھی لگی ہوئی تھی جس پر ایک مرد چڑھ آیا اور
رضیہ کو لے کر نیچے اتر گیا غرض اس پر کمال دیا گیا اور خدا جانے کس طرف سے اسے
لے کر کہاں غائب ہو گیا۔ وہ عورت بھی سیڑھی سے اتر گئی اور سیڑھی لیکر غائب
ہو گئی۔ یہ سب کچھ دس منٹ کے اندر اندر ہو گیا۔

جب رضیہ کو اوپر گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو اس کی ماں نے پہلے اسے
آواز دی، جب کوئی جواب نہ ملا تو اس کا پلنگ دیکھا، وہ خالی پڑا ہوا تھا پھر
وہ اوپر گئی وہاں بھی کوئی نہ تھا سنڈاس دیکھی تو وہ بھی خالی، اِدھر دیکھا
اُدھر دیکھا سارا گھر چھان مارا مگر کہیں پتہ نہ چلا آخر اس نے نیچے صحن میں
مضطربانہ بھرائی ہوئی آواز میں زور سے پکارا "رضیہ!" اس کی آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ قلب کی کمزوری کی وجہ سے چکر کھا کر فوراً گر پڑی
پھر عورتیں گھبرا کر اٹھیں اور سنبھالا۔ رضیہ کے باپ اور دوسرے عزیز و اقارب
بھی جو باہر کام کر رہے تھے اندر آگئے۔ پوچھا کیا ماجرا ہے؟ عورتوں نے کہا کچھ
نہیں ابھی تو اچھی طرح اِدھر اُدھر کام کرتی پھر رہی تھیں۔ یکایک صحن میں
کھڑے ہو کر رضیہ کو آواز دی۔ اور پھر گر پڑیں۔ یعقوب علی نے کہا رضیہ کہاں
ہے؟ کہہ کر اس نے ڈھونڈا مگر کہیں رضیہ کا پتہ نہ تھا۔ سب ڈھونڈنے لگے
اور ڈھونڈتے رہے جتنی دیر زیادہ ہوتی جاتی تھی لوگوں کا اضطراب اور
یعقوب علی کی گھبراہٹ بڑھتی چلی جاتی تھی رضیہ کوئی سوئی نہ تھی جو اس طرح
کھو جاتی اور نہ ملتی ۱۴ برس کی نوجوان لڑکی اور گھر میں سے یکایک غائب
ہو جائے باپ پر بھی ایک قیامت آگئی، کیا کھانا کیسا انتظام۔ اس کے آنسو
نکل آئے اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ کہتا تھا "میری رضیہ کو ڈھونڈو وہ گھر
سے کہاں جا سکتی ہے۔ دس برس سے اس معصوم بچی نے ڈیوڑھی میں بھی قدم
نہیں رکھا ہے۔ وہ یہیں ہے اسے ڈھونڈو"

اس کا دماغ معطل ہو گیا تھا اور اس اچانک واقعہ نے اس کے ہوش
و حواس کھو دیئے تھے۔ وہ آدھ گھنٹہ تک بہت پریشان رہا مگر بعض معتبر
عزیز اِدھر اُدھر تلاش کے لئے فوراً روانہ ہو گئے۔ تھانہ میں فوراً اطلاع کی گئی
ڈپٹی کلکٹر صاحب کو فوراً اطلاع دی گئی، وہ بے چارے اسی وقت گھبرائے
ہوئے یعقوب علی کے پاس آئے۔ یعقوب علی انہیں دیکھ کر رونے لگے اور [illegible]
لگے۔ تمام واقعہ بیان کیا آخر لڑکی کی باقاعدہ تلاش شروع ہو گئی، اور [illegible]
پرسش کیا گیا۔ چنانچہ اسی وقت اسے آواز دی گئی وہ گھر سے باہر نکل آیا اور
کہا فرمایئے کیا ہے، ڈپٹی صاحب نے اپنی ذمہ داری پر پولیس کو حکم دیا کہ رشید
مرزا کے مکان کی تلاشی لی جائے۔ ڈپٹی صاحب کا حکم سن کر فوراً مکان کی تلاشی
لی گئی۔ لیکن رضیہ کا پتہ نہ ملا۔ ایک ریوالور اور اس کے نام کا سائن بورڈ اور میز پر
کچھ خطوط اور لکھے ہوئے کاغذات ملے جنہیں پولیس نے فوراً اپنے قبضہ میں
کر لیا۔ اس کے بعد سب لوگ گھر واپس آگئے اور مزید کارروائی کے لئے صبح کا
انتظار کرنے لگے۔ اب سے ایک گھنٹہ پہلے جو گھر عشرت خانہ بنا ہوا تھا اب
وہی ماتم خانہ نظر آتا تھا۔ تمام انتظامات جہاں تھے وہیں معطل کر دیئے گئے
اور مردوں، عورتوں میں سر جوڑ کر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

*

رضیہ کو ہوش آیا تو وہ ایک ویرانہ کے کسی ویران مکان میں تھی جس کا
دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ بہت پریشان ہوئی اور سمجھی کہ میں کوئی خواب
دیکھ رہی ہوں اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے پھر کھولیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ
خواب نہیں ہے دماغ پر زور ڈالا اور اسے زینہ پر جو حادثہ ہوا تھا وہ یاد آگیا
وہ اس واقعہ سے لرز اٹھی، اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ کسی سازش کے ذریعہ کسی
خاص کام کے لئے یہاں لائی گئی ہے۔ ایک جالا لگے ہوئے طاق میں چھوٹی سی
موم بتی جل رہی تھی اس نے اسے اٹھا کر اِدھر اُدھر اچھی طرح دیکھا۔ مگر کوئی نہ ملا
وہ چاہتی تھی کہ دیوار پھاند کر یا دروازہ توڑ کر یا کسی اور طرح یہاں سے نکل جائے
کہ یکایک دروازہ کھلا اب کوئی ۵ بج چکے تھے صبح صادق کا اجالا پھیلتا جا رہا

اتنے میں دروازے سے داخل ہوئے ایک نہایت حسین و جمیل دوسرا شاہچہ کہ نظر حسین نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"رضیہ، میری شہزادی میں تمہارا غلام ہوں۔ معاف کرنا میری وجہ تمہیں بہت تکلیف ہوئی"

رضیہ بہت تھکی تھی کہ اس کے کپڑے بدن بند ڈھیلے پڑ گئے وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپٹ گئی اس نے دیوار کی طرف اپنا منہ پھیر لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی "آپ کون ہیں؟ اور میں یہاں کیوں لائی گئی ہوں؟"

رشید مرزا:۔ میرا نام رشید مرزا ہے۔ میں تمہارے ہی محلہ کا ایک رئیس ہوں۔ میں نے تمہارے لئے شادی کا پیام دیا تھا۔ تمہیں ایک دن کوٹھے پر دیکھ کر مجھ کو تم سے محبت ہو گئی تھی، مگر تمہارے والد نے اس پیام کو بری طرح ٹھکرا دیا۔ وہ تمہاری شادی کسی اور جگہ کرنا چاہتے تھے اور یہ بات مجھے کسی طرح گوارا نہ تھی۔ اس لئے اس سے پہلے کہ تمہارا نکاح ہو میں نے تمہیں یہاں اٹھوا منگایا اور اب یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔ میں اپنی محبت کی وجہ کر مجبور ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ تم اس محبت کی قدر کرو گی۔

رشید مرزا بڑے اطمینان کے ساتھ یہ باتیں کر رہا تھا اور رضیہ نقش بدیوار کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ جب رشید مرزا اپنی ساری کہانی کہہ چکا تو رضیہ میں ایک نہایت معمولی اور بمشکل محسوس ہونے والی حرکت ہوئی۔ رشید مرزا جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر جب خاموشی نے طول کھینچا تو اس نے کہا۔

"ہاں میری جان سے زیادہ عزیز محبوبہ بولو تم نے میرا قصور معاف کر دیا ہے"

خاموشی بدستور جاری تھی۔ رشید مرزا کو خوف تھا کہ کہیں دن نہ نکل آئے۔ اور ایسا نہ ہو کہ کسی کو ہمارا حال معلوم ہو جائے اس لئے اس نے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔

"کچھ منہ سے بولئے کہ بہت دیر ہو گئی"

اس کے منہ سے آخری جملہ نکلا ہی تھا کہ رضیہ دھڑ سے زمین پر گری، دو چار ہچکیاں آئیں اور ہمیشہ ٹھنڈی ہو گئی۔

رشید مرزا اس واقعہ سے متاثر ہو کر ابھی تک خیالات میں گم تھا کہ دروازہ کسی نے زور سے کھٹکھٹایا۔ ڈپٹی صاحب یعقوب علی، اور پولیس کے افسر وغیرہ ایک دم سے ایک صورت کے اندر داخل ہو گئے۔ رشید اور اس کا ساتھی گرفتار کر لیا گیا۔ رضیہ کا باپ دوڑا ہوا رضیہ کے پاس آیا۔ اس نے اسے فوراً گود میں اٹھا لیا مگر اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ وہ اپنی عصمت اور غیرت پر قربان ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں ... رنگ سے خالی تھی اور اس کی آنتیں کٹ کٹ کر اس کے ... منہ سے باہر رہی تھیں۔

نگارِ اولین

کہاں ہیں وہ تصور وہ ادائیں | کہاں ہیں وہ تحیر زا فضائیں
کہاں ہیں عشق کی پیچیدہ گھاتیں | کہاں ہیں حسن کی وہ خیرہ راتیں
کہاں پُر لطف وہ گذرے فسانے | کہاں ہیں اب وہ عشرت کے زمانے
نظر میں طور کے جلوے یکایک | تصور خلد کا دل میں بلا شک
جہانِ آرزو پُر نور گویا ہو | نظر کے سامنے اک حور گویا
حیات افزا گئے کانوں میں آواز | کہ جس سے زندگی کا چھڑ گیا ساز
فضا میں ہر طرف نغموں کی بارش | کہ پیدا قلب میں ہو جس سے گرزش
سکونِ دل میں اک ہلچل مچا دی | شادی میری دنیا ہی مٹا دی
تصور میں وہ نازِ بے حجابی | وہ شرمائی ہوئی آنکھیں گلابی
کبھی تیور میں بل نشتر کی صورت | کبھی صد رشک اک معصوم مورت
کبھی انداز سے بجلی گرا دے | کبھی شوخی سے سو فتنے اٹھا دے
کبھی دیکھے مری جانب جو ہنس کر | لگا دے خرمنِ ہستی کو ٹھوکر
جوانی اور پھر اٹھتی جوانی | ہر اک عشوہ بہ طرزِ دل ستانی
تبسم پاشیاں وہ روح پرور | قیامت خیزیاں ہر ہر قدم پر
ہوا سے یک بیک آنچل کا ڈھلنا | بصد انداز گھبرا کر سنبھلنا وہ
غرض یہ ہے کہ دنیا کی بلا میں | پھنسائے مجھکو ذوقِ مدعا میں
اگر اب ہوش ہے تو اس قدر ہے | جبیں میری ہے اور اک رہگذر ہے

لبِ انجم پہ اب اتنا ہے شکوہ
کرم ہے یہ نگاہِ اولیں کا

محمد عبد القیوم انجم حیدرآبادی

یورپین تہذیب کی عریانی:-

عشق کے کارنامے

ایک یورپین لڑکی لکھتی ہے:-

ایک نوجوان مرد سے مجھے انتہائی محبت ہے۔ میں اسے دل و جان سے چاہتی ہوں اور اس نے بھی حال ہی میں میرے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں محبت کے باوجود اس کے ساتھ شادی کرنے سے ہچکچاتی ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ شخص میرے ساتھ اس قدر زیادہ محبت نہیں کرتا۔ جتنا میں اسے چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کوئی اور خوبصورت لڑکی مل گئی۔ تو پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اب میں کیا کروں کیا مجھے اس کی دعوت منظور کر لینی چاہیئے یا کچھ دیر مزید انتظار کرنا چاہیئے۔

ایک اور لڑکی کی پریشانی سنئے:-

میری ساس پرانے فیشن کی ہے اور میرا خاوند بھی اپنی والدہ کی ہدایتوں پر عمل کرتا ہے۔ موجودہ گرانی و بازاری کی وجہ سے ہر ایک کو اپنی روزی کی فکر پڑی ہے۔ قدرتی طور پر میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ ہمارے اخراجات کم ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ میں تمام انتظامات لے لئے ہیں۔ اور اخراجات کو کم کر دیا ہے۔ لیکن میری ساس مطمئن نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ میں کہیں کام کر کے باقاعدہ روزی کماؤں اور میرا خاوند بھی اندھا دھند اپنی ماں کی تقلید کرتا ہے۔ حالانکہ انہیں یہ علم نہیں کہ اگر میں نے کہیں ملازمت کر لی تو پھر گھر کا انتظام بگڑ جائے گا۔ اور میری ہر وقت ساس گھر میں دگنا خرچ کر دیا کرے گی۔ میں اپنے خاوند کو کیونکر سمجھاؤں۔

ایک لڑکی لکھتی ہے:-

میں اپنے خاوند سے محبت کرتی ہوں اور اسے بھی مجھ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ لیکن اس نے ایک وصیت کر رکھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے لڑکا پیدا ہو۔ تو وہ اپنی تمام جائداد ہمیں دے ڈالیں گے۔ لیکن میرے خاوند کے چچا بھی ہمارے مکان کے سامنے رہتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح وصیت تبدیل ہو جائے۔ ان کا یہ شیوہ ہے کہ وہ میرے سسر کو میرے خلاف گمراہ کرتے ہیں۔ جب کبھی کوئی مرد مجھ سے ملنے آتا ہے تو وہ میرے سسر سے مبالغہ آمیز لہجہ میں کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی نہ ملنے آئے۔ لیکن اگر کوئی آ ہی جاتا ہے تو میں اسے کیونکر روک سکتی ہوں۔ میرا خاوند میری نیک نیتی کو سمجھتا ہے لیکن اس کے پاس بھی اس مرض کا کوئی علاج نہیں۔ میرے چچا کا اثر و رسوخ زیادہ ہے وہ محض وصیت میں تبدیلی کرانے کی غرض سے ایسا کرتا ہے۔ میں نے اپنے خاوند سے بارہا اس امر کا ذکر کیا۔ لیکن وہ بالکل بے بس ہے اور اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حیران ہوں کہ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے کیا کروں۔ اگر میرے سسر کے دماغ میں یہ بٹھا دیا گیا کہ میں غیر مردوں سے محبت کرتی ہوں تو ہمیں ایک کوڑی بھی نہ مل سکے گی۔

ایک یورپین مرد لکھتا ہے:-

میں پچھلے دنوں سخت بیمار ہو گیا۔ اور کافی مدت بستر علالت پر پڑا رہا اس دوران میں ایک نرس نے میری انتہائی خدمت کی۔ اس قدر محبت اور دلجوئی سے خدمت کی کہ دنیا کے سکے اس کا معاوضہ نہیں ہو سکتے۔ میں نے کافی دیر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس کی خدمات کا معاوضہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں۔ میں نے شادی کی انگوٹھی اسے پہنا دی اسے انگوٹھی پہنے ہوئے کافی مدت ہو گئی۔ لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا ہے اب اس نرس سے مجھے محبت نہیں رہی۔ بلکہ میں کسی اور لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ اور میں بھی اسے چاہتا ہوں۔ میرے سامنے یہی مشکل ہے کہ میں اس نرس کو کیونکر اطلاع دوں کہ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتا۔

ایک اور یورپین مرد کی پریشانی سنئے:-

دو سال ہوئے میری شادی ہوئی، میری بیوی بڑی سعادتمند اور فرمانبردار ہے، ہم دونوں کو ایک دوسرے سے محبت ہے۔ نہ بہت امیر ہیں۔ اور نہ غریب۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا آپس میں جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ موجودہ کساد بازاری جیسے حالات میں بچے پیدا کئے جائیں۔ لیکن میری بیوی چاہتی ہے کہ گھر میں ایک دو بچے ضرور ہوں۔ وہ اصرار کرتی ہے اور میں پریشان ہوں کہ کیا کروں۔

شادی کیوں کی جاتی ہے

(از جناب بلبوق صاحب)

یہ سوال پڑا ٹیڑھا ہے کہ "لوگ شادی کیوں کرتے ہیں؟" بظاہر اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ "عورت و مرد کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے" لیکن موجودہ حالات میں عموماً شادی کی یہ حقیقی وجہ نہیں ہے بلکہ شادی تمدنی زندگی کی ایک رسم سی ہو گئی ہے۔

میں نے اس بارے میں اکثر شادی شدہ اشخاص سے دریافت کیا لیکن کسی نے کوئی معقول جواب نہیں دیا جو جوابات اس سلسلہ میں مجھ کو حاصل ہوئے ہیں وہ اس قدر مختلف ہیں کہ ایک بھلے اور سمجھدار آدمی کو حیران و پریشان اور بے ہوش و حواس بنا دینے کے لئے کافی ہیں میں ان جوابات کو ناظرین کے تفنن طبع کے لئے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) ایک صاحب کا بیان تو یہ ہے کہ "میری شادی کمسنی میں ہوئی اور اس کی ساری ذمہ داری والدین پر ہے۔

۲۔ ایک صاحب کو اپنے حسن پر بڑا ناز ہے ان کا خیال ہے کہ ان کی شادی محض ان کی صورت کی بدولت ہوئی۔

۳۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "میرے پڑوس میں ایک منشی صاحب رہتے تھے جن کی ایک ہی لڑکی تھی۔ میں نے از راہ ہمدردی خود ہی بات چیت کر کے شادی کر لی"

۴۔ ایک صاحب کو اپنی وراثت کے لئے اولاد نرینہ کی ضرورت تھی چنانچہ آپ نے اسی دھن میں شادی کر لی مگر بدقسمتی سے اب تک ان کی سات لڑکیاں ہو چکی ہیں اور اولاد نرینہ کا کہیں پتہ نہیں آپ کا بیان ہے کہ یہ شرارت میری بیوی کی ہے جو مجھے اس طرح کڑھانا چاہتی ہے۔

۵۔ ایک صاحب بڑے دولت مند ہیں۔ اور ان کو اپنی دولت صرف کرنے کا کوئی طریقہ ہی معلوم نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی شادی کر لی۔

۶۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "میرے اعزا و اقربا ہر وقت گھیرے رہا کرتے تھے۔ اس لئے میں نے شادی کر لی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب مجھے امن ہے اور اب میرے ہاں کوئی نہیں آتا"

۷۔ ایک صاحب تمام عمر دوسروں کی تقریبات پر نوتے اور تحفے دیتے دیتے پریشان ہو گئے تو آپ نے ان کی واپسی کی غرض سے آخرکار خود اپنی شادی کر لی۔

۸۔ میرے خسر ایک دولتمند شخص تھے اور ان کی یہ اکلوتی بیٹی تھی اس لئے میرے والد نے شادی کر دی۔

۹۔ میرے باپ دادا سب ہی شادی کرتے چلے آئے ہیں اس لئے مجھے بھی شادی کرنی پڑی۔

۱۰۔ میں ہمیشہ سے خاموش اور کم سخن ہوں انکار نہ کر سکا۔

۱۱۔ میرے خسر نے شروع میں اپنی دولت و ثروت کا بہت اظہار کیا اس لئے میرے والدین نے فوراً میری شادی منظور کر لی۔

۱۲۔ نوکر اچھے نہیں ملتے تھے اگر ملتے بھی تھے تو ٹھہرتے نہیں تھے خصوصاً باورچی اچھا نہیں ملتا تھا۔ شادی کے بعد اس مصیبت سے نجات ملی۔

۱۳۔ میں اپنی جان کا بیمہ کرانا چاہتا ہوں۔ اور بیمہ کے نقشہ کی خانہ پری کے واسطے بیوی کا نام لکھنا ضروری تھا۔

۱۴۔ میری شادی میں ضد ہوئی میرے خسر شادی کے لئے رضامند نہ ہوتے تھے والد کو شادی پر سخت اصرار تھا اس ضد اور اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے خسر کو شادی کرنا ہی پڑی اس لئے میری شادی ہو گئی۔

۱۵۔ میری سسرال والے بڑے عالی خاندان ہیں اس لئے میرے والدین نے کوشش کر کے میری شادی کی۔

۱۶۔ میری تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اس لئے مجھے شادی کرنا پڑی۔

۱۷۔ میری اور میری بیوی کے پیدائش کے قبل ہی ہم دونوں کے والدین میں شادی کی بات چیت پختہ ہو گئی تھی۔

۱۸۔ لوگوں کے اصرار سے والد نے میری شادی کر دی۔

۱۹۔ بقائے نسل و خاندان کی مجبوری سے شادی کرنا پڑی۔

۲۰۔ میری والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور کوئی نگراں حال نہ تھا۔ مجبوراً شادی کرنا پڑی۔

۲۱۔ میری بہن اکیلی تھی اس واسطے شادی کر لی۔

۲۲۔ میں تنہا تھا۔ دفتر جاتے وقت مکان مقفل کرنا پڑتا تھا اس لئے شادی کی۔

۲۳۔ میری ماں نے قسم دلائی تھی اس لئے میں نے شادی کر لی۔

۲۴۔ میری پہلی بیوی کی اولاد کی پرورش کے لئے عورت کی ضرورت

تھی اس لئے شادی کرلی۔

۲۵۔ میری ماں کا خیال تھا کہ وہ جلد مرنے والی ہیں اور میری شادی اپنے ہی سامنے کرنا چاہتی تھیں۔ اس لئے میری شادی ہو گئی لیکن شادی کو دس سال ہوگئے ہیں اور والدہ کا سایہ بفضل الٰہی ابھی تک قائم ہے۔

۲۶۔ طلاق دینے کو جی چاہتا تھا اس لئے شادی کی۔

۲۷۔ میں مریض رہتا ہوں اور کوئی تیمار دار نہیں ہے اس لئے میں نے شادی کرلی۔

۲۸۔ محض اتفاق وقت سے شادی ہو گئی۔

۲۹۔ جس سال میری شادی ہوئی (۲۱) سال بڑی سہالگ تھی ہر شخص کی شادی ہوتی تھی میری بھی ہوگئی۔

۳۰۔ بغیر شادی کوئی پرسان حال نہ تھا اس لئے شادی کرنا پڑی۔

۳۱۔ میں نے شادی نہیں کی ایک آفت مول لے لی۔

۳۲۔ والدہ صاحبہ کی عدول حکمی کی جرأت نہ ہوسکی اس لئے شادی کرلی۔

۳۳۔ میں بڈھا ہونے لگا تھا اگر اب شادی نہ کرتا تو کب کرتا۔

۳۴۔ رفاہ عام کے خیال سے شادی کی۔

۳۵۔ پڑوسی پر لبھتے تھے اس لئے شادی کی۔

۳۶۔ ڈاکٹروں نے شادی کا مشورہ دیا۔ اس لئے شادی کرنا پڑی۔

۳۷۔ میری نظموں اور غزلوں کی کوئی داد نہ دیتا تھا اور مجھ کو ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی اس لئے شادی کرلی۔

۳۸۔ میرے دانت گرنے لگے تھے اور بال سفید ہو گئے تھے اس لئے شادی کرلی۔

۳۹۔ فوج میں شادی شدہ لوگوں کو تنخواہ زیادہ ملتی تھی اس لئے میں نے بھی شادی کرلی۔

۴۰۔ میرا غصہ کوئی برداشت نہ کرتا تھا اس لئے میں نے شادی کرلی۔

۴۱۔ بیوی سے زیادہ کوئی پشت پناہ نہیں ہوتا اس لئے میں نے شادی کرلی۔

۴۲۔ میں خود حیران ہوں کہ میں نے شادی کیوں کی۔

۴۳۔ شادی نوشتہ تقدیر تھی اس لئے کرلی۔

۴۴۔ میں اپنی بہن کی شادی میں آیا تھا اس وجہ سے میں نے بھی شادی کرلی۔

۴۵۔ یار دوستوں کے کہنے سننے سے شادی کرلی۔

انقلاب روزگار

(جناب صاحبزادہ میر محمد عامر عباس عالی العباسی)

جہاں میں خسرو و جم کی بہت شہرہ ہے عظمت کا
مگر عالی بتا تو دے نشاں تک اُن کی تربت کا!

سنا ہے تھا کبھی پہلے زمانہ امن و راحت کا
مگر اب دور دورہ ہے تفکر کا مصیبت کا

کوئی طامع ہو یا قانع غرض سے کون ہے خالی
کوئی جویائے دولت ہے کوئی طالب ہے شہرت کا

پسند خاطر ناشاد ہے دوری زمانہ سے
تصور جاگزیں ہے سر میں جب سے اسکی قربت کا

کہاں تک شکوۂ اطوار احباب زماں کیجئے
ہر اک عادی ہے قطع رشتہ مہر و مروت کا

رہا وہ تیرہ بخت و کور باطن دین و دنیا میں
نہ چمکا نور جس کے قلب پر مہر نبوت کا

نہیں ہے جز تملق دہر میں اب قدرداں کوئی
شرافت کا نجابت کا لیاقت کا حذاقت کا!!

مزدور کا دل

(از جناب حیدر بلگرامی سمروی)

مزدور! مزدور!! ایک کرخت آواز سنائی دی۔
جی بابوجی...... نزدیک ہی سے ایک کمسن مزدور نے جواب دیا۔

"یہ سامان لے چلیگا"
"کہاں حضور؟"
"یہیں اسٹیشن تک"

اس کمسن مزدور نے ایک مرتبہ اس سامان پر نظر ڈالی اور پھر اپنی طاقت کا جائزہ لیا...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے اس نے پیٹی کو ایک مرتبہ ہاتھ سے اٹھا کر دیکھا۔ پھر چھوڑ دیا اپنے بازوؤں کو جھٹکا ایک انگڑائی لی گویا وہ اپنے کو اس کے مقابلہ کے لئے تیار کر رہا تھا۔ ایک بار پھر اس پیٹی کی طرف بڑھا اور اس کو سرکایا۔ پھر اپنی قوت کا اندازہ لگایا اس کے مقابلے میں قوت نے جواب دیدیا......

"سوچتا کیا ہے لے چلے گا تو لے چل ورنہ دوسرے کو بلاتا ہوں"

مزدور کے دل پر ان الفاظ نے بجلی کا اثر کیا وہ گھبرا کر بولا "ابھی لے چلتا ہوں حضور" اور ساتھ ہی وہ خیالات کی رو میں بہہ گیا "پیٹی کافی وزنی ہے۔ کم از کم بارہ پیسہ تو مل ہی جائیں گے۔ ماں بیمار ہے حکیم جی نے دودھ کے لئے کہا تھا اس کو آج ضرور دودھ مل جائے گا اور دعید کی پڑی میرا غم غلط کر دے گی" اس نے مزدوری کے متعلق اپنی تسکین کرنی چاہی "مزدور نے بابوجی کی طرف ایک نگاہ امید ڈالی اور کہا بارہ پیسہ لوں گا"

"بارہ پیسہ"! بابوجی نے حیرت سے منہ کھول کر کہا۔
"آپ خود اندازہ لگائیں کہ پیٹی کس قدر وزنی ہے"
"چار پیسہ دوں گا" چار"
"چار پیسہ تو بہت تھوڑے ہیں حضور"
"لے چلتا ہے تو لے چل میں بحث کرنا نہیں چاہتا" بابوجی نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

مزدور کی آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ اس نے صبح سے اس وقت تک کچھ بھی نہ کمایا تھا۔ اس کی بیمار ماں بستر مرگ پر پڑی دم توڑ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے چار پیسہ...... اور یہ وزن...... میں نہ اٹھا سکوں گا...... نہیں! نہیں!! ضرور اٹھاؤں گا

...... اپنی بیمار ماں کے لئے...... آج میری ماں کو دودھ مل جائے گا...... آج میری ماں کو دودھ ضرور مل جائے گا۔ اس موہوم خوشی سے اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے بہ نکلے اور اس کے منہ پر بکھر گئے۔ اس نے بابوجی کی طرف پھر نظر اٹھائی کہ شاید وہ اس میں اضافہ کردیں...... مگر بابوجی اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ دوسرے مزدور کو آواز دینے لگے (ہندوستان میں مزدوروں کی کیا کمی ہے) ننھے مزدور نے اپنی امید کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھتا دیکھ کر فوراً ہی اس وزنی پیٹی کو ہمت کرکے اٹھا لیا...... اور اسٹیشن کی طرف چلنے لگا......

سورج کی آخری کرنیں دم توڑ رہی تھیں۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھا رہے تھے۔ سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے اس وقت اچھی خاصی ٹھنڈک ہو گئی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے بدن میں تیر کی طرح پیوست ہو رہے تھے بابوجی اپنے گرم کوٹ میں ملبوس رعونت کے ساتھ آگے چل رہے تھے اور کمسن مزدور اسی خستہ حالی میں اس سردی سے مقابلہ کر رہا تھا اور اس تیز ہوا کو چیرتا ہوا چل رہا تھا۔ وزن کی وجہ سے اس کے پیروں میں لغزش تھی وہ بار بار خود کو سنبھال رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے۔ شہر کی بھیڑ بھاڑ موٹر اور تانگہ والوں کی ہٹو بچو سے بچتا ہوا مزدور اسٹیشن پر پہنچا وہ اپنی اس کامیابی پر مسکرا رہا تھا وہ اپنے دل میں بہت خوش تھا۔ کہ میں نے اب میدان مار لیا ہے وہ سانس لینے کے لئے رکا تاکہ اپنی رفتار تنفس کو ٹھیک کرے بابوجی نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا جلدی چلو ورنہ گاڑی چھوٹ جائے گی۔ مزدور سہم گیا اور جلد، جلد قدم بڑھانے لگا......

گاڑی کو پلیٹ فارم چھوڑنے میں دو منٹ باقی تھے۔ مزدور خود کو ریلا پیلی سے بچاتا ہوا چل رہا تھا۔ مگر بدقسمتی سے وہ اس جلد بازی میں فرش پر پڑے ہوئے کیلے کے چھلکے کو نہ دیکھ سکا اس کا پاؤں اس پر پڑا اور وہ پھسل گیا۔ مزدور دھڑام سے گر پڑا وہ پیٹی جھٹکے سے دور جا کر پڑی بابوجی نے پلٹ کر دیکھا اور اس مزدور کو اٹھانے کی بجائے ایک زبردست ٹھوکر اس ننھی سی جان کے ماری جس کی وجہ سے وہ غریب اور بھی تلملا گیا ایک پتلی سی خون کی دھار اس کے منہ سے نکلی اور چہرے پر پھیل گئی۔ مزدور نے ایک آہ کی اور بولا "معاف کرنا ماں...... میں تجھے دودھ نہ پلا سکا...... میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا......

پُراسرار مکان

(از جناب محمد عمر کیفی انصاری لکھنوی)

ڈاکٹر نے اپنے چہرہ کو ہنس مکھ بناتے ہوئے کہا۔
خان بہادر صاحب! میری رائے میں آپ کی صاحبزادی کی صحت کی صرف ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ آپ اس قصبہ کو چھوڑ کر فوراً مادھوپور چلے جائیں۔ مادھوپور کی آب و ہوا تمام بنگال میں لاجواب اور صحت بخش تسلیم کر لی گئی ہے۔

وہاں کتنے عرصہ قیام کرنا ہوگا۔

کامل تین برس۔ آپ کی صاحبزادی کی حالت نازک ہے۔ اگر آپ نے میری تجویز پر فوری عمل نہ کیا تو شاید چھ ماہ بعد آپ کی صاحبزادی اس علاج کے قابل بھی نہ رہیں گی۔

فیس کے نوٹ جیب میں رکھ لینے کے بعد ڈاکٹر چلا گیا۔ خان بہادر سرفراز علی خاں نے اپنی بیوی زاہدہ کی طرف دیکھا۔ زاہدہ نے اپنی آنکھوں سے آنسو پاک کرتے ہوئے کہا۔

اب کیا ہوگا۔ ہماری اکلوتی اولاد امینہ کی جان کا سوال ہے۔
خان صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ ان کو قصبہ کے ذرہ ذرہ سے الفت تھی اس لئے کہ وہ قصبہ کے رئیس تھے مجسٹریٹ تھے۔ اور ہر انجمن کے صدر تھے۔ قصبہ کا بچہ بچہ انہیں عزت اور محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

زاہدہ نے دوبارہ سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے کہا۔
میں کیا بتاؤں جس وقت میں امینہ کے زرد اور نحیف چہرے پر نظر ڈالتی ہوں۔ میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ پرسوں وہ پورے سترہ برس کی ہو لی ہے۔ یہ عمر اس کے شباب کی ہے نہ کہ انحطاط کی۔
خان صاحب نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔
تم سامان کرو، پرسوں روانگی ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ہم بخوبی پندرہ سال تک مادھوپور میں گذر کریں۔
زاہدہ کے چہرہ سے اطمینان و تشکر کے آثار رونما ہوئے۔

وہ بولی۔

تمہارا ایثار قابل تعریف ہے۔
خان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ایک دقت ہے۔ اور وہ یہ کہ مقامی ملازمین باہر نہ جائیں گے اُن کی یہی ایک شرط بر وقت ملازمت تھی۔

تو اس میں کیا نقصان ہے۔ ہمیں مادھوپور میں ملازمین مل جائیں گے۔

اچھا تو سامان درست کر لو۔

اور رشید!

وہ بہت بچہ ہے اُسے لے چلنا ضروری ہے۔ وہ میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے۔

(۲)

پرسوں آ ہی گئی اور خانصاحب معہ زاہدہ۔ امینہ اور رشید کے دہلی اکسپریس سے مادھوپور روانہ ہوئے۔
انہوں نے اولاً "دی اورئنٹل ہوٹل" میں قیام کیا۔ اور وہاں سے مکانات کی دیکھ بھال شروع کی۔ دو دن تک خان صاحب کو مکانات قابل رہائش نہ ملے۔ یکایک امرت بازار پتریکا" میں خانصاحب نے ایک اشتہار پڑھا۔

"مکان خالی ہے"

مادھوپور کی سی صحت بخش زمین پر چو منزلہ پختہ اور شاندار مکان خالی ہے۔ مکان میں ملحقہ باغ بھی ہے۔ اس کے علاوہ مکان میں فرنیچر سجا ہوا ہے۔ کرایہ محض پچاس روپے ماہوار۔ شرائط رابندر چیٹرجی واقع مرچنٹ، خاص بازار مادھوپور سے طے ہو سکتے ہیں۔
خاں صاحب فوراً رابندر چیٹرجی سے ملے اور وہ مکان دیکھنے گئے۔ مکان کی خوبصورتی دیکھ کر خاں صاحب دنگ رہ گئے۔ مکان کے ملحق باغ انتہائی خوبصورت اور لطف انگیز تھا۔ اس کے علاوہ مکان میں بہت قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ مکان یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاہی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔
صرف ایک بات خاں صاحب کو عجیب معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ مکان کا کرایہ مکان دیکھتے ہوئے انتہائی کم تھا۔ اس مکان کا کرایہ کم از کم تین سو روپے ماہوار ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس شک کو خود ہی رابندر چیٹرجی نے صاف کر دیا اور بتا دیا کہ چونکہ مکان عرصہ سے خالی ہے لہذا مالک مکان کی خواہش ہے کہ یہ مکان کسی صورت سے آباد رہے تاکہ عدم استعمال کی حالت میں مکان کی اشیاء برباد نہ ہوں ۔۔۔ اسی دن خاں صاحب معہ متعلقین مکان میں اٹھ گئے

کا جائزہ لیا۔ امینہ مکان دیکھ کر اس درجہ مسرور ہوئیں کہ امینہ نے کہا۔
ابا جان! بچھا جان کا شکریہ۔ وہ خوشی ہورہی ہے کہ بیان نہیں کرسکتی۔
چھوٹے رشید نے مکان کو دیکھ کر کہا۔
چچا جان کیا ہم لوگ بادشاہ بنا دئے گئے ہیں۔
خاں صاحب کو صرف ایک دقت تھی کہ کوئی ملازم ان کے یہاں شب کو قیام کے متعلق راضی نہ ہوتا تھا، وہ لوگ مغرب کے وقت تک کام کرنے کے لئے راضی تھے۔ خاں صاحب نے طرح طرح کے لالچ دئے لیکن بے سود۔ کوئی راضی نہ ہوا۔ آخر کار خاں صاحب نے اپنی بیوی سے کہا:۔
کوئی پرواہ کی بات نہیں۔ رات کو کیا کرنی ضرورت ہے۔
خاں صاحب کی بیوی بھی پٹھان ہی کی بچی تھیں انہوں نے بھی کہا کوئی مضائقہ نہیں۔ اس صورت سے شب کی تنہائی کا فیصلہ ہوگیا۔
لیکن خاں صاحب کے دل میں یہ بات کھٹک ضرور رہی تھی کہ ملازمین شب کے قیام سے کیوں گھبراتے ہیں۔
چار ایام گذر گئے اور کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ امینہ کی طبیعت دن بدن روبصحت تھی۔ یکایک پانچویں روز ملازم گھبرایا ہوا خاں صاحب کے پاس آیا۔
"کیوں؟"
کیا حضور نے نیلے کمرے کا فرنیچر الٹا پلٹا ہے؟
کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟
حضور خود ملاحظہ فرمالیں۔
خاں صاحب نے فوری ہی نیلے کمرے کا رخ کیا۔ تمام فرنیچر بالکل الٹا پڑا ہوا تھا کرسیاں الٹی، الماریاں الٹی، میزیں الٹی ــــ خاں صاحب نے تعجب خیز لہجہ میں کہا۔
ابھی کل تو میں نے باقاعدہ یہ فرنیچر بچھوایا تھا۔ آخر یہ کس کی حرکت ہے؟ ــ سامان دوبارہ درست کیا گیا۔ دوسرے دن صبح زرد کمرے کی یہی حالت پائی گئی ــــ خاں صاحب نے بے حد تفتیش کی لیکن بے سود تیسرے دن سفید کمرے کا بھی یہی حال پایا گیا۔ اب ملازمین بھی سب کے سب گھبرا گئے خاں صاحب نے بھی حفاظت کے لئے آدمیوں کو شب میں رکھنا ضروری کہا۔ ملازموں کو بے حد ڈرایا دھمکایا تسلی دی۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر کار خاں صاحب نے کہا
"سنو" میں تم لوگوں کو چوگنی تنخواہ دوں گا اگر تم لوگ شب میں بھی قیام کرو اور ساتھ ہی ساتھ مبلغ سو روپے انعام اس شخص کو دوں گا جو فرنیچر الٹنے والے کا پتہ لگائے۔ میری رائے میں یہ حرکت کچھ بدمعاشوں کی ہے جو خفیہ طریقہ سے یہاں آتے ہیں اور وہ اسی صورت سے ڈرا کر آپ لوگوں کو مکان میں آنے نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں کرایہ کی کمی کا راز بھی یہی ہے۔
کچھ ملازمین میں سے چار ٹھہر گئے اور دو آدمی چلے گئے فرنیچر کی الٹ پلٹ روز کا معمول ہوگیا۔ اس کے علاوہ کبھی اور کوئی بات نہ ہوئی۔ لیکن گھر بھر پریشان رہتا تھا۔ اس لئے کہ ہر شخص مسلح پستول سرہانے رکھ کر سوتا تھا۔

(۳)

رشید یکایک دو بجے شب میں چلایا۔
چچا جان! چچا جان!
وہ اس کے برابر والے پلنگ پر سو رہے تھے۔
کیوں۔ کیا ہے؟"
ابھی دو آدمی سامنے کی دیوار میں غائب ہوگئے۔
تم سو رہے ہو تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"
واہ وہ دیوار کے اندر گھس گئے۔
خاں صاحب کچھ سوچ کر اٹھے۔
"کیسے آدمی تھے؟"
سیاہ رنگ کے تھے اور خاکی پتلون اور قمیص پہنے تھے۔
خاں صاحب نے فوراً ملازمین کو طلب کیا۔ سامنے کی دیوار کا چپہ چپہ دیکھ مارا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ علی الصباح ملازمہ مرجینہ نے ایک پھول کے بیچ کا حصہ اتفاقیہ دبا دیا یکایک دیوار کھسکنا شروع ہوئی۔ اور ایک دروازہ نمودار ہوا۔ خاں صاحب نے فوراً ہی پولیس کو اطلاع دی اور پولیس کی معیت میں خاں صاحب اس دروازے میں داخل ہوئے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی انہیں سیڑھیاں اترنا پڑیں اور اب سب لوگ ایک سرنگ میں تھے۔ تقریباً بیس منٹ تک سرنگ کو طے کرنے کے بعد وہ ایک غار میں نکلے جو ایک پہاڑ کی کھو میں واقع تھا۔
یہاں انہوں نے چند آدمیوں کا مجمع دیکھا جو چوری کا مال تقسیم کررہے تھے۔ پولیس نے ان کو فوراً ہی گرفتار کرلیا۔

(۴)

ان چوروں سے اس کا پتہ چلا کہ وہ دراصل اس مکان کو اپنا مال گودام بنائے ہوئے تھے۔ اسی لئے جو کرایہ دار آتا تھا اسے اس صورت سے ڈرا کر بھگا دیتے تھے۔
چوروں کو سزائیں ہوگئیں۔ مرجینہ کو خاں صاحب نے حسب وعدہ سو روپے ادا کئے۔
خاں صاحب تین سال تک اسی مکان میں مقیم رہے۔ اور کیسے تین سال جس میں آمینہ ایک زرد رو اور نحیف لڑکی کے بجائے گلفرشباب والی حسینہ بن کر قصبہ میں واپس آئی۔

(بوڑھے لیڈروں کی انجمن میں)

ہوشیار! اپنی متاعِ رہبری سے ہوشیار — اے جنونِ نا آشنا پیری و شیبِ ہرزہ کار
اُڑ گیا روئے نگارِ آسماں سے رنگِ خواب — جھلملاتی شمع! رخصت ہو کہ ابھرا آفتاب
ہٹ، کہ اب سعی و عمل کی راہ میں آتا ہوں میں — خلق واقف ہے کہ جب آتا ہوں، چھا جاتا ہوں میں
لے قدامت! یہ کھلی ہے سامنے راہِ فرار — بھاگ وہ آیا نئی تہذیب کا پروردگار!!
کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب — میرا نعرہ "انقلاب" و "انقلاب" و "انقلاب"
کوئی قوت راہ سے مجھ کو ہٹا سکتی نہیں — کوئی ضربت میری گردن کو جھکا سکتی نہیں
رنگ سورج کا اڑاتا ہے مرے سینے کا داغ — بادِ صرصر کا بدل دیتا ہے رخ میرا چراغ
دیکھ کر میرے جنوں کو ناز فرماتے ہوئے — موت شرماتی ہے میرے سامنے آتے ہوئے
الاماں، کبر کی، ریا آلودہ پیری! الاماں — اب کڑکتی ہے ترے سر پر جوانی کی کماں
ہو چکی غیرت ڈوب مر، یہ عمر، یہ درسِ جنوں! — دشمنوں کی خواہشِ تقسیم کی تمہیدِ زبوں!
یہ ستم کیا، اے کنیزِ "کفر و ایماں" کر دیا؟ — بھائیوں کو گائے اور باجے پہ قرباں کر دیا
کر دیا مقتول غلامی نے تجھے کوتہ خیال؛ — جھریاں ہیں یہ ترے منہ پر کہ غداری کا جال
دیکھتی ہے صرف اپنے ہی کو اے دھندلی نگاہ — سر بھڑک اٹھا ہے، لیکن دل ابھی تک ہے سیاہ
ہو چکے منہ! ختم کر یہ "عاقبت بینی" کا شور، — دیکھ اب بزدل! مری "ناعاقبت بینی" کا زور
چہرۂ "امروز" ہے میرے لئے ماہِ تمام — خوفِ "فردا" ہے مری رنگیں شریعت میں حرام
تیر جاتی ہے دلِ فولاد میں میری نظر — خون میرا خندہ زن رہتا ہے موجِ برق پر
اور تمنائیں ہیں تیری سسکیاں بھرتی ہوئی — اونگھتی، گڑھتی، بلکتی، کانپتی، ڈرتی ہوئی!
تیری باتوں سے پڑی جاتی ہے کانوں میں خراش، — "کفر و ایماں" "کفر و ایماں" تا کجا؟ خاموش باش!
حبِ انساں، ذوقِ حق، خوفِ خدا، کچھ بھی نہیں — تیرا "ایماں" چند وہموں کے سوا کچھ بھی نہیں
تیرے جھوٹے "کفر و ایماں" کو مٹا ڈالوں گا میں — ہڈیاں اس کفر و ایماں کی چبا ڈالوں گا میں
ولولے میرے بڑھیں گے ناز فرماتے ہوئے — فرقہ بندی کا سرِ ناپاک ٹھکراتے ہوئے،
ڈال دوں گا طرحِ نو اجمیر اور پریاگ میں — پھونک دوں گا "کفر و ایماں" کو دہکتی آگ میں
کوثر و گنگا کو اک مرکز پہ لانے کے لئے — اک نیا سنگم بنا دوں گا زمانے کے لئے
ایک دینِ نو کی لکھوں گا کتابِ زر فشاں — ثبت ہوگا جس کی زریں جلد پر "ہندوستاں"
اس نئے مذہب پہ سارے تفرقے وار دوں گا میں — تجھ پہ پھر گردن ہلا کر قہقہے ماروں گا میں!
پھر اٹھوں گا ابر کے مانند بل کھاتا ہوا — گھومتا، گھرتا، گرجتا، گونجتا گاتا ہوا،
خون میں تھرتھری بساطِ "کفر و دیں" الٹے ہوئے — فخر سے سینے کو تانے، آستیں الٹے ہوئے

ولولوں سے، برق کے مانند لہرایا ہوا
موت کے سائے میں رہ کر، موت پر چھایا ہوا

(از حضرت جوش ملیح آبادی) ——— (ماخوذ شعلہ و شبنم)

مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں یا عورتیں

(از جناب نار داشتگر نشار ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ بستی)

عرصہ خیال میں عرصہ سے اس موضوع پر روز قلم صرف کیا جا رہا ہے کہ مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں یا عورتیں۔ مضمون کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ مکار مرد و عورت دونوں ہی ہوتے ہیں۔ فرق دونوں کی جبلی صفت ہے۔ دونوں ہی جس طرح نے اپنا کام نکالنا جانتے ہیں۔

ہر طبقہ میں مختلف طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ مردوں میں بھی ایک ایک بڑھ کر ایماندار، خدا پرست، صالح انسان پائے گئے ہیں، اور عورتیں بھی نیکی اور صداقت کا مجسمہ دیکھی گئی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مردوں میں زیادہ مکاری پائی جاتی ہے یا عورتوں میں۔ سوال ذرا ٹیڑھا ہے اور ٹیڑھا نہ ہوتا تو بحث کا باعث ہی کیوں ہوتا۔ اس کا جواب ذہنی تفاوت کے ساتھ ساتھ مختلف ہی ملے گا۔

ابتدا سے آفرینش سے عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو مکار اور فریبی سمجھتے آئے ہیں۔ شعرا حضرات نے تو صفحے کے صفحے عورتوں کی بے وفائی میں رنگ ڈالے ہیں۔ جب کبھی ہماری پڑھی لکھی بہنوں کو نامہ نگاری کا موقع ملا ہے انہوں نے مردوں کے مظالم اور ان کی بے وفائی کی داستان لکھ ڈالی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جو انتقام سے کسی کے ظلم کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ غصہ میں آکر اپنی مخالف جنس پر برس پڑتا ہے۔ چنانچہ عرصہ خیال میں جناب میکائیل صاحب عورتوں سے سخت نالاں ہیں۔ اسی طرح محترمہ مسز ... مردوں پر بے اعتبار برس پڑی ہیں۔ لیکن اگر وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو یہ بات ان سے چھپی نہ رہے گی۔ کہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے اس کا انحصار جنسی حقیقت پر ہرگز مبنی نہیں۔ اس کا دارومدار ٹریننگ اور ماحول پر ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں مردوں کی اخلاقی تعلیم مناسب لائن پر ہوتی ہے وہاں کے مرد دیانتدار ہوتے ہیں اور جہاں عورتوں کی تعلیم مناسب طریقہ پر ہوتی ہے وہاں عورتیں لائق اور ایماندار ہوتی ہیں۔ کتا ایک نہایت وفادار جانور مشہور ہے مگر ہندوستان میں بیشتر کتے ایسے نظر آتے ہیں جو پکے حرامی ہوتے ہیں۔ گھوڑے عرصہ دراز سے اپنی وفاداری کے لئے مشہور ہیں مگر اگر ان کی باقاعدہ دیکھ ریکھ نہ ہو تو وہی اپنے مالک کو عین موقع پر کھینچ کر رفوچکر ہو جائیں گے۔

ہندوستانی عورتوں کی سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ انہیں پردے میں کیوں رکھا جاتا ہے۔ اول تو یہ شکایت ہی بے بنیاد ہے کیونکہ زمانے نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ ہندوستان میں اعلیٰ طبقہ کی خواندہ عورتیں بڑے بڑے شہروں میں اب پردہ کرتی ہی نہیں اور اس پر بحث کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ شراب کی مذمت میں مضمون نگاری کرنا۔ بالفرض اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں کہ مرد انہیں پردہ میں رکھنا چاہتے ہیں تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس میں کس کا قصور ہے۔ بیشتر عورتیں ایسی ہیں کہ اگر بے پردگی کی تلقین بھی کی جائے تو آپ وہ ایک عمر تک پردہ میں رہنے کے باعث بے پردگی میں شرم و حیا کی جامہ دری سمجھتی ہیں۔ اس کا حال بجنسہٖ تیتر کی طرح ہے جو پنجرے سے باہر اپنی خیریت نہیں سمجھتا۔ مرد بے چارے باہر کام کاج میں مشغول رہتے ہیں۔ اب گھر کی چوکیداری کون کرے؟ یہاں یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ یہ الزام کہ مرد خواہ مخواہ اپنی عورت پر پہرہ لگانا چاہتا ہے۔ محض لغو اور بے بنیاد ہے۔ اسے زیادہ تر اپنی عورت پر اگر وہ قابل اطمینان ہے، اعتماد ہی ہوتا ہے۔ عورتیں خود اپنی حفاظت چاہتی ہیں۔ وہ غلط ماحول میں رہنے کے باعث ڈرپوک اور بزدل ہو گئی ہیں۔ انہیں خود اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ اس کی خاص وجہ اپنی سیرت و ہنر میں کمی کا ہونا ہے۔ اب مردوں کو لبھانے کا صرف ایک ذریعہ ان کے پاس رہ گیا ہے۔ وہ ہے ظاہری حسن و خوبصورتی۔ بس نمود و نمائش اس کا خاصہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت بنی ٹھنی رہنا اس کی فطرت ثانیہ ہے۔ ہر ایسی چیز پر جو جاذب نظر ہو۔ دوسروں کی نگاہ پڑنا ایک لازمی بات ہے۔ وہ چاہے کسی خیال سے ہو۔ مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو وہ بن سنور کر سینما اسٹار بن کر نکلنا چاہتی ہیں۔ دوسری طرف جب انہیں کوئی تکنے لگتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اس پر ناراض ہوتی ہیں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب وہ کسی پارچہ فروش کے یہاں خوبصورت ساری یا کپڑا دیکھتی ہیں تو اسے کیوں بغور دیکھنے لگ جاتی ہیں اس میں ان کا قصور ہے یا کپڑے کا۔ یا دوکاندار کا ——؟

پس جب وہ معمولی چال ڈھال سے رہنا پسند نہیں کرتیں تو اور کیوں پسند کریں۔ جب ان کا کام ہی مردوں کے (خواہ وہ اپنے ہی مرد کیوں نہ ہوں) فریفتہ کرنے کا ہے، تو ایسی حالت میں اگر انہیں پردہ کی آزادی دے دی جائے گی تو کیا ان کا وہی حشر نہ ہوگا جو یورپ میں عورتوں کا ہے۔ اصل میں وہ بھی ہمارے نوجوان دوستوں کی طرح ...

طرزِ معاشرت کی دلدادہ ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ لیکن اس کے خوفناک نتائج کا علم نہیں ہے۔ اگر وہ بے پردہ رہنا چاہتی ہیں شوق سے رہیں لیکن انہیں پھر ہجوم عاشقان سے بھی یورپین عورتوں کی طرح ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میرے ایک انگریز دوست جو آجکل خرطوم میں پروفیسر ہیں مجھ سے اکثر اس بات پر اظہار افسوس کیا کرتے تھے کہ ان کی ہمشیرہ عزیزہ کے تقریباً admirers یا عاشق ہیں اور ان کی انتھک کوششوں کے باوجود وہ Society girl سوسائٹی گرل نہیں بن سکی۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ ہم اور آپ اپنی بہن بیٹیوں کے لئے ایسے جملے استعمال کرنا تو در کنار سننا بھی گوارا کریں گے؟۔ جو بات ہمارے یہاں بے حد معیوب سمجھی جاتی ہے ان کے یہاں داخل ہنر ہے۔

اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خدا نخواستہ پردہ کے نقصانات کے قائل نہیں ہیں۔ ایک وقت تھا جب ہماری عورتیں آزاد تھیں۔ لیکن اس وقت ان کا رہنا سہنا۔ طور طریقہ آجکل سے مختلف تھا۔ سیتا۔ ساوتری۔ گاتیری۔ چاند سلطانہ کا اصلی حسن زیوروں اور جارجٹ کی ساریوں اور خوبصورت چپلوں میں نہ تھا۔ وہ سادہ مزاج۔ بے تکلف دیویاں تھیں۔ انہیں غازہ اور پاؤڈر سے واسطہ نہ تھا۔ وہ عالم فاضل عورتیں تھیں۔ وہ اپنی نیک خصلت۔ عفت اور سیرت کے ذریعہ لوگوں پر چھا جاتی تھیں۔ انہیں بے جا نمائش سے سخت نفرت تھی۔ وہ بہادر اور عصمت پرست تھیں۔ راون نے کتنے دنوں تک سیتا جی کو اپنے قبضہ میں رکھا لیکن اس موذی کو ان کے پاس جانے تک کی ہمت نہ پڑی۔ مگر افسوس کتنی عورتیں آج سیتا کی طرح جنس لطیف کا بیش قیمت نمونہ ہیں۔ محترمہ موصوفہ نے اپنے فاضل مضمون میں آگے چل کر فرمایا ہے کہ مرد نے عورت پر ہمیشہ ظلم کیا ہے۔ ان کا یہ بیان ممکن ہے ہندوستان کے کسی دور کے لئے کچھ صحیح ہو لیکن کیا اس کا اطلاق یورپ اور امریکہ میں بھی ہو سکتا ہے امریکن اور فرانسیسی رسالوں کو دیکھئے تو آپ کو پتہ چلے گا۔ کہ عورتیں کیا شے ہیں۔ ان کے فریب اور مکر سے مرد تو رہے تو کیا پیغمبر یا فرشتے تک لرزتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کی بات جانے دیجئے۔ اپنے یہاں دیکھئے کیا یہ بات ایک تلخ حقیقت نہیں ہے کہ مردوں کو ظالم اور بدچلن بنانے کی ذمہ دار زیادہ تر عورتیں ہی ہیں۔ میرا یہ مستقل خیال ہے کہ اگر عورت اپنی کمزوری کا اظہار نہ کرے تو مرد کے باپ آدم کی بھی ہمت نہیں جو عورت کی طرف آنکھ بھی اٹھا سکے۔ اس جنسی کمزوری کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ آپ نے اس کام کے لئے مخصوص عورتوں کا بازار تو سنا یا دیکھا ہوگا۔ لیکن کیا دنیا کے اندر آپنے کوئی چڑیا خانہ بھی سنا ہے جہاں دو دو اور چار چار روپیہ پر مرد گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے شیطان کی غلامی کی خاطر رکھے جا سکیں طوائفوں کی شرمناک ہستی اس جنس لطیف کا ایک ایسا ناپاک نمونہ ہے

جس نے ہزاروں لاکھوں نوجوانوں کو دنیا سے مٹا دیا۔ آپ فرمائیں گے اس کے ذمہ دار مرد ہیں۔ کہنے کو آپ چاہے جو کہیں آپکے منہ میں زبان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ایسے کم مرد ہوں گے جو اپنی بہن بیٹیوں کو اس ناپاک پیشہ کے لئے کھلے بندوں چھوڑ دیں بشرطیکہ وہ اس کے لئے انہیں مجبور کرتی ہوں۔ آخر میں بائرن کا فقرہ انسانی زندگی کا وجود ہی عورت کے بطن سے ہوتا ہے۔ اکثر سننے میں آتا ہے لیکن کیا میں کہنے کی جسارت کروں کہ بائرن اور ان کے قائل حضرات کو اس بات سے انکار ہو سکتا ہے کہ بائرن کے وجود کے لئے ان کی ماں کا ہونا اتنا ہی ضروری تھا جتنا ان کے باپ کا۔

بائرن شاعر تھا شاعروں کی بات جذبات کے تحت میں ہوا کرتی ہے۔ اب طاقت کا زمانہ ہے۔ نپولین اور بابر کی بات یاد کیجئے جن کا قول تھا۔

اگر دنیا میں بڑا کام کرنا ہے تو عورتوں۔ شراب اور توہمات سے بچ کر رہو تا۔

ساون کا گیت

(از جناب منشی سید آل نبی صاحب زیدی میرٹھی)

آؤ آؤ مل مل، کھیلیں!!
ساری سکھیاں بہنیں بہنیں
ڈال کے باہیں پھر گردن میں
پھول کھلائیں اور مزے لیں
عیش کی تانیں مل کے اڑائیں

پریت کے میٹھے لئے، گائیں
اک عالم کے دل گرمائیں
ذرّوں کو خورشید بنائیں
جی میں اپنے لاکے بسائیں
حسن کی اُن کے شوخ ادائیں

آئی برکھا رین سہانی
ٹھنڈی ہوائیں رم جھم پانی
اوج پہ ہے ہر گُل کی جوانی
منت سب نے عیش کی مانی
ہم بھی آج ملاریں گائیں

آیا ہے رُت پریم کتھا کا
جھوم رہا ہے پتا پتا
ہم بھی سنے کر پریم کا دھاگا
ڈالیں دل کی شاخ پہ جھولا
آؤ سکھی مل پینگ بڑھائیں

دیکھو طبیعت کی جولانی
بڑھتی امنگیں اُٹھتی جوانی
آؤ سجائیں بزم پرانی
چھیڑ کے اسے دل اپنی کہانی
دنیا کو مجبور بنائیں

زور پہ ہیں قمری کے ترانے
کوئل کے برسات میں گانے
کوئی نہ سمجھے کوئی نہ جانے
گل اور بلبل کے افسانے
پریم کی بپتا کس کو سنائیں

پھول ہیں مست اور کلیاں ماتی
آہ کہاں پھر راتیں ایسی
جی میں لہریں پریت کی اُٹھتی
جوت سے انکے حسن کی زیدی
دل کی بساتا ہوں دنیائیں

ضرورت

(از جناب سید ابوتمیم صاحب فرید آبادی)

"ایک رئیس کو ایک مصاحب کی ضرورت ہے حسب لیاقت تنخواہ دی جائے گی۔ رہنے کو مکان، سواری کو گھوڑا گاڑی، خدمت کو خدمتگار رئیس کی طرف سے ملیں گے درخواستیں جلد از جلد آنی چاہئیں ہر امیدوار کو کام کی مہارت کے ثبوت میں سارٹیفکٹ ہمراہ بھیجنے چاہئیں معرفت اخبار "نامدار" نمبر"

میرے منہ میں پان تھا۔ اس وقت میں شوق سے چبا چبا کر پڑھ رہا تھا، چبانا پان کا اس لئے تھا کہ اس معاملہ میں مجھے ایک قسم کا تردد اور انتشار تھا۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ یہ بالکل نئی طرح کا اشتہار تھا۔

اور سیبوں جاہل بندوں کی طرح میں بھی اخبار محض "ضرورت" کے لئے خریدا کرتا تھا۔ اس وقت تک میرے خلاصے دام اللہ چکے تھے۔ اگر رقم کے اعداد بتا دوں تو کیا تعجب ہے کہ "خرد نسبے جاہل۔ حماقت" میں مجھے ملعون احمق، کافر، اور اسی قسم کے مبتذل الفاظ سے یاد کیا جائے۔ اب سوچنے کا وقت نہیں تھا کسی سے صلاح و مشورہ کئے بغیر حتیٰ کہ اپنے پرانے کرم فرما پروفیسر صاحب سے اجازت لئے بغیر میں نے ایک دو منٹ کے اندر درخواست لکھ کر بھیجی۔ دوسرے دن ایک دوست۔ درخواست کا ذکر سن کر مجھے ڈانٹنے لگے۔ "نہ معلوم یہ کیا لغویت ہے، آخر تم کو یہ کیا مرض ہے کہ جو ضرورت دیکھی درخواست لکھ ماری۔ خدا معلوم کون سا رئیس ہے؟ کیا کام کرنا پڑیگا؟" جی سبحان اللہ

ان کی دلیلوں نے مجھے عاجز کر دیا۔ چھٹکارا پانے کی غرض سے مشہور معروف فقرہ سنا دیا۔ "یہ بھی آجکل کا فیشن ہے" فقرہ کارگر ہوا۔ وہ بید ہلاتے اور مجھے بری نظروں سے گھورتے ہوئے پارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

اسی دن میں نے شام کو بھائی سے بھی ذکر کر دیا۔ وہ تو لال انگارہ ہو گئے ایسی ڈانٹ بتلائی کہ سارے اعضا سہم گئے۔ "بہت برا کیا، سخت حماقت کی جہالت ہے، تمہاری" میں یہ الفاظ ہزاروں میں سے سمجھ سکا۔ پھر دانت پیستے ہوئے بولے "بہادر کہیں جناب آپ نے سارٹیفکٹ کون سے پیش کئے ہوں گے؟ جی اچھا ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ مصاحبت کریں گے کس طرح؟ خاندان کی ناک کٹوانے کو؟ بس تم سے اور کیا امید ہو سکتی ہے ہونہ لعنت رہنت"

میری جو شامت آئی تو اندر گھر میں جا والدہ صاحبہ سے بھی تذکرہ کر دیا۔ انہوں نے بھی حقارت آمیز نظروں سے کئی بار سر سے پاؤں تک دیکھا اور آخری بار منہ پھیر لیا۔ میں نے دل میں کہا "بڑے بیٹھے" دل شکستہ ہو کر اپنی ضعیف العمر دادی کی خدمت میں محض اس وجہ سے حاضر ہوا کہ وہ ہر بات میں میری طرفداری کرتی ہیں اس میں بھی کریں گی۔ دعائیں سن سنا کر۔ آہستہ آہستہ سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اپنی حماقت پر افسوس بھی ظاہر کیا اور آئندہ کے لئے ترکیب دریافت کی۔ جواب ملا۔ "اگر درخواست منظور ہو جائے تو ہرگز نہ جانا ورنہ ہم سے برا کوئی نہیں۔"

رات ہو گئی تھی۔ گرتا پڑتا۔ پلنگ پر آ لیٹا۔ اگر معقول جگہ ہوئی تب تو انکار کرنے میں بڑا خسارا ہے۔ زیادہ نہیں ایک دو مہینے ملازمت کر کے چلا آؤنگا ذرا دنیا دیکھنے میں آئے گی۔ پلنگ پر لیٹا ہوا گھنٹوں دل سے باتیں کرتا رہا حتیٰ کہ سو گیا دس دن بعد ایک لمبا لفافہ جس پر دو خوبصورت مہریں تھیں ملا مضمون یہ تھا: "اشتہار میں جس ملازمت کا ذکر تھا وہ محض امیدواروں کی لیاقت کا اندازہ لگانے کی ایک ترکیب تھی در اصل اس ریاست کی کونسل کے لئے ایک خاموش اور صاحب فہم رکن کی ضرورت تھی۔ آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے" ۱۸ تاریخ سے آپ نامزد کر لئے جائیں گے۔ آپ ۱۷ تاریخ تک یہاں پہنچ جائیے وغیرہ" خط کونسل کے صدر کی طرف سے تھا۔ تنخواہ کا کوئی ذکر نہ تھا۔

آدھ گھنٹے کے بعد خط کی اطلاع ہر بالغ مرد و عورت کو ہو گئی تھی مگر مختلف مضمون سے میرے پاس مبارکبادی کے پیغام آنے لگے کسی نے ایک ہزار روپیہ ماہوار، کسی نے بارہ سو، کسی نے نو سو روپیہ کی امید دلائی میں نے بھولی مسکراہٹ سے شکریہ ادا کیا اور ٹالتا گیا۔ دوستوں میں سے وہ صاحب بھی آئے، جو ملعون کر چکے تھے بیٹھے ٹھونک کر مبارکبادی کہنے لگے: "ملازمت تو ہزاروں میں انتخاب ہے، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے درخواست میں ایسا کیا جادو بھر دیا تھا، کچھ بولو نا؟"

بھائی صاحب بھی آ گئے: "دکھا نا بھئی وہ خط، جھوٹ بات معلوم ہوتی ہے" خط دیکھا، پڑھا، مسکرائے۔ "والد اس ریاست کو اور ان لوگوں کو میں خوب جانتا ہوں، فی الواقع بہترین جگہ ہے، بہترین" پھر مجھے از راہ محبت گلے سے لگا لیا۔ "خوش رہو گے" پھر مجھ سے دریافت فرمانے لگے "درخواست کا کیا مضمون تھا؟ کیا دادا جان مرحوم کی سندوں کا حوالہ دیا تھا؟" سوالات کئی کئے۔ مگر میں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جس میں ادب و لحاظ بھی تھا یاد نہیں رہا کہہ کر ٹال دیا۔

گھر میں آنے کے کئی بلاوے آ چکے تھے، گیا والدہ نے اس طرح بلائیں لیں، جیسے ہم عید کا دوگانہ پڑھ کے آتے ہیں تو گھر میں گھستے ہی لی جاتی ہیں

شادی

(از جناب مولانا سلطان حیدر صاحب جوش ڈپٹی کلکٹر)

دکھ اور سکھ انسانی زندگی کے وہ ایسے مراحل ہیں جو پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ صاحب مضمون نے اسی نوع کو مدنظر رکھ کر مختلف اقوام کی شادیوں پر بسیط روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر میں بتایا ہے کہ شادی طوق طلائی بن جاتی ہے۔ جس سے کسی طرح مفر نہیں۔ پڑھئے اور لطف اٹھائیے۔ "مدیر"

دنیائے انسانی کے مختلف افراد مختلف العادات مرد و عورت کا یک جا ہونا اسی قدر ضروری اور موافق وضع فطری ہے جس قدر دیگر حیوانات کے نر و مادہ کا اتصال عارضی! لیکن اس یک جائی کو قیام پذیر بنانے اور تعلق مستقل کے سانچے میں ڈھالنے کا ارتکاب حضرت انسان کے علاوہ کسی اور بے گناہ حیوان سے سرزد نہیں ہوا! طبقۂ حیوانات نے اپنی اصلیت مجرد کو مصنوعات خارجی کی رنگ آمیزی و ملاوٹ سے ہمیشہ پاک رکھا۔ حضرت انسان نے باوجود نقائص جسمانی سب سے پہلے اشرف المخلوقات ہونے کا خیال خام پکایا اور اسی جگہ سے حیوانیت سے گریز شروع کی! تمام دنیا کی نعمتوں، اچھی چیزوں اور قابل استعمال اشیاء کو محض انسانی ضروریات، خواہشات اور استعمال کے لئے بلا شرکت حیوانات اپنی تنہا ملکیت قرار دیا! یہی غلبہ خود پسندی و خودغرضی ارتقاء کے بدولت نت نئے پر و بال نکالتا رہا! امتداد زمانہ نے خود انسانی دنیا میں "اسی جذبہ" کے زیر سایہ ایک متلاطم بازار اور ہر ایک قطعہ زمین، ایک ایک چھوٹی کوڑی منفرداً ہر فرد انسانی پر تقسیم کردی! "زر، زمین، زن" میری اور آپ کی جداگانہ ملکیت قرار پانے لگیں! اس حفاظت ملکیت اصلیت عمل کے قیام و استقلال کے لئے قیود و قوانین کا ایک دفتر بے پایاں وجود میں لانا پڑا۔ اس وحشت خودی کے زیر سایہ گوناگوں مفروضات کو حسن و قبح کا رنگ دے کر نسلاً بعد نسلاً عادات انسانی میں بہ جبر داخل کرتے کرتے فطرت ثانیہ کی حد تک پہنچانا پڑا! پھر اس تمام وحشت خودغرضی اور طومار قیود کا نام نہایت فخر کے ساتھ "انسانیت" رکھ کر اس تمدن سادہ کے درمیان حد فاصل قائم کی گئی جو بہ منشائے حیوانیت ہونا چاہئے تھا۔ یا ممکن ہے کسی دور عریاں میں رہا ہو۔

شادی بھی اسی قانون خود پسندی و خودغرضی کے بدولت اس حد تک مستقل و قیام پذیر ہو گئی جو اس وقت دائرہ عمل میں موجود نظر آتی ہے! علم تاریخ کے ابواب اولین کی مٹی مٹائی تحریر اس قدر ضرور روشنی ڈالتی ہے کہ یہ "تعلق حیوانی" زر و زمین کی طرح زن کے معاملہ میں بھی بتدریج خودغرضی کے زیر اثر جون بدلتا ہوا موجودہ حد تک صدیوں میں پہنچا، اور "تعلق انسانی" سے خطاب کئے جانے کے قابل ہوا۔ عرصہ دراز سے اس تعلق فطری کو ضرورت سے زیادہ پختگی دائمیت دینے کے لئے۔ جذبۂ محبت پر مبنی قرار دیا جاتا ہے۔

اور خود محبت کو ایسا کچھ سراہا جاتا ہے کہ اس کا مفہوم ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے لیکن فی الواقع اگر آپ محبت کا تجزیہ کیجئے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ملتا کہ ایک خاص ہستی کو بلا شرکت غیرے اپنی خواہشات نفسانی کی تسکین کے لئے مخصوص کرنے والی کیفیت نفسانی کا نام محبت ہے! محبت اس حد تک بالفاظ دیگر، غلبہ خواہش نفسانی ہے اور تمام حیوانات میں اسی حد تک اس کا وجود بھی ہے۔ ہر حیوان اپنے غلبہ خواہش کے زمانہ قیام کے اندر کسی تیسرے وجود کی رقابت یا شرکت گوارا نہیں کر سکتا لیکن یہ اپنی ذات سے مخصوص کرنے والا غلبہ خودی طبقہ حیوانی میں تکمیل مقصد کے بعد کافور ہو جاتا ہے اور اس طرح حیوان سادہ لوح "عشق سعدی تا بہ زانو" سے کبھی متجاوز نہیں ہوتا! یہ فی الحقیقت محبت کے صحیح اور فطری حدود اربعہ تصور کئے جا سکتے ہیں! مگر انسان اس سے بہت آگے بڑھتا ہے اور اس جذبہ حیوانی کو لامتناہی قیام عطا کرنے کی غرض سے جذبہ روحانی غیر فانی اور خدا جانے کیا کچھ لاثانی تسلیم کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ محض اسی دائرہ "انسانیت" کے زیر اثر جو اس کی خود ایجاد کردہ عادات و مفروضات پر قائم ہے۔ زر و زمین بے زبان اشیاء تھیں اس لئے انسان کے عمل خود پسندی کا جواب نہ دے سکیں۔ ایک فرد انسانی گنج قارون اپنی تنہا ملکیت قرار دے سکتا ہے۔ ایک سلطنت نصف سے زیادہ کرہ زمین کو ہضم کر سکتی ہے۔ لیکن گنج قارون یا کرہ زمین بذات خود اس عمل خودغرضی کے مقابلہ میں دم نہیں مار سکتے۔ البتہ "زن" ایک برابر کا جز تھا۔ وہاں یہ عمل خودغرضی رد عمل سے نہ بچ سکا۔

انسان کی گذشتہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں بھی اس نے (میری مراد محض ذکور سے ہے) اپنی جبلی عادت کی زیر سایہ "زن" کو بھی متاع بازار سمجھا۔ اور دیگر حیوانات کی طرح اس سے بھی اپنی ضروریات حسب حاجت پوری کرنی شروع کیں۔ جس طرح ایک فرد، دو چار چار گھوڑے طویلہ میں باندھ سکتا ہے۔ ایک ایک درجن کتے پال سکتا ہے۔ دو ایک ہاتھی رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح دس پانچ چھریرے بدن کی عورتیں۔ دو چار گدازجسم والیاں۔ ایک آدھ لحیم شحیم گورے سے لے کر سیاہ تک ہر رنگ کی گھر کی چار دیواری میں چار پائیاں توڑا کرتی ہیں اور ایک مرد واحد

سمجھی جاتی ہیں! یہ دور عرصۂ دراز تک اسی حالت میں چلتا رہا۔ مگر "زن" نے وہی حربۂ خود غرضی جو مرد سے اُس کے ہاتھ لگا تھا بالآخر اسی خوبی کے ساتھ استعمال کیا کہ "بزبان" یوں دیا گیا کہتے ہیں کہ "ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد" میرے خیال میں اس سے یہ مطلب ہے کہ اکثر "زن" "مرد" اطوار اور مرد خصائل پائی گئی ہے۔ اور بسا اوقات "مرد" نسواں شمائل اور زنانہ عادات رکھنے میں آیا ہے۔

محققین کی رائے ہے کہ اول اول حلقۂ افسانہ "زنانِ مردانہ" کی طرف سے وجود میں ہوگا اور سب سے پہلے "مردانِ زنانہ" نے ہتھیار ڈال کے ہاری پکاسی ہوگی! قصہ مختصر نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح مرد اپنی ذات خاص کے لئے ایک عورت کو مخصوص کرنا چاہتا تھا اسی طرح عورت نے اپنی ہستی کیلئے ایک مرد کو محفوظ بنا لیا گی۔ گویا اُس تعلق حیوانی کو جو ایک جذبۂ نفسانی پر محض بغرض افزائش نسل قدرت کے ہاتھوں مبنی تھا۔ صرف خود غرضی کی وحشت میں مدت العمر کے لئے قائم رہنے والا امر بنا لیا! یہ ہے اس رسم انسانی کی مختصر سی تاریخ جس کو آج "شادی" کے نام سے پکارا جاتا ہے جو تہذیب یافتہ دنیا میں اسّی فی صدی "بلی شادی" ثابت ہوئی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ شادی کی صورت میں مرد و زن کی یک جائی کا مدت العمر تک طول کھینچ جانا ایک ایسا فعل ہے جو کسی طرح منشائے فطرت کے موافق نہیں۔ سب سے پہلے آپ تجربہ کو اس کی کسوٹی قرار دیجئے اور اللہ کا نام لے کر ایسے مردوں سے پوچھ چلئے جن کی شادی کو پندرہ برس سے کم نہ گزرے ہوں اور بیوی زندہ ہو۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر آئندہ سال مردم شماری میں طبقۂ مذکور کے اعداد اس قسم کی تفریق پر رکھے جائیں تو غالباً اسّی فی صدی مرد ایسے نکلیں گے جو شادی کو حماقت اور بیوی کے ناقابل تبدیل وجود کو مصیبت سمجھتے ہوں گے۔ بقیہ بیس فی صدی کا بہت بڑا جزو تو مرد کی تعریف ہی میں کم آ سکے گا اور جو معدودے چند آئیں گے وہ غالباً اس مصیبت سے اس قدر گذر چکے ہوں گے کہ اب مصیبت سمجھنے کا احساس تک نہ رہا ہوگا! ایسے افراد لیجئے جو محبت و عشق کی داستان کے دلدادہ و شیدا بلکہ روح رواں کہے جا سکتے ہیں مثلاً شاعر، نقاش، بت تراش، افسانہ نگار، مغنی! میرا یقین ہے کہ ان طبقوں میں سے ۹۹ فی صدی اس حماقت انگیز عمل خود غرضی کے سرے سے خلاف ہی ہوں گے۔ یا اگر کچھ افراد کسی طرح اس جال میں پھنس ہی گئے تو آپ ان کو بری طرح آزادی کے لئے پھڑپھڑاتا پائیں گے! عام افراد کو لیجئے نہیں بلکہ نہایت ثقہ اور ایسے افراد کو لیجئے جو آزادی تعلقات تو درکنار تعدد ازدواج کے بھی خلاف ہوں پندرہ برس شادی کا زمانہ اور آہ ہی مدد سے زہر مادہ گذر جانے کے بعد پوچھئے کہ محبت روحانی جذبہ ہے یا انسانی حماقت! عشق کشش حقیقت ہے یا خار گندم! اس مدت محدود میں کبھی سرِ بلی آواز نے۔ یا ایک نظر تبسم پنہاں نے اُن کی دائرہ مفروضات کی قید

توڑ ڈالنے کے لئے ان کے تخیلات میں کتنی مرتبہ تلاطم پیدا کیا؟ مجھے خوف ہے کہ اس کا جواب صحیح طور پر ہونے پانے میں اس تعلق انسانی کی سر بفلک کشیدہ عمارت محبت کو بنیاد سے گرا دے گا۔ مغربی دنیا والے کہتے ہیں کہ "شادی" ایک قلعۂ محصور ہے جو باہر ہیں وہ اندر جانا چاہتے ہیں اور جو اندر ہیں وہ باہر آنا چاہتے ہیں! میرے خیال میں یہ تعریف یا تشبیہ اصلاح طلب ہے یعنی "شادی" ایک بھول بھلیاں ہے جو داخل نہیں ہوئے ہیں ان کو داخلہ کا راستہ بالکل صاف اور آسان نظر آتا ہے۔ لیکن جو داخل ہو چکے ہیں وہ باہر آنے کے لئے سرگرداں ہیں اور نہیں آ سکتے!"

اس بحث سے کنارہ کر کے اگر شادی کی مختلف صورتوں اور ان طبائع پر نظر ڈالی جائے جو آج تک اس نے عمل ارتقاء کے زیر اثر طے کئے تو بھی شادی بذاتِ خود معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جہاں سے چلی تھی وہیں پہنچنے والی ہے! اس اجمال کی تفصیل کے لئے شادی کی متعدد صورتیں یا اقسام پیش کرنی ضروری نظر آتی ہیں۔ یہ اقسام ہی بالفاظ دیگر شادی کی وہ مختلف صورتیں ظاہر کر سکیں گی جو عمل ارتقا کے زیر اثر پیدا ہوتی رہی ہیں!

(۱) **حیوانی شادی**۔ جس میں عورت و مرد کا اتصال محض اتصال ہی کے لئے وجود میں آیا ہو۔ کوئی دوسری غرض یا نفع و نقصان اس اتصال کی تہ میں پوشیدہ نہ ہو۔ اس میں فریقین رقابت اور سوکناپے کے جذبات سے قطعی خالی ہوتے ہیں۔ مثلاً آدم و حوا کا اتصال ان خوبیوں کو سمجھا جا سکتا ہے! شاید یہ اعتراض پیدا کیا جائے کہ اس میں بھی ایک نے دوسرے کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور اس طرح خود غرضی کی جھلک جو بنیاد ہے رقابت اور سوکناپے کی برابر موجود تھی! فلسفیانہ اتصال کا مؤلف اپنے پہلے مقالہ میں اس طرح وضاحت کرتا ہے کہ بابا آدم کو تعدد ازدواج کے خلاف مائل نہیں مانا جا سکتا بلکہ دراصل انہوں نے صرف جبر اس میں غلو سے کام لیا تھا۔ کیونکہ حوا کا وجود اس وقت تمام کائنات کا وجود نسائی تھا۔ وہ اکیلی عورت تھیں یا بالفاظ دیگر اس وقت تمام عالم کا طبقۂ اناث صرف حوا کی ذات تھی اب حوا کو مخصوص کر لینے کے معنی ہوئے۔ تمام زندہ طبقۂ اناث کو مخصوص کر لینا! اس سے زیادہ بڑھ کر تعدد ازدواج کی مثال غالباً مہاراجہ کرشن جی ہی ظاہر کر سکتے ہیں اور نہ رام پور کے نواب صاحب۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ حیوانی شادی کس قدر زمانہ تک رائج رہی تاہم دور حجریہ میں اس کا وجود ہونا پتھر کی لکیر کی طرح قابل یقین ہے۔ اس اتصال کا اصل اصول محض دو اجسام کی یک جائی سمجھا جاتا ہے۔ وہ میں تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا۔ اس کی شناخت ہے۔ نہ قاضی کی حاجت نہ گواہ کی گنجائش۔ مرد و عورت براہ راست اور بلا واسطہ ایک دوسرے سے متصل ہو جاتے ہیں۔

(۲) **جبری شادی**۔ بالکل ایسی ہی اٹل چیز ہے جیسے موت، قحط یا وبائے مہلک۔ اس میں فریقین کا اتصال ایک خارجی طاقت کے تسلط

پیدا ہوتا ہے وہ متصل کئے جانے والے افراد کے طبائع کسی طرح قربت کے طالب نہیں ہوتے طرفین کے والدین جن کا وجود بوجوہ بجیکر سے کہیں زیادہ جدا و سب تصور کیا جاتا ہے۔ کہیں اونٹ کے گلے میں بلی اور کہیں بلی کے گلے میں چوہا باندھ دیتے ہیں۔ یہاں اتصال کی بنا اصل ہی روز سے نفرت پر قائم ہوتی ہے لہذا اولاد بھی چڑچڑے پن کی توریات کی جالتی ہے۔ میاں اور بیوی کی اتفاقیہ یک جائی بلی کے جائزوں جھینکا ٹوٹنے کی طرح برسوں کی برسات افزائش نسل انسانی کا فرض اہم ضرب مرکب ہے اماکرو یتی ہے اور بس! ایسے افراد موجودہ زمانہ میں اگرچہ بہت کم ہوتے جاتے ہیں جو باوجود قبلہ کی کجی کے اس کو سجدہ کرنا گوارا کریں تاہم "مردان زنانہ" کا وجود مفقا نہیں ہے۔ اور اب بھی نوجوان افراد اس ذاتی تعلق میں اپنے بزرگوار ثقیل کے بوجھ سے اکثر دب جاتے ہیں۔ اس اتصال کا وجود محروم الارث کر دیئے جانے کی دہمکی اور گھر سے باہر نکال دئے جانے کے بعد ڈرامے پر مبنی ہوتا ہے گویا مکڑی کے پل کاڑی ناچتی ہے۔

۳۔ **حشراتی شادی**:- وہ فعل پر خونہ ہے جو بے چارے بھائیوں کی نیند بھی بہنوں کے لئے غائب کردے! اس کو بقیہ اقسام شادی سے وہی نسبت ہے جو سزائے موت کو قتل عام سے یا بارپیٹے! عام سے لیکر باراتیوں تک ہر شخص تکلیف میں مبتلا۔ نہ کھانا وقت پر نہ سونا نیند بھر کر رسوم اور دھوم جو بیس گھنٹے میں چوبیس لمحہ کا سکون نصیب نہیں ہونے دیتیں! باجا گاجا، ناچ رنگ، دعوت جلوس مختصر یہ کہ پیروں تلے کی زمین سر پر رکھ لی جاتی ہے۔ دولہا بچارے کو بھان متی کا گڈا اور دلہن بے زبان کو مال مقروضہ کی پنجی بنا کر بھی چین نہیں لیا جاتا۔ دلہن والوں کا گھر شادی کے زمانہ میں قریب قریب ہندوستان کی تصویر مختصر بن جاتا ہے جہاں باہر والوں کو اپنی غیر معمولی بھوک اور پیاس رفع کرنے کا ازلی حق حاصل ہوتا ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ ایسی خانہ بربادی کے عامل زیادہ تر تھوڑی حیثیت اور بڑے دل گردے والے افراد دیکھے گئے ہیں۔ مولی مرغی اس معاملہ میں بھی اپنی فطرتی عادت نہیں چھوڑتی۔ اس شادی کی بنا بھی محض ملکہ گٹ اور خاندان برباد بوجہ بجیکر ملوں کی تمنائیں اور حسرتیں ہوتی ہیں۔ اتصال افراد سے اس طوہ مخوضہ کو کوئی تعلق نہیں علامہ احمد دلی اپنی تصلیف نفسیات میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ حشراتی شادی فی الحقیقت نہایت خطرناک فعل ہے۔ اس کے خیال میں جس طرح ایک عیاش بدمست جو اپنے تعلقات کو ڈنکے کی چوٹ ظاہر کرتا پھرتا ہو۔ قابل نفرت ہے اسی طرح ایک مرد و عورت کی یک جائی کا عام اس لئے کہ وہ کسی رنگ میں صورت پذیر ہوتی ہو۔ ڈھنڈورا پیٹنا باعث شرم ہے۔ ہم علامہ احمد علی کے استدلال کی نسبت اپنی رائے فی الحال محفوظ رکھتے ہیں۔ مگر اس قدر ضرور ماننا پڑتا ہے کہ اگر وہ کسی مصیبت کے پر اسرار لاالٰہ تھے تو اس کی تصحیح اردو میں اس

دعوم دھڑکے کی اصلیت دریافت کی جائے تو وہ یقیناً خود کچھ نہیں تو دفعہ ۳۵۲ تعزیرات ہند کے مجرم ضرور بن جائیں گے۔

۴۔ **اختیاری شادی**:- یہ اجتماع جانبین کے ذاتی اختیار سے وجود میں آتا ہے۔ اور اس کو جبری شادی کا برعکس سمجھنا صحیح ہوگا! بعض محققین اس کو شخصی شادی کے لقب سے بھی پکارتے ہیں کیونکہ اس میں کسی تجربہ کار اور سن رسیدہ کو بھی رائے دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا تقدیر مبرم کی طرح وجود میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

بسا اوقات اس حماقت آمیز فعل کی اصلی وجہ اظہار اختیار شخصی ہوتا ہے۔ اگر آگے چل کر کسی وجہ سے یہ اتصال اجتماع ضدین ثابت ہوا تو طوق لعنت سے زیادہ مستحکم اور منزلی نظر آتا ہے! مگر فی الحقیقت اس کی مختلف اقسام وجود میں آچکی ہیں!

۵۔ **کاروباری شادی**:- اس یک جائی کا نام ہے جو محض تجارتی نقطۂ نگاہ سے وجود میں آئی ہو! موجودہ زمانہ کی آب وہوا میں اس قسم کی شادی پھلتی پھولتی نظر آتی ہے۔ ایک نوجوان مرد کا معیار پسند و نفرت نقش درم کے زیر اثر بدلتا رہتا ہے۔ سسرال کو بمنزلہ ٹکسال سمجھا جاتا ہے اور بیوی کا وجود بنگال بینک سے کم نہیں ٹھہرتا۔ جہاں شوہر کے جائز و ناجائز چیک بلاتصدیق یا جانچ بھنائے جاتے ہیں! میرے سائیس نے دوسری شادی کے زیر سایہ ایک اور موٹی مسٹنڈی سائیسنی کو لا بٹھایا دریافت کرنے پر اس نے بیان کیا کہ پہلی بیوی ۴ روز کی گھاس چھیلتی تھی اب دونوں بیویاں مل کر آٹھ آنے یومیہ پیدا کر لیا کریں گی۔ گویا دوسری شادی اس کے لئے آمدنی کی ترقی کا باعث ہے مجھے خوف پیدا ہو چلا ہے کہیں یہ شخص ایک درجن کماؤ بیویاں پا کر سائیس سے رئیس نہ بن جائے میرے خیال میں یہ شادی بھی کاروباری شادی نظر آتی ہے۔ آج کل مفلس ہندوستان کے نوجوان طبقے کی آنکھ ہمیشہ انتخاب مونس حیات میں مالی پہلو پر رہتی ہے اور ایسی سسرال جہاں سے موٹر یا ہاتھی جہیز میں ملنے کی امید نہ ہو کسی طرح قابل قبول نہیں سمجھی جاتی شوہر دراصل اپنی محنت کا معاوضہ بیوی کے مال سے چاہتا ہے۔ ایک برہمن کا قول ہے کہ "یہ افراد اپنے آئندہ جنم میں شہد کی مکھیاں بن جائیں گے"!

۶۔ **اخباری شادی**:- نہایت سستی اور موافق اصول حفظان صحت اخباری دنیا جہاں گھوڑا، بندوق، ہارمونیم، مردمی کا بکس اور آب حیات اخباروں کے صفحوں میں تلاش کر سکتی ہے وہاں بعض اوقات "ضرورت ہے" کی سرخی سے زوجہ یا زوج بھی اور راق پریشاں میں پا لیتی ہے! ناپ رنگ نسل، وضع قطع، چال ڈھال، تعلیم و تربیت غرض ہر ایک بات اڈیٹر کے توسل سے بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات تحریر کے ذریعہ سے بعض نوبت یہاں تک ٹال لی جاتی ہیں اور وہ اخبار رجسٹر کے لئے

اسی طرح یعنی گوری چمڑی والا طبقہ اناث اپنے والدین کی اخلاقی کو فطرتاً نہ
کم کرسکتا ہے نہ معطل! مجبوراً فیشن کے کپڑے پیرس کی بیلوں، میدان
کی ڈھیریوں کی طرح متاع حسن بھی حسب ضرورت بر آمد کا جزو قرار پاتی
نوبت اس قدر ہے کہ سعدیتی زور اس کو بھی یا لیتی بجہ کر بائیکاٹ پر تلی
تل بیٹھے! علم الحیوانات کے محقق ایسے اتصال بین الاقوامی کو نسل کے حدود
کی خوبی۔ دماغی اور اقتصادی ترقی کے لئے نہایت موزوں خیال کرتے ہیں
گھوڑے اور گدھے کے اجتماع سے خچر جیسا باربردار مضبوط جانور وجود
میں آجاتا ہے۔ بھالے اور گوریلے کے اتصال سے خدا جانے کیا کچھ آفتوں
کا مرکب انسان پیدا ہوگا جو تعجب نہیں کہ زمانہ موجودہ کے ابلق ایام
کی نئی پیداوار بھی طرح آسن جاسکے!

امروہہ کی سرزمین میں عجیب وغریب قلمی آموں کی لذت سے
بہرہ اندوز ہونے والا حیرت زدہ ہوجاتا ہے۔ جب دو دو نسلوں کی پیوند کار
نسل کا مقابلہ ترقی یافتہ قلمی سے کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی ایجاد و تکمیل کا نتیجہ
ہے۔ جو فن باغبانی کی رو سے رواں بھی جاسکتی ہے! کوئی وجہ نہیں کہ
گورے میں کالے کا پیوند، حکمراں میں غلام کا قلم، تہذیب یافتہ میں جاہل
کا جوڑ ایسی نت نئی نسل وجود میں نہ لائے جو ہر لحاظ سے نیا سمجھا

دوغلے کے لقب سے یاد کیا جاسکے۔ امید قوی ہے کہ امن و امان ہو جانے
کے بعد انجمن اقوام بین مشرق و مغرب کے خمیر ملائے جانے کے مسئلے
پر غور کرے گی۔

شادی کے متعلق تمام اقسام مذکورہ بالا پر غور کرنے سے دو باتیں سامنے
نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ طبقہ ذکور یا اناث کا رجحان طبع بین الاقوامی کے لحاظ
سے دنیا کو ایک نقطہ پر لے جا رہا ہے۔ یہاں سے وہ روز اول چلی تھی۔ یعنی
اختیاری، ورنہ جیپانی شادی روز بروز ترقی کر رہی ہے اور عنقریب مجبوری
یا اشتراکی کے حدود میں داخل ہوکر حیوانی شادی بن جانے والی ہے!

دوسرے یہ کہ ہر صورت میں ایک عرصہ کافی کے بعد مونس زندگی کا
وجود وبال جان سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ مرجع محبت قابل نفرت قرار پاتا ہے
اور راحت وہی بندش وقید سمجھتے سمجھتے شادی بالکل "طوقِ آدم"
بن جاتی ہے! حیات انسانی کا ناصح کیا خوب لکھ گیا ہے:

بہ آدم زن پریشاں طوق لعنت
سپردند از رہ تکریم و تذلیل!
ولیکن در اسیری طوقِ آدم
گراں تر آمد از طوقِ عزازیل

مکمل باورچی خانہ

شاہان مغلیہ کے دسترخوان کی لذت

ہر مذہب کے لحاظ سے کھانا پکانے کی سب سے بڑی کتاب دو سو صفحات
کی ضخامت جس میں ۲۸ قسم کی روٹیاں اور پراٹھے ۲۳ قسم کے سموسے اور پوری
بسکٹ ٹکڑے ۹ ۳ قسم کی دالیں اور ان سے مختلف چیزیں بنانے
کی ترکیب ۳۴ قسم کے خاگینہ۔ سالن قورمہ کباب وغیرہ ۲۰ قسم کے
خوش ذائقہ مختلف قسم کے پلاؤ ۳۹ قسم کے ذائقہ دار پکوان ۲۹
قسم کے حلوے ۳۴ قسم کی مٹھائیاں ۔ ۲۳ قسم کی چٹنیاں اور
مربے ۱۹ قسم کے انگریزی و ہندوستانی ناشتے۔ کیک وغیرہ ۲۰ قسم کے انگریزی کھانوں کی ترکیبیں۔ غرضکہ
ایسی مکمل کتاب مارکیٹ میں اس سے قبل نہ تھی۔ قیمت رعایتی بارہ آنے (۱۲) محصول ڈاک
علاوہ (محترمہ فہمیدہ خاتون فرحت کی مشہور تصنیف)

ملنے کا پتہ:- دفتر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

خدا محفوظ رکھے مغربی پتلون والوں سے

(از فخر الشعراء جناب مولوی نظام الدین صاحب لاہوری)

خدا کی شان ہے ہٹلر بھی اب ارشاد کرتے ہیں ۔۔۔ کہ ہو سکتے نہیں گوروں کے ہم پلہ کبھی کالے
مگر کالے بھی کالے ہیں غضب کا زہر ہے ان میں ۔۔۔ کبھی "پھوں" کر دیا تو زیست کے پڑ جائینگے لالے
نہ سمجھو سہل ہے آفات سے پُر راہ آزادی ۔۔۔ یہاں پر راہرو کے پاؤں میں پڑ جاتے ہیں چھالے
شہیدانِ وطن کے سرخ چہروں پر تعجب کیا ۔۔۔ یہ وہ کوچہ ہے جسمیں خون کے بہتے ہیں پرنالے
نہیں شیخ و برہمن واقفِ اسرارِ آزادی ۔۔۔ دکھاوے کی ہیں تسبیحیں، دغا بازی کے ہیں مالے
یہ گردش ہے کہ خود پلتے ہیں وہ غیروں کے ٹکڑوں پر ۔۔۔ جو دنیا میں کبھی تھے بیکسوں کے پالنے والے
حکومت، دولت، و فرماں دہی، قوت، تنومندی ۔۔۔ یہ ابن الوقت ہیں، انکو سمجھ مکڑی کے ہیں جالے
بعزم و ہمت مرداں حریفِ نامرادی ہو! ۔۔۔ نہیں ہے مردِ میدان جو مصیبت میں کرے نالے
تجارت کی یہی ہے سرد بازاری تو سن لینا ۔۔۔ کہ اچھے اچھے سیٹھوں کے گھروں میں پڑ گئے تالے
خدا محفوظ رکھے مغربی پتلون والوں سے ۔۔۔ سیاست کے کھلاڑی ہیں، یہ ہیں آفت کے پرکالے
ہزاروں کوششوں پر ہندو و مسلم نہیں ملتے ۔۔۔ کسی استاد ماہر نے کچھ ایسے پیچ ہیں ڈالے
وہی باطن میں پتھر سے زیادہ سخت ہوتے ہیں ۔۔۔ جو ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم کو روئی کے گالے

نظامؔ ایمان کی یہ ہے کہ ایماں لے ہی لیتے ہیں
عجب غارت گرِ ایمان ہیں یہ گیسوؤں والے

خونِ تمنّا

(از حضرت قیسی رامپوری)

کو بھی سینے دیجئے کیونکہ معاشرتی زندگی سے بہت گہرا تعلق رکھنے والی باتیں ہیں سطور کیوں نہ کہیں جب کہ گزر چکی ہے۔ جی میں آتا ہے کہ لکھوں اور خوب لکھوں اس وقت مجھ پر بھی وہی جذبہ طاری ہے جو آزاد مصنف آبحیات پر ذوق کے حالات لکھتے وقت طاری تھا۔ وہ استاد کا تذکرہ تھا اور یہ ایک شب کے واقعات ہیں۔ اس شب کے جس کی قیمت حضرت ضبط سے دریافت کی جائے تو کچھ نہیں ورنہ سینکڑوں "واجد شاہی" جانیں اس پر قربان ہیں۔

کالج کی لائبریری میں مجھکو ایک خط بدیں مضمون ملا "تمہاری شادی زمیندار دولت بیگ صاحب کی صاحبزادی سے طے پا گئی ہے لہذا گرمیوں میں کشمیر جانے کا ارادہ ملتوی کر کے سیدھے سرور پور آ پہنچو۔"

ایک انگڑائی سی نے جو اعصاب میں سرور کا ایک تشنج سا پیدا ہونے کا نتیجہ تھی اور جس کی غائت رفع کسل نہ تھی۔ اس کے بعد آرام کرسی پر اپنے قد کی پوری لمبائی کے ساتھ دراز ہو گیا۔ دل کی حرکت اس نوید کے زیر اثر کچھ تیز ہو گئی تھی اور آنکھوں میں خفیف سا پانی آئے چلا جا رہا تھا جو زور سے پپوٹے بھینچنے سے شاید ٹپک سکتا تھا مگر "اشک مسرت" کی شان سے پھر ایک بالکل اس غیر آمادہ شخص کی مانند جو تقاضائے ماحول کسی مسئلہ پر غور کرنا چاہتا ہو مگر کسی معقول نتیجہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہو۔ کچھ سوچنے لگا اور سوچتا رہا۔ مگر ہر بار کسی فیصلہ پر پہنچنے میں ناکام رہا۔ بجلی کا پنکھا بہت تیزی سے ہوا کے مسلسل جھونکے میرے چہرے پر لگا رہا تھا مگر میری پیشانی پر خفیف پسینے کی نمی موجود تھی جس کو بار بار صاف کرنے کی کوشش سے جلد سرخ ہو گئی تھی اور اس میں جلن سی محسوس ہونے لگی تھی۔

میرے قلب کے انتہائی عمق میں مسرت موجود تھی۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس خوشخبری کا پہلا اثر نہایت خوش آئند تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت "شریر مخلوق" (طلبا) کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہوں گزشتہ پندرہ منٹ سے ہر تین سیکنڈ میں ایک سوال کے حساب سے تین سو بار یہ سوال سن چکا تھا۔ نعیم! کیا تم کو آج کوئی زبردست خوشخبری پہنچی ہے؟ بہت خوش بے حد خوش نظر آتے ہو۔ آخر ان لوگوں کو کیا پڑی تھی میرے معاملات سے۔

میں گنگ تھا! بالکل خاموش، جواب بھی کیا دیتا اور یہ لوگ سمجھتے بھی کیا؟ انہیں سے ہر شخص کے پاس تو میری طرح شادی کا خط پہنچا نہیں۔

واردات قلب کا جائزہ لیتے پر معلوم ہوا کہ اس مسرت آگیں کیفیت کے پہلو بہ پہلو طبیعت میں سوالات کا ایک طوفان سا بھی اٹھا ہوا ہے۔ اور ان میں سے ایک کو بھی نظر انداز کر دینے کو جی نہیں چاہتا تھا: "بیوی کیسی ہوگی؟" "لکھی پڑھی"؟ حسین؟ وفا شعار؟ محبت پرست؟ ادب سے کچھ مس رکھنے والی؟" جواب میں پھر وہی سوالات کے طوفان تو اٹھنے شروع ہو جاتے تھے ورنہ ملتا تھا تو جواب ہی نہ ملتا تھا۔ لیکن اس خیال سے تسکین ہو جاتی تھی۔ ہوگی تو آخر عورت!۔ ہم ادب لطیف کے بھی تو رسیا تھے۔!

کسی کھیل میں طبیعت نہیں لگتی تھی دل یکبارگی خوشی سے اچھل اچھل پڑتا۔ خیال آتا تھا۔ آج یہاں زندنا رہے ہیں کل سرور پور میں جا دھمکیں گے دل میں فقط مسرت کی موجیں ہی نہیں اٹھ رہی ہیں بلکہ کسی خیال کے ساتھ کلیجہ میں ایک اینٹھن سی بھی ہونے لگی تھی۔

بہتر کہ از حکایت مادر کشی نفس
دل خوں شود ز غصۂ کارِ حبیب ما!!

اس نادیدہ بیوی کے متعلق مجھے کون یقین دلا سکتا تھا کہ وہ بھی زندگی کی اسی قدر قدر و قیمت سمجھتی ہے جس قدر میں اس کے علاوہ زندہ رہنا بھی جانتی ہے اور زندہ رکھنا بھی؟ مسرت سے لبریز طبیعت لے کر سرور پور پہونچا لیکن متذکرہ بالا "بد مزہ تشکیک" کا کوئی درماں نہ کر سکا۔ شام کو جب کہ میں اپنے ڈربہ نما کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا تو "اس طرف" کی عورتیں کچھ رسم ادا کرنے آئیں سرور پور ایک مختصر سا قریہ تھا اور منشی دولت بیگ صاحب یہاں کے زمیندار تھے۔ بارات چونکہ باہر سے آئی تھی چنانچہ "میری طرف والوں" نے چوپال کے نمبردار کا مکان اور دیوان سندروں پر قبضہ جما رکھا تھا جس مقام پر ہماری "مستورات" تھیں وہاں صرف چار تنگ کوٹھڑیاں صحن کو وسعت دینے کے لئے ڈھاک کے پتوں کی بلند دیوار بنا دی گئی تھی۔ خیر —— تو اس طرف کی عورتیں کچھ رسم ادا کرنے آئیں۔ بس وہی میرے تفکرات کی مقدمۃ الجیش ثابت ہوئیں، ایک بھی تو ڈھنگ کی نہ تھی۔ دیہاتیاں تھیں والعدیہا تیاں! کیا ان کو دیکھ کر میں بی۔ اے کا طالب علم ہوتے ہوئے اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ اس ماحول کی پلی ہوئی لڑکی تہذیب و شائستگی میں ان عورتوں کے ہی مانند ہو سکتی ہے۔

میں چونکہ زندہ رہنا جانتا تھا اور اپنے کو زندہ دلی کی تعلیم کا علمبردار

محسوس کرتا تھا ــ اس مایوس کن نتیجہ " سے رنجیدہ تو ہوا ـــ مگر پھر سوچتا تھا خیال آتا تھا کہ آخر یہ گلے پڑا ڈھول تمام عمر کیوں بجاؤں اس کو گلے پڑنے ہی کیوں دوں! فلاسفہ تم کو خدا سمجھے تمہارے اس فقرے نے مجھے بڑا فریب دیا " دانتی بذات خود ناگوار نہیں ہوتے یہ تو تمہاری ہی ذہنیت ہے جو تم کو متاثر کرتی ہے "

ابھی طبیعت پر جو تھوڑا رنج و غم کا تصفیہ زیادہ نہ ہوا تھا اپنی زندہ دلی کی برکت سے پھر دل جو تھا ہو گیا اور اپنے کو " دولہا " " نوشہ " خیال کرکے خوش ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے روز بارات تھا ہو گیا۔ اور نہایت صفائی دلی سے ہم نے بالکل تنہا منافقانہ طور سے قاضی صاحب کے رشتہ کو دھر دیا یعنی تسلیم کر لیا کہ ایک نادیدہ دیہاتی لڑکی کو حضرت آپ کے بار بار کہنے سے رجو اسرار کا مترادف تھا اپنی زوجیت میں لے لیا عجیب لطف تھا میں " منت بالعدہ " کے حکیمانہ فلسفہ پر غور کر رہا تھا اور قاضی صاحب کا اصرار تھا اور اب بھی میں چاہتا تھا کہ ذرا سوچ سمجھ کر قبلہ قاضی صاحب کے ارشاد کا جواب دوں اور پر تقاضا تھا کہ فٹ پٹ طوطے کی طرح جناب کے الفاظ دہرا دوں۔ فیصلہ کو پسند کر چکا تھا کہ نہ اس لڑکی سے عقد کرنا ہے مگر بلا تامل کسی بات کا اقرار کر لینے کی عادت بھی تو نہ تھی لیکن یہاں آزادی رائے گم تھی

رات کافی جا چکی تھی۔ اب کسی خیال سے دل کے اندر ایک مسرت خیز انبساط سی محسوس ہونے لگی۔ باقی ہر کلمہ سے ہوتے جا رہے تھے کلیجہ ایک تیز " لطف خوف " کے ساتھ اکثر اچھل اچھل پڑتا تھا۔ وہ میرے حواس و قائم مزاجی جس کے متعلق میں آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ شدید سے شدید خوف زبردست سے زبردست مسرت بھی اس کو متاثر نہیں کر سکتی آج رخصت ہو چکی تھی اس کی جگہ طبیعت میں پر مسرت " خطرہ " اور گدگدی خیز ہراس پا رہا تھا۔ مجھ پر تمام عمر اس قسم کی مبہم کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی۔

میری توقعات خدا جانے کیا کیا تھیں۔ میں اپنے خیالات میں اس قدر گم تھا کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ جس مقام پر میری " موعودہ مسرتوں کا " نزول ہونے والا ہے وہ مری درب نما کوٹھڑی ہے جس کے اندر سے زور دفیانہ نکل بھاگتا تھا۔ یہ احساس مجھے اس وقت ہوا جب کہ میں کسی کام سے اس کوٹھڑی میں گیا کونے میں ایک لیمپ جل رہا تھا۔ گوبر سے لپے ہوئے فرش پر ذرا سی ہوا سے مٹی جھڑ جھڑ کر ڈھیر ہوتی جا رہی تھی۔ پلنگ نے اس قدر جگہ لی تھی کہ اس " عالی شان کرہ " کا تمام رقبہ اس کے نیچے آ کر رہ گیا تھا۔ توشک اور تکئے اس قدر میلے ہو رہے تھے اور ان کی " زینت " کا اب تک خیال تھا۔

میرے دماغ میں اپنی روزانہ کی پر فضا تفریحوں کے مناظر گشت لگانے لگے۔ وہ سرسبز روشیں وہ بلوریں سطح آب وہ پھولوں کی مہک بھرے تکے بعدہ میرا آراستہ پیراستہ کمرہ جو ہمہ اوقات میری دلچسپیوں کا مرکز بنا رہتا ہے۔ لیکن آج میں اپنے کو ایسی گھناؤنی جگہ پر پا رہا تھا جس کی فضا سے وحشت ہوتی تھی۔

میں بہت دیر تک کھڑا رہا۔ وہ تمام مسرتیں جنہوں نے ان لمحات کو روح پرور و پرنشاط بنانے کا وعدہ کیا تھا، کھپریل کے نیچے گوبر سے لپے ہوئے فرش پر پڑی تڑپ رہی تھیں وہ مخصوص تخاطبانہ جملے جن کو میں نے بہ لحاظ " تاثرات بڑی احتیاط سے منتخب کیا تھا " منلق الطیر " کے مترادف ہو کر رہ گئے میں سب کچھ بھول گیا تھا کہ یہ بھی ـــــ کہ دولہا ہوں۔!

ہماری تہذیب! تجھے خدا سمجھے۔ ہم جانتے ہی نہیں کہ مسرت کے اسباب کس طرح فراہم کئے جاتے ہیں۔ مسرتیں کس طرح ہوتی ہیں؟ وہ مسرت جس کی قیمت ہندوستانی شادی بھی کافی رکھتی ہے۔ ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ متمدن اقوام سے اس کی قدر و قیمت دریافت کر لی جائے وہ کس قدر دلچسپیاں لیتے ہیں۔ کیسے کیسے سدا بہار و پر فضا مقامات پر جا کر " ہنی مون " منائے جاتے ہیں ہم تو زندگی کو ہی وبال سمجھنے کے عادی ہیں۔ پھر دلچسپیوں کا جویا ہو کون؟ ہر دم بدنصیبی کا گلہ کرنے کی جس قوم کی عادت ہو گیا وہ کبھی حقیقی مسرت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ وہ قوم یزداں پرست نہیں ہے بلکہ اہرمن پرست ہے!

ذہن تمام مسائل کو اسی وقت حل کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے طبیعت کو ذرا روکا اور خیالات کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو فرو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر جب تک اس کوٹھڑی میں کھڑا رہا نفرت و غصہ کی حالت طاری رہی۔

آخر سکون حاصل کرنے کیلئے مجھے یہاں سے نکل بھاگنا پڑا۔ اس مختصر بستی پر نیند کا پورا تسلط تھا۔ دھیمی ہوا چل رہی تھی جو میرے پسینے سے تر کپڑوں کو خشک کر دینے کی اپنے میں قوت نہ پا کر میرے جسم سے مس کرتی ہوئی گذر جاتی تھی۔ اس قریہ میں آج سب سے زیادہ خوش نصیب شخص میں تھا لیکن کسی کو کیا علم کہ کس کرب و اذیت میں میں مبتلا تھا۔ میں آج وہ شخص تھا جس کے طفیل میں ہر " باراتی " کئی روز سے عمدہ عمدہ غذائیں کھا رہا تھا اور چند روز کے لئے اپنی کاروباری زندگی سے معطل ہو کر مزے سے میٹھی نیند سو رہا تھا۔ لیکن مجھے آج کی شب کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی، کوئی پناہ نہیں دے سکتا تھا۔

آخر میں گاؤں کے باہر دریا کے کنارے ایک فراخ چٹان پر جا بیٹھا ہر شے مجھے نیند کا پیام پہنچا رہی تھی۔ مگر میرے سر میں اس وقت دماغ نہ تھا بلکہ کسی ورکشاپ کا انجن تھا بے خوابی کے باعث سر پھٹا پڑتا تھا مسلسل کوفت

سے شعور شکستہ پھیلا تھا۔ سنتے ہیں کہ نیند کا غلبہ تھکے ماندے اعصاب پر جلد ہو جاتا ہے مگر آج اس نے آنے کی قسم کھائی تھی۔

میرا اس قدر متفکر ہونا جائز نہ تھا میری توقعات کا سخت بیدردی سے خون کر دیا گیا تھا مجھ سے کیوں نہیں کہہ دیا گیا کہ "مناکحت" کا مقصد و اکتساب مسرت نہیں بلکہ بہائم کی طرح صرف افزائش نسل اس سے مقصود ہے۔

نہ معلوم کب سو گیا اور کس طرح سو سکا؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ ایک گیلی ملائم سی شے نے میری آنکھ کھول دی دیکھتا ہوں کہ ایک جیلس گھڑی میرا پیر چاٹ رہی ہے، اس کی اس منکسرانہ حرکت سے میں مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا اور آنکھیں مل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ سے ہلوں شیاطین کا گروہ (میرے احباب) نمودار ہوا۔ ان کی نظریں تمسخرانہ انداز میں مجھ پر پڑ رہی تھیں اور میں اپنی "ہزیمت کامل" کے تمام علامات چہرے سے مٹانے کی کوشش کرتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔ "بھئی تم ـــــ تم یہاں کہاں!" میں نے کوئی جواب نہیں پایا صرف۔

"اینجا دارم ہمہ اسباب تعیش۔ عیدی؟"

کہتا ہوا میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

بھابی جان کا کتّا

(از جناب شوکت تھانوی)

ہم کتے سے بہت ڈرتے ہیں اور اس کو بھی زیادہ بھابی جان سے۔ مگر قسمت کو دیکھئے کہ اپنے ہی گھر میں یہ دونوں مصیبتیں موجود ہیں، بھابی جان بھی ہیں اور ان کا نہایت خوفناک کتا بھی۔

یہاں یہ حال ہے کہ اس راستہ تک ہم چھوڑے ہوئے ہیں جہاں کتے پائے جاتے ہیں، ان دوستوں سے بھی ہم نے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے، جن کے یہاں کتے پلے ہوئے ہیں، مگر اب بتائیے کہ اپنے گھر کو کیسے چھوڑ دیں اور بھابی جان کے کتے کا کیا علاج کریں۔

یقین جانئے اس کتے نے زندگی دشوار کر رکھی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اچھا خاصا گدھے سے بڑا ہے۔ دوسرے ہم نے خود دیکھا ہے کہ یہ کتا جب کسی پر بھونکتا ہے تو شیر سے کم بھیانک نہیں ہوتا۔

ہم تو خیر کیا چیز ہیں بڑے بڑے سورما بھی اس کا رہا ملتے ہیں، اور اس کی ایک ڈانٹ پر سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ جاتے ہیں۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ دن رات اسی کتے کے ڈر سے گھٹتے رہتے ہیں، سچ جانئے اگر یہ بھابی کا کتا نہ ہوتا، تو ہم اپنے کسی دوست سے کہہ کر زہر دلوا دیتے، کتے ماروں کو کچھ دے دلا کر اس کا قصہ پاک کرا دیتے، خود اپنی جان پر کھیل کر اسے گولی مار دیتے، یا کسی انگریز سے کہتے کہ اس کتے کا اغوا کرے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات ہوئی تو بھابی جان زندہ بھی رہنے دیں گی یا نہیں، ان کا یہ حال ہے کہ اس کتے سے خود بھی اولاد کی طرح محبت کرتی ہیں، اور ہم سے بھی یہی چاہتی ہیں کہ ہم اس نامعقول کو اپنا بھتیجا سمجھیں اور یہاں یہ حال ہے کہ رات کو بستر کے پاس ہی "پاٹ" رکھ کر سوتے ہیں کہ بستر سے اٹھنا نہ پڑے، اور دن میں بھی جہاں کہیں کتے کو اپنے قریب دیکھا ہے مع جوتوں کے کسی نہ کسی کے بستر پر لوٹ پوٹ نظر آتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے، بھائی جان تھے، اور بھابی جان کی ایک سہیلی بھی آئی ہوئی تھیں، صحن میں میز پر چائے پی جا رہی تھی، بھابی جان نے ہم کو بھی بلا لیا تھا، ان کا خیال تھا کہ شاید ان کی سہیلی کو دیکھ کر ہم اپنا گھر بسانے کا ارادہ کر لیں۔

خود بھائی جان بھی یہی چاہتے تھے، اور اس بات کو اتنی شہرت دی جا چکی تھی کہ خود سہیلی صاحبہ کو بھی اس کا پتہ تھا، کہ ہمیں ان کا امیدوار بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، آج کی چائے اس وجہ سے ذرا ٹھاٹھ دار تھی۔

بھابی جان نے ہمارے کان میں کہا — "اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر ستارہ کو دو"۔

ادھر بھائی جان نے بھی ستارہ کے کان میں کچھ کہا، وہ واقعی ستارہ تھی، گوری، چٹی، بڑی بڑی آنکھوں والی، پھر کالج کی زندگی نے اس کو خوبصورت بننا بھی سکھا دیا تھا، اس وقت وہ سفید رنگ کی سیاہ کنارے والی ساری میں بلیک اینڈ وہائٹ کی ملکہ بنی ہوئی بیٹھی تھی۔ سنہری بالوں کی ریشمی لٹیں اس کے چہرہ پر لہرا رہی تھیں، جارجیٹ کی ساری میں ہوا سے ایسی لہریں پیدا ہوتی تھیں، جیسے کشمیر کی کوئی جھیل سانس لے رہی ہو۔

بھائی جان نے معلوم نہیں اس کے کان میں کیا کہا، کہ ایک دم اس کے چہرے پر شفق کی تمام سرخیاں سمٹ کر جمع ہو گئیں،

اور اس نے سر جھکا کر ایک پیالی میں چائے بنانی شروع کر دی۔

ہم نے بھی بھابی جان کے مشورہ سے ستارہ کو چائے پیش کی، ادھر ستارہ نے دوسری پیالی ہماری طرف بڑھائی، اب ایک پیالی اس کے ہاتھ میں تھی اور ایک ہمارے، ہمارے دوسرے ہاتھ میں پیسٹری کی رکابی تھی اور دوسرے ہاتھ میں بسکٹوں کی طشتری یعنی دونوں طرف ایک ایک تیسرے ہاتھ کی کمی تھی جس سے ایک دوسرے کے ہاتھ کی پیالی لیتے،

بھائی جان اور بھابی جان اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے خاموش مسکرا رہے تھے، اور ہم دونوں اس فکر میں تھے کہ کون سا ہاتھ خالی کریں کہ یکایک بھابی جان کا بدتمیز ٹائیگر نہایت خوفناک آواز کے ساتھ بھونکا۔ اور ہماری پیالی پرچ کے اوپر سکیٹنگ کرتے کرتے، ستارہ کی گود میں گرنے کے قریب تھی کہ وہ چیخ مار کر کرسی سے اچھل گئی اور ہم نے گرنے والی پیالی کو خود اپنے اوپر انڈیل لیا، چائے کی میز پر غدر کی سی حالت پیدا ہو گئی، انگور شکر دانی میں نظر آنے لگے سیب میز پر لڑھکنے لگے، دودھ چھلک کر میل کلاتھ پر پھیل گیا۔ اور بالائی والی سے سول میرج کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔

بھائی نے آنکھیں نکال کر بڑے زور سے کہا "یہ کیا حرکت ہے؟"

ہم نے سر سے پیر تک اپنی حالت دیکھ کر کہا "سب کپڑے خراب ہو گئے"۔

ستارہ نے ہنسی کے مارے بل کھا کر کہا — "میں خوب بچی"۔

بھائی جان سوالیہ نشان بنے بیٹھے رہے، مگر بھابی جان کو رہ رہ کر

شاید بالقابہ اپنے ناسعقول کتے پر نہیں بلکہ ہم پر، حالانکہ آپ جانتے ہیں ہم نہیں بھونکے تھے بلکہ بدتمیزی کتے ہی کی تھی۔

بھابی جان نے میز کی تمام چیزیں درست کرتے ہوئے کہا —— تمہیں کبھی تمیز نہ آئے گی، اور نہ تم کبھی آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوگے۔

ہم نے تعجب سے کہا "یعنی میں ؟"

● بھابی جان نے تیزی سے کہا —— "اور نہیں تو کیا میں؟ آخر ہوا کیا تھا تمہیں؟" ——

ہم نے کہا — کیا آپ نے نہیں سنا کہ آپ کا ٹائی گرگس بری طرح بھونکا تھا۔

ستارہ پھر ہنسی کے مارے بل کھا گئی، بھائی جان نے بھی قہقہہ لگایا، مگر بھابی جان کو ابھی تک ہماری ہی خطا نظر آ رہی تھی، بگڑ کر کہنے لگیں "واہ رے تمہاری بہادری، ایسے ہی ڈرپوک تھے تو مرد کیوں بنے؟"

بھائی جان نے کہا "یہ ہمیشہ ہی کتے سے ڈرتا ہے مگر اس وقت تو کمال ہی کر دیا"

ستارہ نے کہا "میں تو بالکل ہی چائے میں نہا جاتی" ——

ہم نے نہایت ہی بھاری بھر کم بن کر کہا — صاحب بات یہ ہے کہ کتے سے ڈرنا ہی چاہیئے، جانور کا کیا ٹھیک ہے؟ پھر جانور بھی کون! کتا، دوسرے یہ بھابی جان کا کتا تو نہایت ہی نامعقول ہے۔ اس میں شرافت کا نام تک نہیں ......

بھابی جان نے بات کاٹ کر کہا — کیا کہا شرافت کا نام تک نہیں ہے۔ اس کاٹلینڈ کے خاندان کا نہایت ہی شریف کتا ہے، اس کی ماں لیڈی ڈاکٹر کامرنی کے یہاں تھی، اور باپ پروفیسر بھاٹیا کے یہاں اب تک موجود ہے، ایسا کتا تو آپ کو دیکھنے کو نہیں ملے گا، یہ کہیے کہ اس گھر میں پڑا ہوا ہے، کسی اور کے پاس ہوتا تو گرمیوں میں پہاڑ بھیجا جاتا، اور ایک نوکر اس کو نہلانے دھلانے کے لئے ہوتا، ستارہ! تم نے ڈاکٹر مرنی کی کتیا دیکھی تھی نہ؟ یہ اس کا بچہ ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ شریف نہیں ہے؟" —

ہم نے کہا — دیکھئے بھابی جان! بڑے خاندان کا ہونا دوسری بات ہے اور ذاتی شرافت دوسری چیز ہے، اس کمبخت کی یہ عادت ہے کہ جہاں مجھے دیکھا بس چلا میری طرف، اب اگر میں ماروں تو آپ برا مانیں اور نہ ماروں تو خود مروں، میں اگر اس سے گھبراتا ہوں تو اس کو چاہیئے تھا کہ میری طرف رخ ہی نہ کرتا"۔

بھائی جان نے ہنس کر کہا — بینک ٹائیگر کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے تھا"

ستارہ نے بھابی جان سے مسکرا کر کہا — یہ پڑھا لکھا کہاں تک ہے"؟

بھابی جان نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "انہیں سے پوچھیے یہ کتوں کو اتنا سمجھدار دیکھنا چاہتے ہیں" ——

ہم نے کہا —— "آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے کبھی کتے دیکھے ہی نہیں، انگریزوں کے یہاں کے کتے دیکھئے کیسے سمجھدار اور شریف ہوتے ہیں، دور سے کسی کو آتے ہوئے دیکھیں تو سپاہیوں کی طرح ہوشیار ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ جب وہ آدمی قریب آئے تو نہایت شرافت سے ایک بار "زخ" کر کے گویا آنے کی وجہ معلوم کریں، پھر دور ہی سے اس شخص پر ایک گہری نظر ڈال کر کہ کوئی چور یا بدمعاش تو نہیں ہے، اس کے بعد اطمینان سے بیٹھ جائیں، آپ کے کتے کی طرح نہیں کہ باہر آنے جانے والے کا ناک میں دم کر دیں اور بھونک بھونک کر زمین آسمان سر پر اٹھالیں یہ بھی کوئی شرافت ہے"؟

بھائی جان نے کہا —— "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، واقعی کتے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اچھی طبیعت کا اور ملنسار ہو" ——

بھابی جان نے جل کر کہا —— ہاں اور کیا، ایک تم دونوں ملنسار ہو اور اب میرے کتے کو ملنسار ہونا چاہیئے"۔

ستارہ بڑی حسین ہنسی ہنس رہی تھی، اس وقت اس کے ہنسنے کے ساتھ ہی اس کا حسن بھی نکھر رہا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ باغ باغ ہوئی جاتی ہے، اس نے چائے کی دوسری پیالی میری طرف بڑھائی اور میں نے انگور کی طشتری اس کی طرف کھسکا دی۔

بھائی جان بھابی جان کی خاطر میں مصروف تھے، اور وہ خفا ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ بڑی تیزی سے چلا رہی تھیں، اس طرح چائے کا دور چلتا رہا، بھابی جان کتے کی تائید میں برابر تقریر کرتی رہیں، آخر تھوڑی دیر کے بعد بھائی جان نے معلوم نہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں بھابی جان سے کیا کہا، کہ وہ بھی کتے کے بارے میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں بھائی جان وہاں سے چلے گئے، ان کے جانے کے دو تین منٹ بعد بھابی جان نے کہا۔ دیکھو ستارہ! تم دونوں یہیں رہنا۔ میں ابھی آتی ہوں"۔

میں نے جلدی سے کہا "اور میں ——؟" ——

بھابی جان نے کہا۔ آدمی بنو، کیا مہمان کو اکیلا چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ یہ کہہ کر وہ تیزی سے صحن کی طرف نکل گئیں۔ اور ستارہ نے اپنی آنکھیں اور بھی جھکا لیں — رہ گئے ہم، ہم نے بھی چائے کے چمچے سے ایک پرچے پر جل ترنگ بجانا شروع کر دیا، مگر سناٹا پھر بھی قائم رہا، آخر میں نے خود ہی ایک سیب تراشتے ہوئے ستارہ کا خیال مائل کرنے کے لئے کہا "میں آپ کے لئے سیب تراش رہا ہوں" ——

ستارہ نے کچھ سمٹ کر کہا "جی نہیں"

ہم نے کہا "جی نہیں کے کیا معنی؟"

ستارہ نے کہا "تراش تو رہے ہیں آپ مگر........"

ہم کاٹ بات کر کہا — مگر نہیں تراشتے رہے ہیں"

ستارہ نے اپنی بغل میں منہ چھپا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ تو بات میں بات پیدا کرتے ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ میں نہ کھاؤں گی" —
میں نے کہا۔ "آپ نہ کھائیں گی، اچھا تو آپ مجھ سے بھی کھانے کے لئے نہ کہئے گا" —

ستارہ نے پھر کہا — "تو میں کب کہہ رہی ہوں آپ سے؟" —
میں نے کہا — "تو پھر یا نہ کہئے، میرا دل چاہتا تھا کہ ایک آدھ پھانک کھاتا" —

ستارہ نے کہا — "ہاں ہاں آپ ضرور کھائیے" —
ہم نے سیب کی کٹی ہوئی قاشیں رکھتے ہوئے کہا۔ "جی نہیں اب نہ کھاؤں گا"

ستارہ نے زور دینے کے انداز سے کہا: "نہیں آپ ضرور کھائیے"۔
ہم نے کہا۔ "دیکھئے آپ خود ہی کہہ رہی ہیں" اور پھر یہ کہیں گی کہ میں کب کہتی ہوں"۔
ستارہ نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو میں ہی کہہ رہی ہوں آپ کھا لیجئے"۔
ستارہ نے کچھ شرما کر اور کچھ جھجک کر سیب کی پھانک لینا چاہی، مگر ہم نے اپنا ہاتھ کھینچ کر کہا۔ "یونہیں"۔
ستارہ نے بھولے پن سے کہا — "پھر کیسے؟"
ہم نے کہا — "دیکھو ستارہ! بھابی جان اور بھائی صاحب نے تمہیں اور ہمیں اس لئے اکیلا چھوڑ دیا ہے کہ خود ایک دوسرے سے آنے والی زندگی کیلئے عہد و پیمان کریں، اس کو تم بھی جانتی ہو، اور میں بھی، ایسے موقع پر اگر تم میرے ہاتھ سے سیب کھا لو، تو میں تمہاری مرضی اور خوشی کا اندازہ کر سکتا ہوں"،

ستارہ نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اپنے کو بالکل گٹھڑی بنا لیا، ہم نے اس کی طرف کرسی بڑھا کر کہا — "میرے خیال میں اس موقع پر شرم سے زیادہ بے باکی کی ضرورت ہے، کیا تم میرے ہاتھ سے سیب کھانا پسند کرو گی؟"
ستارہ خاموش رہی ہم نے پھر کہا — بولو ستارہ بولو،

ستارہ نے نہایت باریک آواز میں کہا — ہوں،
ہم نے بھی سیب کی پھانک بڑھا کر ستارہ کا منہ اوپر اٹھایا، اس کی آنکھیں بند تھیں، مگر سیب اس نے کھا لیا، اس کے بعد ہم خود اس کے ہاتھ سے سیب کھانا چاہتے تھے کہ بالکل کھڑبڑا کر ستارہ کو پھاندتے ہوئے دوسری کرسی پر جا گرے، ادھر بھابی جان اور بھائی صاحب قہقہے لگاتے ہوئے سامنے آ گئے،

بھابی جان نے ستارہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا — میری دیورانی ستارہ! اور ہم نے خوفزدہ آواز میں کہا — ٹائی گر کو ہٹائیے —
بھائی دت دت کرتے ہوئے ٹائیگر کے پیچھے دوڑے اور ہماری جان میں جان آئی۔

شعرائے محشر خیال جذبات

[illegible]

پھر ہوئی وحشت مجھے وحشت کے ساماں دیکھ کر
اپنے سینہ میں فروزاں داغ ارماں دیکھ کر
میرے شکوے سن کے ظالم کی نگاہیں جھک گئیں
میں پشیماں ہو گیا اُن کو پشیماں دیکھ کر
بے قراری ہی کو پایا راحتِ قلب و جگر
ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں دیکھ کر
اک جھلک اُس حسنِ مطلق کی جو دیکھی تھی کبھی
ہوش کھو دیتا ہوں اب ہر روئے تاباں دیکھ کر
جاگ اٹھیں آرزو میں شوق نے لیں چٹکیاں
مائلِ لطف و مروت چشمِ جاناں دیکھ کر
ذرہ ذرہ مجھ کو دیتا ہے حقیقت کا پتہ
کل کو پا لیتا ہوں اجزائے پریشاں دیکھ کر
مرحبا جوشِ جنوں حلقے مری زنجیر کے
ٹوٹتے جاتے ہیں مجھ کو پا بجولاں دیکھ کر
پاؤں مجنوں کے نہ اٹھے کوچۂ دلدار میں
خاک کے ہر ذرہ میں تصویرِ جاناں دیکھ کر
پھر بڑھا دستِ جنوں تارِ گریباں دیکھ کر
کیا کروں گا اُن کی محفل میں چراغاں دیکھ کر

کس قدر بیگانگی آئی مزاجِ دہر میں!
بھاگتا ہے دور اب انساں کو انساں دیکھ کر

[illegible]

[illegible]

دے اہمیت اتنی نہ فنا کو نہ بقا کو
ناداں سمجھ غور سے منشائے قضا کو
بھٹکا ہوا نالہ ہے مرا روزِ ازل سے
سمجھا ہی نہیں قافلہ آوازِ درا کو
دیدار کا وعدہ ہے وہ آئیں گے سرِ حشر
تکتا ہوں میں ہر ایک کے نقشِ کفِ پا کو
ہشیار بنایا مجھے بے ہوش بنا کر
دیتا ہوں دعائیں تری مستانہ ادا کو
اک ہوش اِنہیں خاک کے ذروں میں نہاں ہے
سجدہ نہ کروں کیوں ترے نقشِ کفِ پا کو
امیدِ اثر جب نہ رہی مجھ کو شبِ غم
تاثیر چلی ڈھونڈنے خود میری دعا کو
اک موج ہے یہ بھی ترے طوفانِ ستم کی
میں اور ہی کچھ جانتا تھا روزِ جزا کو
ہشیار نہیں قافلے میں ایک بھی رہگیر
اللہ بدل دے اثر بانگِ درا کو
لب ہل نہیں سکتے مگر آنکھوں میں تو دم ہے
اے دستِ نظر تھام لے دامانِ دعا کو

مدت سے ہیں گمراہ الم شیخ و برہمن
یہ بھول گیا بت کو وہ بھولا ہے خدا کو

[illegible]

[illegible]

آپ کو دیکھئے پھولوں میں چھپے بیٹھے ہیں
کس نزاکت سے مرے دل کو لئے بیٹھے ہیں
جس طرف دیکھ لیا ہو گئی دنیا بدمست
آپ اک میکدہ آنکھوں میں لئے بیٹھے ہیں
دل کی بربادی کا افسانہ کہیں کس کس سے
طاقتِ ہوش و خرد نذر کئے بیٹھے ہیں
کاش اس عہد فراموش سے کہہ دے کوئی
خانۂ دل میں تری یاد لئے بیٹھے ہیں
رحم کھانا تھا جنہیں حال پہ پامالوں کے
بادۂ عیش سے سرشار بنے بیٹھے ہیں
آج بھی اُن کی نگاہوں کے سمجھنے والے
"جلوۂ طور" نگاہوں میں لئے بیٹھے ہیں

[illegible]

کچھ وہی جانتے ہیں عشق کی لذت صابر
درد الفت کو جو پہلو میں لئے بیٹھے ہیں

خدا جانے محبت مانع ضبط فغاں کیوں ہے
شہیدانِ وفا کو دعوتِ تیر و سناں کیوں ہے

تمہیں دیکھا نہیں تو دو جہاں شیدا ہوئے کیونکر
اگر یہ راز ہے تو رازداروں پر گراں کیوں ہے

محبت ابتدا میں کھیل سا معلوم ہوتی تھی
تمہیں خود اعتمادِ حسن ہے تو امتحاں کیوں ہے

اگر درد محبت نام ہے بیمارئ دل کا
زمانے میں تمہارا نام پھر آرام جاں کیوں ہے

تمہارا حسن بھی اچھا ہے، یا دحسن بھی اچھی
نہیں معلوم چشم جستجو اب خونچکاں کیوں ہے

تمہیں پایا تو اپنے آپ کو کھویا ہوا پایا
تو پھر ماہیت دل حاصل درد نہاں کیوں ہے

یہی ہے ابتدا دل کی یہی ہے انتہا دل کی
جو وہ آرام جاں ٹھہرا تو یہ درد نہاں کیوں ہے

یہ باتیں پوچھنے کی ہیں مگر میں کس طرح پوچھوں
مری سعی طلب مشکور ہے تو رائیگاں کیوں ہے

نگاہ ناز سے پوچھو کر قتل عام کیا معنی
مگر اب درد میں کچھ لذتِ زخم نہاں کیوں ہے

کہ مجھ پر مہرباں ہو کر عدو پر مہرباں کیوں ہے
خطا تو صرف میری ہے یہ تخریب جہاں کیوں ہے

سبھی عاشق ہیں کس کو عشق کا دعوے نہیں سیفی
سبھی کا امتحان ہوتا ہمارا امتحاں کیوں ہے

کیونکر ہنسیں؟

طریق خندہ زنی کی تعیین اس وقت عمل میں آتی ہے جب انسان کی عمر اٹھارہ سال ہو جاتی ہے۔ ہنسنے کا طریق پیرانہ سالی تک قائم رہتا ہے۔ اور اس وقت تک اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ ازاں بعد تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حلق کے جن منافذ سے آواز نکلتی ہے۔ ان میں بڑھاپے کی وجہ سے خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ بڑھاپے تک ہم ایک خاص انداز کے ساتھ ہنستے ہیں جس سے کیرکٹر کے متعلق یقینی طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہنسنے کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ انسان کا چہرہ متبسم ہو آنکھوں میں حرکت پیدا ہو۔ اور ہنسی مکمل ہو۔ یعنی ہنسی کو روکنے یا ضبط کرنے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس طریقے سے ہنستے ہیں۔ وہ لائق اعتماد اور فیاض ہوتے ہیں جذبہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور دوستی میں وفادار ثابت ہوتے ہیں جو لوگ ہنستے وقت حلق سے آواز نکالتے ہیں۔ جن کے حلق کی رگیں ایسا کرنے میں کھنچ جاتی ہیں۔ اور ان کے چہروں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی وہ ہوشیار اور محتاط ہیں لیکن وہ اپنے طریقوں کے خفا کی بہت زیادہ پروا نہیں کرتے۔

جن لوگوں کی ہنسی منہ سے باہر نہیں نکلتی۔ اور جو ہنستے وقت اپنے کندھوں کو جنبش میں لاتے ہیں یہ لوگ نیک طینت ہوتے ہیں۔

ہنستے وقت جن لوگوں کا چہرہ متبسم نہیں ہوتا۔ جو ہنسنے میں اپنے لبوں کو سختی سے بند رکھتے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں میں ضیاء مسرت کی جھلک نظر نہیں آتی۔ وہ سنگ دل اور ظالم ہوتے ہیں۔

جو لوگ زور شور سے قہقہہ لگاتے ہیں وہ لائق اعتماد نہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جذباتی آدمی ہیں۔ حالانکہ عام طور سے ایسے لوگوں کے متعلق عمدہ رائے ظاہر کی جاتی ہے۔ اکثر اوقات اس قسم کے آدمیوں کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے۔

جو لوگ کم ہنستے ہیں۔ ان کا کیرکٹر مضبوط نہیں ہوتا۔ اور وہ ترغیب و تحریص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن بسا اوقات ایسے آدمیوں کا دماغ اچھا ہوتا ہے۔

جو لوگ شاذ و نادر ہنستے ہیں۔ لیکن ہنستے وقت ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور ان کی آنکھوں۔ لبوں اور چہرے سے آثار مسرت ہویدا ہو جاتے ہیں۔ وہ مستقل مزاج، معتبر، عالی ظرف اور عالی دماغ ہوا کرتے ہیں۔

ہم کیوں روتے ہیں؟

انسان کے لئے جہاں ہنسنا نہایت ضروری ہے۔ وہاں رونا بھی بہت مفید ہے۔ ہنسی نہ صرف ایک قدرتی علاج ہے۔ بلکہ اس میں نہایت قابل قدر قوت تاثیر مضمر ہے۔

مگر رونا ایک ایسا شکن حال کا نام ہے۔ جو صرف کسی عزیز ترین ہستی کی دائمی مفارقت یا اسی طرح کے حادثہ جانکاہ تک محدود ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ طبعی اعتبار سے ہنسنا اور رونا ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں فرق ہے تو صرف یہ کہ ہنسنا فطرت کا ایک جارحانہ اور مثبت فعل ہے اور رونا مدافعانہ اور منفی۔ رونے میں خدا نے عجیب تاثرات ودیعت فرمائے ہیں۔ رونا عموماً جرائم کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ خواہ جرم کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ رونے سے جوش انتقام اور جذبہ تعزیر میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔

جانور بھی روتے ہیں

میکسیکو اور کیلیفورنیا کے ریگستانی علاقہ میں ایک دلچسپ قسم کی چھپکلی پائی جاتی ہے جسے سینگ دار مینڈک کہتے ہیں وہ ایک بے ضرر مخلوق ہے۔ اور چاہتی ہے کہ لوگ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن جب اُسے دق کیا جائے تو وہ بہت جوش میں آ جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اس وقت خون کے آنسو روتی ہے۔ اور وہ بھی ایک عجیب طریقہ میں

پلک سے خون گرنے لگتا ہے

جب یہ چھپکلی زیادہ پریشان ہوتی ہے تو اس کے دماغ میں خون جمع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے پلک اس قدر بھاری ہو جاتے ہیں کہ معمولی جسامت کے دگنی یا تگنی ہو جاتی ہے۔ اور اوپر والے پلک کی نلی میں سے خون کا ہلکا سا قطرہ گرنے لگتا ہے۔ غیر معمولی حالات میں فالتو خون خارج ہونے لگتا ہے۔ اور وہ رونے کا ایسا واحد طریقہ ہے۔ کہ ہم اس کے بے نظیر ہونے پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ طریقہ ایک طور پر انسانوں کی آنکھوں کی اس حالت سے مشابہ ہوتا ہے۔ جب کہ وہ غصہ کے مارے سرخ پڑ جاتی ہیں۔ اور اس سے رونے کے عمل پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔

پروفیسر جے۔ آر۔ ٹامسن" لنڈن کے ایک ہفتہ وار اخبار میں لکھتے ہیں۔ کہ وہم پسند انسان جو خیال ہنسی کے متعلق ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیں آنسوؤں کے متعلق اس خیال کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بہت سے حیوانات جو تھنوں سے دودھ پلاتے ہیں۔ اس قسم کے ہیں۔ کہ جب وہ روتے ہیں۔ تو کثرت سے روتے ہیں۔ اس رونے کی ابتدا کی غرض نسبتاً زیادہ سیدھی سادی ہو سکتی ہے۔

حیوانات کے آنسو

ڈارون نے ایک کتاب "جذبات کا اظہار" نامی لکھی ہے اس کا بہت ہی کم مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں بعض قسم کے بندروں اور ہاتھیوں کے رونے کے متعلق بعض اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ بعض اور جانوروں کے حالات بھی لوگوں کو معلوم ہیں جن میں کچھ کچھ رونا بھی شامل ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان خیالات کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

آنسوؤں کی جھڑی کی وجہ

یہ ایک عام تجربہ ہے کہ ایک تیز خوشبو کے سونگھنے سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ اس طرح ضرب لگنے سے۔ آنکھوں میں جلن پیدا کرنے والے ذرّوں کے بھرنے سے۔ آنکھوں کو سخت سردی لگنے سے۔ اور مختصر یہ کہ تحریک پیدا کرنے والی مختلف چیزوں سے آنسو کثرت سے بہنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ آنکھوں کے غدود سے رطوبت حد سے زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہے۔ اس رطوبت کا معمولی کام یہ ہے۔ کہ وہ آنکھوں کی سطح کو نمی پہونچاتی رہتی ہے۔

ہمارے آنسو کئی راستوں سے خارج ہوتے ہیں۔ اور وہ یا تو بالائی پلک کی اندرونی سطح پر آ جاتے ہیں۔ اور وہاں سے وہ اس راستہ میں جو ناک کی طرف جاتا ہے۔ چلے جاتے ہیں باقی آنسو آنکھوں سے خارج ہو کر رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے گر جاتے ہیں۔

رونے سے فائدہ

حد سے زیادہ رطوبت خارج ہونے سے آنکھیں صاف ہو سکتی ہیں۔ اور یہ بات ہمیشہ مفید پڑتی ہے۔ آنسو ناک میں پہونچ کر بھی فائدہ ہی دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ وہ اس کی حس میں اضافہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان تبدیلیوں کو سکون ہو جاتا ہے۔ جو دوران خون میں پیدا ہوتی ہیں۔ ناک کی غددوں اور اعصاب کو بھی تسکین دیتے ہیں۔

خوشی کے آنسو

یہ ایک معمولی بات ہے کہ مضبوط آدمی کسی مسرت بخش واقعہ پر در رہے ہیں وہ جب زور سے قہقہے لگاتے ہیں۔ تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ آنسو قہقہوں کے بعد خارج ہوتے ہیں۔ بہت ہی چھوٹے بچے پہلے دن سے چھینکتے ہیں اس کے بعد اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ ڈارون نے معلوم

کہا ہے۔ کہ بچے پہلی بار سچا رونا تین ماہ کے عرصہ میں روتے ہیں۔

بچپن کے ابتدائی زمانہ میں جو آنسو خارج ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ درد اور تکلیف کا اظہار کرتے ہوں۔ لیکن وہ اکثر اوقات چیخوں کے دورہ سے نکلتے ہیں۔ اور یہ چیخیں کسی خواہش میں رکاوٹ پیدا ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن بعد والی عمر میں آنسو رفتہ رفتہ ایک خاص شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سخت جذبہ یا جوش کی حالت میں خارج ہوتے ہیں۔

ڈارون کا اصول اگرچہ ڈارون نے بتایا ہے۔ کہ بعض قسم کے بندر اور ہاتھی کثیر تعداد میں آنسو بہاتے ہیں۔ لیکن ڈارون نے یہ نہیں بتایا کہ جن بندروں میں غدود زیادہ ہوتے ہیں ان کے رونے میں آنسو نہیں نکلتے۔ اس خیال کی تصدیق حال کے مشاہدات سے ہوگی۔ پروفیسر "کوہلر" نے اپنی کتاب "بندروں کی ذہنیت" میں لکھا ہے۔ کہ میں نے کبھی کسی بندر کو روتے نہیں دیکھا اگرچہ بندر رحم کے آثار ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ وہ آنسو نہیں بہاتے۔

فاتو آنسو اصل بات یہ ہے کہ انسان سب سے اول چیختا ہے۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ ہم بعض اوقات فاتو آنسوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس طور سے دراصل تکلیف یا درد کو رفع کرتے ہیں۔

مگر یہ بالکل یقینی بات ہے۔ کہ آنسوؤں کے متعلق جو سائنس ہے۔ وہ اس کی متقاضی ہے کہ ان کے متعلق اور باتیں بھی بیان کی جائیں۔ اور بتایا جائے کہ بعض چیزوں کا آنسوؤں پر کیا اثر ہوتا ہے مثلاً اعصاب کا جوش۔

تحریک کا اثر یہ مشہور بات ہے۔ کہ اگر "ایڈرالن" (ایک دوا) زائد مقدار میں انسان کو دی جائے۔ تو اس سے جوش کا ایسا طوفان امڈ آتا ہے۔ جیسا کہ غصہ سے برپا ہوتا ہے۔ تحریک پیدا کرنے والی چیز کا اثر پڑتے ہی اعصاب کے نظام میں جوش بڑھ جاتا ہے اور اس کا اثر دیگر حصوں تک۔ کہ وہ خون میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ خاص جوش میں بلی کے جسم پر بال خود بخود کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ ہمارے آنسو بھی کسی اندرونی جوش سے بہنے لگتے ہوں۔

مردوں ہی کو عورت بننے کا شوق زیادہ ہے

(از جناب شمس الہدیٰ صاحب فاروقی قیسی ایم اے)

"عورتوں کو مرد بننے کا شوق ہے" کے عنوان سے ایک مضمون جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کا گزشتہ ماہ کے محشر خیال میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون سے متاثر ہوکر قیسی صاحب نے موجودہ زمانہ کے مردوں کو نسائیت کا شوق دامنگیر دیکھ کر روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ بعض مضرحیت پسند اذہان اس کو پڑھ کر جھلائیں گے۔ اور شاید محشر خیال کو پڑھنا بھی ناگوار ہونے لگے۔ مگر اظہار واقعات سے نہ ان کو روکا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہمیں۔ جن حضرات کو ناگوار ہو وہ ہمیں تو معاف فرمائیں صاحب مضمون کو ہی اپنی نگاہ غضب کیش کا شکار بنائیں

(مدیر)

یہ ملنے ہوئے کہ ادیب محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کا مضمون اپنی جگہ پر درست ہے۔ میں اس بات کی جرات کرسکتا ہوں کہ علی الاعلان یہ کہہ دوں کہ فی زمانہ اگر دس فی صدی عورتوں کو مرد بننے کا شوق ہے تو اسی فی صدی مردوں کو بھی عورت بننے کا شوق ہے۔ ہم دوسرے ممالک پر انگشت نمائی کا حق نہیں رکھتے کیونکہ وہ ہم سے بہت آگے ہیں ہمیں تو اپنے گریبان میں سر ڈال کر اپنا حال دیکھنا ہے۔

ہم اپنی ان بہنوں کو جو مرد بننا چاہتی ہیں دو وجوہ کی بنا پر قابل معافی سمجھتے ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا میں ہر چیز کا شمار اکثریت پر ہوتا ہے بہت کم عورتیں آپ کو ایسی ملیں گی جو مرد بننے کا شوق رکھتی ہوں مگر مرد بیشتر ایسے ملیں گے جو اپنی وضع قطع سے زنانے بنے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں نظریہ یوں ہی قائم ہوگا کہ "مردوں ہی کو عورت بننے کا شوق زیادہ ہے"

یہ کہ یہ بے چاریاں اگر مرد بننا بھی چاہیں تو اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ یہ نہایت بزدل۔ شیریں زبان۔ نازک اندام اور کمزور ہوتی ہیں اور مرد بننا بھی چاہیں تو ان کی نسائیت ان کی مردانگی پر حاوی رہتی ہے۔ مگر مرد جب عورت بننے کا شوق کرتا ہے تو وہ مردانگی سے خارج ہو جاتا ہے

آج کل کے نوجوان طبقہ کو لے لیجئے ان کو دیکھ کر دل سے یہی نکلتا ہے کہ

مونچھ اور ڈاڑھی گھٹا، زلفیں بڑھا۔ چوڑی پہن
وضع کی قیدوں سے تو اے نوجوان آزاد ہو

ان کی شکل و صورت ہی نہیں ان کی سیرت بھی نسائیت کا اثر قبول کرتی ہے اور کیوں نہ ہو جب وہ عناصر جو انہیں مرد بناتے ہیں رفتہ رفتہ ان سے مفقود ہو جاتے ہیں تو وہ مرد کہلانے کے مستحق ہی کب ہیں؟ لکھنؤ یا دہلی کے کسی شاہراہ پر کھڑے ہو جائیے۔ اور پھر ذرا غور فرمائیے۔ جہاں دو چار "صنف نازک" آپ کی نظروں سے گذریں گی وہاں آٹھ دس جنس غیر نازک بھی محو خرام ناز نظر آئیں گے۔ اگر ان کو زنانے کپڑے پہنا دیجیے تو نہ جانے کتنے خوبصورت مرد حسین عورتوں کی شکل میں رونما ہوں گے۔ اور مرد بھی تو زنانے کپڑے استعمال کرتا ہے۔ اکثر تھیٹر اور ڈراموں میں میں نے خود اپنے ہم سبق لڑکوں کو لڑکیوں کی شکل میں دیکھا ہے اور انہوں نے وہ نزاکت۔ بچپن۔ ایک عجیب نگاہ اور پیچ و خم دکھائی ہے کہ عورتیں بھی شرما کر اپنی جگہ پر خاموش ہو گئی ہیں۔ یہی نہیں مردوں کا تو ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کبھی مردانہ لباس بھی نہیں پہنتا۔ اپنے کو مونث بنا کر رکھتا۔ کہتا اور سمجھتا ہے۔ آپ کسی شادی یا ولادت کے موقع پر اس کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے۔ کیا کوئی عورتوں کے بھی ایسے گروہ کو بتلا سکتا ہے جو اپنی تمام عمر مردوں ہی کے لباس میں رہتا ہو۔؟ میرا خیال ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں یہ مثال نہ تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی۔

چھوڑیے ان باتوں کو۔ آپ نے کسی نوجوان کا کمرہ دیکھا ہے؟ ہر نوجوان کے کمرے میں حسب ذیل اشیاء کا ہونا ضروری ہے (۱) ایک بڑا سا آئینہ (۲) ایک کنگھا (۳) برش (۴) سر میں لگانے کا روغن (۵) کلا صاف کرنے کا سامان ریزر۔ بلیڈ وغیرہ۔ (۶) ایک خوشبودار صابون (۷) پانڈس کریم یا کریولائنز دو ٹمیں (۸) ایک ڈبیہ وینشنگ کریم (۹) پاوڈر کا ڈبہ (۱۰) سینٹ یا عطر۔ گویا ان کے ہاں ایک اچھا خاصا سنگار دان ہوتا ہے۔ جس کے بغیر یہ نہیں آ جا ہی نہیں سکتے۔ واہ رے تہذیب حاضرہ۔ واقعی شرم کا مقام ہے۔ آج جب دوسرے ممالک کی عورتیں بھی بڑھ بڑھ کر مردوں کے دوش بدوش ترقی کے مدارت طے کرنے میں کوشاں ہیں تو ہم آپ اپنی اپنی زلفیں سنوار رہے ہیں۔ ہمارے معزز ادیب نے ترکی کی مثال نہیں دی جہاں عصمت پاشا نے لڑکیوں کو بھی پاؤڈر کریم استعمال کرنے سے روک دیا ہے۔ اور یہ چیزیں استعمال کرنے والی خواتین وہاں سزا کی مستحق ہوتی ہیں۔ یہاں کی عورتوں کو کون کہتا ہے کہ مرد بننے کا شوق رکھتی ہیں۔ یہی تو افسوس ہے۔ جب یہاں کے مرد ہی مرد نہیں بنتے تو عورتیں غریب کیا مرد بنیں گی دوسرے ممالک میں جہاں عورتیں

مردوں کے محاسن کو جذب کر رہی ہیں وہی شاہراہِ ترقی پر ہیں۔ مگر ان کی تعداد کم ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جس عورت کو مرد بننے کا شوق ہے۔ وہ قابل نفرین تو خیر کیا ہاں قابل تحسین ضرور ہے۔ وہ اس لئے کہ ہمیشہ دنیا کا نظم و نسق۔ تعلیم و تمدن۔ مذہب و معاشرت مردوں ہی کے ہاتھوں ہوا ہے کبھی کوئی عورت پیغمبر نہیں ہوئی۔ اس لئے اب اگر عورت آگے بڑھ رہی ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مرد تدریجی طور پر اپنے محاسن کھو رہا ہے۔ اور ایک خاموش انقلاب آہستہ آہستہ یہ محاسن عورتوں کو دے رہا ہے یا اگر یوں کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ کمزور انسان کو مضبوط بننے میں زیادہ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہ نسبت مضبوط انسان کو کمزور بننے میں یعنی مرد کا عورت بننا زیادہ آسان ہے بہ نسبت عورت کا مرد بننے سے۔ اور آجکل اگر چند خواتین نشۂ بادۂ مغرب سے سرشار ہو کر اس قدر مست و بے خود ہو گئی ہیں کہ یہ وہ کرنا چاہتی ہیں جو مردوں کا حق تھا تو اسی قدر قابل ہے مغلوب و مجبور ہو کر مرد اس قدر خود فراموش ہو چکا ہے کہ اب وہ کر رہا ہے جو خود عورتوں نے چھوڑ رکھا ہے۔

اگر عورت مردوں کے محاسن حاصل کرنا چاہتی اور مرد عورتوں کے عیوب جذب کرتا جائے تو کون قابل ستائش ہے۔ اور کون قابل فہمائش یہ مسئلہ ناظرین کرام پر چھوڑتا ہوں۔ بہرحال یہ تو قطعی امر اور کلیہ ہے کہ مرد عورتوں کی آزادانہ

اور آزادانہ روش دیکھ کر جلتا ضرور ہے مگر غریب کبھی اپنا حال زبوں دیکھ کر کفِ افسوس نہیں ملتا۔ دیکھئے نا اتنا غم ہے تو یہ کہ کہیں اسے اپنی موٹی موٹی انگلیوں سے جھنڈا یا نہ سنبھالنا پڑے۔ گویا عورتوں کی نرم و نازک انگلیاں صرف جھنڈا یا سنبھالنے اور چولہے میں لگانے کے لئے ہی ہیں۔ اگر آج مرد مرد کی شان رکھے تو عورتوں کو قدرتی طور پر سوائے اپنے گھر بار دیکھنے کے۔ اور بال بچوں کی پرورش کے کوئی کام ہی نہ رہے لیکن مرد پیچھے ہٹ رہا ہے۔ تو کیوں نہ عورت آگے بڑھ کر اسی کی جگہ لے۔ غلطی اس میں مردوں ہی کی ہے۔ وہ خود زنانہ ہو کر رہ گیا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ؎

لہنگا چولی کبھو انگیٹھوں کبھو مشکوں، کبھو غرغروں

صفاچٹ مونچھ اور ڈاڑھی ہے اے پیر مغاں میری

پھر کیوں نہ عورت ہاتھ میں تلوار، جسم پر مردانہ لباس۔ آنکھوں میں انقلاب کا شرارہ۔ ہر سانس میں جوش و تزلزل لے کر آگے بڑھنے کا انتظام کرے کوئی اسے کیوں روکے۔ اور روکے اگر مرد ہو تو یہ مردانگی سے زمانے پر چھا سکتا ہے۔ مگر زمانہ تو یہ ہے کہ ؎

لاحول ولا قوۃ، کیا الٹا زمانہ ہے

عورت تو ہے مردانی اور مرد زنانہ ہے

موجودہ زمانہ کی روش جو زمانۂ مستقبل کے چہرے سے نقاب کشائی کر رہی ہے وہ ہرگز خوش آئند نہیں ہے

نغمۂ محبت

(از حضرت موج رفیقی ملیگ)

کسی کے عشق میں سب کچھ مٹا رہا ہوں میں — جہاں کو درس محبت سکھا رہا ہوں میں

کسی کی مست نگاہوں کے لطف سے اب تک — سرور و کیف کی تانیں اڑا رہا ہوں میں

نہ چل اشاروں پہ اے کشتیٔ امید و بیم — ہر ایک موج کو ساحل بتا رہا ہوں میں

ہر ایک ناز پہ اک اک ادا کے بدلے میں — یقیں کرو کہ دل و جاں لٹا رہا ہوں میں

شروع عشق میں یہ حرف التجا تو بہ — ان ہی کا راز ان ہی سے چھپا رہا ہوں میں

یہ کون نغمۂ الفت ہے چھیڑتا دل میں — کہ جس کی تان پہ کچھ گنگنا رہا ہوں میں

جفا طرازیاں ان کی دکھائیں ہیں مجھ کو — تعینات کے پردے اٹھا رہا ہوں میں

لگی ہے آگ محبت کی موج سینے میں

کہ جس کو روز ازل سے دبا رہا ہوں میں

پھول سے

(از جناب صاحبزادہ محمد صدیق خاں صاحب سلیم جے پور)

اے گلِ خوش رنگ و بو تو کس چمن کی زینت .... کس نظر کی روشنی .... اور کس دل کا سکون ہے؟ .... تیری نازک پتیاں کتنی سندر ہیں؟ .... دیکھ! .... بلبل رنگین بیان تیرے لئے کس قدر مضمحل اور .... کتنی بے تاب ہے؟ .... وہ پریم میں ڈوبا ہوا نغمہ تجھے سنا رہی ہے .... تیری لازوال خوشبوئے محبت فضا کو مست بنا رہی ہے .... اور میرے دل کی آگ کو بھڑکا رہی ہے .... تیری حسین پتیاں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر محبت کے راز و نیاز میں مصروف ہیں .... جب کہ میں یاس تصورات کے بحرِ بے پایاں میں غوطے لگا رہا ہوں .... باد نسیم کے سرد جھونکے تیرے لئے پیامِ مسرت ہیں .... تو کس قدر مسرور ہے .... اور میں کتنا مضمحل .... کتنی آرزوئیں و تمنائیں میرے دل میں موجزن ہیں .... میری نامراد آہ بجلی بن کر فضا میں تڑپ رہی ہے .... اور تو ہنس رہا ہے .... چودھویں کا چاند آکاش کے منڈل سے تیرے حسن سے متاثر ہو کر تجھے گھور رہا ہے .... اس کی معصوم کرنیں تیری نازک اندام پنکھڑیوں پر شوخیاں کر رہی ہیں .... لیکن میرے دل کی بستی اس سندر کی طرح سنسان ہے۔ جو اپنے دیوتا کی زینت سے محروم کر دیا گیا ہو ....!

پیاری موت

میں ہوں مرا اک دل ہو اس میں تری حسرت ہو

موت پیاری موت آہ کتنا پیارا نام ہے .... اف! میں تجھے چاہتی ہوں۔ اور بہت چاہتی ہوں مگر تو میرے پاس نہیں آتی .... آہ تو نے ہزاروں کو یتیم۔ یسیر کر دیا۔ کسی غم نصیب ماں سے اس کا لال بچھڑا دیا لوگ تجھے ظالم خونخوار، قاتل کے نام سے منسوب کرتے ہیں .... مگر میں آہ۔ میں تجھ سے بہت ہی پیار کرتی ہوں .... مگر تو مجھ سے بہت ہی دور بھاگتی ہے ....

ہاں اب .... میں نے سمجھا نا .... دنیا میرے نام سے نفرت کرتی ہے .... آہ دنیا اور نہ جانے کیا کیا خطاب سے مجھے مخاطب کیا کرتی ہے .... تو اس لئے تو بھی .... او موت تو بھی مجھ سے نفرت کرتی ہے .... پیاری موت۔ میری آرزو کو نہ ٹھکرا۔ میری تمنا کو پامال نہ کر مجھے جلد .... اپنی آغوش میں چھپا لے ....

آہ تو نہیں جانتی میری زندگی کس قدر پھیکی اور کس قدر بدمزہ ہے .... او موت اب تو خدارا جلد میری بے سکون زندگی کا خاتمہ کر ....

از پریم کماری مغموم

دو خط (۲)

مشہور افسانہ نگار موپاساں کے قلم سے

(مترجمہ جناب عبدالرشید صدیقی بی۔ اے)

اتوار ——

"تم نہ تو خط لکھتے ہو۔ نہ یہاں آتے ہو۔ تم نے مجھے بھلا دیا ہے ——لیکن کیوں؟ میں نے کیا کیا؟ میرے پیارے، میرے دل کے مالک بتاؤ۔ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں ——اُف کس قدر تمہیں چاہتی ہوں۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا تو ہمیشہ تم میرے پاس رہتے مجھے اپنی آغوش میں لئے ہوئے۔ میرا دل اپنے دل سے لگائے ہوئے تمہارے ہونٹ میرے ہونٹوں سے چمٹے ہوئے!—— مجھے تم سے محبت ہے، میرے حسین دیوتا! ——شباب کی تمام امنگوں کے ساتھ! روح کی تمام آرزوؤں کے ساتھ! ہاں مجھے تم سے محبت ہے، میں تمہیں چاہتی ہوں۔"
تمہاری پجارن...... نسیمہ

منگل ——

"میری ننھی نسیمہ!

میں جو کچھ کہنے کو ہوں۔ تم شاید ابھی نہ سمجھ سکو گی۔ لیکن کوئی ہرج نہیں اگر یہ خط کسی اور عورت کے ہاتھ میں بھی پڑ جائے تو اُس کے لئے بھی مفید ہوگا۔

اگر تم گونگی بہری ہوتیں تو میں یقیناً تم سے زیادہ عرصہ تک محبت کرسکتا۔ لیکن جو کچھ ہوا اُس کی وجہ یہی ہے کہ تم بول سکتی ہو۔ بس۔

تم جانتی ہو محبت میں خواب بھی نغمہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ خواب گیت ہوسکیں، ضرور ہے کہ اُن میں مداخلت نہ کی جائے۔ جب بوسوں کے درمیان ہم بولنے لگتے ہیں تو یہ خواب آسمانی خواب، جن میں ہماری روحیں پرّاں ہوتی ہیں، ٹوٹ جاتے ہیں! ہاں اگر اس وقت کی گفتگو بھی آسمانی ہو تو اور بات ہے مگر حسین لڑکیوں کے ننھے ننھے لبوں پر آسمانی الفاظ نہیں آتے۔

تم کچھ نہیں سمجھ رہی ہو! ہے نا؟ اچھا ہے۔ میں کہے جاؤں گا تم عورتوں میں سب سے زیادہ حسین ہو سب سے زیادہ دلکش، پیار کرنے کے لائق، کیا دنیا میں اور آنکھیں بھی ہیں۔ جن میں تمہاری آنکھوں سے زیادہ خواب ہوں! سحر ہو! محبت کی گہرائی؟ کم از کم میرے خیال میں نہیں۔

اور جب تمہارے پیارے فیدہ ہونٹوں والے رخسار پر تبسم رقصاں ہوکر ننھے ننھے دانتوں کو عریاں کردیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان شیریں ہونٹوں سے موسیقی پھوٹ پڑی ہے۔ ایسا نرم نازک نغمہ، ایسا رسیلا کہ جسے سن کر آدمی بے اختیار آہ بھرنے لگے اور اُس وقت، آہ اُس وقت تم بولنے لگتیں۔ تمہاری اُس وقت کی گفتگو مجھے ناقابلِ بیان اذیت پہنچاتی۔ اُس وقت تو میرا جی چاہنے لگتا کہ کاش میں نے تمہیں کبھی نہ دیکھا ہوتا۔

تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ رہی ہو؟ تمہیں یاد ہے جب تم پہلی بار میرے کمرہ میں مجھ سے ملنے آئی تھیں! کیسی خوشی سے چہکتی ہوئی تم اندر داخل ہوئی تھیں!...... بنفشہ کی خوشبوئیں جو تمہارے کپڑوں سے لپٹی ہوئی تھیں، تم سے پہلے میرے نزدیک آکر مجھے مسحور کرچکی تھیں کیسے ہم لوگ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، ایک لفظ کہے بغیر اور پھر لپٹ گئے دو بچوں کی طرح، ننھے معصوم بچوں کی طرح پھر اس وقت سے آخر تک ہم ایک لفظ بھی نہ بولے۔"

جدا ہوتے وقت ہمارے کانپتے ہاتھوں نے ہماری آنکھوں نے بہت کچھ کہا تھا، اتنا کہ کوئی زبان وہ الفاظ ادا نہیں کرسکتی۔ کم از کم میں نے تو یہی سمجھا اور جاتے جاتے تم سرگوشیوں میں کہتی گئیں - "پھر ملیں گے بہت جلد"

"تم نے اتنا ہی کہا تھا۔ لیکن تم نہیں سمجھ سکتیں کہ کتنے خوشگوار دل خوش کُن خواب تم نے بیدار کردئے۔ میں نے اپنی تمام آرزوؤں کا اپنی تمام تمناؤں کا عکس تمہاری آنکھوں میں دیکھ لیا تھا۔"

تم نے دیکھا، میری ننھی نسیمہ مردوں کے لئے جو عورتوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں، محبت کیا ہوتی ہے، کتنی جلدی وہ اس سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ تم عورتیں محبت میں کسی بات کے مضحکہ خیز پہلو کا بھی خیال نہیں کرتیں۔ کبھی یہ نہیں دیکھتیں کہ کونسی بات کس جگہ بے معنی ہے۔

"وہی بات جو ایک شوخ چنچل دوشیزہ کی زبان سے پیاری معلوم ہوتی ہے۔ کیوں ایک موٹی سنجیدہ عورت کے منہ سے حماقت خیز محسوس ہوتی ہے؟ وہی محبت کے الفاظ جن کی تمنا ہم کسی ایک سے کرتے ہیں، کیوں دوسرے کی زبان سے تکلیف دہ معلوم ہوتے ہیں! اس لئے کہ ہر چیز میں اور خاص کر محبت میں ہم آہنگی ہونی چاہئے۔ اُس ہستی کے حرکات، آواز، الفاظ اور اظہارِ محبت میں جو حرکت کرتی ہو بولتی ہو اور پیار کرتی ہو

میں، قد میں، باتوں کے ڈھنگ میں، حسن میں ہو

"جب سے تم نے اپنی نوازشیں مجھ پر صرف کرنا شروع کیں سب کچھ ختم ہو گیا۔ بعض اوقات ہم ایک طویل بوسے میں خود کو گم کر دیتے، ایسے بوسے میں جب زبانیں بند ہو جاتیں اور دل کی حرکت تقریباً قریب رک جاتی اب ــــ اور پھر جب ہمارے لب الگ ہوتے تو زور سے ہنس کر کہہ اٹھتیں "کتنا اچھا بوسہ میری جان" اپنے لیا ہے۔ پہنچا کر جی چاہتا مار دوں: اتنا کہ تم رونے لگو، چیخنے لگو، آہ میرے فردوسی خواب کو برباد کر دینے والی ظالم!"

"لیکن محبت تو ایک حیوانی جذبہ ہے۔" آہ میری پیاری نسیمہ، کس طاقت نے، کس پوشیدہ طاقت نے تم سے یہ چھوٹا سا محبت کا خط لکھوایا ہے؟"

تم نے ہمیشہ اپنی محبت کا اظہار عجیب عجیب خطوں سے کیا ہے۔ میں نے سب کو ایک جگہ جمع کر رکھا ہے۔ لیکن دکھاؤں گا نہیں تمہاری غیبت کے خیال سے:

ہاں تو میں تمہیں اپنی آغوشِ محبت میں لیتا ہوں اور تمہارے ہونٹوں کو چومتا ہوں۔ اس شرط پر کہ تم کچھ بولو نہیں ــــ !

ندیم

ایک اطالوی افسانہ

عروسی ہار

(نوٹ:- قارئین کی سہولت کی وجہ سے اطالیہ زبان کے نام تبدیل کر دئے گئے ہیں)

(از جناب خلیل احمد صاحب بی۔ اے)

"یہ ہار مجھ کو شام ہونے سے پہلے ختم کر دینا چاہئے۔ اور تم مجھے خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہو۔ تو یہ تم کس طور شیطان ہو کر میرے پھولوں اور پتوں کو الٹ پلٹ کر رہے ہو۔ سرخ رنگ کے عوض اودے رنگ کے پھول میرے ہاتھ میں دے دیتے ہو اور یہ خیال رہے کہ جب تک میں ہار ختم نہ کر لوں گی یہاں سے ہلنے نہ دوں گی"

یہ الفاظ نہایت تنگ مزاجی سے لیکن ہونٹوں پر نہایت حلاوت آمیز تبسم کے ساتھ ایک سولہ برس کی حسین لڑکی نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے خوبصورت نوجوان کو کہے جو کہ اُس حسینہ کو تنگ کرنے میں لطف اٹھا رہا تھا۔ ہار پروتے کبھی اس کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ کبھی چیزیں چھپا لیتا۔ کبھی جو چیز وہ چاہتی اتنی دور لے جاتا جہاں اُس کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا۔ کبھی اُس کے لمبے لمبے خوبصورت بالوں سے کھیلتا۔

"بس ناراض ہو گئیں۔ اچھا مجھ سے خطا ہوئی معاف کیجئے گا لیکن یہ تو بتائیے ابھی سے ہار پرونے میں کونسی جلدی ہے۔ یہ بات صرف خدا جانتا ہے کہ یہ ہار کب پہنا جائے گا۔ البتہ اگر آپ اسے کل پہنیں تو میں بھی دل و جان سے ہار پرونے میں مدد دیتا ہوں"

"کچھ پرواہ نہیں۔ یہ پھول اُس دن کا انتظار کریں گے۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جب بھی وہ وقت آئے گا یہ پھول ایسے ہی تازہ نظر آئیں گے مجھے پھولوں کو احتیاط سے رکھنے کا طریقہ یاد ہے اُس دن لوگوں کی نظر میں یہ ہار ایک معمولی ہار ہوگا۔ لیکن میری اور تمہاری نظروں میں یہ ایک آسمانی تحفہ ہوگا۔ اس گہوارہ کی جہاں ہماری غیر فانی محبت پل کر جوان ہوئی ہے۔ یہ ہار یاد تازہ کرے گا علاوہ ازیں جب تم اپنے گھر جاؤ گے یہ ہار میری زندگی کا سہارا ہوگا خلوت میں اس سے باتیں کروں گی۔ تمہاری یاد میں اُسے چوموں گی آنکھوں سے لگاؤں گی۔ ماتھے پر رکھوں گی۔ اس دن جب لوگوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم ایک لڑی میں پروئے جا چکے ہیں۔ اس ہار کو ایک لمحہ بھی اپنے پاس سے جدا نہیں کروں گی۔ پیارے راجندر کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ میں تمہاری ہوں۔ اور تم میرے ہو اور صرف موت ہم دونوں کو جدا کر سکتی ہے"

"تو وہ کیا اچھا دن ہوگا جب تم اپنے ہاتھوں سے یہ ہار مجھے پہناؤ گی اور اُس وقت تمہیں مسرور دیکھ کر میں کس قدر شادمان ہوں گا۔ تمہاری خوشی کو بالائے بام تک پہنچانے کے لئے میں اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کر دوں گا، پیاری رکتی تمہیں اس وقت معلوم نہیں کہ حقیقی مسرت کیا شے ہے۔ خدا کرے وہ دن جلد آئے جب تم حقیقی کامرانی اور خوشی سے آگاہ ہو۔ جس زندگی میں پریم رس نہ ہو وہ کس قدر ہولناک زندگی ہے"

"لیکن محبت کے ساتھ استقلال اور قیام بھی ہو۔ دیکھو راجندر پھر وہی شرارت کر رہے ہو؟ یہ گلاب کا پھول مجھے کیوں دے رہے ہو؟ بارہ برس دہلی میں رہے اور بھاڑ جھونکتے رہے۔ تمہیں ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عروسی ہار میں گلاب نہیں پرویا جاتا۔ صرف نارنگی کے پھول ہوتے ہیں"

ایک خادم داخل ہوا۔

"آج اور کل ڈاک گاڑی نہیں جائے گی۔ اس لئے سنیچر سے پہلے آپ تشریف نہیں لے جا سکتے"

رکمنی: "سنیچر! کہتے ہیں سنیچر وار کو سفر نہیں کرنا چاہئے" اور پھر نہایت دلجمعی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ لیکن اُس کے بشرے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ راجندر کی روانگی کی تاخیر میں مسرور ہے۔

"رکمنی! میرا خیال ہے کہ یہ تمہاری چال ہے کہ میں کسی طرح دو دن اور رک جاؤں"

"آپ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ میری یہ دلی خواہش ہے کہ تم جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے روانہ ہو جاؤ"

"اچھا! اس سے تمہارا مطلب؟"

"اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ مجھے تم سے کمال درجہ کی محبت ہے جہاں اس دنیا میں مسرت آگیں بہار انسان کی روح کو تر و تازگی بخشتی ہے وہاں تباہ کن خزاں بھی ایک پلٹ میں دردناک منظر پیش کر دیتی ہے۔ انسان کو دنیا میں رہ کر فرض شناسی لازم ہے اور فرض شناسی کا دوسرا نام درد و الم رنج و غم ہے۔ اور ان کو بھول جانا عظیم ترین گناہ ہے۔ سنئے میری ایک ہی بہن تھی۔ دو سال ہوئے ایک شخص نے اسے محبت میں دھوکا دیا اس صدمے

[illegible] گزری اور گھل گھل کر عالم فانی کو سدھاری۔ ایک لمحہ بھی ان کا خیال میرے دل سے نہیں نکل سکتا۔ لیکن پھر بھی جب تمہیں دیکھتی ہوں تو سوائے تمہارے سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ تم سے بولتی ہوں تو سمجھتی ہوں کہ دونوں جہان کی دولت میرے پاس ہے۔ میری ماں چونکہ بہ تقاضائے عمر و وقت قابل مدد ہیں۔ میں ان کی طرف عدم توجہی سے کام لیتی ہوں۔ ایک دن انہوں نے کہا "تم نالائق بچی ہو" آہ اس دن سے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میں اپنے فرائض منصبی کو بجا لانے میں کوتاہی کرتی ہوں یا سست ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر۔ راجندر جو شخص اپنے ادائیگی فرض پر خیال نہیں کرتا۔ اس کو ہم انسان نہیں کہہ سکتے۔ تو میں کس لئے اس قدر کوتاہ اندیش ہوں۔ شاید تمہارے لئے جب تم آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہو تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ اور اس وقت میں یہی سمجھتی ہوں کہ تمہاری محبت ہی میرا سب سے بڑا فرض ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم جلدی چلے جاؤ۔ تاکہ میں اپنی بوڑھی ماں کے دکھ سکھ میں شریک ہو سکوں اور فرض شناسی کی کسوٹی پر جب تک میں پرکھی نہیں جاؤں گی میں کس طرح تمہاری "اچھی بیوی" کہلا سکوں گی۔ جب تم دور چلے جاؤ گے۔ میرا کامل اعتماد تمہارے ساتھ ہوگا۔ میری محبت تمہارے ہمراہ ہوگی۔ لیکن اگر تمہارے والد اس بات پر رضامند نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟"

"آپ ایسے اندوہناک خیالات دل میں مت لائیے۔ مجھے کامل امید ہے کہ جس بات میں میری خوشی ہوگی میرے والد ہرگز اس کو ٹھکرا نہیں سکیں گے۔ اور اگر بفرض محال وہ ٹھکرا بھی دیں تو دو سال تک میں قانونی طور پر اپنی مرضی کو استعمال کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔"

"خدا کرے میرا یہ وہم دور ہو جائے۔ لیکن میرے دل میں کسی وقت یہ خیال ایک گھبراہٹ سی پیدا کر دیتا ہے۔ راجندر! جب تم اپنے والد سے اس امر کی اجازت لے کر آؤ گے تو اس وقت ہم دونوں دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہوں گے۔"

اس کے بعد گھنٹی کی آواز سنائی دی جو کہ رکمنی کی ماں کے کمرہ کی طرف سے آئی تھی۔ رکمنی جلدی سے اٹھی اور "پیارے راجندر میں ابھی آتی ہوں" کہہ کر اپنی والدہ کے کمرہ کی طرف بھاگ گئی۔

(۳)

راجندر ایک نہایت متمول تاجر کا بیٹا تھا۔ وہ آج کل اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ لیکن وہ تعلیم جس سے فہم و فراست قوی ہو۔ لیکن جس سے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی کبھی کبھی کوشش نہ کی گئی ہو وہ آج کل ایک دقیانوسی کالج میں تعلیم پا رہا تھا۔ جس کی تعلیمی فضا اتنی بوسیدہ تھی جتنی کہ اس کی دیواریں۔ اس کو اتنا بتایا گیا تھا کہ اس کے سینہ میں دل ہے۔ لیکن وہ جذبات اور احساسات جو سیل بے پناہ کی مانند اٹھتے اور گرتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی [illegible] استاد نے نہیں بتایا تھا کہ ان کا صحیح راہ عمل کیا ہے۔ [illegible] صرف اتنا بتایا گیا کہ اپنے شدید جذبات اور خواہشات کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ لیکن اس بات پر کبھی بھی روشنی نہ ڈالی گئی کہ وہ ان کے مقابلہ کیلئے کونسے ہتھیار استعمال کرے۔ اس کو یہ تعلیم دی گئی کہ نیکی سے محبت کرو اور بدی سے نفرت۔ لیکن کبھی بھی اس پر یہ روشن نہ ہوا کہ صحیح نیکی اور بدی کیا چیزیں ہیں۔ گو راجندر کی طبیعت میں آتش مزاجی اور تندی تھی۔ لیکن وہیں وہ سلیم الطبع اور جلدی زیر ہو جانے والا تھا۔ قدرت نے اُسے خوبیاں عطا کیں۔ لیکن سماجی زندگی نے وہ تمام خوبیاں چھین لیں۔ وہ ایک جہاز کی مانند تھا جو بغیر جہاز ران کے پانی کی سطح پر کبھی ادھر کبھی اُدھر تیرتا پھرتا تھا۔

رکمنی کے والد کے راجندر کے خاندان سے نہایت اچھے تعلقات تھے۔ چنانچہ جب وہ بنارس میں تعلیم حاصل کرنے گیا تو انہی کے گھر میں رہائش اختیار کی۔ راجندر ایک ہی نگاہ میں رکمنی کو دل دے بیٹھا۔ رکمنی نے بھی اس کی محبت کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ راجندر نے اپنی طبیعت کے ماتحت نہایت تیزی سے محبت کے عہد و پیمان کا اظہار کر دیا۔ رکمنی کو اپنے ناتجربہ کاری کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ جس جوش و خروش کے ساتھ اس نے محبت کا اظہار کیا ہے ضروری ہے کہ اس کو استقلال ہوگا۔ اس لئے دل و جان سے اپنے آپ کو راجندر کے حوالہ کر دیا۔

راجندر کی تعلیم کا ایک سال ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ اب رخصت پر گھر جا رہا تھا۔ رکمنی کا والد دینا ناتھ بھی ایک بڑا تاجر تھا۔ اس نے نہایت چھوٹے پیمانے پر تجارت کا کام شروع کیا۔ بالآخر اپنی جانفشانی، دیانتداری اور فہم و فراست کی وجہ سے آہستہ آہستہ ایک کامیاب سوداگر بن گیا تھا اور اس وقت وہ کافی سرمایہ جمع کر کے بہ تقاضائے عمر تجارت سے مستعفی ہو چکا تھا۔ دینا ناتھ طبیعت کا لوبھی اور تجارت کا کھرا تھا۔ وہ محبت نہیں چاہتا تھا دوسروں میں خوف پیدا کرنا اس کا مقصد وحید تھا۔ وہ اپنے خاندان کا ایک ظالم حکمران تھا۔ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ہمیشہ کشیدگی سی رہتی تھی غالباً اسی وجہ سے کہ وہ بچوں کو شفقت اور محبت کی نگاہ سے نہ دیکھتا تھا۔ کچھ اس غم سے اور کچھ بڑی لڑکی راجکماری کی موت کے غم نے رکمنی کی والدہ کو جاں بلب کر دیا۔ اور فالج کا مرض لاحق ہو گیا۔ اس لئے وہ بغیر سہارے کے حرکت نہیں کر سکتی تھی۔

ایک اور ضعیف عورت محبت کی وجہ سے اس خاندان میں رہنے لگی وہ ایک دیانتدار اور خیرخواہ عورت تھی۔ لیکن خاموش اور اردگرد کے روزانہ جھگڑوں سے بے نیاز تھی۔ جب دینا ناتھ نہایت درشت لہجہ میں گھر کو سر پر اٹھاتا تو اسے نہایت ناگوار گزرتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کا یہ رویہ اس کی بیوی کے لئے زہر قاتل ہے۔ اور اگر وہ مر گئی تو اس کی موت کا باعث وہی ہوگا۔

رکمنی نہایت اندوہناک مراحل میں سے گزر رہی تھی۔ لیکن وہ اپنے

ایک طرح کے کاموں میں مشغول رکھتی تھی۔ پھولوں کے ہار بنانے میں اس کا کوئی مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ بڑے بڑے رؤسا کو جب نادر پھولوں کے ہار مطلوب ہوتے تو وہ رکمنی سے درخواست کرتے اور وہ بخوشی منظور کرلیتی۔

راجندر آج رخصت ہو رہا تھا۔ وہ مریضہ کی چارپائی کے پاس گیا۔ رکمنی بھی وہاں بیٹھی تھی۔ مریضہ کی وجہ سے گھر پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ رکمنی نے راجندر کی طرف دیکھا تو آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے الوداع کہا۔ اس کو بہت کچھ کہنا تھا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ جلد جا رہا تھا۔ ممکن ہے وہ پھر نہ آسکے۔ یونہی سا ایک گمان اُس کے دل میں پیدا ہوا۔ دراصل انسان کا اپنا دل سب سے بڑا پیشینگو ہے۔ رکمنی کا صرف یہ وہم ہی نہ تھا۔ بعد میں یہ بات صداقت کا جامہ پہن کر رونما ہوئی۔ اُس کی والدہ زندگی کی آخری منزل پر تھی۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُس کے سرہانے سے نہ اٹھتی تھی۔ کبھی کبھی اُس کے غم انگیز خیال والدہ کے قدموں سے اڑ کر دور راجندر کی یاد میں محو ہو جاتے۔ پھر اس کی والدہ آنکھیں کھولتی اور اپنی پیاری بیٹی کو غم میں ڈوبا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھر کر خدا سے دعا مانگتی۔ رکمنی جلدی ہی سنبھل کر پھر ماں کی خدمت میں مشغول ہو جاتی۔ رکمنی نے والدہ کی خدمت کرنے میں رات دن میں کوئی تمیز نہ کی۔ لیکن بدقسمت عورت کی روح بہت دنوں تک غم کیتی کی متحمل نہ ہو سکی۔

رکمنی کی والدہ کی زندگی کے آخری لمحات آپہنچے۔ آخری سانس لینے سے پہلے اُس نے اپنی پیاری بیٹی کی طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔

"پیاری بچی میں جانتی ہوں کہ تمہیں راجندر سے بے حد محبت ہے خدا انجام بخیر کرے۔ میرے پاس یہ ایک سونے کا جڑاؤ تعویذ ہے۔ جس کی قیمت دس پندرہ ہزار ہوگی۔ اس کو تا دم آخر سینے سے لگائے رکھنا۔ غریب اور بیکس ماں کی یاد اس سے تازہ رہے گی۔ میرے بکس میں کچھ روپے اور کچھ امپیریل بنک کے چیک موجود ہیں۔ گو وہ بہت بڑا سرمایہ نہیں۔ تاہم آڑے وقت تمہارے کام آسکے گا۔ اور اسی غرض سے میں نے آج تک تمہارے باپ سے چھپائے رکھا ہے۔" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن آخری سانس کی میعاد ختم ہوگئی اور اس کا سر رکمنی کے زانو پر جو پھر کبھی نہ اٹھنے کے لئے دھرا تھا۔

(۳)

اس واقعہ کے چار ماہ بعد راجندر آگیا۔ اُس کا والد ابھی تک صاحب نہ ہو سکا۔ لیکن وہ دھندلی امیدوں سے رکمنی کو ڈھارس دیتا رہا۔ رو رہا تاہم گو بچپن اس عشق بازی کا راز کھل چکا تھا۔ اس لئے اس نے راجندر کو گھر پر آنے سے روک دیا۔ لیکن رکمنی اور راجندر خفیہ ملاقاتیں کرتے رہے۔

راجندر کی محبت میں کافی تبدیلی ہو چکی تھی۔ اس میں پہلا سادہ جوش و خروش نہیں تھا۔ اس کی باتوں میں اب وہ سرگرمی نہیں رہی تھی علاوہ ازیں شہر کے بدمعاشوں سے اُس کا رابطہ پیدا ہوگیا۔ قماربازی سے اس کو ایک قسم کا عشق ہوگیا۔ باپ سے جو روپیہ منگواتا جوا میں ہار جاتا۔ جب کسی بہانے سے بھی باپ سے روپیہ نہ منگوا سکتا تو رکمنی کے پاس جاتا وہ بے چاری دنا کی تکلیف کی جگہ دو سو اُس کے حوالہ کرتی۔ اور جب وہ روپیہ کے اخراجات کا جھوٹا بہانہ کرتا تو وہ کہتی:-

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ میں تمہاری ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی تمہارا ہے۔ آپ کیوں تفصیل سے کام لے رہے ہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ تمہیں روپیہ چاہئے۔"

کاش وہ ان الفاظ کو سمجھ سکتا۔ اور اس معصوم لڑکی کے دل کی تہ کو پہنچ سکتا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہو سکا۔ روپے کی طلب نے اُس کے تمام حسیات کو بے حس کر دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کی پاک محبت کی تخریب کے درپے تھا۔ جوں جوں وہ روپیہ ہارتا رہا قماربازی کی محبت اُس کے دل میں بڑھتی جاتی تھی اور رکمنی کے سوا اُسے اور کہیں سے روپیہ کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ جو روپیہ اس کی ماں مرتے وقت اس کے لئے چھوڑ گئی تھی وہ تمام راجندر کی نذر ہوا۔ آدھے سے زیادہ زیور بک گئے۔ لیکن رکمنی نے اپنے باپ کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ راجندر ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ منصب نہیں تھا کہ وہ راجندر کو سمجھاتی۔ وہ محبت میں اندھی ہو رہی تھی۔ وہ ایک دفعہ کہہ چکی تھی کہ راجندر اُس کے تن دمن کا مالک ہے۔ دیوتا ہے خدا ہے۔ وہ چھپ چھپ کر راتوں کو بیدار رہتی اور جانفشانی سے پھولوں کے ہار تیار کرتی۔ پہلے وہ قیمت نہ لیا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ قیمت کے بغیر کسی کو ایک ہار بھی نہ دیتی۔ اس کی سہیلیاں اس حرکت پر شدید نکتہ چینی کرنے لگیں کوئی کہتی "خدا جانے اس کو کیا ہو گیا ہے۔ اب اس کے ہاتھ میں بھلا آدمی دکھائی نہیں دیتا۔" دوسری کہتی "دیکھئے کس قدر کنجوس ہو گئی ہار تک بیچنے لگی ہے۔" لیکن رکمنی ان باتوں کی ذرا پرواہ نہ کرتی وہ دل میں خیال کرتی ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ میرا سب سے پیارا زیور راجندر ہے زیور کی محبت اُس کی محبت کے سامنے خاک ہے۔ میری محبت کا وہ دیوتا ہے۔ مجھے اُس پر زیور نچھاور کرنے پڑیں گے۔ پھولوں کے ہار تو کیا اپنی جان بیچ کر اُس کے سپرد کرنا ہوگی۔ اگر میری صحت خراب ہوتی جا رہی ہے تو بلا سے جب اس کو روپے کی ضرورت ہے تو مجھے بھیک مانگ کر بھی اُس کی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ سب باتیں خواب ہو جائیں گی۔ جب وہ دن آئے گا صرف اس کا گلے میں باہیں ڈال لینا ان تمام تکالیف کو ایک موہوم خواب کی طرح محو کر دے گا۔

راجندر دن بدن مقروض ہوتا گیا۔ اور رکمنی کی کوششیں اُس کی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں۔ قرضخواہوں نے اُس کو عدالت کی دھمکی دی

وہ چپکے چپکے پھر رنگنی کے پاس گیا۔ چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ قمار بازی کی لعنت نے اس کے چہرے کو نہایت گھناؤنا بنا دیا تھا۔ اس میں وہ پہلا سا معصومیت کا نور ختم ہو چکا تھا۔ رنگنی جانتی تھی کہ وہ زندگی کی قبیح عادتوں میں گھرا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو اہمیت نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وقت کا چکر اس کو راہ راست پر لے آئے گا۔ وہ کمرے کے ارد گرد دیکھ رہا تھا لیکن شرم سے رنگنی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا کچھ نامکمل الفاظ اس نے کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ اس کو اس وقت دس ہزار کی سخت ضرورت ہے۔ رنگنی ہکا بکا رہ گئی لیکن اس نے بغیر تامل کے اس کے ساتھ کل کا وعدہ کیا اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے لے گی۔

اس کے جانے کے بعد ہی وہ اپنے پتا کے چرنوں میں گر پڑی اور روپے کے لئے درخواست کی۔ لیکن اس کے باپ نے صاف انکار کر دیا۔ رنگنی پر لاکھوں من بوجھ پڑ گیا۔ وہ بے یار و مددگار کیا کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں مایوسی کا ایک طوفان امڈ آیا۔ گناہ نے جھلک دکھائی۔ معصیت پرور جذبات اس کے دماغ میں ابھرنے لگے۔ رات کے وقت تن تنہا اسی خیال میں غلطاں اس کی نگاہیں ہیبت ناک اندھیرے کو چیر کر نکل رہی تھیں۔ آخر کار گناہ نے فتح پائی۔ وہ باپ کی رقم کی چوری کرنے کو تیار ہو گئی۔ لیکن جن آہنی صندوقوں میں سونے کے ڈھیر پڑے رہتے تھے۔ اس کی کنجیاں ہر وقت اس کے باپ کے پاس رہتی تھیں اور ان کا توڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کو معاً جڑاؤ تعویذ کا خیال آیا۔ آہ! کیا وہ اپنی پیاری ماں کی نشانی کی جدائی برداشت کر سکے گی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ اس نے کلیجہ پر پتھر رکھ لیا۔ اس کے لئے وہ سب کچھ قربان کر سکتی تھی۔ لیکن وہ تعویذ بھی حفاظت کے لئے اس ضعیفہ کے کمرہ میں ایک میز کی دراز میں بند تھا۔ وہ برقی لیمپ سے زینوں کے بل چلتی ہوئی اس ضعیفہ کے کمرے کے پاس پہنچی۔ اس کا دل اس مرغی کی طرح دھڑک رہا تھا جو بلی کے پنجوں سے چھڑائی گئی ہو۔ در و دیوار پر اسے وحشتناک صورتیں نظر آ رہی تھیں۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے دروازہ کھولا۔ ذرا سا شور ہونے سے اسے ایسا معلوم ہوا۔ گویا کہ تمام عمارت میں زلزلہ آ گیا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہزاروں ہاتھ اس کو پکڑنے کے لئے اندھیرے سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ لاتعداد خوفناک آنکھیں دیواروں پر گڑی ہوئی ہیں۔ اس نے میز کا دروازہ کھولا اور وہ جڑاؤ تعویذ باہر نکالا۔ اسی دراز میں سے بہت سے امپیریل بنک کے چیک نظر پڑے۔ اس نے ان پر ہاتھ ڈالا لیکن گناہ کا خوف اس پر اس قدر طاری ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ضعیفہ کمرے میں داخل ہوئی۔ رنگنی کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ تعویذ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ میز کی دراز کھلی ہوئی تھی۔ ضعیفہ اسے جلدی ہوش میں لائی رنگنی جب ہوش میں آئی تو اس نے اپنے آپ کو ضعیفہ کے قدموں میں پھینک دیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ وہ صرف اتنا کہہ سکی۔

"مجھے معاف کرو! مجھے معاف کرو!"

ضعیفہ نے نہایت محبت اور شفقت کے لہجہ میں اس کو تسلی دی گلے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور صرف اتنا کہا:-

"پیاری بچی! اس وقت تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

"ماں! مجھ سے کس قدر شرمناک فعل ہوا ہے۔ اے خدا! مجھ بدبخت کی حالت پر رحم کرو۔"

"رنگنی! اس معاملہ کی بابت کل دیکھا جائے گا۔ اس وقت جاؤ اپنے بستر پر لیٹ جاؤ۔ میری بچی! کسی قسم کا فکر مت کرو۔ ورنہ تمہاری صحت پر برا اثر پڑے گا۔"

رحمدل ضعیفہ، نہایت شفقت سے اسے کمرے میں پہنچا آئی۔ صبح رنگنی فرط غم کی وجہ سے بستر پر سے نہ اٹھ سکی اور شدید بخار سے اس کا بدن آگ کی طرح چمک رہا تھا۔ وہی ضعیفہ اس کی تیمارداری کرنے لگی۔

(۴)

راجندر کی بداعتدالیاں اس کے باپ کے کان تک پہنچ چکی تھیں وہ تمام لوگوں میں بدنام ہو چکا تھا۔ وہ مجبور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی گزشتہ سیاہ اعمالیوں پر غور کر کے اپنے آپ کو نفرین بھیجے اور صحیح راستہ پر گامزن ہو اس نے کالج کو خیرباد کہا۔ اور اپنے آبائی پیشہ تجارت میں مشغول ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد رنگنی کو راجندر کا پہلا خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا کہ میرا والد میری اور تمہاری شادی پر رضامند نہیں ہوا۔ اور وہ اس لڑکی کو منتخب کرے گا جو بہت سی دولت ساتھ لائے۔ لیکن میں ہرگز کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔ اور تمہیں وقت اور قسمت کا انتظار کرنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اس نے کئی خط بھیجے۔ جن کا مضمون قریباً یہی تھا۔ رنگنی اس قدر دولتمند نہ تھی جتنا کہ راجندر کے والد کی خواہش تھی۔ اس غم سے وہ اندر بیمار ہوتی چلی گئی۔ کاش وہ اس وقت دولتمند ہوتی۔ اسے رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا۔ اس کی بیماری خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی اس رنج و الم کے مرحلہ میں اس نے رحمدل ضعیفہ کو اپنا ہمراز بنا لیا۔

چار سال کا عرصہ گزر گیا اور رنگنی اور وہ ضعیفہ ایک پل کے لئے بھی جدا نہ ہوئی تھیں۔ رنگنی اس سے اپنے غم کی داستان سناتی اور اس طرح دل کا غبار نکال لیتی۔ اور دنیا میں اس کے لئے صرف یہی ایک بڑھیا تھی جس سے باتیں کر کے اس کو تسلی ہوتی۔ لیکن رنگنی کی بدقسمتی سے بڑھیا کا آخری وقت آ پہنچا۔ رنگنی سر پیٹ کر بیٹھ گئی۔ "اے خدا! کیا میری قسمت میں یہی ہے کہ میں جس سے محبت کروں وہ ہاتھوں سے چھن جائے۔ بڑی ہمشیرہ

سے بے حد محبت تھی وہ چل بسی۔ ماں بھی مجھے کراہتا چھوڑ کر سدھار گئیں راجندر ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب یہ بڑھیا میرا آخری سہارا تھا وہ بھی ملک عدم کو تیار ہے۔ لیکن رُکمنی کی گریہ وزاری کارگر نہ ہوئی۔ بڑھیا راہی ملک عدم ہو گئی۔

جب بڑھیا کے کاغذات کی دیکھ بھال ہوئی تو اُس میں سے ایک وصیت نامہ برآمد ہؤا جس کی رو سے اس بڑھیا نے اپنی تمام جائداد رُکمنی کے نام وقف کر دی تھی۔ رُکمنی کو ایسا معلوم ہؤا گویا آکاش سے کوئی دیوتا اُس کی قسمت پلٹنے کو اتر آیا۔ چھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا راجندر کے وعدے ختم ہونے کو نہ آتے تھے۔ اس کے والد کی وہی ہٹ اور بے چاری رُکمنی کا وہی انتظار۔ اب اس کو وہ تمام باتیں ایک خواب کی طرح نظر آنے لگیں۔ وہ اب امیر تھی۔ راجندر کا والد ضرور رضامند ہو جائے گا۔ یہ کس قدر مسرت انگیز خیال تھا۔ کچھ دنوں بعد وہ محبت کی ملکہ بن جائے گی۔

اس نے ایک طویل خط جس کے لفظ لفظ سے خوشی ٹپکتی تھی راجندر کو لکھا اور اپنی اس خداداد دولت کا ذکر نہایت مسرت سے کیا۔ اُس نے اب شادی کی تیاری شروع کر دی۔ اُس نے ان رنگوں کے کپڑے بنوانے شروع کر دئے جو راجندر کو پسند تھے۔ وہی پارچہ اُس نے راجندر کی موجودگی میں تیار کیا تھا۔ باہر نکالا اور پہن کر آئینہ میں دیکھا تو اُس کی مسرت آگیں نگاہیں عرش اعلیٰ تک پہنچ گئیں۔

راجندر کا جواب آگیا۔ اگر کوئی شخص اس کو دیکھتا تو یقیناً اُس کے روکھے الفاظ سے کچھ اور نتیجہ نکالتا۔ اُس نے لکھا کہ وہ ابھی بیمار ہے۔ اور شادی کے متعلق ابھی کوئی تاریخ وغیرہ مقرر نہیں کر سکتا۔ لیکن رُکمنی کو ان الفاظ سے مایوسی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اُس کی امید مضبوط ہو گئی۔

کاش اُس کو یہ معلوم ہوتا کہ راجندر نے علالت کا صرف بہانہ کیا تھا۔ وہ فوراً کانپور کو روانہ ہو گئی تاکہ راجندر کی تیمارداری کرے اور اُسے یہ بھی خیال پیدا ہؤا۔ کہ جب تک راجندر صحت یاب نہ ہو وہ وہیں قیام کرے گی۔ بعد ازیں وہیں شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی۔

وہ راجندر کے مکان پر پہنچ گئی۔ نوکروں نے گول کمرہ میں بٹھایا جب راجندر کمرہ میں داخل ہؤا تو رُکمنی کو دیکھ کر اُسے ایسا معلوم ہؤا گویا اُس کے منہ پر کسی نے گھونسا مار دیا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ وہ بالکل تندرست تھا۔ بیماری کی کوئی علامت بھی اُس کے چہرہ پر عیاں نہ تھی

"کیا اب بالکل صحت یاب ہو گئے ہو" رُکمنی نے حیرت سے پوچھا جو راجندر کی گھبراہٹ کو بھی محسوس کر چکی تھی۔

"ہاں! یونہی طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ اور آپ کے اس طرح چلے آنے کی کوئی ضرورت نہ تھی"

"ضرورت نہ تھی! راجندر ذرا میری طرف دیکھو کیوں اس قدر بے چین سے نظر آتے ہو! کیا اب مجھ سے محبت نہیں رہی؟ جلدی کرو صاف صاف بتاؤ"؟

"نہیں یہ بات تو نہیں۔ لیکن والد صاحب اگر ہم کو اس طرح دیکھ لیں تو وہ کیا کہیں گے۔ یہ ایک نا کتخدا لڑکی کے شایاں نہیں۔ کہ وہ اس طرح بے دھڑک چلی آئے جہاں وہ پہلے کبھی بھی نہ آئی ہو"

"تمہاری باتیں مجھے ہلاک کئے دیتی ہیں۔ کیا میں اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کیا ہم دونوں کو اس گھر میں عمر نہیں گزارنی؟ کیا اس گھر کا انتظام میرے ہاتھوں میں نہیں ہوگا۔؟"

"ہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن آپ کو اپنی آمد کی خبر پہلے سے دینی چاہئے تھی تاکہ والد صاحب کو بھی خبر ہو جاتی۔ اس طریقہ سے اُن کو تمہاری آمد کی خبر دینا حماقت ہے۔ آپ کے لئے بہتر ہوگا کہ ایک دن کے لئے آپ شہر کے کسی ہوٹل میں ٹھیریں"۔

اس وقت خادم داخل ہؤا اور راجندر کو خطاب کیا۔

"آپ کی دلہن آپ کو یاد فرماتی ہیں"۔

رُکمنی کبھی راجندر کے منہ کی طرف کبھی خادم کی طرف دیکھتی۔ جب خادم رخصت ہؤا تو اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور زار و قطار رونے لگی۔

"راجندر! تمہاری دلہن! یہ بالکل غلط ہے مجھے تسلی دو کہ جو کچھ خادم نے کہا وہ غلط تھا۔ ہاں کہو کہ یہ بات کبھی صحیح نہیں ہو سکتی"

"لیکن وہ بات بالکل صحیح ہے۔ میرے والد کی مرضی اسی طرح تھی ایک گھنٹہ کے بعد میں کسی دوسری عورت کو بیوی کہنے والا ہوں"

"اے میرے خدا! کیا جو کچھ میں سن رہی ہوں یہ صحیح ہے۔ نہیں! نہیں!! تم غلط کہہ رہے ہو۔ راجندر ابھی تک تمہاری شادی نہیں ہوئی ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ جاؤ اپنے والد کو مجبور کرو کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں وہ آگئی ہے ——— آہ چھ برس کا انتظار۔ جلدی اپنے والد کو یہ خوشخبری سناؤ۔ میرا دل ٹوٹا جا رہا ہے"

"یہ ناممکن ہے۔ حالات بالکل مستحکم صورت اختیار کر چکے ہیں۔ وہ لڑکی کانپور کے نہایت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت تاؤ کا رخ پلٹنے کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی"

"اگر تم کو اس سے محبت نہیں تو پھر کیوں تمہیں اُس کے یا اُس کے خاندان کے بدنام ہونے کا اندیشہ ہے"

"ممکن ہے مجھ کو اُس سے محبت ہو" اُس نے یہ لفظ دیوار پر نگاہیں جمائے ہوئے کہے۔

"اگر تم کو اُس سے محبت ہے تو تم انسانیت کے حرف پر داغ ہو انسان

داخل میں بیٹھ گیا۔ لیکن راجندر کیا تم وہ تمام وعدے اور قسمیں بھول چکے ہو۔ اگیا ہو سال کے بعد میں نے یہی الفاظ تمہارے منہ سے سنے تھے؟"

وہ فرطِ محبت سے بے تاب ہو گئی اور راجندر کے قدموں پر گر پڑی۔

"ہاں ہاں! راجندر! مجھ سے یہ الفاظ کہو کہ میں نے تمہاری محبت کو پرکھنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے۔ مجھے جلدی تسلی دو کہ میرے سوا تمہیں کسی اور سے محبت نہیں اور یہ دوسری محبت والا ایک من گھڑت افسانہ تھا۔ تم اس گھر سے مجھے نہیں نکال سکتے خدا کے لئے وہ فقرہ واپس لو کہ تم کسی اور سے محبت کرتے ہو۔"

"رکمنی! میرے بس کی بات نہیں، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مجھے تمہیں یونہی رلانے میں کوئی لطف نہیں حاصل ہوتا۔"

"تم بے بس نہیں ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ وہ کونسی بات ہے۔ جو تمہارے درمیان حائل ہے؟"

"میری عزت"

"عزت! کہاں تھی تمہاری عزت جب تم نے میرے ساتھ قسمیں دے دیکر وعدے کئے اور اس وقت تمہیں اپنی حیثیت اور عزت مدنظر نہ تھی جب تم نے ان پاک وعدوں کو توڑ دیا۔"

"رکمنی! خدا کے لئے ایسی بات نہ کرو۔ جس سے میں شہر کے لوگوں کا نشانہ بنوں۔ میں واقعی ننگ انسانیت ہوں۔ دھوکہ باز اور دل کا کھوٹا ہوں میں اس وقت تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں صحیح بات بتانا چاہتا ہوں۔ گو میں نہیں سمجھتا کہ میں کس طرح کہوں۔ وہ لڑکی ایک عرصہ سے میری بیوی ہو چکی ہے۔ رسم نکاح وغیرہ کئی ماہ سے ادا ہو چکی ہے۔ اب یہ رسمی طور پر شادی کی رسم ادا کی جا رہی ہے۔ رکمنی مجھے معاف کر دینا۔ اور اس وقت تمہارا یہاں سے رخصت ہو جانا مجھ پر آخری احسان ہوگا۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ یہاں سے مر کر اٹھوں گی۔"

اتنے میں کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ راجندر کو معلوم ہو گیا کہ سوائے شانتا داس کی نئی بیاہتا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جلدی سے ایک میز کے سامنے کھڑا ہو کر کاغذات الٹنے پلٹنے میں مشغول ہو گیا۔ اور اس نے نہایت آہستہ سے کہا "میں کہیں کا نہ رہا۔ ابھی میری عزت خاک میں مل جائے گی" رکمنی اپنے صندوق کو کھول کر اس میں سے کوئی چیز نکالنے کے بہانے مصروف ہو گئی!

دلہن داخل ہوئی اور ایک عورت کو دیکھ کر ذرا جھجک گئی۔ اس کے ہاتھ میں دو ہار تھے۔

"راجندر! میں نے آپ کو بلوا بھیجا تھا، ان میں سے کونسا ہار آپ پسند کریں گے؟"

رکمنی فوراً بول اٹھی "یہ دونوں کچھ ایسے اچھے بنے ہوئے نہیں یہ لیجئے میں آپ کے لئے ہار لائی ہوں آپ کے شوہر نے مجھے ایک عرصہ پیشتر ہار بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں ہار لے کر ٹھیک وقت پر پہنچ گئی ہوں اور غالباً" اس کو قبول کر لیا جاوے گا۔ میں نے یہ ہار بہت محبت سے تیار کیا ہے۔"

دلہن نے کہا "بیشک! یہ ان دونوں ہاروں سے خوبصورت اور اعلیٰ ہے۔ لیکن راجندر آپ نے تو اس ہار کی نسبت مجھے پہلے نہیں بتلایا۔"

رکمنی نے جواب دیا "ان کو خیال نہیں رہا ہوگا۔"

"میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔ آپ ہمارے لئے ایسا خوبصورت اور بیش بہا تحفہ ہار لائی ہیں" یہ کہہ کر وہ رکمنی والا ہار لیکر باہر نکل گئی۔ رکمنی کی نظریں اس دلہن کے تعاقب میں گئیں۔ جب دلہن آنکھوں سے غائب ہو گئی تو رکمنی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو چشمے بہ نکلے۔

"آہ میرا ہار"

"رکمنی! تم دیوی ہو۔ پرستش کے لائق ہو۔ ایک دفعہ پھر میں تمہارے قدموں پر اپنا دل پھینکتا ہوں۔ میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔"

رکمنی نے نہایت ملائیت کے لہجہ میں کہا "راجندر اب وقت گزر چکا ہے وہ تمہاری بیوی ہو چکی ہے۔ میرا دل تو ٹوٹ چکا ہے۔ لیکن میں اس کا دل توڑنا نہیں چاہتی۔ یہ میرے دل سے پوچھے کہ شکستہ دل لوگ کس طرح زندہ رہتے ہیں۔ خدا میری جیسی زندگی دشمن کو بھی نہ دے۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔ جاؤ رسم شادی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو وہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ اب مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اور نہ مجھے اب کوئی شکایت کرنے کا حق رہا ہے اس ہار میں سب کچھ تھا۔ وہ میرے ہاتھوں سے گیا تو سب کچھ گیا۔ آہ وہی ہار ہماری محبت کا ضامن تھا۔ اب جلدی چلے جاؤ۔ تمہیں اب میں دیکھنا نہیں چاہتی۔ اور میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جب تمہاری رسم شادی ختم ہو جائے گی تو تم مجھے یہاں نہ پاؤ گے۔ ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔"

راجندر کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ گھبرایا اور پچھتایا ہوا۔ نہایت مایوس نگاہیں ڈالتا ہوا کمرہ سے باہر نکل گیا۔

ایک گھنٹہ بعد رسم شادی ادا ہوئی۔ جب برات شہر میں گھومتی ہوئی ایک بڑی نہر کے پل پر پہنچی تو ماہی گیر مچھلیوں کے ٹوکرے لئے کھڑے تھے اور ان میں ایک لڑکی کی لاش بھی تھی۔ وہ ماہی گیر سڑک پر کھڑے ہو گئے تھے۔ تاکہ برات گزر جائے۔

راجندر نے اپنا سہرا آنکھ سے اٹھا کر لاش کو دیکھا تو اس کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جائے لیکن برات آہستہ آہستہ گزر گئی اور ایک بوڑھی بولی۔

"سامنے لاش ملی ہے۔ یہ دولہا کے لئے اچھا شگون نہیں ہے۔"

اعمال نامہ

مجور انسان نے مارے شرم کے اپنی گردن جھکالی اور نیچی نظریں کئے دھیمی آواز سے کہا "ہاں میں نے ایسا ہی کیا!!"

شانِ کریمی نے یہ الفاظ سنکر انسان کا اعمالنامہ کھولا اور کہا "اے ابنِ آدم! تونے اپنی زندگی بدکرداریوں کی نذر کی۔ تونے مقصدِ حیات کو ایک خوابِ پریشاں کی طرح بھلا دیا۔ تو اپنی بے ثباتی سے لاپرواہ اور یوم جزا کے خوف سے بالکل بے خطر صراطِ مستقیم سے کوسوں دور بھٹکتا پھرا۔ تیری خوابگاہ انتہائی آرائش کا مجموعہ اور عشرتکدۂ ہستی پر جنت الفردوس کا نمونہ تھی۔ تیرے عشرتکدہ میں ہر دم محفلِ رقص و سرور قائم رہتی شب و روز شرابِ گلگوں کے دور چلتے اور آغوشوں میں حورِ طلعت نازنینوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نیکی سے بے بہرہ اور سزائے گناہ سے بے خوف تونے بیکس انسانوں اور بے زبان حیوانوں پر دل کھول کر وہ وہ ستم توڑے کہ زمین تھرا اٹھی۔ درخت سہم گئے۔ ستاروں کی پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلیں۔ اور فلک بیربے بس ہوکر کانپنے لگا۔ میں نے تجھے گناہوں سے بچنے کی تلقین کی اور دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا مگر گناہ تجھے ایسے مرغوب ہوئے کہ ایک لمحہ بھر بھی تجھے ان سے فراغت نہ ملی۔ میں نے تجھے دانۂ گندم کھانے سے منع کیا۔ مگر جب تک اُسے کھا نہ لیا تجھے چین نصیب نہ ہوا۔ تونے مٹی اور پتھر کی بے جان مورتیوں اور اپنے ہی جیسے فانی انسانوں اور بے بس حیوانوں کے آگے سرِ نیاز خم کیا۔ تونے آگ، پانی اور دریا، سمندر، چاند، سورج سانپ اور ستاروں کی پرستش کی، قربانیاں چڑھائیں اور مرادیں مانگیں اوسفاک انسان! وہ کونسا گناہ ہے جو تجھ سے سرزد نہ ہوا۔ اور وہ کونسی لغزش ہے جس سے باز رہ کر تونے سعادتِ دارین حاصل کرنے کی کوشش کی۔؟"

عدالتِ ایزدی میں ہر طرف سکوت کامل تھا اور فرعونِ نفس انسان خدائے عادل کے حضور میں گردن جھکائے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

پھر مطلعِ قدرت نے انسان کا اعمالنامہ کھولا اور کہا "اے سنگدل انسان! تونے نیکی کو گناہ اور خطا کو کارِ ثواب سمجھ کر رحم کو ترستے ہوئے بیکس، مظلوم اور ستم رسیدہ بندوں پر ظلم و ستم کے بادل برسائے تونے غریبوں اور محتاجوں کی چیخ و پکار پر کان نہ دھرے۔ تونے یتیموں اور بیواؤں کی آہ و بکا کی پرواہ نہ کی۔ تونے میرے نیک بندوں کو جو عبادت کدوں میں دن رات میری حمد و ثنا میں محو رہتے تھے۔ طرح طرح کی تکلیفیں دے کر جہان سے بیزار کردیا۔ اونٹی کے ناچیز پتلے! تونے میری زمین پر معصوموں کے خون کی ندیاں بہائیں۔ اور ہر طرف فتنہ و فساد برپا کرکے اپنا الوسیدھا رکھا۔ اگر میرے کسی پاکباز بندے نے تجھے رات کی خوفناک تاریکی سے اپنے مختصر سے جھونپڑے میں پناہ دی اور خود تمام رات باد و باراں کا نشانہ بنا رہا تو تونے طلوع آفتاب سے پیشتر ہی اس نیکی کے عوض اسے مارِ آستین کی طرح ڈس لیا۔ تیرے جس محسن نے تجھ پر رحم کیا تونے اُسی کا سر کاٹ لیا۔ اور جب ہمدرد دوست نے تیرا ساتھ دیا تو تونے اسی کو موت کے گھاٹ اتارا۔ او عیش و عشرت کے بندے! کیا میں نے تجھے انہی کاموں کیلئے پیدا کیا تھا؟"

یہ سنکر سرکش انسان نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اوپر اٹھائی اور دبی ہوئی آواز سے کہا "بے شک میں نے ایسا ہی کیا!"

جب یہ بیباک الفاظ انسانِ بدلگام کی زبان سے نکلے۔ تو خدائے قہار نے اعمالنامہ بند کردیا اور کہا "او گستاخ انسان! تو اسی قابل ہے کہ تجھے دوزخ میں بھیجکر کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے بس اب نارِ جہنم میں اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوجا!"

خالقِ ارض و سما کا یہ فیصلہ سن کر سرکش انسان چلا اُٹھا "نہیں! ہرگز نہیں!! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا!!!"

"کیوں؟ میرے فیصلے میں کہاں کی بے انصافی ہے؟؟ آخر میں تجھے یہ سزا دینے میں کیونکر حق بجانب نہیں ہوں؟؟؟"

"وجہ؟ یہی کہ میں تمام عمر دوزخ ہی میں تو رہا ہوں!"

یہ سنکر عدالتِ خداوندی میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اور سب حیران ہوکر مجرم انسان کا منہ دیکھنے لگے۔

(آسٹریلیا) مفتی محمد افضل انور بی۔اے

وطن فروش

بشر ہے آدمیت سے مگر بیگانہ رہتا ہے   غلامی کے نشے میں چور اور مستانہ رہتا ہے
یہ ایسے رہتا ہے جیسے کوئی دیوانہ رہتا ہے

نہ اس میں غیرتِ قومی نہ کچھ ملکی حمیت ہے   متاعِ زندگی اس کی شرارت ہے حماقت ہے
اِن انسانوں کے جنگل میں یہ مجنونانہ رہتا ہے

وطن کی آبرو کے پاس سے دل اس کا بیگانہ   زوالِ قوم کے احساس سے دل اس کا بیگانہ
وطیرہ اس کا ننگِ ہمتِ مردانہ رہتا ہے

نہ مذہب کو سمجھتا ہے نہ مذہب کی حقیقت کو   تعصب کی نظر سے دیکھتا ہے آدمیت کو
گرفتارِ طلسمِ کعبہ و بت خانہ رہتا ہے

خدا کے نام پر فتنے اٹھانا اس کا شیوہ ہے   ہمیشہ بھائی بندوں کو لڑانا اس کا شیوہ ہے
لڑائی کا تماشہ اس کے گھر روزانہ رہتا ہے

غلامی نے سبق اس کو پڑھایا بے حیائی کا   خدا کا خوف ہے دل میں نہ کچھ ڈر ہے خدائی کا
زباں پر خود فروشی ہی کا اک افسانہ رہتا ہے

ہمیشہ کی غلامی کو یہ اک راحت سمجھتا ہے   جھکانا سر درِ اغیار پر عزت سمجھتا ہے
سلوک اپنوں سے اس کا آہ سفاکانہ رہتا ہے

فساد و شور و شر کی ترجمانی اس کو آتی ہے   فسادِ بحر و بر کی ترجمانی اس کو آتی ہے
محبت اور رواداری سے یہ بیگانہ رہتا ہے

محبت اس کی آنکھوں میں مگر اغیار کی خاطر   مروت اس کی باتوں میں مگر زردار کی خاطر
خیال اس کا اسیرِ شفقتِ شاہانہ رہتا ہے

یہ اپنی ذات پر قربان کردے قوم کو اپنی   یہ اپنی بات پر قربان کردے قوم کو اپنی
یہ بندہ ہے غرض کا اور بے باکانہ رہتا ہے

اسے اپنوں سے نفرت اور غیروں سے محبت ہے   اور اس کے زعمِ باطل میں یہ معیارِ شرافت ہے
باندازِ سفیہانہ و خود غرضانہ رہتا ہے

تمنائے وطن کی ناتمامی فخر ہے اس کا   غلامی اور ہمیشہ کی غلامی فخر ہے اس کا
غلامی کے نشے میں چور اور مستانہ رہتا ہے

غلامی جان ہے اس کی غلامی اس کا ایماں ہے   زمیں کا بوجھ ہے یہ اور ننگِ نوعِ انساں ہے
بشر ہے آدمیت سے مگر بیگانہ رہتا ہے

جو عورتیں سفید پانی کی بیمار ہیں

وہ حقیقت بڑے خطرے میں ہیں۔ کیونکہ سیلان الرحم کی بیماری میں جو سفید رطوبت عورت کے جسم سے وقت بے وقت خارج ہوتی رہتی ہے وہی زندگی کا اصلی جوہر ہے سفید رطوبت کا خارج ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس عورت کی جوانی بہت تیزی کے ساتھ جا رہی ہے اور اس کے چہرہ پر بہت جلد جھریاں پڑنے والی ہیں اس پر ضعیفی غالب آ رہی ہے عقلمند عورتیں اور عقلمند مرد اس خطرہ کو خوب سمجھتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سفید رطوبت کی بیماری کے علاج میں روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

سفید رطوبت کا علاج صرف تین روپے میں ہو سکتا ہے

ہندوستان کی ہزارہا نہیں بلکہ لاکھوں عورتوں کو اس بات کا ثبوت مل چکا ہے کہ سفید رطوبت کا علاج بہت آسان ہے اگر کوئی عورت اس مرض میں مبتلا ہو یعنی سفید رطوبت خارج ہوتی ہو اس کے ناف تلوں میں درد رہتا ہو یا ماہواری کے زمانہ میں تکلیف ہوتی ہو۔ دن بھر اداس اور مغموم رہنے کی عادت پڑ گئی ہو یا کمر اور پنڈلیوں میں درد کی شکایت ہوتی ہو تو سمجھ لیجئے کہ یہ عورت سیلان رحم کی مریضہ ہے اور اسے صرف ایک شیشی دوا روک استعمال کرا دیجئے دوسرے تیسرے دن ہی آپ خود محسوس کر لیں گے کہ مریضہ کے چہرہ پر کتنی بشاشی ہے۔ کتنی جوانی ہے کتنی بہار ہے۔ یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ دوا روک "ہندوستانی آب و ہوا کے لحاظ سے عورتوں کیلئے اکسیر کی حیثیت حاصل کر چکی ہے سفید رطوبت کا مسلسل اخراج جو کسی علاج سے بند نہ ہوتا ہو۔ اسے دوا روک کا استعمال ٹھیک تیسرے دن بند کر دیتا ہے۔

لہذا یاد رکھئے کہ صرف تین روپے کا لالچ کر کے عورت کی جوانی کو برباد ہوتے دیکھنا کسی دن رنگ لائیگا۔ اس واسطے اس کا پہلا انتظام کر لیجئے اور اگر کوئی عورت سیلان الرحم کی مریض ہے تو اسے ہدایت کر دیجئے کہ ایک شیشی دوا روک استعمال کرے۔ سفید رطوبت آنی بند ہو جائے گی اور اس کا اندرونی جسم درم تندرست ہو جائیگا۔ ایک شیشی دوا روک کی قیمت تین روپے ہے اور اس پر سات آنے محصول پارسل خرچ ہوتا ہے لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۲ دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے آپ کو گھر بیٹھے دوا پہنچ جائیگی اور اس طرح تین روپے میں ایک خطرناک مرض سے عورت کو نجات مل جائے گی دوا روک تمام ہندوستان میں مشہور ہے اور ہزارہا عورتوں کو تندرست کر چکی ہے ہر مزاج اور آب و ہوا کے عین مطابق ہے اور تیسرے دن اپنا کمال مریض پر پوری طرح ظاہر کر دیتی ہے ملک کے بیشمار حکیم اور ڈاکٹر اپنے مریضوں کو دوا روک استعمال کرنے کی سفارش کرتے ہیں کیونکہ اس دوا کا علی الاعلان کافی سے زیادہ تجربہ کیا جا چکا ہے اس لئے مہربانی کر کے دوا روک کو اشتہاری دوا نہ سمجھئے یہ دہلی کے زنانہ دواخانہ کی تیار کی ہوئی ہے۔ وہ دواخانہ جو سالہا سال سے ہندوستانی عورتوں کی خدمت میں لازوال شہرت کا واحد مالک ہے۔

عورت روتی ہے ——— مرد ہنستا ہے

لیکن کیوں؟

یہ اس عورت سے پوچھو

جو بے چاری ہر مہینے ماہواری ایام کی تکلیف اٹھاتی ہے۔ اور ایام رک رک کر یا درد کے ساتھ آتے ہیں یا زیادہ یا کم آتے ہیں یا ایام کے دنوں میں اس کے ناف تلے میں، کمر میں یا اور کہیں درد ہوتا ہے یا ایام ماہواری کئی برس سے بند ہیں یا ایام کی بے قاعدگی کے باعث وہ غریب ہر مہینہ کئی روز تک تڑپ تڑپ کر کاٹتی ہے یا ایام ماہواری کے دنوں میں سفید رطوبت بھی خارج ہوتی ہے تو اس کو تم یہ کیوں نہیں بتا دیتے کہ ان تمام تکلیفوں کا نہایت سریع التاثیر اور بے حد کارگر علاج یہ ہے کہ ایسی عورت صرف ایک شیشی دوا "کورس" استعمال کرے۔ دوا کورس ماہواری ایام کو ایسا باقاعدہ دیتی ہے اور ایسا باقاعدہ کر دیتی ہے۔ کہ یہ دوا استعمال کرنے کے بعد عورت کو ہر مہینہ مقررہ وقت پر صحیح تعداد میں بغیر کسی درد اور تکلیف کے ماہواری ایام آنے لگتے ہیں۔ اور عورت ہر مہینہ نہایت آسانی کے ساتھ ایام حیض سے فارغ ہو جاتی ہے۔ لطف یہ کہ ایام کے زمانہ میں بھی عورت کے دل پر فرحت اور امنگ محسوس ہوتی ہے۔ دوا "کورس" کا یہ تشفی صدی کامیاب اثر دیکھ کر ملک کے بے شمار ڈاکٹر اور حکیم اپنے مریضوں کو اس دوا کے استعمال کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اور اب تک ہزارہا عورتوں کو یہ دوا تندرست کر چکی ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ بغیر تکلیف کے آنے لگتے ہیں۔ قیمت ایک شیشی دوا کورس دو روپے آٹھ آنے محصول ڈاک سات آنے **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ** **بکس ۲۳ دہلی** کو خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی پی پارسل منگا لیجئے۔

کشیدہ کاری کی جرمنی مشین

عورتوں کو کشیدہ کاری کا بہت شوق ہوتا ہے۔ جرمنی نے اس اہم ضرورت کا لحاظ کر کے ایک ایسی عجیب مشین تیار کر دی ہے کہ کشیدہ کاری کا جو کام پہلے ایک گھنٹہ میں ہوتا تھا۔ اب اس مشین کے ذریعہ پانچ منٹ میں ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں کے لئے بہترین چیز ہے گھر کے کپڑوں پر پھول بوٹے بنانے کے لئے ہر لڑکی اس مشین کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ قیمت بہت کم یعنی صرف تین روپے ہے۔ سینکڑوں روپے کے کام کی چیز صرف تین روپے میں منگا لیجئے۔ آپ کے گھر میں چند ہی روز میں اس مشین کی بہار نظر آنے لگے گی۔ اس مشین کی قیمت تین روپے ہے۔ (دستی)

منیجر صاحب کامیاب بکڈپو پوسٹ بکس ۲۳ دہلی

کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ سات آنے محصول لگے گا۔

دمہ کا ایک ہی علاج ہے

اور وہ اتنا کامیاب ہے کہ آج تک اس کی شکایت سننے میں نہیں آئی یہ ضرور ہے کہ دمہ کا مرض بہت مشکل سے جاتا ہے۔ لیکن اس مرض کو لاعلاج قرار دینے میں بعض اطباء نے غیر ذمہ داری سے کام لیا ہے۔

ہندوستان میں جو لوگ دمہ کے مریض ہیں وہ صرف ایک شیشی دوا "سانسول" استعمال کر کے دیکھ لیں انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ دوا سانسول دمہ کے مرض کو کیسی آسانی کے ساتھ دور کر دیتی ہے۔ اس دوا سے بڑے بڑے پرانے مریضوں کو صحت حاصل ہو گئی۔ پس جب مریض کو دمہ کی تکلیف ہو اسے فوراً دوا "سانسول" استعمال کرنی چاہیئے، دمہ کا مرض بالکل جاتا رہے گا۔ اور پھر کبھی سانس کا دورہ نہ پڑے گا "سانسول" کی ایک شیشی ایک روپیہ بارہ آنے میں **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۲۳** **دہلی** کو خط لکھ کر منگا لیجئے۔ ایک شیشی پر محصول سات آنے تین شیشیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول معاف۔

نوٹ:۔ ہمیں سانسول جیسی عجیب دوا پر فخر ہے کہ اس کی ہر خوراک اثر کرتی ہے

جریان کا مرض دور کرنے کا آسان ترکیب

جسے پچاس سے زیادہ ڈاکٹروں اور حکیموں نے تسلیم کیا ہے ۱۹۲۶ء میں جبکہ ہندوستان میں اشتہاری دواؤں کا زیادہ زور ہوا تو آل انڈیا کامریڈ سوسائٹی نے مختلف دواؤں کا امتحان کیا تھا جریان کے مرض کے لیے سب سے بہتر دوا "جوہر اعظم" کو تسلیم کیا گیا۔ اور آل انڈیا کامریڈ سوسائٹی نے اعلان کر دیا تھا کہ اس وقت ہندوستان میں جریان کے مرض کی دوا "جوہر اعظم" سب سے بہتر اور جلد اثر کرنے والی ہے بلکہ سوسائٹی مذکور نے کوشش کر کے اس دوا کا محصول ڈاک بھی معاف کر دیا تھا۔ اب تک وہ اعلان نہیں بدلا اگر آپ کو یاد نہیں رہا تو نوٹ کر لیجیے کہ اس وقت تمام ہندوستان میں جریان کے مرض کی بہتر اور جلد اثر کرنے والی دوا کا نام "جوہر اعظم" ہے۔ جس کی ایک شیشی تین روپے آٹھ آنے کو ملتی ہے۔ اور محصول ڈاک اس دوا پر عام فائدے کے خیال سے معاف ہے۔ یعنی صرف تین روپے آٹھ آنے میں یہ دوا مریض کو گھر بیٹھے پہنچا دی جاتی ہے۔ البتہ انڈیا سے باہر دوسرے غیر ملکوں میں رہنے والوں سے محصول ڈاک چارج کیا جاتا ہے۔

جریان اس خطرناک بیماری کا نام ہے جو انسان کی جوانی کو پانی کی طرح چند روز میں بہا دیتی ہے۔ پیشاب سے پہلے اور پیشاب کے بعد یا خاص وقت پر قوت مردانگی پانی کی طرح بہنے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ دوا جوہر اعظم اکسیر کا کام کرتی ہے۔ ایک شیشی ایک مریض کو پوری طرح تندرست اور نوجوان بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ جن لوگوں کو اس دوا کی ضرورت ہو وہ **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۳ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر یہ دوا اپنے نام بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ صرف تین روپے آٹھ آنے کا وی۔ پی روانہ کر دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ تقریباً دس ہزار مریض "جوہر اعظم" دوا کے استعمال سے تندرست ہو چکے ہیں۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوں اور شادی کے بعد .... ناقابل ہوں انہیں یہ دوا بہت جلد استعمال کرنی چاہیے۔

دو روپے میں اصلی فوٹو کیمرہ

جس سے ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ جو چاہے جس کا فوٹو لے سکتا ہے۔ فوٹو نہایت صاف اور خوبصورت آتا ہے۔ سیکھنے کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں طریقہ استعمال بتانے کے لیے چھپی ہوئی ترکیب استعمال کیمرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ تصویر کشی کے پلیٹ کارڈ اور تصویر کو صاف کرنے اور دھونے کا مصالحہ وغیرہ بھی کیمرہ کے ساتھ مفت بھیجا جاتا ہے۔

اس فوٹو کیمرہ کی قیمت بارہ روپے تھی۔ اور جرمنی اور امریکہ وغیرہ سے تیار ہو کر آتا تھا۔ لیکن جاپان کی مشہور عالم تجارت نے اس کو بھی تاک لیا۔ اور بالکل وہی چیز بنا کر ہندوستان میں بھیج دی۔ اور پھر لطف یہ کہ یہ کیمرہ ہر لحاظ سے اعلیٰ اور بہتر کام کرتا ہے اور بہت مضبوط اور کارآمد چیز ہے۔ درحقیقت جاپان نے تجارت کے معاملے میں تمام دنیا کو نیچا دکھا رکھا ہے۔ وہی چیز جو کسی زمانہ میں ۱۲ روپے میں ملتی تھی۔ اور اب بالکل وہی چیز دو روپے کو مل رہی ہے۔ چونکہ ایک پائدار اور کارآمد چیز تھی۔ لہذا کامیاب بک ڈپو نے میل آرڈر بزنس کے لئے اس کی ایجنسی حاصل کر لی۔ گو ہندوستان کے عام تاجر اس کیمرہ کی قیمت تین روپے (۳) لیتے ہیں۔ مگر ہم نے کم سے کم قیمت یعنی دو روپے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ تصویر کشی کے پلیٹ کارڈ اور مصالحہ وغیرہ غرضیکہ پورا سامان مفت دیتے ہیں۔ ناظرین محترم خیال میں سے جو حضرات فوٹو کیمرہ اپنے پاس رکھنے کے شوقین ہوں وہ **منیجر کامیاب بک ڈپو پوسٹ بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر یہ فوٹو کیمرہ بذریعہ وی۔ پی پارسل طلب کریں۔ قیمت ایک فوٹو کیمرہ صرف دو روپے۔ (۲) محصول ڈاک پر سات آنے لگتے ہیں۔ دو کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف۔

اقبال

(از جناب محمد حنیف خاں صاحب کوئٹہ)

بمضمون یوم اقبال کی تقریب پر محمد حنیف خاں صاحب سکریٹری مسلم لائبریری وریڈنگ روم کوئٹہ نے جو ۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء کو سیک موہن پارک کوئٹہ میں منعقد ہوا تھا پڑھا۔ چونکہ یہ مضمون نہایت مقبول ہوا تھا اس لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

علامہ اقبال کی وہ تصنیف جو ۱۹۳۶ء میں بار اول "مسافر" کے نام سے شائع ہوئی مجھے حال ہی میں پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اپنے ایک عزیز دوست کی فرمائش۔ انکار وتکرار کے بعد جو کچھ اس قلیل عرصے میں حاصل کر سکا پیش خدمت ہے۔

علامہ نے حیاتِ انسانی کے رازہائے سربستہ۔ علوم وفنون کے خزائن ادبی جواہر پارے اور حقیقت ومعرفت کے گنجینے جس حسن وخوبی اور خداداد لیاقت سے اپنے والہانہ انداز میں پیش کئے اس کی مثال شاید زمانہ صدیوں تک پیش نہ کر سکے۔ انسانی رفعت اور اس کی شکست وریخ کا صحیح صحیح منظر اپنے موثر اندازِ بیان اور حسنِ ادا جس طرح سے پیش کیا وہ علامہ ہی کا حصہ تھا۔

انسانی رفعت اور اس کی زبوں حالی۔ انسانی شوکت اور اس کی ذلت۔ انسانی حشمت اور اس کی پستی کا موازنہ کرنے کے بعد علامہ نے انسانیت کے مردہ جسم میں اپنے پرورد کلام سے نشتر لگا کر آدمیت کی خوابیدہ روح کے تنِ لطیف کو جو ضلالت وگمراہی کے چاہ عمیق میں گر کر سکراتِ موت کی آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ آبِ حیات پیش کیا۔

علامہ نے بتایا کہ جب کوئی قوم اپنی مخصوص تہذیب وتمدن کو کھو بیٹھے تو وہ ایک ایسا جسم بن کر رہ جاتی ہے۔ جس سے روح پرواز کر چکی ہو۔

علامہ نے بتایا کہ انسان اپنے اخلاقِ حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کھو دینے کے بعد کس طرح آسمانِ رفعت سے قعرِ ضلالت میں گر کر رسوائی اور پستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

علامہ نے بتایا کہ اس دور میں پیرانِ کہن سے لے کر جو زمانے کا سرد وگرم دل کھول کر دیکھ چکے ہیں۔ نوجوان جو اپنے نشۂ جوانی میں سرشار دنیا ومافیہا سے بے خبر۔ دخترانِ حوا جو اپنے آرائشِ حسن وعشوہ گری میں شب وروز مصروف۔ دولتمند جو نشۂ دولت میں مست علماء وفضلا بلکہ صوفیانِ با صفا تک کون ہے جو صراطِ مستقیم سے بھٹک کر ضلالت وگمراہی کا شکار نہیں۔

علامہ جس مجروز وسوز سے اس حالت زبوں پر نوحہ خوانی کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:

از حیا بیگانہ پیرانِ کہن نوجوانان چوں زنان مشغولِ تن

قوم کے جہاں دیدہ بزرگ جو بنی نوع انسان کے لئے موجب ہدایت ورشد ہوتے ہیں۔ نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب وہ اخلاقِ حسنہ کھو کر چاہ ذلت میں گر پڑتے ہیں تو ان میں بے حیائی جیسی بری خصلت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو قوم کے دیگر افراد کے لئے بے حد مضر اور سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔ وہ قوم کی تباہی اور بربادی میں اس بے حیائی سے جو حصہ لیتے ہیں وہ قابل نفرین ہے۔

نوجوانان چوں زنان مشغولِ تن

نوجوان جس کی ذات قوم کی بہترین اور خوش آئیند امیدوں کا ملجا وماویٰ ہوتی ہے۔ جس کی ذات سے قوم کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے اس کی حالت زبوں پر کفِ افسوس ملتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا ترئین جمال اور عشوہ گری میں دخترانِ حوا سے کسی طرح کم نہیں۔

در دلِ شاں آرزوہا بے ثبات مردہ زایند از بطونِ امہات

فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تو ماؤں کے پیٹ ہی سے مردہ پیدا ہوتے ہیں ان کے دلوں میں تو آرزوہائے بے ثبات بھری ہوئی ہیں۔ ان سے اپنی بہترین امیدیں وابستہ کرنا یا فلاح وبہبود کی توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

دخترانِ او بزلفِ خود اسیر شوخ چشم وخود نما خردہ گیر

ہرزباں اندر تلاشِ ساز وبرگ کارِ او فکرِ معاش وترسِ مرگ

جب علامہ دخترانِ حوا کی نسوانی شرم وحیا۔ اور عزتِ نفس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔ کہ یہ شرم وحیا کے مجسمے اور عصمت وعفت کے پیکر کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ آج تزئین جمال اور آرائش حسن اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ یہ خود ہی اپنی زلف میں اسیر ہیں۔ شوخ چشمی اور خود نمائی کی بدولت ہر وقت رنگ رلیاں منانے اور دادِ عیش دینے میں مصروف ہیں۔ یہ تو کھانے اور مرجانے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

منعمانِ او بخیل وعشق دوست غافل از مغز اند اندر بند پوست

دولتمند اور تونگر جو اس قابل ہیں کہ بنی نوع انسان کی خدمت کر سکیں مفلس ومحتاج کے لئے سہارا نہیں۔ کسی کے درد میں شریک ہوں۔ کسی کے دکھ کی دوا نہیں۔ وہ اس سعادت سے محروم اور ان نیک کاموں میں بجد

[illegible] مگر عیش و مستی میں مخل نہیں کرتے ان کی بزمِ طرب و عیش دینے میں ہمیشہ سرگرم رہتی ہے۔

مکتب و ملا سخن ہا ساختند
مومناں ایں نکتہ را نشناختند

مردہ قومے بود از تاویل مرد
آتشِ او اندر ضمیر او فسرد

علامہ فرماتے ہیں کہ علماء و فضلا نے نہایت بے باکی سے مکر و فریب کا ہر رنگ زمین دام بچھا کر اپنے اغراض و مقاصد پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی جائز اور ناجائز تاویلیں کرکے زندۂ جاوید قوم کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ان کے دلوں میں جو حق و صداقت کی آگ روشن تھی وہ یکسر بجھ گئی۔

صوفیاں باصفا را دیدہ ام
شیخ مکتب را نکو سنجیدہ ام

ہر یکے دانائے قرآن و خبر
در شریعت کم سواد و کم نظر

عقل و نقل افتادہ در بندِ ہوس
ممبرِ شاں ممبرِ کاک است و بس

علامہ فرماتے ہیں کہ میں صوفیان باصفا کے ساتھ ان کی بزم خلوت و جلوت میں رہا ہوں۔ اور میں ان لوگوں کو خوب دیکھ چکا ہوں۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں شیخ مکتب کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ یہ سب اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم قرآن و خبر پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ مگر جب شریعت اور ذوقِ عمل کا سوال پیدا ہوتا ہے تو یہی لوگ سب سے زیادہ کم سواد اور کم نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی عقل و نقل حرص و آز کا شکار ہو چکی ہے ان کے ممبر دولت دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

زیں کلیماں نیست امید کشود
آستیں ہا بے ید بیضا چہ سود

یہ لوگ جو خود کو کلیم اللہ سمجھتے ہیں۔ ان سے امید کشود نہ رکھو۔ یاد رکھو یہ لوگ کلیم اللہ ہونے کے مدعی ہیں مگر ان کی آستیں میں ید بیضا کہاں۔ اور جب یہ لوگ ید بیضا نہیں رکھتے تو کلیم نہیں۔ اور جب یہ کلیم نہیں۔ تو پھر تیری امیدوں کی گرہ کشائی کیونکر کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ علامہ نے ساز کے جس تار پر ہاتھ رکھا۔ اس کو شکستہ۔ بوسیدہ اور زنگ آلود پایا۔ یہ ساز جس کی معجزنما سحر کاری نے دنیائے عالم کو کبھی مست و سرشار کر دیا تھا۔ اس کے ہر ایک تار سے وہ نغمہ ہائے حیات نکلتے تھے جو کالبد خاکی کے اندر ایک نئی روح پھونک کر اس کو کیف و سرور کی اس انجمن میں پہنچا دیتے تھے۔ کہ اس پر محفل زہرہ و انجم ثریا بھی رشک کرتے اور ساکنانِ عرش بریں اس کے جاہ و جلال کے آگے سرِ نیاز جھکانا فخر سمجھتے تھے۔ افسوس کہ آج اس کے سروں میں کوئی نغمہ حیات نہیں رہا۔

علامہ اسی پیکر خاکی کو پھر خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی خاکستر میں وہ چنگاری تلاش کرتے ہیں۔ جو اس کے تن بدن میں آگ لگا کر اس کو ایک شعلہ جوالا بنا دے۔ وہ اس مست خواب کو جھنجھوڑتے ہیں کہ اٹھ اور اس خواب غفلت سے آنکھ کھول۔ یہ نیند نہیں یہ تیری مرگ جاوداں ہے۔

علامہ فرماتے ہیں۔

تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس
اندریں کشور مقامِ خود شناس

کب تک تو خوف و ہراس کے بھنور میں پھنسا رہے گا۔ خدا کے واسطے اٹھ اور اس دنیائے عالم میں اپنا مقام تلاش کر۔

ایں چمن دارد بسے شاخ بلند
بر نگوں شاخے آشیانے خود مبند

اس دنیائے عالم کے باغ میں بڑے بڑے عظیم الشان درخت ہیں تو بھی اپنا آشیانہ کسی درخت کی بلند اور محفوظ شاخ پر بنا۔

نغمہ داری در گلو اے بے خبر
جنسِ خود بشناس و با زاغاں مپر

اے قدسی نسب طائر۔ تجھے خبر نہیں کہ تیرے گلو میں نغمہ حیات پوشیدہ ہے۔ ایک مرتبہ پھر اپنی منقار کھول اور مرغان چمن کو اپنے لحن داؤدی سے وجد میں لا۔ ان کو وہ نغمۂ حیات سنا کہ یہ پھر مست و بے خود ہو جائیں اور ہوشیار ہو۔ اپنے ہم جنسوں کو پہچان۔ کم ظرفوں کی دوستی چھوڑ دے۔ اور اپنے ہمعصروں کو تلاش کر۔

با حریفِ سفلہ نتواں خورد مے
گرچہ باشد پادشاہِ روم و رے

سفلے اور کم ظرف لوگوں میں بیٹھ کر مے نوشی نہ کر۔ گرچہ وہ روم و رے کے بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں۔ تو دنیائے عالم میں اپنی شان اور مرتبے کے لوگ تلاش کر۔ اور ان کی ہم نشینی اختیار کر۔

از مقامِ خویش دور افتادہ
کرگسی کم کن کہ شاہین زادہ

کارکنانِ قضا و قدر نے تیرے لئے جو بلند مقام منتخب کیا تھا تو اس سے بہت دور جا گرا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ تجھے یاد نہیں رہا کہ تو شاہین زادہ ہے تیرا مقام اپنے ہم جنسوں میں بہت بلند ہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تو زاغ و زغن اور کرگسوں میں شامل ہو گیا ہے۔

مرغک اندر شاخسارِ بوستاں
بر مرادِ خویش بندد آشیاں

چھوٹے چھوٹے پرندے بھی چمن میں کسی شاخ پر غیر کی امداد کے بغیر اپنا نشیمن بنا لیتے ہیں۔ وائے بر حالِ تو۔ تو کہ باعثِ تخلیقِ عالم ہے۔ تو کہ تیرے لئے شش جہات پیدا کئے گئے۔ افسوس کہ تو ان چھوٹے چھوٹے پرندوں سے بھی گیا گزرا۔

دیگر ایں نہ آسماں تعمیر کن
بر مرادِ خود جہاں تعمیر کن

تو کہ عقل رسا کا مالک ہے، تو کہ ہمت و جرأت کا مالک ہے۔ تو کہ صبر و استقلال کا پتلہ ہے،؛ اٹھ اور اپنی ہمت اور اپنے زورِ بازو سے اپنی دنیا بنا اور کائنات کا نقشہ بدل ڈال۔ اس ظلمت کدہ کو اپنے نورِ عرفاں سے روشن و منور کر دے۔ اس کی تاریکی تیری ضیا سے جگمگا اٹھے۔ اس کے ذرے ذرے میں وہ تابانی پیدا کر جو اس کو انسانیت کے معراج پر پہنچا دے۔

یہ ہے وہ فلسفہ زندگی جو علامہ نے "مسافر" کے ذریعہ پیش کیا۔

خون

(جناب ایوب خاں صاحب سگنلر ماؤنٹ آبو)

(وہ چند منٹ دور تھا...... مگر ہونے والے قتل کے خیال نے اُسے لرزہ براندام کر دیا تھا) ....

مختصر سی بستی...... حسین پہاڑی کے دامن میں ایک خوشنما بنگلہ بنا ہوا تھا۔ انگور کی ہری ہری بیلوں نے چھا کر اس کی خوبصورتی میں اور چار چاند لگا دیئے تھے۔

ایک مارواڑی سیٹھ اس بنگلے کے مالک تھے جو اکثر گرمیوں میں اپنی تعلیم یافتہ نوجوان بیوی کے ساتھ شہر کی ہما ہمی اور گرم ہوا سے بچنے کے لئے ہر سال یہاں آجایا کرتے تھے۔

ایک باتجربہ تاجر ہونے کی وجہ سے روپیوں سے بھنڈار بھر لئے تھے۔ اور اس بنگلے کی آرائش میں بھی کافی روپیہ صرف کر دیا کرتے تھے بہت قیمتی فرنیچر تھا اور چائے پانی کے برتنوں میں چاندی کے برتن کثرت سے تھے۔

ایک معتبر و لمبا تڑنگا چوکیدار اس کی دیکھ بھال کے لئے متعین تھا۔ دوست محمد نے بنگلے کے متعلق اس چوکیدار کی حقہ بیڑی کی تواضع کر کے سب حالات معلوم کر لئے تھے۔

اس کا ارادہ استقلال میں بدل گیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ضرور اس بنگلے پر ہاتھ صاف کرے گا۔

اُسے یہ معلوم تھا کہ سیٹھ موٹا جی اتوار کے دن سنیما سیکنڈ شو دیکھنے مع اپنی بیوی کے ضرور جایا کرتے ہیں اور سوائے چوکیدار کے کوئی متنفس مکان میں نہیں ہوتا۔ وہ بھی مالک کی غیر موجودگی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا تا۔ اور اپنی نکڑ والی جھونپڑی میں پڑا اینڈتا رہتا ہے۔

آدھی رات کے سناٹے میں جب فضائے بسیط پر ایک موت کی سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ دوست محمد نے باورچی خانہ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اور چٹخنی کھول کر اندر داخل ہوا۔

"مار دیا پاپڑ والے کو" اپنی کامیابی پر اپنے آپ ہی کہا۔ ایک دیا سلائی جلائی اور کمرہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ چکنا فرش دیکھے۔ کرسیاں۔ ایک میز جس پر مختلف برتن سلیقے سے سجے ہوئے رکھے تھے نظر پڑے۔ مگر وہاں اس کی مطلوبہ چیزیں نہ تھیں۔ اس لئے پہلی دیا سلائی ختم ہو جانے پر اس نے دوسری دیا سلائی جلائی اور سامنے والے دروازے کو آہستہ سے کھول کر دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وہ قدرے رکا۔ اور دھڑکتے ہوئے دل سے آہٹ لینے لگا۔ اطمینان ہونے پر وہ داہنے کمرہ کی طرف چلا جس میں چاندی کے برتن تھے۔ اندر گھس کر ایک اور دیا سلائی جلا کر موم بتی جلائی۔ اس کی نظر کے سامنے ایک خوبصورت الماری تھی۔ جس کے شیشوں میں سے چاندی کے برتن دمک رہے تھے۔

اس نے اپنا کپڑا زمین پر بچھایا اور برتنوں کو اس میں باندھنے لگا ابھی گٹھڑی کی گانٹھ باندھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ اُسے ایک مرد اور ایک عورت کے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں

"اللہ...... آ گئے...... اب"۔ اپنے آپ بولا۔

پہلے وہاں سے بھاگ جانے کا خیال پیدا ہوا۔ پھر ہمت باندھی۔
"اونہہ ایک ایک وار میں دونوں کو ٹھنڈا کر دوں گا"۔ اس نے اپنا لمبا چاقو نکال لیا۔

اب گفتگو ذرا تیز ہوتی چلی جا رہی تھی وہ دروازے کے پیچھے ہو کر سننے لگا پہلے ہی جملے نے اس کے اشتیاق کو اور زیادہ بڑھا دیا جو گفتگو اس نے سنی وہ یہ تھی۔

"نہیں نہیں۔ سوامی، دیا کرو...... ایشور کے لئے" یہ ایک عورت کی نہایت درد بھری التجا تھی۔

"دیا۔ اری تو نے میرے خاندان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا جب نہیں سوچا"؟ ایک غصہ بھری مردانہ آواز گونجی۔

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔ سوامی۔ میں نے ایسا پاپ نہیں کیا شوورتن شوورتن میرے بھائی...... بھائی کے برابر ہے۔ میں سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں بالکل سچ پر ہوں۔"

"جھوٹ" اری پاپن مجھے بوڑھا دیکھ کر تو نے دوسرے سے دل لگایا۔ تو نے جو کچھ مانگا میں نے اس سے زیادہ دیا ہے۔ کوئی عورت تیرے جاننے میں جو تجھ سے اچھا کھاتی ہو۔ اچھا پہنتی ہو۔ میں نے تیرا دل ہاتھ میں رکھا۔ میں نے کیا نہیں کیا......" "تو نے...... تو نے...... نہیں بس اس کا بدلہ تیری جان سے لوں گا...... میں تجھے زندہ نہیں دیکھ سکتا"۔

دوست محمد کا فیصلہ حمایت مارواڑی کے حق میں تھا۔ "واقعی عورت اعتماد کے قابل نہیں" مگر خود چور کی حالت میں تھا۔ ورنہ شاید حمایت کے لئے عملی کارروائی کرتا۔

— تم کبھی بتا پڑی امیر کیسے تمہارے دل میں پناول
[illegible] نارائن بالکل بھوتا ہے۔ بدمعاش ہے۔ پاپی ہے...... میں
بھی ڈرتا ہوں۔"

"چپ رہ"

"دیا۔ دیا۔ سوامی دیا"

"چپ۔ کھاموس"

پھر ایک سمعہ خرخش آواز سنائی دی اور عورت کی آواز خاموش
ہوگئی۔

دوست محمد کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ پسینہ میں شرابور ہوگیا
اس نے کبھی قتل ہوتے نہ دیکھا تھا۔ اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ قاتل
کے دیوانہ وار قہقہے تمام بنگلے میں گونجنے لگے۔

دوست محمد کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس کے تمام ارادے۔ چوری
کے خیالات دماغ سے کوچ کر چکے تھے ایک خوف وسراسیمگی کی حالت میں وہ
وہاں سے دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آیا اور ایک ہی سانس میں تیر کی
طرح سیدھا چوکیدار کی جھونپڑی میں پہونچا۔

"خون۔ خون۔ خون"

چوکیدار۔ "ہائیں خون۔ کس کا خون۔ کیسا خون؟"

پٹھان۔ "خون۔ خون۔ سیٹھ خون۔ نہیں سیٹھانی خون سیٹھ
نے سیٹھانی کا خون کیا"

ہیں! خون۔ سیٹھانی کا قتل۔؟ پولیس۔ پولیس۔ خون
خون۔

چوکیدار نے جھونپڑی کے باہر آکر چلانا شروع کیا اچانک اور
ایسی ہولناک خبر نے اسے دیوانہ سا بنا دیا۔

اس کی چیخ پکار نے آس پاس والوں کو متوجہ کیا اور سب
ہاتھوں میں لالٹینیں اور لاٹھیاں لئے دوڑتے چلے آئے۔

ہر شخص۔ قتل۔ خون۔ خون۔ کہہ کر تعجب کا اظہار کر رہا تھا ایک
انگریز جو تھوڑا فاصلہ والے بنگلے میں رہتا تھا۔ یہ ہڑبونگ سنکر آپہونچا۔
اور سب کو خاموش کرتے ہوئے چوکیدار سے دریافت کیا۔

"کیا معاملہ ہے؟"

"خون صاحب۔ خون۔ میرے سیٹھ نے سیٹھانی جی کو قتل
کر ڈالا اس آدمی نے........ (وہ اس طرف گھوما جہاں
دوست محمد کھڑا ہوا تھا۔ مگر اس کا کہیں پتا لگنے والا تھا۔ اس کی
عقل جب ذرا ٹھکانے آئی تو اپنی موجودگی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی لہذا
رفوچکر ہوچکا تھا۔

اب تک بہت سے آدمی جمع ہوچکے تھے۔ سب انگریز کے
اس بنگلے کی طرف چلا۔

رات کی تاریکی میں ہیبتناک قہقہے ابھی تک بنگلہ سے سنائی
دے رہے تھے۔

صاحب نے ایک آدمی سے ڈنڈا لیا اور دبے پاؤں بنگلے کے
برآمدہ میں قدم رکھا۔ دو چار باحوصلہ مردان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ مارچ
کی مدد سے صاحب نے شیشوں میں سے جھانک کر بہت غور سے دیکھا
مگر کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔ تب اس نے چاروں طرف تعجب سے نظریں
دوڑائیں اور بولا۔

"نائی گوڈ! (پھر کچھ توقف کے بعد) "اچھا ایسا بات ہے" لوگوں
نے تعجب سے انگریز کی طرف دیکھا۔ مگر کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ٹھیک اسی
لمحہ نہایت صاف آواز سنائی دی۔ "یہ بمبئی ہے۔ آپ حضرات نے اس
ڈرامہ کو بہت پسند کیا۔ اب کلکتہ کے سحر آفریں نغموں سے لطف اندوز
ہوجئے"

اب تو ہر شخص مجسم قہقہہ بنا ہوا تھا کیونکہ ریڈیو غلطی سے کھلا
رہ گیا تھا۔ غریب دوست محمد نے محض ایک خون کا کھیل سنا تھا اور
وہ بھی اتنا جتنا آپ حضرات نے پڑھا۔

فہرست مضامین رسالہ محشر خیال دہلی اگست ۱۹۳۹ء

جلد ۱ ایڈیٹر۔ عبداللہ فاروقی

یہ رسالہ ہر مہینہ کی ٹھیک پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

پروپرائٹر۔ محمد عبدالحق فاروقی نمبر ۳

ہندوستان سیلون سے۔ ایک روپیہ ذریعہ منی آرڈر۔ ذریعہ دی۔ پی ایک روپیہ چار آنہ

برما سے۔ ذریعہ منی آرڈر ایک روپیہ چار آنے۔ ذریعہ دی۔ پی ایک روپیہ آٹھ آنے

افریقہ وغیرہ وغیرہ ممالک سے۔ ذریعہ پوسٹل آرڈر۔ پانچ شلنگ بھیجیں

عبداللہ فاروقی پرنٹر و پبلشر نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

رسالہ محشر خیال کے تین شاندار نمبر

آیندہ شاندار دوشیزہ نمبر شائع ہوگا

نئے خریداروں کو فائدہ اٹھانے کا ایک آخری موقعہ

سالنامہ محشر خیال ۱۹۳۹ء

اس نمبر میں کیسے مضامین ہیں۔ بہت شوخ اور دلچسپ افسانے و غزلیں سیاسی و ادبی چیدہ نظمیں۔ بہت سی تصویریں۔ ٹائٹیل آرٹ کا بہترین نمونہ ضخامت اسی سائز کے ڈیڑھ سو صفحات۔

افسانہ نمبر ۱۹۳۹ء

یہ نمبر اپنے البیلے انداز کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس کا ٹائٹیل تین کلر ہے جس میں آرٹسٹ نے عجیب و غریب گلکاریاں کی ہیں گویا مختلف رنگوں نے پھولوں کی پچ رنگی چادریں بچھادی ہیں۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ ایک ایک افسانہ عورت مرد کے جذبات کا آئینہ، ہر غزل کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی افسانوں میں محبت بھی ہے۔ نفرت بھی اور پھر یہ افسانے بلند پایہ ادیبوں کے زور قلم کا نتیجہ جن کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اس نمبر کی ضخامت ایک سو دو صفحے ہیں اور آرٹ پیپر پر دنیا کی حسین عورتوں کی تصاویر بھی متبسم انداز میں آپ کے دل و دماغ کو توجہ کا مرکز بنائیں گی۔

ترکی نمبر کی بجائے دوشیزہ نمبر شائع ہوگا

گزشتہ دو ماہ سے ترکی نمبر کا اعلان کیا جارہا تھا مگر اس کے انتظامات اس وقت تک اس لئے مکمل نہ ہوسکے کہ جن کتابوں اور مضامین کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ وہ اب تک فراہم نہ ہوسکے۔ اور یقین یہ ہے کہ ابھی کچھ عرصہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ترکی کی ایک تاریخی کتاب ابھی زیر ترتیب ہے اور اس کی طباعت میں کافی دیر لگے گی۔ اور ہم تک پہنچنے کے لئے کچھ ماہ درکار ہیں۔ اسی لئے اب ہم اس اعلان کے ذریعہ آپ کو بتارہے ہیں کہ دو ماہ بعد ہم آپ کے سامنے ایک عجیب شاندار "دوشیزہ" نمبر پیش کریں گے۔ یہ کہنا لاحاصل ہے کہ دوشیزہ نمبر میں کیا ہوگا۔ اول تو اس نمبر کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ جذبات میں گدگدیاں پیدا کردے اور جب اس کی ترتیب اور شباب آفریں تصاویر نظمیں غزلیں، افسانے اور مضامین پڑھیں گے۔ تو مطالعہ کرتے کرتے آپ کی دنیا بدل جائے گی۔ آپ کو دوشیزہ نمبر سے ایک ایسا کیف حاصل ہوگا۔ جس میں دوشیزہ اور جوان عورتیں تحریری صورت میں آپ سے باتیں کرتی نظر آئیں گی۔

یہ تینوں شاندار نمبر آپ کو مفت ملیں گے

اگر آپ اس ماہ میں خریداری قبول کریں گے تو سالنامہ و افسانہ نمبر تو اس وقت آپ کو مفت مل جائیں گے اور دوشیزہ نمبر اکتوبر میں آپ کو بھیج دیا جائے گا۔

سالنامہ و افسانہ نمبر کے محصول ڈاک وغیرہ کے چار آنے۔ اور ایک روپیہ رسالہ کا سال بھر کا چندہ جملہ ایک روپیہ چار آنہ بذریعہ منی آرڈر آنے پر آپ کو مذکورہ دونوں نمبر مفت بھیجدئے جائیں گے اور اگست ۱۹۳۹ء سے رسالہ ایک سال کے لئے جاری کردیا جائے گا۔ گویا سالنامہ اور افسانہ نمبر آپ کو علیحدہ مفت ملے گا۔ وی۔ پی منگانے پر خرچ زیادہ ہوگا۔ لہذا منی آرڈر بھیجئے۔

سالنامہ اور افسانہ نمبر بہت تھوڑی تعداد میں باقی ہیں۔ اس لئے جلد آرڈر دیجئے۔ یاد رکھئے۔ اگر آپ نے ان نمبروں کا مطالعہ نہ کیا تو سخت افسوس کریں گے۔ کیونکہ یہ نمبر صرف نئے خریداروں کے لئے قلیل تعداد میں روکا گیا ہے۔ ان نمبروں کے لئے ایجنٹوں کی مانگ بہت زیادہ تھی مگر ہم نے انکار کردیا۔

منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

محشر خیال بک ڈپو کی عمدہ عمدہ کتابیں نصف قیمت پر

رعایت اسکو کہتے ہیں

کہ دس روپے کی کتابیں پانچ روپے میں اور محصول ڈاک بھی دفتر کی طرف سے

ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ رعایت کسی بک ڈپو نے اپنے خریداروں کو نہیں دی ہوگی۔ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں یہ تعجب کی بات ہے کہ اس وقت ایک کثیر رقم کی کتابوں کا ذخیرہ محشر خیال کے خریداروں میں ایسی رعایت سے پیش کر رہے ہیں کہ شاید ہی آپ نے کبھی ایسا فائدہ اٹھایا ہو۔

سب کتابیں قابل دید ہیں

اس رعایتی اعلان میں جن کتابوں کو پیش کیا جا رہا ہے وہ سب نہایت عمدہ مضامین کی دیدہ زیب و دلکش ہیں۔ اور جن کے مطالعہ سے آپ کا ادبی علمی اور تاریخی ذوق پورا ہو جائے گا۔ اور آپ کا قلب و دماغ آپ کے ذوق کو تشنہ نہ رہنے دے گا۔ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

مسلمان کیا کریں۔ کشیدہ کاری۔ مسدس حالی۔ خون کے آنسو۔ سفرنامہ مخدوم جہانیاں۔ جہاں گشت۔ شہید وفا افسانہ غم۔ پوشیدہ تجربے۔ شاہکار خسرو۔ گدگدیاں۔ کاروانِ حیات مجلد۔ مشرق کے چاند مجلد۔ مغربی حوریں مجلد یوسف پاشا مجلد۔ سہاگن کا روزنامچہ۔ خواب نامہ مجلد۔ جوہر مجربات مثنوی۔ بدر النسا کی مصیبت فردوس بریں

مندرجہ بالا کتابوں کے نام اور قیمت آپ نے ملاحظہ فرمالی ان کی مجموعی قیمت دس روپے ہوتی ہے مگر جو صاحب اس نایاب ذخیرہ کو حاصل کرنا چاہیں ان کو چاہیے کہ آج ہی پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔ تمام کتابیں محصول ڈاک بھی اپنے پاس سے خرچ کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر دی جائیں گی۔ یہ واضح رہے کہ ان تمام کتابوں کی روانگی پر محصول ڈاک تقریباً دو روپے خرچ ہوگا۔

یہ رعایتی اعلان بار بار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ صرف چند سو سیٹ ہیں جو صرف محشر خیال کے خریداروں ہی کو دئے جائیں گے۔ رعایتی اعلان سے فائدہ اٹھانے کے لئے دیر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس اعلان کے ہوتے ہی خریداروں میں ہل چل پڑ جائیگی ممکن ہے کہ یہ کتابیں چند ہی دنوں میں نکل جائیں اور آپ اس رعایت سے محروم رہ جائیں۔ بعد میں کف افسوس ملنے سے کیا فائدہ۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلی فرصت میں ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر **محشر خیال بک ڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی** کے نام بھجوا دیجئے۔ آپ کا منی آرڈر پہونچتے ہی کتابوں کا پارسل آپ کے نام ڈاک کے ذریعہ سے روانہ کر دیا جائے گا۔ ان کتابوں کو بعد میں طلب کیا جائے گا تو اصل قیمت سے ایک پائی کی بھی کمی نہ ہوگی۔ بڑی مقبول اور پسندیدہ کتابیں ہیں۔

وی۔ پی کے ذریعہ طلب کرنے والوں کو بھی یہ رعایت نہیں ملے گی۔ اس رعایتی اعلان کی آخری تاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء ہے اس کے بعد اگر آپ نے ان کتابوں کے لئے منی آرڈر بھیجا تو واپس کر دیا جائے گا۔

یہ عیّاروں کی دُنیا ہے

(محشر خیال کے شاعر کے قلم سے)

خبردار اے دلِ ناداں، یہ عیّاروں کی دنیا ہے — یہ غداروں کی دنیا ہے، یہ مکاروں کی دنیا ہے
دغابازوں کی دنیا ہے، ریاکاروں کی دنیا ہے — جفاکاروں کی دنیا ہے، ستمگاروں کی دنیا ہے

یہاں کوئی بشر خالی نہیں مطلب پرستی سے
یہ ہستی ہے تو شاید نیستی بہتر ہے ہستی سے

محبت میں بھی دھوکا جاں نثاری میں بھی دھوکا ہے — اسیرانِ بلا کی آہ و زاری میں بھی دھوکا
ہجوم یاس و غم کی اشک باری میں بھی دھوکا ہے — تپ فرقت کے جوشِ بیقراری میں بھی دھوکا

خلش جھوٹی تپش جھوٹی، گلے جھوٹے فغاں جھوٹی
غرض بیتابیٔ الفت کی ساری داستاں جھوٹی

دکھائی دے رہی ہے حسن کی ہر اک ادا جھوٹی — لب لعلیں کی سرخی رخِ روشن کی ضیا
جبینِ پر شکن جھوٹی، نگاہِ فتنہ زا جھوٹی — لب لعلیں کی سرخی رخِ روشن کی ضیا

ہمیں جو حسن دریائے تحیر میں ڈبوتا ہے
وہ اک ادنیٰ طلسمِ غازہ و آئینہ ہوتا ہے

خیالات

از عبداللہ فاروقی

افواج میں محشر خیال کا داخلہ بند ہونے لگا

سرحد کی ایک چھاؤنی سے ایک خریدار لکھتے ہیں کہ "ہمارے فوجی افسر محشر خیال کو پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے" غالباً فوجی افسران یا گورنمنٹ آف انڈیا محشر خیال کو باغیانہ مضامین کا آرگن خیال کرتی ہے یا محشر خیال سے ہندوستانی فوج میں محشر بپا ہونے کا اندیشہ ہے۔

میں نے محشر خیال کا گزشتہ ریکارڈ دیکھا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ اب تک تو کوئی مضمون بغاوت پھیلانے والا یا تشدد کی ترغیب دینے والا نہیں چھپا۔ پھر کیوں گورنمنٹ محشر خیال سے لرزہ براندام ہے؟

میرے خیال میں محشر خیال کی کثرت اشاعت گورنمنٹ کو پسند نہیں ہے۔ اسی لئے اس قسم کی ناجائز پابندیاں لگانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ ایک قسم کا اوچھا پن ہے۔ اس لئے محشر خیال پر کسی ڈیپارٹمنٹ میں پابندی لگانا مناسب نہیں ہے۔

جرمن پروپیگنڈے سے حکومت کو خوف

آغاز "جنگ عظیم" کے خطرہ کے پیش نظر برٹش حکومت بیرونی پروپیگنڈہ پر سخت نگرانی کر رہی ہے اور اس معاملہ میں گورنمنٹ حق بجانب بھی ہے گورنمنٹ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں چند جماعتیں اور اخبارات جرمن کا پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں۔ اس لئے جب اخبار میں جرمنی کے متعلق کوئی مضمون شائع ہوتا ہے تو فوراً اس سے ضمانت لے لی جاتی ہے۔

"جمعیۃ علمائے ہند" کے ترجمان "الجمعیۃ" دہلی میں ایک مضمون جرمن کے متعلق چھپا تو فوراً حکومت دہلی نے ضمانت مانگ کر اس اخبار کا خاتمہ کر دیا۔ سنا ہے کہ ضمانت داخل کرنے کے بعد الجمعیۃ پھر جاری ہونے والا ہے۔

۱۰ اپریل ۳۹ء کے محشر خیال میں ایک تقریر شائع ہوئی ہے جو اپریل کے تیسرے ہفتہ میں جرمن ریڈیو اسٹیشن سے براڈکاسٹ ہوئی تھی۔ یہ تقریر ہندوستان کے مختلف اخبارون میں چھپی ہے۔ چار مہینے کے بعد گورنمنٹ نے سمجھا کہ یہ تقریر قابل اعتراض ہے۔ تو محشر خیال سے دریافت کیا گیا کہ یہ تقریر کہاں سے آئی۔ میں نے اس تقریر کا اصل مسودہ شائع شدہ حکومت دہلی کے پاس بھیج دیا تب محشر خیال کی جان بچی۔ شاید حکومت دہلی

نے سمجھا ہوگا کہ ایڈیٹر محشر خیال کا چچا چیمبرلین چھتری والے کے "رقیب خاص" ہرہٹلر سے یارانہ ہے۔

میں حکومت سے باادب کہتا ہوں کہ ہرہٹلر تو کجا میرا یارانہ تو کسی جرمن سپاہی تک سے نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ میں نازی ازم کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن چونکہ اس تقریر میں بدقسمت ہندوستان اور انڈین نیشنل کانگریس کے ڈکٹیٹر گاندھی جی کا ذکر خیر آیا تھا۔ اس لئے پبلک دلچسپی کے لئے اس کو شائع کر دیا گیا۔

سی پی کے وزیر انصاف کو علیحدہ کر دو

ناظرین کو یاد ہوگا کہ "کانگریس ہائی کمانڈ" نے مسٹر شریف منسٹر سی پی کو اس "جرم" میں علیحدہ کر دیا ہے۔ کہ مسٹر شریف نے اپنے خاص حکم سے ایک ایسے قیدی کو رہا کر دیا تھا۔ جس کی میعاد ختم ہونے میں ایک سال کا عرصہ باقی تھا۔ اس پر سی۔ پی کے ہندوؤں نے واویلا مچایا تو سردار پٹیل نے مسٹر شریف سے استعفا لے لیا۔

مسٹر شریف کے استعفا دینے کے بعد کانگریسی اخبارات نے لکھا کہ مسٹر شریف کو کیوں علیحدہ کیا گیا۔ جب کہ کانگریس کمیٹی کے بعض آل انڈیا لیڈر شراب پیتے ہیں۔ اور آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے ایک ذمہ دار عہدہ دار ایک اٹھارہ سالہ دوشیزہ کو عیاشی کرنے کے لئے اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اس عہدہ دار کی عمر ۶۵ سال کی ہے۔

لیکن اس قسم کے پیدا شدہ اور لگائے گئے الزامات کی نہ گاندھی جی مہاراج نے تحقیقات کی اور نہ سردار پٹیل نے چند ماہ بعد کلکتہ کے اخبار "ہند جدید" اور رسالہ محشر خیال نے سی۔ پی پولیس کی وہ تحقیقات تمام و کمال شائع کر دی جس میں مسٹر مصرا وزیر قانون سی۔ پی پر زنا اور اغوا کا الزام موجود تھا۔ محشر خیال نے اس شائع شدہ اخبار کے کٹنگ کانگریس کے مختلف لیڈروں کے پاس روانہ کئے۔ لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

معلوم ہوا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کی اس میٹنگ میں جو ابھی حال میں وارد ہا میں ہوئی ہے۔ مذکورہ الزام کا تذکرہ ایک صاحب نے کیا تو اغوا اور زنا کے الزام کو ثابت یا مسترد کرنے کے لئے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کو تمام کاغذات صدر کانگریس نے دیدئے ہیں۔ دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

ریاسانی صاحب اس مقدمہ کو ہندو بنگے کرتے ہیں یا ہندوستانی
میرے خیال میں اس مقدمہ کی آزاد تحقیقات ہونی چاہئے۔ اور ہی
کے ہندو مسلمانوں کو آزادانہ طریقہ سے شہادت دینے کا موقع دیا جانا
چاہئے۔ اگر یہ الزام ثابت ہو جائے تو صرف استعفیٰ لینے پر اکتفا نہ کیا جائے
بلکہ ججوں کے سامنے اس مقدمہ کو پیش کر کے سزا دلانی چاہئے۔

محشر خیال کا دوشیزہ نمبر شائع ہوگا

آئندہ ماہ اکتوبر میں "دوشیزہ نمبر" کے نام سے محشر خیال کا ایک بہت
ہی دلچسپ اور رنگین نمبر نکالنے کا ارادہ ہے۔ یہ نمبر ہر لحاظ سے ایسا شاندار
ہوگا جس کی مثال ادبی صحافت میں ملنی مشکل ہوگی۔

مضمون نگار حضرات سے گزارش ہے کہ اس نوع پر اپنے اپنے
مضامین اور پیار جذباتی نظمیں۔ اور مزاحیہ افسانے ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء
تک دفتر محشر خیال میں بھیجدیں۔

اس نمبر کے لئے خاص قسم کا ٹائیٹل بنوایا گیا ہے۔ اور بہت ہی
جاذب نظر تصاویر بھی آرٹ پیپر پر چھاپی جائیں گی۔

جس ترتیب اور انتظام سے اس نمبر کے نکالنے کا ارادہ ہے۔ اگر
اس میں کامیابی ہو گئی تو آپ محشر خیال کے اس نمبر کو اپنے سے کبھی جدا نہ
ہونے دیں گے۔ اس نمبر کی ضخامت بھی معمولی پرچوں سے زیادہ ہوگی۔

اگر آپ محشر خیال کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی سے خریداری منظور
فرما لیجئے۔ تاکہ یہ شاندار نمبر آپ کو ٹھیک وقت پر مل جائے۔

کتابوں کا تعارف

چالیس ہزار الفاظ کا مجموعہ فرہنگ عامرہ

جناب محمد عبداللہ خاں صاحب خویشگی نے نہایت محنت اور کاوش کے
بعد چالیس ہزار الفاظ کو کتابی شکل میں جمع کر کے لغت کی کتاب تیار کی ہے
اس کا نام "فرہنگ عامرہ" رکھا گیا ہے۔ مولف کا دعویٰ ہے کہ فرہنگ عامرہ
میں جدید اور آسان اصول کے ساتھ چالیس ہزار عربی۔ فارسی۔ ترکی الفاظ
کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ معمولی اردو داں شخص بھی روزمرہ پیش آنے
والے لغات کا حافظ ہو سکتا ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ زیر زبر پیش اور بولنے
کا طریقہ لکھ دیا گیا ہے۔ مولفین اور مصنفین اور شائقین ادب اردو کے
لئے فرہنگ عامرہ ایک ضروری کتاب ہے۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ اوسط درجہ

کا۔ ۴۰۰ صفحات۔ کپڑے کی خوبصورت جلد۔ قیمت صرف دو روپے (۲) ملنے
کا پتہ:۔ محمد عبداللہ خاں صاحب خویشگی۔ فیروز منزل جامع مسجد خورجہ
ڈاک خانہ خورجہ ضلع بلند شہر۔ یو۔ پی۔

ڈاکٹر صدیقی صاحب کی کتاب "علم بدن"

کتابی سائز۔ ۲۱۲ صفحات۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ عمدہ قیمت فی جلد
صرف ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ:۔ صدیقی بک ڈپو اندرون پاک دروازہ۔ ملتان

ڈاکٹر ایم یسین صدیقی صاحب ایل۔ بی۔ ایم۔ بی۔ ایچ نے
"علم بدن" نام کی کتاب تالیف کر کے ایک اچھی کتاب کا اضافہ کیا ہے
خصوصاً اس دور میں جب کہ ملک کے افراد صحت و حسن کی طرف زیادہ توجہ
نہیں کرتے۔ اور اسی لئے نسلیں کمزور پیدا ہو رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ
طبی کتابوں کی قدر کی جائے "علم بدن" کتاب میں مولف نے نطفہ قرار
پانے سے لے کر عمر کے آخری سانس تک ہر ہر عضو اور ہر ایک بیماری پر مفصل
بحث کی ہے۔ جا بجا کتاب میں تصویریں دی گئی ہیں۔ تاکہ پڑھنے والا
آسانی سے سمجھ سکے خطرناک بیماریوں کے اسباب۔ اور ان کے علاج
کو پوری قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

"عہد حاضر کے بڑے لوگ" (حصہ اوّل)

ٹائیٹل خوبصورت رنگین۔ کاغذ سفید اور چکنا۔ کتابت اوسط درجہ
کی ۱۲۸ صفحات قیمت ۸/ ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ محشر خیال جامع مسجد دہلی

اس کتاب کا نام عہد حاضر کے بڑے بڑے لوگ رکھا گیا ہے جس
میں ہندوستان کے چار لیڈروں۔ گاندھی جی۔ مولانا محمد علی۔ ویٹس پنڈت جواہر
لال۔ مسٹر محمد علی جناح کی سیاسی سرگرمیوں اور کارگزاریوں پر مورخانہ
انداز سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور تبصرہ کے ساتھ ساتھ مختصر سوانح حیات بھی
درج کر دی گئی ہے۔ ہر ایک لیڈر کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی تصویر
بھی دی گئی ہے۔ اس لئے اس کتاب کا معیار بلند ہو گیا ہے۔ قابل مصنف
نے ہر لیڈر کے کارناموں پر متانت اور سنجیدگی سے بحث کی ہے۔ موجودہ
سیاسی کشمکش میں سیاسی ذوق رکھنے والوں اور قومی کارکنوں
کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مسٹر محمد رضا دہلوی۔ ایڈیٹر محشر
اور دستور اس کتاب کے مولف ہیں۔

رسالہ خاتون مشرق۔ اور رسالہ بچوں کا باغ ایک کارڈ لکھ کر منیجر خاتون مشرق دہلی
سے مفت منگائیے۔

احساسِ حیات

(از مسٹر ظامن الظفر صاحب علی گڑھ)

میں جب اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو جو دل سوز واقعہ میرے سامنے ہمیشہ حاضر نظر آتا ہے۔ وہ رقیہ کی موت کا واقعہ ہے اس واقعہ کو کئی برس گزر گئے لیکن اُس کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ وہ تمام مصائب جو انسان کو زندگی میں داخل ہونے پر قدم قدم پر درپیش آتے ہیں وہ تمام تکلیفات جن سے نوعمری میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اُس یاد کو اب تک بھلا نہ سکے۔ اب جب کہ میری شادی وبے فکری کا ایک حد تک خاتمہ ہو گیا اب بھی میں گھنٹوں رقیہ کی موت پر اور موت سے پہلے اُس کے پیام پر سوچا کرتا ہوں۔

اس واقعہ کے بعد سے میری روح کی محدود طیران رُک گئی قلب کی تنگی کا وجود ختم ہو گیا۔ اور روحانی ترقی کا زمانہ آ گیا۔ وہ شاعری جو میری روح کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔ اب ختم ہو گئی۔ تخیل کی پرواز بلند ہو گئی۔

رقیہ کی موت سے میں نے کیا سیکھا۔ آہ۔ اس کا صرف ایک جواب ہے "احساس حیات" وہ آگ جو میرے اندر فطرت نے دبا رکھی تھی اُس سے شعلے اٹھنے لگے۔ محبت کا وہ دریا جو خاموشی سے زیرِ زمین بہہ رہا تھا۔ اب اُس میں جوش آ گیا۔ اُبل پڑا۔ اُس میں طوفان آ گیا۔ لہریں اٹھنے لگیں۔ میرا تخیل جو اب تک دماغ کے قید خانہ میں جکڑا ہوا تھا۔ اب لامحدود فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ شاعری کی دیویاں آئیں اور میرے سر پر تاجِ شاعری رکھ گئیں یہ سب کیوں۔ اس لئے کہ میں نے وہ احساس محسوس کیا جو اپنی زندگی میں ہر انسان موت کی طرح محسوس کرتا ہے۔

محبت کرنا!

کتنا پیارا لفظ ہے اور کتنا خوفناک!

محبت کرنا آہ! پیارے کبھی تم نے بھی محبت کی ہے؟ اگر نہیں تو اب کر لو۔ مجھے یاد ہے۔ میری وہ خواہشِ دلی مجھے یاد ہے: "محبت کرنا کسے کہتے ہیں؟" میں نے کتنی بار اپنے دل سے پوچھا تھا۔ کتنی مرتبہ میں نے محبت کی دیوی کی ملاقات سے مایوس ہو کر محبت کو مہمل قرار دے دیا۔ میرے دل میں تاریکی تھی لیکن جب یکایک محبت کا آفتاب طلوع ہوا۔ اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ جب اُس نے رفتہ رفتہ میرے دل کو منور کر دیا۔ یکایک میری آنکھ کھلی۔ میرا احساس خوابیدہ جاگ اٹھا۔ اور تب؟ تب کچھ نہ پوچھو۔ ہر جگہ نور ہی نور تھا۔ ہر طرف زندگی ہی زندگی تھی۔ پیارے! اگر تم نے محبت نہیں کی تو اب کر لو!

کسی نے پوچھا مجھ سے "کبھی تم نے محبت کی ہے؟" تو میں مسکرا دیتا تھا میں مذاق کر کے کہتا تھا۔ "آپ سکھلا دیجئے تو سیکھوں" تب میری روح سو رہی تھی میرا دل سو رہا تھا۔ میری فطرت، خود میری فطرت سو رہی تھی۔ اب جب میں بیدار ہوں تو محبت کے نام سے تڑپ اٹھتا ہوں۔ کانپ اٹھتا ہوں۔ یہ غفلت یہ فراموشی۔ میری رقیہ نے مجھ سے کتنا صحیح کہا: "پیارے سمجھو۔ اگر تم نے محبت نہیں کی ہے تو اب کر لو"

وہ ایک فقرہ میرے دل کے لئے کلید طلسم تھا جس سے قلب کا دروازہ کھل گیا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے۔ رقیہ سامنے کھڑی تھی۔ شب کے دس گیارہ بجے تھے۔ اگست کا مہینہ تھا۔ نہایت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ہم باغیچہ میں درختوں کے ایک ہجوم کے نیچے کھڑے تھے۔ آسمان تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ چند ستارے تھے۔ سواں کی روشنی بھی پتوں سے چھن چھن کر بہت ہی ہلکی ہو کر زمین پر گرتی تھی۔ ہم تاریکی کے سبب ایک دوسرے کا چہرہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن ہمارے دل دھڑک دھڑک کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

شروع شروع میں تو مجھے اس کا خیال تک نہ تھا۔ وہ تو جیسے بجلی چمکتی ہے۔ ویسے ہی اُس اندھیری رات میں ایک محبت کی بجلی چمکی تھی۔ میں رقیہ کے یہاں ایک مہینہ سے اُس کے بھائی اپنے عزیز ہم کلاس کی شادی میں شرکت کیلئے آیا ہوا تھا۔ میرے عزیز دوست زاہد میں اور مجھ میں خلوص کام کر رہا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُس نے بلا تکلف مجھے گھر میں آنے جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔

جب میں اپنے کمرۂ مطالعہ میں (جو میرے عزیز دوست زاہد نے بعد نوازش کے ساتھ مجھے عنایت کیا تھا) بیٹھا ہوا پڑھتا ہوتا تو رقیہ حد درجہ معصومیت کے ساتھ میرے پیچھے کرسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی۔ یا کرسی کے ہاتھوں پر بیٹھ جاتی اور پوچھتی "بھائی جان کیا پڑھ رہے ہو۔؟"

ایک روز میں رباعیات عمر خیام کا انگریزی ترجمہ جو تصویروں سے مزین تھا دیکھ رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی کتاب میرے ہاتھ سے چھین لی اور تصویریں دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "رقیہ تم بہت شریر ہوتی جاتی ہو" وہ گلے سے لپٹ گئی۔ کہنے لگی "بھائی جان، تم خفا ہو گئے؟" میرا غصہ دا گردر حقیقت

...شرمندگی میں بدل گیا۔ میں نے کہا "رقیہ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں وہ ابیات سناؤں۔ جن سے بہتر نظمیں کسی انسان نے نہیں لکھیں۔" کہنے لگی "آپ پھر خفا ہو جائیں گے۔ مجھے اس تصویر کے معنی بتا دیجیے۔" "یہ ایک گلاب کا پھول ہے جو تمہاری ہی طرح سرخ ہے اور تمہاری ہی طرح خوبصورت۔ جو ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے کہ میں اتنا خوبصورت ہوں۔ لیکن ذرا مجھے توڑ لو اور توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دو کتنی آسانی سے میرا حسن فنا ہو جاتا ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

کہنے لگی "اگر مجھے بھی کوئی اس پھول کی طرح توڑے اور توڑ کے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دے؟" کتنا گہرا خیال تھا۔ وہ بالکل پھول تھی۔ نہ صرف رنگ میں نہ صرف حسن میں۔ بلکہ احساس میں بھی۔ پھر اس کے بعد میں نے اسے کبھی ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ وہ بڑی دیر تک ایک آرام کرسی پر پڑی سوچتی رہی۔ اور آخر افسردگی کے عالم میں اٹھ کر چلی گئی۔ میں اس تمام دوران میں اس کے چہرہ کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں وہ جھلکتی ہوئی معصوم پتلیاں حرکت کر رہی تھیں جیسے رحم کی طلبگار تھیں۔ میں اس سے مرعوب ہو رہا تھا۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ اور آخر کار وہ چلی گئی۔ غرق فکر میں بھی کچھ کم سوچ میں نہ تھا۔

جب میں اس سے درختوں کے ہجوم کے پیچھے ملا ہوں۔ اس وقت میں اپنی شرٹ کی چہل قدمی میں مصروف تھا۔ دوسرے روز رقیہ کی شادی ہونے والی تھی۔ آج اس کے بھائی کی شادی ہو گئی تھی۔ میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر سیر میں مصروف تھا کہ رقیہ کے پاؤں کی آہٹ پا کر چونک پڑا۔ وہ چپکے چپکے کہنے لگی "میں نے معلوم کر لیا ہے کہ میں آپ سے محبت کر سکتی ہوں۔" میں متحیر ہو گیا کل اس کی شادی ہونے والی تھی۔ ایک خوبصورت مالدار تعلیم یافتہ آدمی کے ساتھ اور وہ مجھ سے کہہ رہی تھی "میں نے معلوم کر لیا ہے۔ میری محبت آپ کے ساتھ ناجائز نہیں ہے۔ میں نے خالہ جان سے پوچھا "خالہ، بھائی جان کے ساتھ شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟" انہوں نے کہا "توبہ کرو، کیا کہتی ہو" میں فکر میں پڑ گئی۔ لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ آپ میرے حقیقی بھائی نہیں۔ میری آپ کے ساتھ شادی ہو سکتی ہے۔ میں نے اتنا تو خالہ جان سے بھی کہہ دیا۔ وہ بے چاری گھبرا گئیں کہ میں حواس میں نہیں ہوں۔ وہ مجھے تنہا ایسی باتیں کہنے کے لئے چھوڑ کر بھاگ گئیں۔

اب اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے بہت سے دل ہلا دینے والے مناظر دیکھے اور سنے ہیں۔ لیکن جس وقت چاندنی اور بے بسی کا مرقع بنی ہوئی آنسوؤں کے قطرے برسا رہی تھی۔ تو میرا دل ہل گیا۔ وہ کہنے لگی۔ (اور اس میں کتنی قوت آ گئی تھی) "ہاں میں جانتی ہوں۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ میری کل ہونے والی شادی کا خیال کر رہے ہیں۔ میں نے کبھی ہونے والے شوہر سے محبت نہیں کی۔ میں انہیں نہیں جانتی۔ میں آپ کے ساتھ محبت کرتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ رہ سکتی ہوں اور بس۔ کسی اور شخص کے لئے میرے دل میں ذرہ بھر گنجائش نہیں۔" میں نے ملامت کی۔ کہا "رقیہ، ایسی باتیں مت کہو۔ کل تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ اپنے آئندہ شوہر کے ساتھ وفا کا خیال کرو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔" وہ رو پڑی۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی "پیارے کبھی تم نے بھی محبت کی ہے۔ اگر نہیں کی تو اب کر لو۔" وہ اپنی نسوانیت کے باوجود میری مردانیت پر غالب آ گئی۔ میں مسحور ہو گیا۔ اخلاق و مذہب بیکار ہو گئے۔

یکایک ماہتاب بڑی تیزی سے نکل آیا۔ ساری فضا منور ہو گئی عالم پر ایک ملکوتیت ایک الوہیت طاری ہو گئی۔ آہ محبت، محبت، تو دلوں کو ہی نہیں۔ ساری کائنات کو منور کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

بڑی دیر تک جیسے سکت نہ رہی۔ ہم کھڑے رہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ میں نے رومال نکالا۔ اس کے رخسار پونچھے اور نرمی سے اس کا سر اپنے سینہ پر لے کر چند شفقت بھرے اور حوصلہ افزا الفاظ کہے۔ وہ منہ ہی منہ میں کہنے لگی "میں مر رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں میں مر رہی ہوں۔ میں یہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتی۔ جو کل میرے سر پر لادا جا رہا ہے ...... میں مر رہی ہوں۔" اب میں لوٹ گیا۔ میری روح شکست ہو گئی میں نے آنسوؤں کو پی کر کہا "رقیہ ایسی باتیں مت کرو۔ ہماری محبت پاک ہے اور خدا پاکوں کا نگہبان ہے۔" اس نے روک دیا۔ اس کی آواز میں ایک قوت تھی۔ جو سب پر غالب تھی۔ جس کو میں روکنے کے ناقابل تھا۔ اس نے کہا "مت کوشش کرو۔ میرے پاس خدا کی طلبی ہے۔ نکاح ایک آسمانی رشتہ ہے۔ جب مجھے مجبوری نہیں تو یہ آسمانی رشتہ کیسا۔ مجھے یقین ہے کہ اب میں مر جاؤں گی۔" اتنا کہہ کے وہ چلی گئی۔

چلی گئی اور مر گئی! صبح کو سب اٹھے تو ہونے والی دلہن کے کمرے میں گئے۔ وہ سرد ہو چکی تھی اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اطمینان سے بغیر کسی کرب و تکلیف کے مری تھی۔ محبت کی رفاقت میں سب مصائب نے ایذا دہی چھوڑ دی اور اس نے سکون و اطمینان سے اپنی روح محبت کے سپرد کی تھی۔

وہ مجھے بیدار کر کے چلی گئی۔ میری روح کو جگا کے چلی گئی۔ اب میرے سامنے کیا ہے۔ محبت کے آفتاب کی گرمی دھوپ ہے جس کو برداشت کرنے کی مجھ میں قوت نہیں۔ لیکن اتنا میں محسوس کرتا ہوں کہ اب تک میری زندگی خوابیدہ تھی۔ اب بیدار ہو گئی ہے۔ ہاں میری زندگی نا مکمل تھی۔ اب تک اس میں محبت کے آبحیات کی آمیزش نہ ہوئی تھی۔ اب ہو گئی۔ میری فطرت میں محبت کا جوہر ڈال دیا گیا۔ محبت کرنا! کتنا پیارا مشغلہ ہے اور کتنا خوفناک۔

پیارے کبھی تم نے بھی محبت کی ہے۔ اگر نہیں کی تو اب کر لو۔

مہذب عیاشی

(از جناب اعجاز قادری دہلی)

ہندوستانیوں میں جہاں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہاں وہ بعض ایسی تباہ کن رسموں کے بھی خوگر ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے عزت و شرافت اور عصمت و عفت کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ عام طور پر شریف گھرانوں میں یہ رسم جاری ہے کہ جوان لڑکیاں بے محابا اپنے بہنوئی کے سامنے آتی ہیں اور اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں سمجھتیں۔ اس ناعاقبت اندیشی اور بے احتیاطی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات "دولہا بھائی" کی للچائی ہوئی نظریں نوجوان سالیوں کے حسن بیباک پر پوری آزادی کے ساتھ تنقید کرتی ہیں۔ اگر عشوہ طرازیوں کا سلسلہ صرف مجلسی گفتگو تک محدود رہتا تب بھی شاید کوئی خطرناک موقع پیش نہ آتا لیکن مشاہدات سے یہ ثابت ہے کہ شوخ طبیعت سالیاں ہر بیہودہ سے بیہودہ مذاق "دولہا بھائی" سے جائز سمجھتی ہیں۔ اور اسی طرح "دولہا بھائی" رفتہ رفتہ باغ حسن کی گل چینیوں کو برا نہیں سمجھتے۔ گزشتہ ہفتے میں مجھے ایک ترقی یافتہ دوست کے ہاں ایک تقریب میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا وہاں میں نے اپنے نوجوان دوست اور ان کی سالیوں کا جو مکالمہ سنا وہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

سعیدہ بیگم۔ اچھے دولہا بھائی ہمیں اپنے ہاتھ سے پان لگا کر کھلا دو۔

صادق۔ نہیں میرے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔ اچھا اگر تیرے ہاتھ سے کھاؤ تو پان لگا سکتا ہوں۔

سعیدہ۔ (مسکرا کر) نہیں ہم تمہارے ہاتھ سے نہیں کھاتے دیر ذرا ٹھنک کر) اچھا لائیے۔

صادق صاحب نے تکلف کے ساتھ پان لگایا اور سعیدہ کے منہ میں دیکر کہا لیجئے اس پان کی قیمت۔

سعیدہ۔ کیا آپ تنبولی ہیں جو قیمت مانگتے ہیں۔؟

صادق۔ جی میں پان فروش نہیں جان فروش ہوں آپ نے میرا دل خرید لیا۔ اب قیمت دیجئے۔

سعیدہ۔ واہ ہم نہیں جانتے ہم سے ایسی باتیں نہ کیا کرو آئے بیچارے قیمت مانگنے والے۔

اس تلخ جواب کو سنکر صادق نے بی سعیدہ کا گال نوچ لیا اور وہ پیکر جمال صرف اوئی اللہ کہکر خاموش ہو گئی۔

اب دوسری سالی صاحبہ کی ناز آفرینیاں اور دولہا بھائی کی گل چینیاں ملاحظہ کیجئے۔

کنیز فاطمہ:۔ دولہا بھائی آداب! آپ تو عید کا چاند ہو گئے کبھی صورت ہی نہیں دکھاتے۔

صادق۔ میں تو عید کا چاند نہیں آپ بیشک رشک قمر ہیں۔ لیکن۔

کنیز:۔ لیکن کیا؟ فرمایئے خاموش کیوں ہو گئے؟

صادق:۔ میں ایک شعر پڑھنا چاہتا تھا مگر رعب حسن طاری ہو گیا۔

کنیز:۔ (مسکرا کر) اچھا آپ کا ننھا سا کلیجہ بہت جلد خائف ہو جاتا ہو فرمائیے فرمائیے کونسا شعر ہے۔

صادق:۔ آفرینش کی کبھی جو بسر ہوتی نہیں ٭ پھر کہ ہم پر نظر رشک قمر ہوتی نہیں۔

کنیز:۔ شرما کر، میں اس شعر کا مطلب نہیں سمجھی۔

صادق:۔ سمجھتی تو سب کچھ ہو لیکن انجان بن رہی ہو اچھا کسی وقت ترجمے اور تشریح سے سمجھاؤں گا۔ یہ جملہ سنکر کنیز فاطمہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد ایک پندرہ سالہ دوشیزہ سامنے سے آئی جو سب سے زیادہ طرحدار تھی آتے ہی کہنے لگی صادق بھائی "گڈ مارننگ" صادق نے سلام کا جواب دیا اور یہ شعر پڑھا۔

ابھی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں ٭ کہ ہر صورت کلیجے سے لگا لینے کے قابل ہے

یہ شعر سنکر دوشیزہ نے کہا:۔ ذرا مردوں کی بے حیائی دیکھئے ہر صورت کو کلیجے سے لگانا چاہتے ہیں، اس بیوقوفی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ نہیں۔؟

صادق:۔ جمیلہ! رحم کرو مجھ سے غلطی ہوئی واقعہ یہ ہے کہ تمہاری صورت دیکھ کر مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ اف! دنیا میں ایسا جلوہ دیکھ کر کون صبر کر سکتا اور دیکھنے کی خواہش نہ کرنا ناممکن، یقین کرو اب تمہارا حسن و جمال روز افزوں ترقی کر رہا ہے، تمہارے گورے گورے عارض تاباں چاند کو شرما رہے ہیں۔ (جمیلہ اس جملے کو سنکر شرما گئی اور مسکرا کر منہ پھیر لیا اس ادا کو دیکھ کر صادق نے کہا۔ اے برق تبسم! تیری چمک نے وارفتہ کر دیا۔ او مسکرا کر میری طرف سے منہ پھیر لینے والی کیا مجھے ذبح کرے گی؟ تو خنجر حسن لیکر میدان میں آئی اور پھر یوں منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی کیا تجھے مجھ پر رحم نہیں آتا؟ خدا شاہد ہے تیری قسم اے جادو نگہ صنم! بخدا غضب ڈھا رہے جہاں میں نے تجھے دیکھا اور بیتاب ہوا۔ میرا دل تیری پرستش پر مجبور ہے۔

جادو بھری نگاہ نے بے چین کر دیا ٭ کس منہ سے اب کہوں مجھے سودا نہ کیجئے

آخر نگاہ شوق نے رسوا کیا مجھے ٭ اس دلفریب شکل پہ شیدا کیا مجھے

اچھی جمیلہ بولو کہو! تمہارے شباب کے ساتھ میرا شوق و اضطراب بھی جوان ہو رہا ہے میرا دل آرزوؤں سے معمور ہے خدا جانے کب آرزوئیں پوری ہوں گی؟ چند منٹ تک جمیلہ نے اس فسانہ عشق کو سنا اور کہا۔ ہم سے ایسی باتیں نہ کیجئے (ذرا مسکرا کر) گالیاں ہیں یہ۔ دوشیزہ کا جملہ

فریبِ جمال

رسالہ مشرخیال کے سالنامہ بابت فروری و مارچ ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون محترمہ لیلیٰ صاحبہ مسز مہدی حسین صاحب لکھنوی کا بعنوان "مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں یا عورت ؟" شائع ہوا ہے۔ یہ اک شاعرانہ بحث ہے اور اگر سنجیدگی کے ساتھ اس کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو یہ بحث نہ صرف دلچسپ بلکہ کافی نتیجہ خیز بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ محترمہ کا مضمون پڑھ کر ہمارے خیالات میں بھی اک جنبش پیدا ہوئی۔ اگر کسی مرد کی طرف سے یہ مضمون شائع کیا جاتا تو یقینی طور پر نثر میں جواب موزوں ہوتا۔ مگر خوش قسمتی سے ہمارا مخاطب صنف نازک سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اظہار خیال کے لئے نظم کا پیرایہ اختیار کیا گیا تاکہ حقیقت کی تلخی شاعرانہ نزاکتوں میں دب جائے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

عادل ادیب۔ مراد آبادی۔

(۱)

کس قدر نازاں ہے تو اپنے پہ اے صنفِ جمیل! — خود تری تخلیق ہے تیرے تلوّن کی دلیل!

میں نے مانا۔ روح پرور ہیں تری رعنائیاں — اُف ترے حسنِ خود آرا کی جمال آرائیاں

ہاں ترا ظاہر ہے۔ اک خاموش دریا کی مثال — دامنوں میں جس کے آسودہ ہو طوفاں کا جلال

(۲)

تیرے عارض میں ہے اُن خوشرنگ پھولوں کی مہک — جن کے پہلو میں نہاں ہو خارِ صحرا کی کھٹک

گو ترا شیریں تبسم ہے۔ بہارِ زندگی — تیری شوخی تیرے جلوہ کردگارِ زندگی

لیکن اس "شیریں تبسم" میں ہے وہ تلخی نہاں — زہر سے جس کے کسی کو مل نہیں سکتی اماں

ابر کی سی شوخیاں ہیں۔ گو تری رفتار میں — بجلیاں لیکن تڑپتی ہیں خرامِ یار میں

تیرے آنسو۔ پاک آنسو۔ کس قدر دلدوز ہیں — آہ یہ فتنے فریب انگیز و حشر افروز ہیں

گو تری آغوش میں ہیں زندگی کی گرمیاں — قامتِ زیبا میں برگِ تازہ کی سی نرمیاں

حشر کی سی شورشیں ہیں شیوۂ خاموش میں — کتنے ہنگامے ہیں۔ اس نرم و گداز آغوش میں؟

گو ترے رخسار میں ہے روح پرور سادگی — اور اداؤں میں تری خاموشی و آزادگی

لیکن اے صنفِ حسین! اے پیکرِ نازو شباب — سادگی میں تیری وہ شوخی کہ خود اپنا جواب

تو ٹھہرتی ہی نہیں ہے نشۂ دل کی طرح — ہے تلوّن میں ہمیشہ جلوۂ گل کی طرح

گو ترا جسم ہے حسن و نزاکت کا کمال — تیرا دل ہے سخت و تیرہ سنگ و آہن کی مثال

اے وفا نا آشنا! ہاں اے مروت ناشناس! — جسم پر سجتا ہے تیرے بے وفائی کا لباس

اے سکوں دشمن! جفا پرور! قیامت آفریں! — تو کبھی رحم و لطافت سے تو واقف ہی نہیں

فخر ہوتا ہے تجھے ٹوٹے ہوئے دل دیکھ کر — مسکراتی ہے ہمیشہ رقص بسمل دیکھ کر

اللہ اللہ تیری صورت کس قدر معصوم ہے

اور احساس وفا سے تیرا دل محروم ہے

(۳)

دیکھ باطل ہے ترا یہ دعوئے سوز و گداز — کیا رہی ہے تو کبھی فرقت میں ہنگامہ طراز؟

تو نے جھیلے ہیں۔ کبھی درد محبت کے ستم؟ — صاف کہدے۔ تجھکو اپنی نوجوانی کی قسم

تو نے بھی آنسو بہائے ہیں کسی کی یاد میں؟ — کیا تری راتیں کٹی ہیں نالہ و فریاد میں؟

تو نے بھی دیکھی ہیں کیا جوش جنوں کی وحشتیں؟ — تیرے بھی دل میں رہی ہیں کیا کسی کی حسرتیں

کیا ترے پہلو میں بھی کوئی دل ناکام ہے؟

زندگی تیری بھی کیا مجموعۂ آلام ہے؟

(۴)

جب یہ ثابت ہے تو پھر اے رہزن ہوش و حواس — اے جنوں نا آشنا! ہاں اے طبیعت ناشناس!

سادہ دل صنف قوی پر مکر کا الزام کیا؟ — اور اظہار وفا کی آرزوئے خام کیا؟

دیکھ یہ الزام تو دیتا نہیں مردوں پہ زیب — دے سکے گی کیا گل خوشرنگ کو بلبل فریب؟

صید بسمل۔ لاسکے گا دام میں صیاد کو؟ — ایک شیشہ توڑ سکتا ہے کہیں فولاد کو؟

آہ تیری شوخیوں کا کس طرح اظہار ہو؟ — یہ بھی شوخی ہے جو کہتی ہے کہ تم مکار ہو

دل میں شرما۔ ناپشیماں! رقص بسمل دیکھ کر — از سر نو غور کر جذبات عادل دیکھ کر

مجھ کو تجھ پر ناز ہے۔ تجھ کو بھی خود پر ناز ہے

آہ تیرا مکر بھی تو۔ رشک صد اعجاز ہے

مُصوّر کا انعام

(از جناب سید اعجاز حسین صاحب مظفر نگری)

سکندر اعظم ایک بڑا زبردست فاتح ہونے کے علاوہ قدرت کی طرف سے ایک بہت ہی حسن پرست طبیعت لے کر آیا تھا۔ وہ ہر چیز کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوتا تھا اور خاصکر قدرت کے اُس عظیم الشان شاہکار کے سامنے جس کو دنیا عورت کہتی ہے وہ اپنے ارادوں کو بالکل پست پاتا۔ حالانکہ سکندر جیسے آدمی کے لئے یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتا۔ یا اس بات کو مان لیتا کہ خوبصورت زرینہ کے بغیر اس کی زندگی واقعی بے کیف ہوگئی تھی مگر یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ محبت کی تلخی کا جو تجربہ سکندر اعظم کو ہوا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت عجیب و غریب ہے۔ یوں تو صنفِ نازک کی تباہ کاریوں کے افسانے روز ہی سنے جاتے ہیں مگر نسوانی تلوّن کا جو کرشمہ زرینہ نے دکھایا وہ واقعی آپ اپنی نظیر ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کوئی بھی آج تک عورت کو نہیں سمجھ سکا مگر اُس کا قول تھا کہ "عورت خود بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکتی۔

زرینہ شاہی محلوں میں پل کر جوان ہوئی تھی۔ یہ مانا کہ وہ شہزادی نہ تھی مگر اپنے ملکوتی حسن و جمال کے لحاظ سے وہ کسی شہزادی سے کم بھی نہ تھی۔ بادشاہ اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ زرینہ کا دلفریب چہرہ ہر وقت اُس کی نظروں کے سامنے رہتا دن بھر کی لڑائی کے اختتام پر بھی جب کہ ہر سپاہی اپنے اپنے بستر پر گہری نیند سو جاتا تھا تو یہ اتنی کثیر فوج کا سپہ سالار کروٹیں بدل بدل کر رات کاٹ دیتا اُس کی طبیعت زرینہ کے دیدار کے لئے بے چین رہتی تھی آخرکار سکندر نے تہیہ کر لیا کہ اب کی دفعہ دارالخلافہ پہنچ کر وہ اپنی سلطنت کے بہترین مصور کو بلا کر زرینہ کی ایک تصویر بنوائے گا جو کہ ہر مہم پر وہ اپنے ساتھ رکھ سکے جب کہ اسے مجبوراً زرینہ سے جدا رہنا پڑتا تھا۔ سچ ہے اے عورت مضبوط قلعوں۔ بڑی بڑی فوجوں اور عظیم الشان سلطنتوں کے فتح کرنے والوں کو تسخیر کرنا تیرا ہی کام ہے۔

(۲)

کئی مہینہ بعد آج سکندر دارالخلافہ میں واپس آیا تو تمام شہر نے اس کی شاندار فتح کی خوشی میں چراغاں کیا۔ گھر گھر خوشیاں منائی گئیں شاہی محل میں خوب چہل پہل تھی، دربارِ عام میں لوگ اپنی نذریں پیش کر رہے تھے۔ دربار کے اختتام پر شہنشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو بلایا اور اُسے سلطنت کے سب سے مشہور مصور کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ "عالیجاہ" وزیر نے تعظیماً جھکتے ہوئے کہا۔ "اپلیس کل خدمتِ عالی میں حاضر کر دیا جائیگا"

"کون اپلیس! کیا۔ یہی تو مصور تھا جو کچھ عرصہ ہوا ہمارے دربار میں حاضر ہوا تھا"

"جی ہاں وہی" وزیر نے جواب دیا "پچھلی دفعہ وہ جہاں پناہ کی نذر کے لئے کیوپڈ کی ایک تصویر بنا کر لایا تھا۔ جو شاید حضور نے پسند فرمائی تھی"۔

دربار برخواست ہوا اور سکندر اعظم اپنی محل سرا میں تشریف لے گیا "زرینہ کو حاضر کرو" شہنشاہ نے حکم دیا اور فوراً غلام اُس کی تعمیل کے لئے دوڑ پڑے۔ دُنیا کو غلامی کی زنجیریں پہنانے والا یہ عظیم الشان فاتح اپنی ایک ادنیٰ کنیز کے دیدار کے لئے بے چین تھا۔ مگر خوبصورت زرینہ اپنی اہمیت سے بالکل بے خبر باغ میں پھول چنتی پھر رہی تھی کہ شاہی فرمان پہنچا۔ وہ ہنس پڑی شاید وہ اپنی اہمیت سے اتنی بے خبر بھی نہ تھی جتنا کہ اس کے معصوم چہرہ سے معلوم ہوتا تھا۔ تازہ پھولوں کا ایک گلدستہ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ شہنشاہ کے حضور میں پہنچا دی گئی۔

"تم کہاں تھیں زرینہ" سکندر نے اُسے آتے دیکھ کر پوچھا۔

"میں محل سرا میں شہنشاہ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی" رعبِ شاہی سے اُس کی نظریں اوپر نہ اٹھتی تھیں حیا کی دلفریب سرخی نے اُس کے حسین چہرے کو گلنار بنا دیا تھا۔

"تم دربار میں کیوں نہ چلی آئیں زرینہ" سکندر نے پھر پوچھا "کیا تمہیں ہماری فتح کی خوشی نہیں ہوئی۔

"کیوں نہیں عالیجاہ۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ غریب زرینہ دربارِ شاہی میں آنے کی جرات کرتی"۔

"کیوں نہیں۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہمارے حکم سے تم جہاں چاہو جاسکتی ہو"۔

"یہ سچ ہے جہاں پناہ مگر میرے پاس نذرِ شاہی کے لئے کیا رکھا تھا جو وہاں حاضر ہوتی"۔

"آہ۔ زرینہ" سکندر نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "تمہارے پاس کیا رکھا تھا۔ بتاؤں زرینہ تمہارے پاس میری نذر کو کیا تھا" مگر اتنے ہی عرصہ میں وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور پھولوں کا گلدستہ اپنے ہاتھوں پر رکھ کر وہ بادشاہ کے سامنے جھکی "جہاں پناہ بالکل ٹھیک

[illegible] قدرت

کے ہاتھوں میں یقیناً ہزاروں ایسے دُرِ نایاب ہیں جو ندر شاہی کے لئے بہت موزوں ہیں۔"

"تمہاری تحفہ واقعی لاجواب ہے زرینہ" سکندر نے پھول لیتے ہوئے کہا "یہ مجھے اپنے درباریوں کی ہزاروں اشرفیوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

وہ جھک کر آداب بجا لائی "کچھ اور حکم عالیجاہ" اس نے دست بستہ کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو زرینہ ہم نے حکم دیا ہے کہ کل ایپلیس کو محل شاہی میں حاضر کیا جاوے وہ تمہاری تصویر بنانے کے لئے بلایا گیا ہے۔"

"جو حکم عالیجاہ لونڈی حاضر ہے۔" اس نے پھر تعظیماً جھکتے ہوئے کہا اور شہنشاہ کی اجازت لے کر رخصت ہو گئی۔

(۳)

یوں تو پرانی یونانی تہذیب میں کس چیز نے ترقی نہیں کی مگر جو کمال مصوری اور سنگتراشی میں یونانیوں نے حاصل کیا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ایپلیس کی عمر تو کچھ ایسی زیادہ نہ تھی مگر قدرت نے اس کے ہاتھ میں کچھ ایسی عجیب و غریب طاقت ودیعت کی تھی کہ جس نے اُسے اس زمانے کے تمام مصوروں میں ممتاز بنا دیا تھا۔ وہ قدرتی مناظر پر جان دیتا تھا اور اس کی تصویریں زیادہ تر انہیں نظاروں کی ہوتی تھیں جو اُسے سب سے زیادہ پسند تھے۔ ایپلیس خوبصورت تو کسی طرح بھی نہ تھا مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کے خط و خال دلکش ضرور تھے۔ وہ اپنے کام سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس کی تصویریں تمام ملک میں بے انتہا پسند کی جاتی تھیں۔ سکندر اعظم کا پیغام اس کے لئے کوئی خاص مسرت کا باعث نہ ہوا کیونکہ وہ بادشاہ کے مذاق سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ جو کام اُسے کرنا پڑے گا وہ ضرور اس کے فطری رجحان کے خلاف ہوگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو سکندر نے فوراً زرینہ کو طلب کیا اور ایپلیس کو اس کی تصویر بنانے کا حکم دیا۔ وہ غور سے زرینہ کی طرف دیکھنے لگا آج شاید ساری عمر میں پہلی مرتبہ وہ اپنی کامیابی کی بابت مشکوک نظر آ رہا تھا۔ کیا وہ اس حسن کے مجسمہ کو بادشاہ کے سامنے اس کی مرضی کے مطابق پیش کر سکے گا۔ وہ اپنے دل سے بار بار یہی سوال کر رہا تھا کہ بادشاہ کی آواز اس کے طلسم خیال کو توڑتی ہوئی سنائی دی۔

"کیوں ایپلیس کیا سوچ رہے ہو" بادشاہ کہہ رہا تھا "کیا تم زرینہ کی تصویر نہ بنا سکو گے؟"

"میں کوشش کروں گا عالیجاہ" آخرکار اس نے جواب دیا "اور اگر دیوتاؤں کی برکتیں شامل حال رہیں تو حضور سے خاطر خواہ انعام لوں گا۔"

"تو اچھا ایپلیس تم آتے ہی سے اپنا کام شروع کر سکتے ہو۔"

(۴)

ایپلیس کو تصویر کشی کے لئے محل کا ایک کمرہ دیدیا گیا۔ اور نوجوان مصور نے جلد ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ زرینہ روز صبح آ کر اس کے سامنے گدوں پر بیٹھ جاتی وہ ٹکٹکی باندھے گھنٹوں حسن کے اس جاندار مجسمہ کو دیکھا کرتا۔ ایپلیس کی مغرور فطرت پہلی ہی نظر میں زرینہ کے سامنے اعتراف شکست کر چکی تھی۔ بادشاہ حسن اپنا خراج وصول کر رہا تھا۔ زرینہ خود بھی نوجوان مصور سے کچھ کم دلچسپی نہ لیتی تھی۔ وہ اس کے آنے سے گھنٹوں پہلے وہاں آ بیٹھتی اور اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اس کی راتیں اب کروٹیں بدل بدل کر کٹتی تھیں نوجوان مصور کی صورت اس کی آنکھوں میں بس چکی تھی۔ اس کی مشتاق نگاہوں کے جواب میں وہ مسکرا دیتی اور اسی طرح شام ہو جاتی۔ دن یوں ہی گذرتے گئے یہاں تک کہ ایک روز تصویر تیار ہو گئی۔ ایپلیس اپنی تصویروں کو دیکھ کر ہمیشہ بہت خوش ہوتا تھا۔ مگر آج اس کے چہرہ سے حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بہت رنجیدہ تھا۔ آخرکار وہ تصویر کو مکمل کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کچھ دور جا کر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بالکل اصل سے مشابہ تھی سکندر یقیناً اس کے کام سے بہت خوش ہوگا۔ مگر کیا وہ خود بھی اپنی کامیابی سے خوش تھا۔ نہیں۔ اس کے چہرہ کی پریشانی اور اس کی آنکھوں کے حلقے اس کا جواب دے رہے تھے۔

"آپ جا سکتی ہیں" اس نے بڑی حسرت سے زرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اپنی تصویر مکمل کر چکا" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چلا تاکہ جا کر بادشاہ کو اس کی اطلاع دے مگر زرینہ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھہرو ایپلیس تم اس طرح نہیں جا سکتے" اس نے کہا "میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"فرمائیے میں حاضر ہوں۔"

"مجھے سچ بتاؤ ایپلیس کیا تم تصویر سے مطمئن نہیں ہو۔ کیا وہ مجھ سے مشابہ نہیں؟"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو زرینہ" مصور نے تعجب سے پوچھا "یہ خیال تمہیں کیسے پیدا ہوا کہ میں اپنے کام سے مطمئن نہیں ہوں"

"آہ۔ تم نہیں جانتے ایپلیس تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم اس تصویر کو بنا کر خوش نہیں ہو۔"

"نہیں زرینہ یہ غلط ہے۔ تمہاری تصویر یقیناً میرا شاہکار ہے۔ بادشاہ اُسے ضرور پسند کرے گا۔"

"اور پھر" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "یونان کا مشہور مصور اپنا منہ مانگا انعام پائے گا۔"

"خوب تو گویا تم بادشاہ سے کچھ بھی نہ مانگو گے" زرینہ نے پوچھا "تمہارا پیار کہیں بادشاہ کو ناراض نہ کر دے۔"

"میرے پاس دیوتاؤں کی مہربانی سے سب کچھ موجود ہے" ایپلیس نے جواب دیا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اُس سے کیا طلب کروں۔"

"اگر کہو تو میں بتاؤں" زرینہ نے ایک عجیب ادائے دلنوازسے اُس کے قریب آتے ہوئے کہا "تم بادشاہ سے زرینہ کو طلب کر لو گے۔"

"آہ۔ زرینہ تم نہیں سمجھیں کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ سکندر خود تم سے محبت کرتا ہے۔ اور پھر اس کے مقابلے میں ایک ادنےٰ مصور۔ یقیناً تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو۔"

"نہیں ایپلیس میں مذاق نہیں کر رہی" زرینہ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ بادشاہ میری ذات سے بہت دلچسپی لیتا ہے مگر میں تو تم سے محبت کرتی ہوں اور وہ مجھے ہرگز تم سے جدا نہیں کر سکتا۔"

"مگر زرینہ تمہیں نہیں معلوم کہ میری اس درخواست کا کیا انجام ہوگا"

ایپلیس نے کہا "بادشاہ ہمیں........"

"ٹھیرو ایپلیس میں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ بادشاہ ہمیں قتل کرا دے گا ٹھیک ہے وہ ہماری جانیں ضرور لے سکتا ہے۔ مگر سکندر تو کیا دنیا کی تمام طاقتیں بھی ہمیں محبت کرنے سے نہیں روک سکتیں۔ میں کہہ چکی تم آج دربار میں بادشاہ سے زرینہ کو طلب کرو گے۔ اور اب جاؤ" اُس نے راستہ سے ہٹتے ہوئے کہا "اور بادشاہ کو اطلاع دو کہ تصویر تیار ہے۔"

اطلاع پاتے ہی سکندر نے تصویر کے منگوانے کا حکم دیا۔ امرائے شہر اور اعلےٰ افسرانِ فوج دربار میں حاضر تھے۔ بادشاہ نے تصویر کو پسند کیا تمام دربار نے بھی بہت تعریف کی۔

"تمہاری محنت واقعی قابلِ داد ہے" بادشاہ نے ایپلیس سے کہا "تم اپنا انعام خود تجویز کر سکتے ہو۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"عالیجاہ!" ایپلیس نے نہایت ادب سے کہا "میں بہت خوش ہوں کہ میری بنائی ہوئی ناچیز تصویر آپ کو پسند آئی۔ کیا میں اُمید کر سکتا ہوں کہ مجھے دربارِ شاہی سے منہ مانگا انعام ملے گا؟"

"ہاں ایپلیس ہم کہہ چکے کہ تم اپنا انعام آپ تجویز کر سکتے ہو"

"بہت بہتر عالیجاہ" ایپلیس نے تعظیماً جھکتے ہوئے کہا "غلام کی استدعا ہے کہ مجھے وہ کنیز عنایت کر دی جائے جس کی تصویر میں نے خدمتِ عالی میں حاضر کی ہے۔"

"کیا کہا۔ زرینہ" بادشاہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ خاموش ہو گیا تمام لوگ مصور کے اس عجیب سوال پر چونک پڑے کیونکہ اُن کے خیال میں اس کا آخری وقت آپہنچا تھا۔ مگر نہیں بادشاہ اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا اعظم دنیا کا عظیم الشان فاتح ایک کنیز سے محبت کرتا تھا اور وہ کنیز ایک معمولی مصور کو اس پر ترجیح دیتی تھی نہیں وہ دنیا کو ہرگز اپنی کمزوریوں پر ہنسنے کا موقع نہ دے گا۔

"زرینہ کو حاضر کرو" اُس نے کچھ سوچ کر حکم دیا۔

زرینہ فوراً دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر آداب بجا لائی

"تمہیں معلوم ہے زرینہ" بادشاہ نے کہا "کہ یہ نوجوان مصور اپنے انعام میں تمہیں طلب کرتا ہے۔ کیا تم اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو"

"جی ہاں۔ عالیجاہ مجھے منظور ہے" امید کی ایک ہلکی سی جھلک جو بادشاہ کے چہرہ پر نمودار ہوئی تھی فوراً غائب ہو گئی۔ وہ پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"اچھا ایپلیس" آخر کار اس نے اپنے مخصوص فیصلہ کن انداز میں کہا "تم زرینہ کو لے سکتے ہو۔ سکندر اعظم کے محلوں کے لئے اس کی تصویر کافی ہے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور بظاہر امورِ سلطنت میں مشغول ہو گیا۔

نوٹ :- مندرجہ بالا افسانہ سکندر اعظم کے زمانے کا ایک سچا واقعہ ہے۔ کنیز کا اصلی نام کمپاسپے تھا۔ اس کے علاوہ تمام نام بدستور ہیں۔

بننا بنانا

(از ناآسی - ایم - اے - دہلی)

تہذیب جدید کے بے پناہ انعامات میں جہاں اور مشرقی لوازمات بھی وہاں بننے بنانے کا فن بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ان انعامات میں بڑی گراں بہا چیز ہے۔ ہماری ننھی کی اماں کا تو یہ خیال ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس "بننے بنانے" کی بنیاد پڑی تھی۔ اور اس کے لئے یہ استدلال بھی ارشاد ہوا کہ "کن فیکون" کی گہرائی میں بھی "بننا بنانا" ہے۔ بنانے والے نے بنانا چاہا بننے والی چیزوں نے بنکر صورت اختیار کرلی۔ بننے والی چیزوں میں ہمارے تمہارے سب کے سرکار دادا جناب آدم علیہ السلام بھی بن گئے۔ اور ان کی رفیقۂ حیات بھی بن گئیں۔

ہم نے ننھی کی اماں سے کہا کہ ہماری زبان میں "بننے بنانے" کا ایک دلچسپ مفہوم اور بھی تو ہے۔ اس پر تو ننھی کی اماں نے ہم پر اور ہماری کم فہمی پر اور قوتِ استنباط کے فقدان پر بہت سے گرما گرم فقرے چست کر دئے اور اس کے بعد کہا کہ "واہ۔ یہ مفہوم بھی آفرینش کے ابتدائی کارناموں میں شامل ہے۔ دیکھتے نہیں۔ ابلیس کو اس کی چلبلی طبیعت نے بنایا وہ بن گیا۔ اور کھٹ سے کہہ دیا کہ میں مخلوق کو سجدہ نہیں کروں گا۔ پھر ابلیس نے اماں حوا کو بنایا اور وہ بن گئیں۔ وہ بن کر بابا آدم کو بنانے چلیں۔ اور آخر ایسا بنایا کہ قضا و قدر کو ایک کرۂ خاکی ترتیب دینا پڑا اور اس میں بنے ہوئے انسان کو نئے انسان بنانے اور بننے کا سبق پڑھانے کے لئے آباد کرنا پڑا۔"

معلوم نہیں ہم ننھی کی اماں کے استدلال سے مقیاس تیقن کے کس درجہ تک متاثر ہوئے۔ احساس یہی رہا کہ ناقص العقل کی دلیل ہے بہرحال ناقص ہے۔ اس کو تسلیم کرنا مردانگی کی شکست کا شرمناک اعتراف ہے۔ لہذا ہمیں اپنے اسی نظریے پر قائم رہنا چاہئے کہ "بننا بنانا" تمدنِ جدید کا ایک گراں قدر تحفہ ہے۔ جسے مغربیت کے ہاتھوں نے مشرق تک پہنچایا ہے۔

مثلاً آپ کسی نجی ادارہ کے محرر خصوصی ہیں۔ اور آپ میں ان اوصاف کی کسی قدر کمی ہے جو آپ کی برق رفتار ترقی کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ اس وقت آپ کو "بننے بنانے" کی ایسی ایسی صورتوں سے سابقہ پڑیگا جو آپ اور آپ کے بزرگانِ نظام کی ہفتاد پشت کو۔ عام اس سے کہ اس کو ماضیانہ انداز میں قیاس کیا جائے یا مستقبلانہ رنگ میں۔ کبھی نہ سوجھی ہونگی یا سوجھ سکیں گی۔ جن صاحب کو آپ کی کسی عبارت خصوصی سے کسی جلبِ منفعت کی ضرورت ہوگی وہ فوراً آپ کے اوقات آپ کے دماغ۔ آپ کے قوائے علمی۔ آپ کے تخیل پر چھاپہ ماریگا اور اپنی حرکات سے جن پر قرونِ گزشتہ میں واجد علی شاہی دربار کو تعبیر کیا گیا تھا۔ آپ کو "بنانے" کی سعی پیہم فرمائے گا۔ اور آپ اپنی فطرت کی پرجوش بغاوت کے باوجود "بننے" پر مجبور ہوں گے۔ اور جب آپ کو اپنی کسی ضرورت کے ماتحت اسی باغی فطرت کے علی الرغم اپنی "بنانے" والے صاحب کو "بنانے" کی حاجت ہوگی۔ تو وہ مدافعانہ حملہ کے لئے تیار ملیں گے۔ اور آپ کو اس طرح "بنادیں گے" کہ آپ اپنی جسارت کو کوستے ہوئے الٹے پاؤں پھر جائیں گے۔

یا مثلاً آپ ہماری طرح ایک خاص قسم کے "بنانے" میں مشاق ہونگے تو اپنے دل کو بنائیں گے یعنی جو آپ کو حقیقت میں بنا رہا ہوگا اسے اپنے دل میں یہ سمجھ لیں گے کہ یہ یار وفادار۔ دوست غمگسار ہے۔ اور اس کی ہر بنانے والی حرکت کو آپ محبت کے "کا بین نامے" پر نہ مٹنے والی مہر سمجھیں گے۔ اور یہ دل کو بنانا سادہ لوحی اور حماقت اور لوکپنے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

ننھیوں اور ننھوں کی اماؤں کا "بنانا" بھی بہت دلچسپ فن ہے ہم نے اس "بنانے" اور "بن جانے" کا عملی تجربہ اس پورے شد و مد سے کیا۔ جب ہم اپنے ایک بہت بڑے کرم فرما کے ساتھ آدھی رات تک شطرنج کھیل کر "سارقانہ" انداز سے گھر میں "مداخلت بیجا بازبردستی" کے مرتکب ہوئے۔ اور دبے پاؤں ننھی کی اماں کی چارپائی کے قریب پہنچ کر عرض گذار ہوئے "کہ کیا مزاج ہے؟" اب قارئین کے نازک اور متاہلانہ جذبات کو اس "کیا مزاج ہے" کے جواب سے مجروح کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہم نے "بنانے" کے فن کا ایک کامیاب کرشمہ سوچا اور ننھی سے بات کرتے ہوئے کہا۔

جو چارپائی پہ لیٹے ہیں منہ پھلائے ہوئے
انہیں نہ چھیڑ وہ گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے

اور یقین مانئے کہ گھر کی ڈراؤنی فضا ننھی کی اماں کے تبسم سے جنت ارضی بن گئی۔

مثلاً آپ ایک جدید ماہنامہ کے ایک "[illegible]" قسم کے مدیر ہیں یا مہتمم ہیں۔ آپ کو بہت سے بنانے والوں سے سابقہ پڑے گا۔ اکثر حضرات ایک "تخیلی افسانہ" جس کی ساخت میں "دلبرانہ سرقوں کی بے شمار

ملنا بھی نصیب ہوئی ہوگی۔ آپ کی شکل کے ساتھ جو مفت آپ کا مربیہ ہ
ماڈرن صیں گے۔ یعنی آپ کو بنائیں گے۔ اور یہ بنانا محض بنالے سے کوسوں
لگے جو آپ نے اس وقت ملاحظہ فرمایا تھا۔ جبکہ آپ انٹرنس پاس کرنے
کے بعد اکثر اپنے بزرگ ماں باپ کی ارمانوں کے جھرمٹ میں۔ یا بعض حالات
میں اپنی ننھی کی ماں کی آرزوؤں کے ہجوم کے ساتھ کالج میں داخل ہوئے ہوں
اور بورڈنگ ہاؤس میں بھی آپ کی رہائش کا انتظام۔ اہتمام اور انصرام کیا
گیا ہو۔ اور اس بورڈنگ کے کارآزمودہ طلباء آپ کو بنائیں۔

تہذیب جدید کا بہت ہی دلفریب "بنانا" آج کل کی تعلیم یافتہ
تہذیب یافتہ اور مغرب زدہ خاتونوں کی ملاقاتوں میں آپ کے مشاہدہ
میں آئے گا۔ جب ایسی قابل قدر ہستی جسے صنف نازک کے دماغ سیاست
کی پرواز فلک کہنا چاہیئے۔ جب کسی دوسری صنف نازک کی رکن سے
ملاقات کرتی ہے۔ تو وہ آپس میں مردوں کی طرح ایک دوسرے کی تعریف
کرکے یہ نہیں کہتیں کہ مجھے آپ سے نیاز حاصل کرکے بہت احساس عزت ہوا
ہے۔ بلکہ اپنے سیاسی دماغ کی اڑان سے وہ پہلے اس نئی ملنے والی کی
دماغی قوتوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ اور پھر بنانے کی ساری قوتوں کو بروئے کار لا
غیر مغرب زدہ کو تختۂ مشق بناتی ہیں۔ اور وہ داؤ پیچ ہوتے ہیں کہ یہ
بے چاری کھوسٹ تہذیب کی علمبردار یہ چاہنا شروع کرتی ہے کہ فضا کے
ابا جلدی سے آجائیں اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔

اس بنانے میں صرف لفظی بنانا ہی شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ چھچھلیا
رقاصانہ حرکاتِ دست و پائی اور سحر آفریں اشارات سے بھی کام لیا جاتا
ہے۔ اور اگر ان کی بدنصیبی سے یہ غیر مغرب زدہ اور زنانہ اسکول تا آفتا
خاتون جو ایسی حملوں کی اہلیت رکھتی ہو تو وہ صرف یہ ملاقات ایک خواب
فراموش ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور ملاقات بالعموم کی رہین منت نہیں
ہوتی۔ بلکہ ان مغرب زدہ خاتون کے لئے آئندہ صحبتوں میں ایک کریہہ
موضوع گفتگو بھی فراہم کر دیتی ہے۔

بہرحال بنانا بنانا اب ہندوستان کی سیاست حکومت معاشرہ
اور روزانہ صحبت کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اور آئیے ہم سب مل کر تسلیم
عمل کریں۔

تارا کی آپ بیتی

(خود اس کے قلم سے)

(ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی)

تارا کتنی بیباک تھی، اس کے حسن نے اس کی دنیا اندھی کر دی وہ تماشائیوں کی نظروں کا شکار بنی اس کے سینکڑوں خریدار پیدا ہو گئے مگر وہ کسی کی نہ بنی! جذبات سے لبریز الفاظ میں خود اس کی زبان سے سنئے۔ (مدیر)

(۱)

اگر اجازت حضور دیں تو فسانۂ درد دل سناؤں
بڑے مزے کی ہے یہ کہانی فسانہ ایسا سنا نہ ہوگا

میرا نام تارا دیوی ہے۔ میرے ماتا پتا مجھے اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے تھے اور محبت میں صرف تارا ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ متھرا جی میں میرا گھر تھا، لیکن میں پتا جی کے ساتھ جو سیتاپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے رہا کرتی تھی۔ مجھ سے بڑا میرا ایک بھائی بھی تھا جو لکھنؤ میں بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔ میں حسین تو تھی ہی، لیکن بلا کی ذہین بھی تھی۔ اس کا ثبوت میں اس سے زیادہ کیا دے سکتی ہوں کہ ابھی میں نے بارہویں سال میں ہی قدم رکھا تھا کہ ہندی مڈل اوّل نمبر میں پاس کر لیا اور انگریزی پڑھنے لگی۔ میرے پتا جی پردے کے خلاف تھے اسی وجہ تھی کہ میں بگھی گاڑی میں بیٹھ کر اسکول آیا جایا کرتی تھی۔ میں جس زمانے کا حال لکھ رہی ہوں اس وقت میری عمر پندرہ برس کی تھی۔ جوانی گدگدا رہی تھی۔ تمنائیں مچل رہی تھیں۔ شوخیاں بے چین تھیں اور اس پر میری آزادی قیامت تھی وہ گھڑی وہ سماں اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ ہنسی خوشی کے دن اب بھی مجھے یاد ہیں اور مرتے دم تک یاد رہیں گے۔

میری داستانِ زندگی پڑھنے والے شاید مجھے بے حیا کہیں گے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ انہیں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جو مجھے قابلِ معافی سمجھیں گے اور میری کہانی سے سبق حاصل کریں گے۔ یہی میرا اصلی مقصد ہے۔

(۲)

میں بیان کر چکی ہوں کہ میں بہت ہی حسین تھی۔ اسکول بھر میں مجھ سے زیادہ حسین کمرو اور سندر کوئی لڑکی نہ تھی۔ میرے حسن کا چرچا گھر گھر تھا اپنی تعریف اپنے منہ سے اچھی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے میں اپنی خوبصورتی کی تعریف زیادہ لکھنا نہیں چاہتی۔ مختصر یہ کہ جب کبھی آئینہ میں اپنی صورت دیکھتی تھی تو میں شرما جاتی تھی لیکن آہ، یہی روپ میرے لئے وبالِ جان ہو گیا مجھے اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا، اور میں اپنے حسن پر ناز کرنے لگی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہی گھمنڈ مجھے ایک روز نیچا دکھائے گا۔

جب میں اسکول جاتی اور وہاں سے گھر واپس ہوتی تو راہ میں اپنے شیدائیوں کا مجمع دیکھتی۔ کسی کو بازار میں کوٹ پتلون پہنے کار نکٹائی سے مرصع اپنا طالبِ دیدار پاتی۔ کسی کو اسکول کے پاس پھاٹک کے قریب اپنا منتظر پاتی۔ اس میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ اسکول میں پڑھنے لکھنے والے لڑکے، کالج کے مہذب طلبا، گلیوں میں پھرنے والے آوارہ مزاج، غرضیکہ کس کس کا نام لوں سارا جہاں میرا مشتاق تھا۔ اور مجھ پر یہ مثل صادق تھی "ایک انار اور صد بیمار"۔ میرے بنگلہ پر بہت سے ایسے تعلیم یافتہ اصحاب آتے تھے جو ظاہر میں تو یہ بہانہ کرتے تھے کہ پتا جی سے ملنے آتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ وہ مجھے دیکھنے آتے تھے۔

لیکن میں نے ان شریف بدمعاشوں کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ میں نے کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ رفتہ رفتہ میرے مشتاق جال کم ہونے گئے۔ اگر عورت شریف ہے، اس میں غیرت اور حیا ہے، تو دنیا کے تمام بدمعاش بھی مل کر کوشش کریں تو اسے سچائی کے راستے سے نہیں ہٹا سکتے میرا کیا، تمام دنیا کا یہی خیال ہے۔ سچے موتی پر خاک ڈالنے سے دھبہ نہیں آتا

ایک صاحب جو شاید موٹر صاف کیا کرتے تھے اور جنہیں اپنے کالے پن پر ناز تھا، مجھ پر عاشق تھے۔ عاشقی کا نام کیوں بدنام کروں، اپنے کمینہ پن سے مجھے بہکانا چاہتے تھے۔ ان کی بوالہوسی پر مجھے غصہ بھی آتا تھا اور ہنسی بھی۔ دن بھر تو اپنے میلے کچیلے کپڑے دھوتے رہتے اور جب میری اسکول سے واپسی کا وقت ہوتا تو بالوں میں کڑوا تیل لگا کر، بال سنوار کے راستہ میں کھڑے رہتے اور وقت بے وقت ہمارے بنگلہ کی چوکیداری ہی کرتے۔ اپنی زینت بڑھانے کے لئے کہیں سے ایک پرانا کوٹ بھی خرید لائے تھے جو بدقسمتی سے ان کے چھوٹا ہوتا تھا مگر اس سے انہیں کیا۔ ان کو تو مجھے دکھانا مقصود تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس بوالہوسی کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا، تو مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں بھی وہ ناکام رہے اور میرا خیال چھوڑ دیا۔ لیکن کبھی کبھی اپنے کمینہ پن کا اظہار کر ہی دیتے تھے۔ گورنمنٹ نے جہاں ہر قسم کے بدمعاشوں کا انتظام کیا ہے وہاں اگر وہ ان حسن کے ڈاکوؤں کا بھی جو پرائی بہو بیٹیوں پر نظرِ بد ڈالتے ہیں کچھ انتظام کر دیتی تو اچھا ہوتا۔

(۳)

انٹرنس کا امتحان بھی میں نے اول نمبر میں پاس کر لیا۔ اس سے میری بڑی شہرت ہو گئی۔ میں یہ لکھنا بھول گئی کہ میں ادیب بھی تھی۔ لڑکپن سے ادب سے خاص الفت تھی۔ شعر و شاعری میں میرا دل خوب لگتا تھا۔ میرے مضامین ہندوستان کے معزز رسالوں میں بہت قدر کے ساتھ شائع ہوتے تھے ایڈیٹر صاحبان عجیب عجیب سرخیوں سے میرے مضامین کی اشاعت کرتے تھے۔ میرے شیدائیوں نے میرے مضامین کی اشاعت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ تعریف و توصیف کے خطوط سے میری خوشامدیں ہونے لگیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں شعر و شاعری سے محض نابلد تھی، جیسے مضامین لکھنا چاہئیں نہ لکھ سکتی تھی۔ بعض سنجیدہ اصحاب نے میرے مضامین پر تنقیدیں لکھنی شروع کر دیں۔ لیکن مجھے یہ ناگوار ہوا اور میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور اپنی ناقابلیت کو چھپانے کے لئے اپنے مضامین میں غیر مانوس اور مہمل الفاظ لکھنا شروع کر دیے۔ مثلاً اس سے اعتراض بجا کے وہ مرتعش اور سنگین جذبے جو ابلیات کے پردہ میں ایک محشر سوز و ساز بپا کئے ہوئے تھے وادیٔ راز و نیاز کی فضائے لذ کوشش کی ترنم نوازیوں میں منجذب ہو گئے" سمجھے نہیں، میری طرز تحریر کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ چاروں طرف سے میری تعریفیں ہونے لگیں اور اس طرح سے میں ادیب بھی ہو گئی حالانکہ اس کوچہ سے محض نابلد تھی۔ یہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

میرے پتا جی نے اخباروں میں میرے شوہر کے انتخاب کے لئے اشتہار دیدیا۔ اب کیا تھا۔ پہلے ہی سے پیغام آنے لگے تھے۔ مگر اب تو روزانہ سینکڑوں "عرضیاں" آنے لگیں۔ عرضیاں بھیجنے والوں میں سے کوئی تو جج تھا اور کوئی بیرسٹر، کوئی لکھ پتی ہونے کا دعویدار تھا تو کوئی کروڑپتی۔ میرے پتا جی نئی روشنی کے دلدادہ تھے۔ وہ میرے پاس تمام عرضیاں اور تصویریں بھیجکر میری رائے طلب کرتے۔ لیکن اتنی آزادی پر بھی شرم و حیا نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ میں نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن میری ماتا در پردہ میری رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

اب میرا پڑھنا لکھنا بھی چھوٹ گیا۔ ایک روز شام کی ڈاک سے ایک خط اور تصویر آئی جسے حسب معمول میرے پتا جی نے میرے پاس بھیج دیا۔ اس وقت تک جتنی تصویریں میری نظر سے گذریں۔ ان سب میں مجھے یہ تصویر بہت پسند آئی یہ ایک شریف براہمن خاندان کے لڑکے کی تھی۔ اس کا نام منوہن تھا اس تصویر کو دیکھتے ہی میرا دل رام جانے کیوں دھڑکنے لگا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ منوہن نے میرا من موہ لیا۔ وہ نہ بیرسٹر تھا نہ جج، بلکہ ایک غریب گھرانے کا چراغ تھا۔ ایسا چراغ جس کی روشنی سے میرے دل کا مندر روشن ہو گیا منوہن کے خط میں اوروں کی طرح بہت لمبے چوڑے دعوے نہ تھے بلکہ بہت مختصر تھا۔ اس میں لکھا تھا "میں بی۔ اے پاس کر چکا ہوں۔ وکالت کا امتحان دوں گا۔ میں قنوجی برہمن ہوں۔ اس وقت میری عمر ۲۳ سال کی ہے، میرے پاس کوئی جائداد نہیں ہے، میں یتیم ہوں"

خط کو پڑھ کر میرے آنسو نکل آئے۔ پریم کے ساگر میں میرے من کی ناؤ بہ نکلی۔ میں نے منوہن کی تصویر کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور اپنا سر جھکا لیا۔

میں نے بہت چاہا کہ میرا راز دل کسی پر نہ کھلے۔ مگر میری ماتا جی کو میری ایک سہیلی سے تمام حال معلوم ہو گیا۔ انہوں نے میرے پتا جی سے اس کا ذکر کیا ان کو میرے اس انتخاب سے بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ میرے پتا جی سمجھتے تھے کہ میں کسی مالدار جج یا بیرسٹر کو پسند کروں گی۔ لیکن آخرکار مجبوراً انہوں نے میری رائے کو منظور کر لیا۔

(۴)

میرا بیاہ منوہن کے ساتھ ہو گیا اور میں اپنے پتا سے رخصت ہو کر اپنے پتی کے ساتھ لکھنؤ چلی گئی۔ وہاں میرے لئے دن عید اور رات شب برات تھی مجھے ان کی غریبی میں امیری کا مزا ملتا تھا۔ میرے لکھنؤ جانے کے تھوڑے ہی دن بعد وہ وکالت کے امتحان میں کامیاب ہو گئے اور لکھنؤ ہی میں وکالت کرنے لگے۔ اب میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ تمام دنیا کی نعمتیں میرے گھر میں تھیں میں اپنی خوش نصیبی پر فخر کرتی تھی کہ یکایک میری قسمت نے پلٹا کھایا۔ پرماتما کو میرا گھمنڈ اچھا نہ معلوم ہوا۔ انفلوئنزا تمام ہندوستان میں پھیل گیا اور اس پاپی مرض نے جان اور سینکڑوں گھر تباہ کئے میرے ماتا پتا اور بھائی کو بھی سرگباش کر دیا میں یتیم ہو گئی۔ یہی میرے لئے رنج کیا کم تھا کہ یکایک میرے پتی کی نگاہیں بدل گئیں۔ پیار و محبت کی باتوں کا کیا ذکر اب وہ مجھ سے باتیں بھی کرنا عار سمجھنے لگے پہلے تو دن بھر میں کئی کئی دفعہ وہ میرے پاس آتے تھے۔ مگر اب مہینوں ہو جاتے اور میری اُن سے ملاقات نہ ہوتی۔ میں نے بہت چاہا کہ ان سے اس بے اتفاقی کی وجہ دریافت کروں لیکن موقعہ ہی نہ ملتا تھا۔ اب میری آنکھوں میں تمام دنیا تاریک تھی کیونکہ وہ مجھ سے خفا تھے۔ میں ان کو خوش کرنے کے لئے لاکھ جتن کرتی مگر وہ مجھ سے بے پروائی ہی کرتے رہے۔ میری کوئی خطا نہ تھی، میرا کوئی قصور نہ تھا، لیکن وہ مجھ سے خفا تھے۔ اس صدمہ میں میری حالت قابل رحم ہو گئی۔

آخرکار مجھے ان کی بے اتفاقی کی وجہ معلوم ہو گئی۔ وہ ایک یوروپین لیڈی پر جس کا نام روزا تھا عاشق ہو گئے تھے۔ شہر سے باہر سول لائن میں ایک بنگلہ لے لیا تھا اور وہ زیادہ تر وہیں روزا کے ساتھ رہتے تھے۔ رقابت کی آگ بری ہوتی ہے سو نیا ڈاہ نے میرا تن من جلا دیا۔ لیکن اس سے میری محبت میں اور ترقی ہو گئی میرا گھر جو کبھی جنت تھا اب دوزخ بن گیا، وہ روزا کی محبت میں دیوانہ تھے۔ کچہری بھی اب بہت کم جاتے تھے۔ جس سے آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ گھر کی تمام پونجی ختم ہو گئی اور میرے زیوروں پر بھی نوبت آ گئی۔

ایک روز شام کو ان کا خط ملا جسے پڑھ کی سخت حیرت ہے جس میں لکھا

[illegible] کانوں کے بندے کے علاوہ [illegible] تھا۔ اب میرے پاس سوائے اُس ایک انگوٹھی کے جو میری ماتا کی نشانی تھی اور کوئی زیور نہ تھا۔ میں نے وہ انگوٹھی بھی ان کے پاس بھیج دی اور ساتھ ہی اپنے دل سے ایک خط بھی اس مضمون کا لکھ دیا۔

"ہردیو ر۔ سوامی! میرے پاس سوائے اس انگوٹھی کے جو میں آپ کو بھیج رہی ہوں اور کوئی زیور نہیں رہا، ورنہ ضرور بھیجتی، معاف کرنا۔ پران ناتھ! جن میں آپ کو سکھ ملے آپ اسی میں رہیں۔ لیکن جب آپ کو کسی سے فرصت ملے تو اس داسی کو بھی یاد کر لیا کریں۔ مہینہ میں ایک دفعہ بھی اگر آپ کا درشن کر لونگی تو سکھی ہو جاؤں گی۔ سوامی جی آپ کونسی خطا پر مجھے بھول گئے ہیں۔ آپ کی روپ ... گلاب سہی، چندر مکھی سہی، وہ مجھ سے خوبصورت سہی، وہ آپ کا دل بہلا سکتی ہے۔ لیکن کیا وہ میری طرح آپ کی خدمت بھی کر سکتی ہے۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی، بس ایک دفعہ درشن دے کر اتنا کہہ جایئے کہ آپ اچھی طرح سے ہیں، آرام سے ہیں، اور سکھ میں ہیں، میرے اتنا لکھنے پر بھی اگر آپ نہ آئے تو یاد رکھیئے کہ میرے لئے زہر ہے، سنکھیا ہے، اور کچھ نہیں تو گنگا مائی کی

پتر ودھار لیے!"

خط بھیج کر میں نے دل میں کرشن بھگوان کا سمرن کیا اور اُن کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کی "سنکٹ میں کام آنے والے داتا! میرے من کی چنتا کے دیکھن ہار، پربھو بھگوان! میں خطا وار ہوں، گنہگار ہوں۔ میرے گھمنڈ نے مجھے دکھ کے ساگر میں ڈال دیا ہے۔ میری خطا معاف کرو اور مجھے میرے پتی سے ملا دو۔" دعا مانگ کر میرا دل ہلکا ہو گیا۔ مجھے امید ہو گئی کہ آج وہ آئیں گے میں بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کرنے لگی۔

دن گزر گیا شام ہو گئی۔ لیکن وہ نہ آئے۔ رات کے گیارہ بج گئے اب میرے دل کی کلی مرجھانے لگی۔ تکیہ سے چپ چاپ نہ بیٹھا گیا۔ میں نے اٹھ کر اپنے کمرہ کی کھڑکی کھولی۔ سہانی رات تھی۔ ہوا سن سن چل رہی تھی۔ ساری دنیا سو رہی تھی اور میں اُن کے انتظار میں بیتاب تھی۔ یکایک دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے خوشی سے میرا دل اچھلنے لگا۔ مگر اُسوقت اُن کی عجیب حالت تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں پیر ڈگمگا رہے تھے وہ آتے ہی پلنگ پر گر پڑے میں دوڑ کر پنکھا اٹھا لائی اور جھلنے لگی انھوں نے میری طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ میری زبان سے نکلا "سوامی جی!

جنت میں کیا دیکھا

عیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل میں سے ایک شخص تھا جو حائد کے نام سے مشہور تھا۔ اور ابو شالوم بن عیص بن اسحٰق کا بیٹا تھا۔ کسی بادشاہ کے خوف سے اپنے وطن سے بھاگ کر ارض مصر میں پہونچا اور سالہا سال وہاں مقیم رہا۔ یہاں دریائے نیل کی عجیب عجیب باتیں دیکھ کے اس نے قسم کھائی اور عہد کیا کہ نیل کے سرچشمہ کا پتہ لگانے کے لئے جہاں تک زمین ملے گی میں اس کے کنارے ہی کنارے چلا جاؤں گا۔ چاہے اس کوشش میں مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ اپنے اس عہد کے مطابق وہ نیل کے کنارے کنارے روانہ ہوا بعض کہتے ہیں کہ تیس سال تک اور بعض کہتے ہیں کہ پندرہ سال تک برابر چلا گیا یہاں تک کہ بحر اخضر (دریائے سبز) کے کنارے پہونچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دریائے نیل اس سمندر کے پانی کو کاٹ کے برابر بہتا چلا آتا ہے۔ اب وہ اس سمندر پر چلا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ سیب کے ایک درخت کے سایہ میں ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔ (شاید اس سمندر میں کوئی جزیرہ ہوگا) اس شخص نے ایک اجنبی کو دیکھ کے سلام کیا۔ اور پوچھا۔ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا حائد بن ابی شالوم بن عیص بن اسحٰق (تمہارا چچا ہوں) مگر یہ بتاؤ کہ تمہارا یہاں آنا کیونکر اور کس لئے ہوا۔؟ کہا میں تو دریائے نیل کا سرا ڈھونڈھنے کو آیا ہوں مگر تمہارا آنا کیونکر ہوا جواب دیا کہ جس لئے تم آئے ہو اسی لئے میں بھی آیا ہوں۔ مگر جب یہاں پہنچا تو خداوند جل وعلا نے وحی بھیجی کہ جب تک میں حکم نہ دوں یہیں ٹھیرے رہو۔ اب حائد نے کہا کہ اچھا آپ کو نیل کے جو حالات معلوم ہوئے ہوں۔ مجھے سنائیے۔ اور بھلا کتابوں میں آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ نسل آدم میں سے کوئی شخص دریائے نیل کے سرچشمے تک پہونچ سکے گا یا نہیں۔ عمران نے کہا۔ ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیص بن اسحٰق کی نسل کا ایک شخص پہونچ سکے گا۔ اور اے حائد میرے خیال میں وہ تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ یہ سن کے حائد نے خوش ہو کے کہا بھائی تو پھر مجھے وہاں کا راستہ بتائیے۔ عمران بولا بتا دوں گا مگر پہلے تمہیں مجھ سے ایک شرط کرنا ہوگی۔ حائد نے کہا آپ کی جو شرط ہو فرمائیے۔ کہا جب تم دریائے نیل کے منبع اور سرچشمے کو دیکھ کے واپس آؤ تو اگر میں زندہ ملوں اس وقت تک میرے ہی پاس ٹھیرے رہو۔ جب تک کہ حضرت باری تعالیٰ وحی کے ذریعے سے کوئی حکم دے یا مجھے اپنے پاس بلالے۔ آخرالذکر صورت میں مجھے دفن کر کے چلے جانا۔ اور اگر واپس آ کے تم مجھے مردہ پاؤ تو ٹھیرنے کی ضرورت نہیں مجھے آغوش لحد کے سپرد کرنا اور اپنی راہ لینا۔ حائد نے کہا۔ اس شرط کو بسر و چشم بجا لاؤں گا۔ یہ اطمینان بخش جواب سن کے عمران نے کہا۔ تو جس طرح اس سمندر کو طے کرتے ہوئے آئے ہو آگے چلے جاؤ آگے بڑھ کے تمہیں ایک جانور ملے گا جس کا پچھلا حصہ تو دکھائی دیتا ہوگا۔ مگر اگلا حصہ نہ نظر آئے گا۔ تم اس سے خوف نہ کھانا بلکہ دیکھتے ہی اس کی پیٹھ پر سوار ہو جانا۔ یہ جانور آفتاب سے دشمنی رکھتا ہے۔ جہاں آفتاب طلوع ہوا یہ فوراً لپکتا ہے کہ اسے دوڑ کے نگل جائے۔ یہاں تک کہ آفتاب آڑ میں آجاتا ہے اور اسے ٹھیر جانا پڑتا ہے۔ پھر جب آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو پھر سمندر کے اندر گھستا ہے کہ دوڑ کے نگل لے۔ غرض وہ تمہیں سمندر کے اس پار پہونچا دے گا۔ تم خشکی پر قدم رکھ کر پھر آگے کی راہ لینا۔ اب نیل کے کنارے کنارے کوچ کر کے تم ایک ایسی زمین پر پہنچو گے۔ جو فولاد کی ہوگی اس کے پہاڑ جنگل اور بیابان سب فولاد کے ہوں گے۔ اس سرزمین سے گزر کر تم تانبے کی سرزمین پر پہونچو گے جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب تانبے کے ہوں گے۔ اگر اس سرزمین سے بھی گزر گئے تو تم چاندی کی سرزمین میں پہونچو گے جہاں کے پہاڑ جنگل بیابان سب چاندی کے ہوں گے۔ اس سے بھی تم گزر گئے تو سونے کی سرزمین میں پہونچو گے جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب سونے کے ہوں گے۔ بس اسی مقام پر تمہیں نیل کا حال معلوم ہو سکے گا۔ آگے نہ بڑھ سکو گے۔

عمران کی ان ہدایتوں کو یاد میں باندھ کر حائد روانہ ہوا۔ اور تمام مراحل طے کر کے سونے کی سرزمین میں پہونچ گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ خالص سونے کی ایک عظیم الشان دیوار ہے۔ اور اس کے پیچھے ادھر سونے کا ایک برج ہے جس پر طلائی گنبد ہے۔ اس گنبد کے چاروں طرف سونے کے چار دروازے ہیں دریائے نیل کا پانی اس دیوار کے اوپر سے زور شور کے ساتھ گر کے اس برج میں چلا آتا ہے۔ پھر اس برج کے چاروں دروازوں سے چار دہانے گرتے ہیں ان میں سے تین تو زمین کے اندر غائب ہو جاتے ہیں اور ایک اوپر بہتا ہوا آگے بڑھتا ہے جو کہ دریائے نیل ہے۔

حائد نے یہاں بیٹھ کے پانی پیا اور ارادہ کیا کہ اس دیوار پر چڑھ جائے جہاں سے نیل کا اصلی پانی آتا ہے، فوراً ایک فرشتہ نے نمودار ہو کر روکا اور کہا۔ حائد بس آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو۔ دریائے نیل کا جس قدر علم تمہیں حاصل ہونا تھا ہو چکا۔ اب اس کے بعد جنت ہے۔ اور دریائے نیل اسی میں سے آرہا ہے حائد نے کہا میں جنت کی بھی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا یہ اس زندگی میں

...ہے۔

اب حاتم نے پوچھا تو یہ چیز جسے میں سامنے دیکھ رہا ہوں۔ کیا ہے؟ فرشتے نے کہا یہ وہ آسمان ہے جس میں آفتاب اور ماہتاب چکر لگاتے رہتے ہیں یہ چکی کے مانند ہے۔ حاتم بولا میرا جی چاہتا ہے کہ اس چرخ پر پہنچ میں بیٹھ کے ایک چکر بھی لگاؤں۔

اس کے بعد سے علما میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حاتم اس پر چڑھ گیا اور دنیا کے گرد چکر لگا آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں اس کی نوبت نہیں آئی اس کے بعد فرشتے نے کہا۔ حاتم اب تمہیں جنت سے رزق ملے گا جو تمہاری زندگی کے لئے کافی ہوگا۔ اور اس کے سامنے تمہیں دنیا کی کوئی چیز مزہ نہ دے گی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ انگور کے تین خوشے اوپر سے اتر کے حاتم کے ہاتھ میں آگئے۔ یہ تین رنگ کے تھے۔ ایک زمرد سبز کا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا یاقوت سرخ کا اور تیسرا سفید موتیوں کا۔

فرشتے نے دیکھتے ہی کہا یہ جنت کی تاک کے انگور ہیں مگر وہاں کے اعلیٰ اور منتخب انگوروں میں سے نہیں ہیں۔ اب تم واپس جاؤ اور نیل کا جس قدر حال تمہیں معلوم ہونا تھا معلوم ہو چکا۔

حاتم نے پوچھا مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ تین دھارے جو زمین میں غائب ہو جاتے ہیں یہ کہاں جاتے ہیں، فرشتے نے کہا، ان میں سے ایک فرات ہے دوسرا دجلا ہے۔ اور تیسرا جیحون ہے۔

اب حاتم فرشتے سے رخصت ہو کے واپس چلا پہلے کی طرح دشمن آفتاب جانور کی مدد سے سمندر کے اس پار آیا اور اسی مقام پر پہنچا جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی۔ دیکھا تو اسی دن اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ حسب وصیت اسے نہلا دھلا کے اور کفنا کے دفن کیا اور تین دن تک اس کی قبر پہ کھڑا رہا۔ چوتھے دن روانگی کا ارادہ کیا تو ناگہاں ایک پیر مرد نمودار ہوا جس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اس نے آتے ہی سلام کیا اور کہا کہ حاتم دریائے نیل کے کیا حالات تم کو معلوم ہوئے؟ انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سن کے وہ کہنے لگا ہاں یہی حالات ہم نے کتابوں میں دیکھے تھے اس کے بعد اس پیر مرد نے حاتم کو سیب کا ایک درخت دکھایا۔ جس پر سیب لگے تھے اور کہا آؤ میرے ساتھ اس کے سیب تم بھی کھاؤ۔ حاتم نے کہا میرے پاس جنت کے میوے موجود ہیں اور مجھے ممانعت ہے کہ ان کے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤں گا۔

پیر مرد نے کہا کہ سچ کہتے ہو۔ جو کوئی جنت کے میوے کھاتا ہو اسے اور کوئی چیز نہ کھانی چاہئے۔ مگر بھلا کبھی تم نے ایسے سیب دنیا میں بھی کھائے تھے یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے۔ دنیا کا نہیں ہے۔ خدا نے عمران کے لئے اس درخت کو یہاں اگا دیا تھا کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے اور تمہارے ہی لئے وہ مرحوم اسے چھوڑ گئے ہیں۔ اور اگر تم نہ آتے تو پھر آسمان پر چلا جاتا۔ اس کے بعد وہ پیر مرد برابر اس سیب کا شوق دلاتا رہا یہاں تک کہ حاتم کو بھلا معلوم ہونے لگا اور دل میں اس قدر شوق بڑھا کہ اس میں سے ایک سیب توڑ کر منہ میں رکھا۔ مگر جیسے ہی اس پر دانت مارے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ اس پر متحیر تھا کہ پیر مرد نے کہا۔

یہی وہ پھل ہے جس نے تمہیں جنت سے نکالا۔ ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ تاکہ تم میں اور دنیا کے جو لوگ تمہارے جنت کے انگوروں کو کھائیں اس سیب کو کھا کے دنیا میں رہنے کے قابل رہیں۔

اس کے بعد حاتم ارض مصر میں واپس آیا۔ لوگوں کو اپنے سفر کے واقعات بتائے۔ اور وہیں پیوند زمین ہوا۔

یہ وہ روایت اور فسانہ ہے جو بارہ صدیوں تک مصریوں کا جزو دین بنا رہا۔

جوانی کی ایک رات

(از جناب سید ذاکر حسن صاحب وجدانی)

اندوہ ابھی رنگینی سے ناآشنا تھا۔ تجربہ نے رنگ وسپید میں دونوں کو ترازو کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ جذبات بے عنان تھے۔ آنکھیں حسن کی تلاش میں بے تاب رہتی تھیں۔ اچھی صورت اور بری صورت کی تمیز اس وقت کچھ تیز رفتی۔ جذبات نمود ہونے کے لئے کسی کا دامن ڈھونڈھ رہے تھے۔ عالم تخیل میں ہزاروں پیکر جمال کو آغوش شوق میں لاکر بٹھاتا تھا۔ لیکن خیال کے فنا ہونے کے بعد یہ افسانہ جذبات کی دنیا میں ویسی ہی ہیجان اور بے چینی پیدا کرتی تھی۔ ایک روز خیالات کی دنیا میں غرق ہوا چلا جارہا تھا یکایک تجربہ نے بازار حسن کی ایک نوشگفتہ کلی کی طرف اشارہ کیا۔ دماغ نے تائید کی اور فیصلہ کر لیا گیا کہ صدف کے تڑپتے ہوئے جذبات کو سکون دیا جائے گا۔

تمام دن آرائش میں صرف ہوگیا قیمتی سے قیمتی انگشتریوں سے اپنی انگلیوں کو زینت دی۔ بہتر سے بہتر لباس سے جسم کو آراستہ کیا۔ شیروانی میں طلائی جواہرات کے بٹن لگائے اور اس طرح چل کھڑا ہوا گویا بازاری حسن پر آج فتح حاصل کرنی ہے۔ تاریکیاں بڑھ چکی تھیں۔ حسن کی کشش اور جذبات کا طوفان مجھے جیسے لوگوں کو بازار کی زیریں منزل سے بالائی منزل کی طرف لئے جارہا تھا۔ میں نے سڑک کے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی اور دفعۃً بالا زینہ کی طرف دوڑا۔ اس کوچہ میں نووارد تھا۔ گھبراہٹ میں ایک صاحب سے ٹکر ہوگئی جن صاحب سے ٹکر ہوئی تھی بڑے ہی بدمزاج تھے جھلا اٹھے۔ اور بے ساختہ بے شمار گالیاں دے ڈالیں۔ گرہ مشکل دگر شد تو ہم مشکل ... خاموش ہو لیا اور چل دیئے۔ دل نے کہا کہ بارگاہ حسن کی یہ پہلی عزت افزائی ہے۔ اس وقت کے بعد اوپر پہنچے خیال تھا کہ ہماری شان و شوکت حسن فروش کے لئے جاذب نگاہ ثابت ہوگی۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور ہم ایک ناخواندہ مہمان کی طرح فرش کے ایک کونے پر جا کر بیٹھ گئے۔

یکایک بالاخانہ پر ایک طوفان برپا ہوا۔ کچھ شہزادوں میں چل گئی تھی۔ آپ سے تم پر نوبت آئی اور تم سے تو تک نوبت پہنچ گئی۔ اور آخر زد و کوب تک معاملہ پہنچ گیا۔ ہم ایک کونے میں کھڑے ہوگئے۔ لیکن یہ طوفان بے تمیزی ایسا تھا کہ میں سے کسی کا دامن بچ سکے۔ چنانچہ اچھی طرح سے میری بھی خواہ مخواہ مرمت ہوگئی۔ اور میری مرمت کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہر فریق مجھ کو فریق ثانی خیال کرتا تھا اور تواضع کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ خدا خدا کرکے یہ تمام قصہ ختم ہوا کمرہ پرسکون ہوا۔ اور میں اپنے ہوش و حواس درست کرکے عرض دعا کے لئے بارگاہ حسن میں بڑھا۔ اور ایک معقول نذرانہ پیش کرنے کے بعد بارگاہ حسن میں مجھے باریابی حاصل ہوگئی۔

میں اپنی تمناؤں کو لئے ہوئے اس پیکر جمال کا منتظر علیحدہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے ہی میں نہیں آتی تھیں۔ دو گھنٹہ انتظار کرتے کرتے گزر گئے۔ آخر میری دعا قبول ہوئی۔ اور پیکر جمال اپنی رعنائیوں کو لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی۔

جذبات کی دنیا میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔ ایک دوسرے نے عریانیوں کے ساتھ بے حیائیوں کو خیر مقدم کیا۔ اور رات کا ایک حصہ عریانیوں اور بے حیائیوں میں صرف ہوا۔ لیکن جوں ہی میں ان بے حیائیوں کے بعد ہوش میں آیا تو میں نے دیکھا کہ میرا جسم تمام داغدار ہے اور اس پر ایک مہلک مرض نے زہریلا اثر پیدا کر دیا ہے مجھے یہ معلوم ہونے لگا جیسے کسی نے میرے جسم میں آگ لگادی ہو۔

چند منٹ کے بعد دوبارہ وہ پیکر جمال کمرہ میں داخل ہوئی۔ اب کی مرتبہ اس کے لبوں پر تبسم نہ تھا۔ بلکہ پیشانی پر بل تھے۔ اس نے نہایت خوفناک آواز میں کہا کہ تیرے پاس جو کچھ ہے وہ رکھ دے۔ ورنہ تیری خیر نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ تالی کی آواز کے ساتھ چند وحشی انسان کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے مجھے بالکل عریاں کر دیا۔ میرے تمام جواہرات مجھ سے چھین لئے اور مجھ کو بالکل برہنہ کرکے بالاخانہ کے زینہ پر کھڑا کرکے سیڑھیوں کی طرف دھکا دیدیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا سڑک پر آن پڑا۔ میں نے شور و غل سے پولیس کو بلانا چاہا۔ لیکن میری فوراً آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ صبح ہوچکی ہے۔ اور میں پلنگ کے نیچے پڑا ہوا چلا رہا ہوں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ تمام مصیبتیں خواب میں ہی گذریں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ مجھے اندازہ ہوگیا کہ بازاری حسن کے شیدائیوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔

فریبِ کا شکار

دنیا کے بدکرداروں کا نمونہ

(از جناب ریاض الدین قاضی صاحب سوپارہ)

اس کی قیام گاہ ایک شکستہ جھونپڑی تھی جو قصبے سے باہر ایک غیر آباد اور سنسان جگہ پر واقع تھی۔ ضعیف فقیر اپنے بھاری بوجھل جسم کو سادہ اور بے رونق کپڑوں سے ملبوس رکھتا۔ اور ہر روز "خدا کی راہ پر ایک ضعیف فقیر کو خدا کی راہ پر" کی صدا لگاتے ہوئے اطراف کے قصبوں کا چکر لگاتا۔ اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر چمکتا تھا۔ اس کی آنکھیں اور پیشانی کسی راز کا پتہ دیتی تھیں جو کہ اس کی زندگی کا ایک راز تھا۔ قصبے میں سے جو کچھ ملتا وہ اس کے گزر اوقات کے لئے کافی ہوتا تھا۔

اس کے ساتھ اس کی زندگی کی یادگار ایک معصوم بھولی بھالی لڑکی رہا کرتی تھی۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ بھی اس کی زندگی کے راز کی ایک کڑی تھی۔ ضعیف فقیر ناہید کو اپنی نظر سے بالکل جدا نہ ہونے دیتا۔ کبھی کبھی فقیر دیوانہ وار اس کی پیشانی کو چومتا اور اس کے چہرے کو گھورتا۔ گلے سے لگاتا کیا ضعیف فقیر دیوانہ تھا۔؟ اس کے چہرے سے شرافت ظاہر ہوتی تھی۔ یہ راز تھا فقیر کی زندگی کا راز تھا جو مرتے دم تک کسی پر ظاہر نہ ہوا۔ جب کبھی بوڑھے فقیر سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا، تو آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں میں آجاتے۔ قصبے والے اس کی مٹھی بھر چاول یا دال روٹی دینے کو بار گراں نہ سمجھتے۔

(۲)

سماں بدلتا گیا۔ بوڑھا فقیر بھی قبر کی آغوش میں کبھی نہ ہوشیار ہونے والی میٹھی نیند سو رہا تھا۔ ناہید نہ معلوم کہاں گئی۔ اس کی اس قدر خبر معلوم ہو سکی کہ کسی کے جال میں بری طرح پھنس گئی ہے۔

ناہید ایک معصوم دوشیزہ تھی۔ قدرت نے اس کو تمام نسوانی خوبیوں سے مزین کیا تھا۔ مگر دنیا کی بے وفا روش نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ازل سے کرتی آئی ہے۔ جب تک اس کی حسن و جوانی نے اس کا ساتھ دیا۔ دنیا والے بھنورے کی طرح اس کے ارد گرد چکر لگاتے رہے۔ اور جیسے ضعف و ناتوانی نے اس کا ساتھ دیا تو وہ اس طرح دنیا کی نظروں سے گر گئی جیسے کبھی دنیا میں وہ جوان پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ ناہید کا کیا حال ہوا۔ دنیا کے عیش و عشرت نے اس کو ہمیشہ کے لئے اپنی آغوش میں سلا دیا۔ یا افلاس و غربت نے اس کو آوارہ گردیا خموش سکونت اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔

(۳)

ایک زمانے کے بعد میرا گزر قصبے کے باہر کی سڑک پر ہوا۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ میں اپنی عادت کے مطابق قریب کی ہی ندی کنارے تفریح کے لئے گیا۔ راستے میں ایک دل گداز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "خدا کی راہ پر ایک پیسہ خدا کی راہ پر" کی دلکش آواز نے مجھے اس طرف چلنے کے لئے مجبور کیا۔ میرے کان اس پہچانی ہوئی آواز پر گشت لگا رہے تھے۔ جہاں میں نے وہی تصویر دیکھی۔ جو کہ ایک زمانہ میں بلاغ نسائیت کا مصفا آئینہ تھا۔ میں تھوڑی دیر تو حیرت کے عالم میں رہا۔ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ نہیں بلکہ وہ حقیقت تھی۔ میرا دل اس واقعہ سے لرز گیا۔ میرے سامنے وہی مجسمہ کھڑا تھا جو کہ چند سال قبل ضعیف فقیر کی زندگی کا سہارا یا اس کا راز تھا۔ اس قدر نمایاں تبدیلی۔ وہی مجسمہ جو پہلے شرافت کا پتلا۔ نیکی مجسم اور جامع حسن و جمال معلوم ہوتا تھا۔ اس مجسمہ میں اس قدر انقلاب عظیم ہوا تھا۔ اس کی شبیہہ تو وہی تھی۔ مگر جوانی اس سے وداع ہو چکی تھی۔ بوڑھاپے کے آثار ہویدا ہو رہے تھے۔ وہ سوکھا ہوا پژمردہ چہرہ جس طرح کہ نو شگفتہ کلی کو تیز و تند ہوا کے جھونکوں نے تباہ کر دیا ہو۔ آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقے۔ اس کے دماغ کو خیالات کی طوفان خیز لہریں پریشان کر رہی تھیں۔ محنت و مزدوری نے نہیں بلکہ آوارہ گردی اور معصیت نے اس کے جسم کو لاغر بنا دیا تھا۔ اس کی پیشانی ندامت کے پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کا وقار کھویا ہوا تھا۔ رحم طلب نگاہوں سے اس نے وہی جملہ میرے سامنے دہرایا۔ میرے دماغ میں خیالات کے ہجوم کی جنگ ہونے لگی۔ دفعتاً میں اس مظلوم ہستی کے لئے جذبۂ ہمدردی سے بے قابو ہوتا۔ مگر دوسرے ہی جھٹکے یہ جذبہ میرے دل سے مٹ جاتا۔ کبھی تو میرا دل اس کے حال زار اور بدبختی پر روتا۔ مگر دوسرے سانس میں میرے دماغ سے یہ خیالات منتشر

مشہور ہو جاتے۔ اس کی یہ بری حالت مفلسی، فریب اور ناتجربہ کاری کی بدولت تھی۔ آہ قسمت برا ہو تیرا تو نے اس معصوم ہستی اور اس کے عزت و ناموس کو تباہ کیا۔

(۴)

بیوی اس طرح گھور کر دیکھنے سے دق ہو گئی۔ یک لخت اس کے چہرے کی رونق ختم ہو گئی۔ وہ ندامت اور پشیمانی سے زمین میں گڑی جاتی تھی وہ پشیمان تھی اور غمگین بھی۔ میرے دماغ میں ہزارہا سوالات نے یک لخت جگہ لی۔ مگر اس سے اس کے متعلق کچھ سوالات کرنا بے سود تھے۔ اب اس قدر باقی رہ گیا تھا کہ اس بدبودار اور گندے نالے سے جس میں کہ اس کی زندگی کی نیا غوطے کھا رہی تھی۔ پرے نکالی جائے۔ کاش قدرت نے اس معصوم اور جاذب نظر پھول کو اس دنیا میں نہ لگایا ہوتا۔ جو کہ خود غرض ہمدردوں کے ہاتھوں یوں تباہ ہو جائے۔ میں اپنا سرمایہ اس ہستی کی آوارگی کو دور کرنے کے لئے پیش کرنے کو تیار تھا۔ مگر اس نے نہ مانا۔

(۵)

مجھے چھوڑ دو۔ اس نے اپنے غم انگیز لہجہ میں کہا۔ ایک بدنصیب دنیا سے منہ موڑتے ہوئے کو دلاسا دو۔ یہ دنیا ایک خوشنما جال — ایک فریب ہے — عیش و عشرت اس میں پھانسنے کے ذریعے ہیں — بہت کم لوگ ایسے ہیں — جو اس دنیا کی چال سے واقف ہیں۔ یہاں انسانی ہمدردی کے بھیس میں نفس پرستی اور مطلب پرستی پوشیدہ ہے۔ چالاکی دغابازی عصمت دری۔ دنیا والوں کی زندگانی کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ میرے دل میں خیال ہوا کیا دنیا ایسی ہی بری جگہ ہے؟ — اور اس میں بسنے والے زیادہ تر اسی قسم کے لوگ آباد ہیں؟ — مجھ پر فوراً ہی ظاہر ہوا کہ اس سوال کا جواب موجود ہے۔ میرے سامنے ایک ہی ہستی کے دو نمونے تھے۔ ایک سادگی اور شرافت، سادگی اور معصومیت کا زندہ نمونہ تھا۔ اور پھر وہی عیش و عشرت کا پتلا اور معصیت و بدکاری کا مجسمہ —

(۶)

اس نے کہا "رسمی باتیں چھوڑ دو۔ کیا تم مجھے بھول گئیں۔ ابھی زمانے نے کروٹ بھی نہیں بدلی۔ پھر اس قدر —

اس نے آگے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن زبان سے ادا نہ ہو سکا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی آواز میں درد تھا۔ اس کی آنکھیں شدت غم کی وجہ سے آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب گئیں تھیں۔ اس کا خوشنما چہرہ کملایا ہوا تھا اس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر حال دل کہنا شروع کیا۔ "میری شادی اس وقت ہوئی۔ جب کہ میں ایک ناتجربہ کار بچی تھی۔ ضعیف نفیر مجھے تن تنہا اس دنیا کے وسیع سمندر میں چھوڑ کر چل بسا تھا۔ میں دنیا کے نشیب و فراز سے ناواقف تھی۔ دنیا نے مجھ پر سب سے بڑا ظلم ڈھایا وہ یہ کہ — آہ میری طاقت گفتار جواب دے رہی ہے — میری دنیا ہی پر چھاگئی — آہ کیسے بتاؤں کہ اس گھر میں ایک شخص بھی میرا ہمدرد نہ تھا — مجھے دنیا کے عیش و آرام کا سبز باغ دکھایا گیا — آہ انہوں نے مجھ سے مکاری کی — میں دنیا کے ہمدرد نما لٹیروں سے واقف نہ تھی — میری شادی ہوئی — نکاح پڑھا گیا۔ آہ وہ تمام فریب تھا۔ دھوکہ تھا۔ اس وقت جس قدر مجمع تھا تمام ان کے دوست آشنا، مددگار و معاونوں کا تھا — یہ شادی نہ تھی۔ میرے لئے ایک فریبی جال رچا گیا تھا۔ اور میں — میں اس عیش و عشرت کے دھوکے میں آ کر ان کے ساتھ چلی آئی — آہ میں آبرو باختہ "۔ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

ایک نسوانی شاہکار اس طرح پامال ہوا دیکھ کر رنج ہوا — اس نے پھر کہنا شروع کیا "مجھ سے ہوس پوری ہونے کے بعد مجھ سے نفرت ہونے لگی۔ اب میری آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ آہ اس وقت ان مشکلات سے نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا — آہ میں کس قدر خوش ہوتی۔ اگر وہ لوگ اپنے ہاتھوں میرا خاتمہ کرتے — آہ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے میری عزت و عصمت برباد کرنے کے بعد — مجھے ذلیل کر کے نکال دیا مجھے اس طرح ذلیل کر کے وہاں سے نکالا گیا۔ گویا کبھی مجھ سے ان کا واسطہ ہی نہ تھا۔ اب مجھ سے دیکھنے والے نفرت کرتے ہیں — ویسی ہی نفرت — جیسی کہ ضعیف نفیر کے ساتھ وہ کرتے تھے۔ یہ ہے میری داستان خود میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میں معزز لوگوں کے سایہ سے دور بھاگتی ہوں۔ آہ فریبی دنیا — ظالم دنیا — میرے ساتھ فریب کیا گیا۔ ہاں ضرور میں خطاوار ہوں۔ گنہگار مجرم — ہاں مجھے کوئی حق نہیں۔ کہ میں ان لوگوں سے جو شریف اور سچے ہمدرد ہیں۔ معافی کی خواہش ظاہر کروں — مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے۔ تم مجھے کتنا ہی ذلیل کرو۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ دنیا کا ہمیشہ یہی سلوک رہا ہے — بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے — میں کچھ اور زیادہ نہ چاہتی تھی — میری داستان۔ جو میری زندگی کا سربستہ راز تھا۔ مجھے ہمدردوں پر آشکارا ہوا اب یہ روح قفس عنصری سے بخوبی آزاد ہو گی۔ میری آرزو پوری ہوئی۔ میرا راز جو آج تک میرے سینے میں دفن تھا۔ اس کثیف اور بدبودار راز کو اپنے سے جدا کرنے کے بعد مجھے جو مسرت حاصل ہوئی ہے۔ عیش و عشرت کی دنیا میں بھی کبھی نہ حاصل ہوئی تھی وہ آگے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن کہہ نہ سکی۔ ایک زور کی ہچکی آئی۔ موت نے اس کو اپنے آغوش میں لے کر اس کے لبوں پر مہر خموشی ثبت کر دی — یہ تھا دنیاوی فریب کا شکار —

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔ منیجر

ناداری کے بعد زرداری

(از مولانا سید ظہور احمد صاحب ؛ حشمتی)

عشرت حسین کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کے قریب ہوگی میونسپلٹی میں پچاس روپے ماہوار پر ملازم تھا مزاج میں کچھ دیانت اور کچھ بے پروائی تھی اس لئے نہ تنخواہ کے علاوہ آمدنی کی کوئی صورت تھی اور نہ ترقی کی امید تھی شادی کو چار سال کا زمانہ گزر گیا تھا بیوی ہنرمند کسی قدر تعلیم یافتہ اور خوش خصال تھی گود میں ایک بچہ تھا پچاس روپے میں بڑی تکلیف سے بسر ہوتی تھی۔ گھر میں ایک ماما تھی جو بازار سے سودا سلف لاتی تھی اور عشرت حسین جب دفتر سے پر مونڈھے ڈال کر دوستوں کے ساتھ بیٹھتا تھا تو حقہ پان بھی دے آتی تھی اور بیوی کو پخت و پز اور گھر کے انتظام میں مدد دیتی تھی۔ آمدنی کا پانچواں حصہ اس ماما کی نذر ہو جاتا تھا۔ کچھ روپے پراویڈنٹ فنڈ میں کٹتے تھے اور باقی ماندہ رقم میں اندر باہر کا خرچ تھا۔ ایک دن ساجدہ (عشرت حسین کی بیوی) کو ہمسائی کے گھر آئی ہوئی چکن پسند آئی اور ایک کرتہ بنانے کا ارادہ کیا لیکن محدود رقم میں اتنی گنجائش نہ تھی۔ جذبہ کو دبا کر رہ گئی لیکن اس واقعہ سے میاں بیوی دونوں کو قلق ہوا۔ اور اتنا قلق ہوا کہ وہ دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ بیوی کا مطالبہ تھا کہ آمدنی بڑھانے کی ترکیب سوچنی چاہئے اور شوہر کا یہ خیال تھا کہ آمدنی بڑھانے کی کوئی صورت نہیں۔ آخر ساجدہ نے مسکرا کر کہا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم میری ملازمت کر لو۔ عشرت نے کہا "میں تیار ہوں لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کام لوگی" ساجدہ نے کہا کہ "تمہیں کوئی شریفانہ کام ہی بتایا جائیگا اور ایسا کام جسے تم آسانی سے کر سکو" عشرت نے کہا میں تیار ہوں کتنی تنخواہ ملے گی۔

ساجدہ نے کہا سردست دس روپے ماہوار کی گنجائش ہے میں کل سے تمہیں بھی ملازم رکھتی ہوں اور میری تنخواہ بھی دس روپے ہوگی یہ پچاس روپے تم کو ملتے ہیں بیس روپے یہ ہوں گے ستر روپے مہینہ ہمارے لئے بالکل کافی ثابت ہوگا عشرت حسین بیوقوف تو نہ تھا لیکن اس کے مزاج میں کچھ سادگی ضرور تھی اور اس لئے ساجدہ کی خاموشی پر اس نے ہنس کر کہا کہ "اچھا مذاق ختم ہوا یا ابھی کچھ اور باقی ہے" ساجدہ نے کہا "نہیں صاحب یہ مذاق نہیں ہے کل صبح سے تم میرے نوکر ہو۔ اقرار کے بعد انکار ٹھیک نہیں" یہ

دوسرے دن صبح کو ساجدہ نے ماما کا حساب بے باق کر کے اسے رخصت کیا۔

عشرت سے کہا کہ اب آپ بازار سے سودا لائیے اور دن بھر کی ضروریات سوچ کر لا دیا تاکہ دوبارہ جانے کی ضرورت نہ ہو۔ ایک ہفتہ میں ساجدہ کو معلوم ہوا کہ ماما کی علیحدگی سے پندرہ روپے ماہوار کی بچت ہوئی کیونکہ دس روپے مہینہ تو کھلم کھلا اس پر صرف ہوتا تھا اور تقریباً پانچ روپے ماہوار وہ سودے سلف میں ناجائز طور پر وصول کرتی تھی ساجدہ نے سینے کو بھی موقوف کیا اور شوہر سے کہا کہ گنوار گھر میں موجود ہے میں خود پانی بھروں گی۔ اور اگر تمہیں میرے کمزور ہاتھوں اور چوڑیوں پر ترس آئے تو تم بھی اس محنت میں شرکت کرنا۔ لیکن عشرت نے یہ کام اپنے ذمہ لیا سمجھئے کہ وہ کام جو چوری سے لیا جاتا تھا ساجدہ نے اپنے ذمہ لیا سوچ سوچ کر ان مصارف کو کم کیا جو فضول تھے۔ ان کفایت شعاریوں اور کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہینہ میں صرف پچیس روپے خرچ ہوئے پہلے سے کچھ بہتر کھایا پیا گیا اور کسی قسم کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی مہینہ ختم ہونے پر ساجدہ نے صندوقچے میں سے دس روپے نکال کر میاں عشرت کے سامنے رکھے اور کہا یہ لیجئے اپنی تنخواہ۔ عشرت نے وہ روپے مسکرا کر جیب میں رکھنے چاہے تو اس نے کہا یہ نئی بات کیسی؟ تم تو تنخواہ لا کر مجھے دیدیتے ہو۔ پھر یہ روپیہ جیب میں کیوں رکھتے ہو چنانچہ عشرت نے روپے اسے واپس کر دئے۔ ایک سال اسی حال پر گزر گیا۔ عشرت حسین جو ہمیشہ دس بیس روپے کا مقروض رہتا تھا۔ اب اس کے گھر میں تین سو روپے موجود تھے روپیہ انسان کی عقل معاش کو کچھ بڑھا دیتا ہے اس لئے عشرت حسین کو یہ سوجھی کہ اب کچھ تجارت بھی کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے بیٹے کے نام سے ٹوپیوں کی ایک دوکان پانچسو روپے کے سرمایہ سے کھولی تین سو روپے تو گھر میں موجود تھے اور پانچسو میں سے باقی اس نے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لئے۔ اس کا قاعدہ تھا کہ پانچ بجے دفتر سے اٹھ کر سیدھا دوکان پر آتا تھا اور رات کے نو بجے تک دوکان کھولتا تھا۔ چونکہ مال اچھا تھا قیمت مناسب ہوتی تھی اس لئے چند روز میں دوکان چل نکلی اور کافی بکری ہونے لگی حساب نکالنے سے معلوم ہوا کہ سال بھر کی الٹ پھیر میں پانچسو کا منافع ہوا۔ عشرت حسین اور اس کی بیوی نے باہم متفق ہو کر دوکان کے سرمایہ اور منافع سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ سال بھر میں ساجدہ نے تین سو کی رقم بچا کر دو سو روپے تو پراویڈنٹ فنڈ کا قرض ادا کیا اور باقی ماندہ سو روپے دوکان کے سرمایہ میں بڑھا دئے یہ سب رقم مل کر دوکان کا سرمایہ گیارہ سو کے قریب ہو گیا۔ اب دوکان میں بہت کافی میل تھا اور اس لئے قدرتی طور پر فروخت پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی اگلے سال عشرت حسین نے بیوی کی مخالفت کے باوجود اسے کفایت شعاری سے روکا اور پچیس روپے کی جو رقم بچائی جاتی تھی اسے گھر میں بدستور صرف کئے جانے کی ہدایت کی۔ ایک ماما بھی بیوی کی خدمت اور ہاتھ بٹانے کیلئے ملازم رکھ دی لیکن ساجدہ نے چند ماہ میں سو روپے کی رقم بچا کر سلائی کی ایک مشین خرید کی اور اپنا وہ تمام وقت جو ماما کی وجہ سے بچ رہتا تھا ٹوپیوں کی سلائی میں صرف کرنے لگی کیونکہ دوکان میں کام بہت کافی تھا۔ اسکا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ ماہانہ پچیس روپے سے بھی کچھ زیادہ رقم اپنی آمد ہونے لگی۔ اور ہر دوکان میں دوسرے سال ایک ہزار کا منافع ہوا جب دوکان کا سرمایہ بڑھ کر تین ہزار کے قریب ہو گیا تو عشرت حسین نے بیوی کی صلاح سے ملازمت ترک کر دی پراویڈنٹ فنڈ میں بھی معقول

درسِ غیرت

رو رہا ہے کیوں پڑا افسردہ خاطر، دل نڈھال ۔۔۔ کس قدر ہے تجھ کو دختر کی ولادت کا ملال

شوق میں بیٹے کے پانی پھر گیا ارمان پر ۔۔۔ حشر برپا ہو گیا اک بے گنہ کی جان پر

اُف یہ نازک وقت اور یہ ترش ابروئی تری ۔۔۔ اب کہاں کمبخت کی قسمت میں دلجوئی تری

منفعل اور مشتعل، دل سرد، آہیں گرم گرم ۔۔۔ سرخ سرخ آنکھیں لہو کا سی نگاہیں گرم گرم

شعلہ ہو آلام میں پھر رہا ہے ہر طرف ۔۔۔ اک جہنم سا نظر میں پھر رہا ہے ہر طرف

ہو کے برہم اس قدر کھلوا نہ تو اپنا بھرم ۔۔۔ تجھ کو کیا حق ہے، کرے پیدائشِ دختر پہ غم

تجھ کو قدرت نے کیا تھا مرد تو نے کیا کیا ۔۔۔ او غلامِ سلطنت نامرد تو نے کیا کیا

مرد ہونے سے ترے لعنت بڑی اک بڑھ گئی ۔۔۔ تجھ سے زنجیرِ غلامی میں کڑی اک بڑھ گئی

تُو نے بزمِ کبر و نخوت میں اجالا کر دیا ۔۔۔ تُو نے میعادِ غلامی میں اضافہ کر دیا

بڑھ گیا تیرے سبب سے اور حصرِ سلطنت ۔۔۔ تجھ سے محکم ہو گئی بنیادِ قصرِ سلطنت

اس کو گر زندہ نہ رکھیں گھونٹ تیرے خون کے ۔۔۔ اک جنازہ ہے حکومت وہ بھی قانون کے

ہاں مناسب کچھ یہی معلوم ہوتا ہے ہمیں ۔۔۔ بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوتی رہیں اُس قوم میں

جس کے بیٹے چھوڑ دیں ماں باپ کی تعلیم کو ۔۔۔ مضحکہ سمجھیں بڑوں کی عزت و تعظیم کو

مکتبوں کو چھوڑ کر جو داخلِ اسکول ہوں ۔۔۔ دین میں مفلوج ہوں اخلاق میں مجہول ہوں

ہوں بزرگوں کے شعائر سے جنہیں بیزاریاں ۔۔۔ ٹھوکروں میں جن کی ہوں ماں باپ کی خودداریاں

نازِ محبوبانہ سے ہر طور جن کا منفعل!! ۔۔۔ اور ہر انداز سے جن کے نسائیت خجل

جن کی اک اک بات سے مجروح ہو فرزانگی ۔۔۔ ہر ادا ہر ناز سے محجوب ہو مردانگی

جن کے دل نفرت سے معمور اور آنکھیں شعلہ بار ۔۔۔ جن کی تاریخیں تعصب سے جہنم در کنار

بزدلی کی ہوں سند جن کی کتابوں کے ورق ۔۔۔ لیں بجائے درسِ حریت غلامی کا سبق

جس کے بیٹے مادرِ بھارت کی رسوائی کریں ۔۔۔ جس کے بیٹے غیر کے در پر جبیں سائی کریں

تیر برسیں جن کی ہر تقریر سے مضمون سے ۔۔۔ رنگ لیں دامن جو اپنے بھائیوں کے خون سے

راہ میں چیونٹی کی پامالی کا بھی ڈر ہو جنہیں ۔۔۔ شیرِ مادر کی طرح خونِ برادر ہو جنہیں

جو دبیتے ہوں نہ مرتے ہوں وطن کیواسطے
ہوں جونافرمان گل اپنے چمن کے واسطے

میل جانے کے عوض جائیں جو دفتر کی طرف
ہوں غلامانہ نگاہیں جن کی افسر کی طرف

آہ وہ دفتر جہاں حیوانیت ہو حکمراں
آدمیت کی شرافت ذبح ہوتی ہو جہاں

عدل اور انصاف کا نیلام ہوتا ہو جہاں
خنجر بیداد خوں آشام ہوتا ہو جہاں

حق کیا جاتا ہو ناحق اور ناحق حق جہاں
عدل کا خوں، رحم کا ہوتا ہو سینہ شق جہاں

کوڑیوں کے مول میں انسان بکتا ہو جہاں
چند سکوں کے عوض ایمان بکتا ہو جہاں

اختیارات خدا محدود رہتے ہوں جہاں
مذہب اور اخلاق کو مردود کہتے ہوں جہاں

مکر و کذب و فسق کی تلقین ہوتی ہو جہاں
صدق و عدل و رحم کی توہین ہوتی ہو جہاں

حق آزادی و حریت جہاں محبوس ہو
اپنی رفعت سے جہاں انسانیت مایوس ہو

داد خواہی جس جگہ روتی ہو دھاڑیں مار کر
بیگناہی مار ڈالی جائے بازیں مار کر

الحذر الحذر افسروں کا ان کے بھر کبر و قار
اردلی کو جن کے ہوں جیسے خدائی اختیار

غور کر، تجھ جیسے مرد اچھے ہیں اب یا عورتیں
شرم کر، تیری طرح محکوم ہیں کیا عورتیں

بدنصیبی سے ہے یوں تو قوم ساری ہی غلام
تو ہے غیروں کا، مگر بیٹی ہے اپنوں کی غلام

سوچ دل میں، شکر تجھ کو یا شکایت چاہیئے
نام سے بیٹے کے او نامرد غیرت چاہیئے

(بسمل سعیدی ہاشمی)

عالم خواب کا ڈکٹیٹر

(از جناب سید مرتضیٰ صاحب قادری کرنول)

رات کے دس بج چکے تھے۔ میں اپنے کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھا ہوا رسالہ مختصر خیال کا مطالعہ کر رہا تھا گو ایک بار سارا رسالہ پڑھ چکا تھا مگر خیالی ڈکٹیٹروں کے دلچسپ مضامین نے مجھے پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی میرے منتشر خیالات ذہن میں ایک منظم شکل جن کا خیز لگانے لگے۔ پھر وہ رنگین بھ سا منظر جس نے سینما کے پردے پر دیکھا تھا یا اس سے بھی زیادہ پر شکوہ نظارہ آنکھوں کے سامنے تھا جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ نظر آتے تھے۔ اس عظیم الشان مجمع کے بیچوں بیچ ایک خوشنما اور شاندار اسٹیج بنایا گیا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا۔ یہاں کانگریس مسلم لیگی اور مہاسبھائی، الغرض ہر پارٹی اور ہر فرقہ کے نامی گرامی لیڈر بلا امتیاز کند سے سے کندھا ملائے کھڑے تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید یہ میری تعظیم کے لئے کھڑے ہیں۔ پھر میں نے اپنے آپ کو صدارت کی اس پر پایا مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ میں سارے ہندوستان کا ڈکٹیٹر بنا دیا گیا ہوں اس خیال کے آتے ہی میں کھڑا ہو گیا اور اس طرح گہر افشانی و جادو بیانی شروع کر دی۔

"اے بھارت ماتا کے سپوتو! اور میرے پیارے ہم وطنو! سنو۔ مجھے اگر تم نے اپنا ڈکٹیٹر مانا ہے تو مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا، جس کا شکریہ ادا کروں۔ ہاں اگر تم اس انتخاب کے بعد میری اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے میں ساتھ دو گے تو یقیناً شکریہ کے مستحق ہو گے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ ہم نے آپکو اپنا قائد مان لیا مگر میری اصلاحات کا مخلصانہ خیر مقدم، میرے احکام کی فرمانبرداری اور میری ہدایتوں پر عمل بہت دشوار ہے۔ تاہم مجھے پورا یقین ہے کہ آپ لوگ میرے ہر حکم کی تعمیل کے لئے دل و جان سے کوشاں رہیں گے۔

سنیئے تاکہ میں اس مختصر وقت میں گو یہ وقت بالکل ناکافی ہے اپنے آئندہ پروگرام کا ایک دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے پیش کروں جس سے آپکو میرے مقاصد کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یقین جانئے مجھے یہ موجودہ طرز حکومت ہرگز پسند نہیں اس طرز کو بدلنا میرا اولین فرض ہوگا۔ کیونکہ جب تک حکومت باضابطہ اور قومی نہ ہو کوئی کام حسب منشا نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھو میرے نزدیک فرقہ بندی اور مذہبی تعصب سب سے بڑا جرم ہے اور اس کے لئے میرے پاس بجز پھانسی کے کوئی سزا نہیں اس لئے سب سے پہلے میں اسی کے خاتمہ کی طرف متوجہ ہوں گا۔ اور جس جگہ اس سم قاتل کے پیدا ہونے کا شبہ تک بھی ہوگا اس مقام کو نیست و نابود کر دوں گا۔

کوئی مقرر ہو یا لکچرار، واعظ ہو یا ایڈیٹر، مصنف ہو یا مؤلف استاد صاحب ہوں یا پنڈت جی، مرشد صاحب ہوں یا گرو جی۔ ان سب کی ہر حرکت اور ہر فعل کی سختی کے ساتھ نگرانی کروں گا۔ اگر ایک لفظ بھی کسی سے فرقہ پرستی کا نکلا تو فوراً حلق سے زبان کھنچوا لوں گا۔ اسی طرح اخبار و رسائل اور فلمی دنیا کی بھی پوری طرح دیکھ بھال کروں گا۔ اگر کسی اخبار یا رسالہ میں ایک حرف بھی ایسا پایا گیا جس سے تفرقہ اندازی کی بو تک آتی ہو یا کسی فلم میں ذرا سی حرکت بھی ایسی دیکھوں جس میں قومی شیرازہ کی پراگندگی کا شائبہ ہی ہو تو اخبارات و رسائل کی ضبطی کے ساتھ ایڈیٹروں کے ہاتھ قلم کرا دوں گا۔ اور فلموں میں آگ لگانے کے ساتھ ساتھ ڈائرکٹروں اور افسانہ نویسوں کی دماغی اصلاح کے لئے چھ ماہ کے واسطے "کسولی" بھجوا دونگا جہاں پاگل کتے کے کاٹے ہوؤں کا علاج ہوتا ہے۔

میری خواہش ہے کہ سرمایہ داری کا نظام ختم کر کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالوں۔ یہ بھی تمنا ہے کہ ہندوستان کا ہر فرد تعلیم یافتہ نظر آئے اس لئے مجھے تعلیم کو عام اور جبری قرار دینا ہوگا۔ تعلیم سے مروجہ تعلیم نہ سمجھئے میری رائے کردہ تعلیم میں مذہبی، اخلاقی، فوجی، صنعتی، زرعی تعلیم کے علاوہ علوم جدیدہ بھی شامل ہوں گے۔ خصوصاً فوجی اور صنعتی تعلیم پر اس قدر زور دوں گا کہ ہندوستان کا ہر فرد سپاہی اور تمام ہندوستان صنعت گھر نظر آنے لگے۔ میں نشہ خوری کا سخت دشمن رہوں گا۔ یہاں تک کہ حقہ، سگریٹ اور ناس وغیرہ کو بھی ممنوع قرار دوں گا۔ میں حقوق نسواں کا علمبردار بنکر رہوں گا انہیں مناسب اور ضروری حقوق عطا کروں گا۔ تربیت اولاد کے طریقوں اور حفظان صحت کے قواعد سے آگاہ ہونا ہر عورت کے لئے ضروری ہوگا بیواؤں کی شادی ضروری اور بے جوڑ شادیوں کو خلاف قانون ٹھہراؤں گا ملک سے بیکاری کی بلا کو دفع کرنے اور ملکیوں کو خوشحال کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاؤں گا۔ انفرادی خیرات کو منع قرار دیکر خیراتی رقوم کا ایک فنڈ تیار کروں گا جس سے مستحق اور معذور لوگ وظیفہ پایا کریں گے۔ ہر شخص کو مذہبی معاملات میں کامل آزادی ہوگی اور کسی مذہب کے جلیلوں اور جلوسوں میں کسی قسم کی رکاوٹ

[illegible] کی ہے اور سب مذہب بالعموم [illegible]
حرمت لگانے کا حقدار نہ ہوگا جس سے اس مذہب کے پیروکاروں کے دل پر ذرا سی بھی ٹھیس لگے۔ اور یہ ضروری ہوگا کہ جب کبھی کسی مذہب کے پیشوا کا نام لے تو احترام کے ساتھ لے۔ میں تمام اکثریت اور اقلیت کو ایک نظر سے دیکھوں گا اور سب کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ کروں گا۔

میرے ضروری کاموں میں سے ایک کام شادی اور غمی کی دقیانوسی اور فضول رسومات کو مٹا نا بھی ہوگا ان رسومات میں قوم کے ہاتھوں سے جو رقم برباد ہوتی ہے۔ اسے جمع کر کے عوام کی بہبودی کے لئے صرف کروں گا بیماروں اور مسافروں کی آسائش کا خاص طور پر خیال رکھوں گا۔ سودی قرضہ کالین دین منع کردوں گا۔ اس بارے میں کسی بہانے اور کسی روحیلے کی ایک نہ سنوں گا۔ حاجتمندوں کے لئے حکومت کی جانب سے قرضہ کمیٹیاں قائم کرکے قرضہ دینے کا انتظام کروں گا۔ رشوت ستانی کو سنگین جرم قرار دونگا مگر اس قسم کے جرائم کی سزا موجودہ سزاؤں کی سی نہ ہوگی، بلکہ قید خانہ در اصل ایک اخلاقی درسگاہ اور صنعت گھر کے مانند ہوگا۔ اور میرا وقت زیادہ تر اخلاقی اصلاح میں صرف ہوگا۔ الغرض یہ اور اسی قسم کی ہزاروں باتوں کی اصلاح میرے ذمہ ہوگی۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس عہدے پر ایک ٹھیکہ دار کی طرح تا عمر قابض نہ رہونگا۔ جب میں اپنی انتھک کوششوں کے خوش آیند نتائج دیکھ لوں گا تو ملک میں جمہوریت قائم کرکے اپنی بقیہ عمر ملک کی شاداب فضا میں خوشی کے ساتھ بسر کروں گا۔

[illegible] عہد کے شگفتہ ہو لو گو یہ ساری باتیں موجودہ حالت میں کسی قدر دشوار نظر آتی ہیں لیکن اگر تم وعدہ کرو کہ میری ہر بات کو مانو گے اور ہر حالت میں میرا ساتھ دو گے پھر اپنے اس عہد پر قائم بھی رہو تو یہ ساری باتیں آسان تر ہو جائیں گی، کہو کیا آپ میرا ساتھ دینے کو تیار ہیں؟" میرے اس جملہ پر کل مجمع سے اقراری صدائیں بلند ہوئیں۔ بڑے بڑے لیڈروں نے دعائیں دیں کہ "خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے"

تقریر ختم ہونے پر کسی نے سوڈا پیش کیا اور کسی نے چائے۔ انہی لوگوں میں میرے دوست صدیقی صاحب بھی تھے جو میری طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہہ رہے تھے "لیجئے بہت تھک گئے ہو۔ دو گھونٹ چائے تو نوش فرمایئے" اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ سچ مچ میز پر چائے رکھی ہے اور صدیقی صاحب کہتے ہیں "اٹھئے بہت سو چکے۔ چائے حاضر ہے۔ کچھ دیر تو میں مبہوت اور گونگا سا بنا رہا پھر ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ اور اسی وقت کچھ اشارات قلمبند کئے۔ تاکہ ناظرین مشرقیل بھی اس خواب کے ڈکٹیٹر کے خیالات کی قدر کریں۔ اور جو باتیں ناقابل تسلیم ہوں ابھی سے ان کے متعلق تبادلۂ خیالات کریں ورنہ ممکن ہے یہ خواب رویا صادقہ ثابت ہو اور ڈکٹیٹر بن جانے کے بعد مجھ میں ہر ہٹلر اور مسولینی کی سی ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو جائے۔

آتشِ محبت

(از جناب چودھری فتح محمد صاحب رفیق بی۔اے)

(مسٹر فرانزلو کی ایک نظم کا آزاد منظوم ترجمہ۔ وامق اور عذرا فرضی نام ہیں۔ مترجم)

وامق

مرے تخیل سے آباد دنیا کی مکیں عذرا ۔ حسین و مہ جبین و نازنین و دل نشیں عذرا
مرے نزدیک ہو کر مجھ سے اتنی دور رہتی ہو ۔ سراپا سا نقابِ نور میں مستور رہتی ہو
حجابِ ناروا کو چھوڑ، آ، جلوہ دکھا اپنا ۔ میں تیرا ہو چکا عذرا! مجھے تو بھی بنا اپنا
نگاہیں مضطرب ہیں، میری جانِ آرزو آ جا!

گلے ترے تمہارے واسطے گجرے بناؤں گا ۔ مسرت میں دُرِ نایاب آنکھوں سے بہاؤں گا
بہاروں پر جو گلشن میں ہے جوبن آج پھولوں کا ۔ بناؤں گا پئے تزئینِ سر اک تاج پھولوں کا
عنادل راگنی چھیڑیں گے جب ہنگامہ زار میں ۔ تو بجلی بن کے خوں دوڑے گا میری ہر رگ و پے میں
میں فرطِ انبساطِ دل سے بیخود ہو کے جھوموں گا

جوابِ عذرا

تجھے ہوتی اگر حاصل بصیرت چشمِ بینا کی ۔ نہ کہتا مجھ پہ ظاہر اپنی آنکھوں کی ہوسناکی
نمودِ رنگ و بوئے عارضی پہ جان دیتا ہے ۔ حقیقت نام ہے جس شے کا اس سے دور رہتا ہے
وہ صہبا پی تجھے جس سے ہو کیفِ جاوداں حاصل ۔ کرے گر بند آنکھیں ہو جمالِ دو جہاں حاصل
بہارِ حسن اک اڑتی ہوئی تصویرِ فطرت ہے ۔ گلِ زیبا کی نکہت گوہرِ شبنم کی صورت ہے
یہ طوفانِ شبابِ حسن، رنگیں خوابِ عشرت ہے

ترے گجرے فسردہ ہو کے کھو بیٹھیں گے نکہت بھی ۔ تری ان میں رہے گی نام کو نہ تازگی باقی
خزاں چھا جائے گی گلشن پہ طائر کلبلائیں گے ۔ تری حسرت نکل جائے گی ارماں روٹھ جائیں گے
شبابِ زندگانی بن کے رہ جائے گا افسانہ ۔ نہ پھر یہ شوخیاں ہوں گی نہ پھر اندازِ مستانہ
نمودِ رنگ و بو دھوکا ہے گر چشمِ بصیرت ہے

دلچسپ حادثہ

(از جناب قیسی رامپوری)

سینما دیکھ کر تو جلدی ہی آگیا تھا لیکن حامد کے مکان پر کچھ ایسا باتوں میں مصروف ہوا کہ ایک بج گیا۔ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور مکان کی طرف چل دیا۔

بارش کی اندھیری رات تھی چوطرف ہو کا عالم تھا۔ سیاہ بادلوں کی فوج کسی نامعلوم مقام سے چلی آرہی تھی اور افق کے تمام کونوں کو داب کر تمام آسمانی فضا میں پھیلی چلی جا رہی تھیں بدقسمتی سے ہمارے شہر میں بجلی کی روشنی نہیں تھی۔ معمولی لالٹین نصب تھیں۔ جن کی کمزور روشنی چند قدم کے بعد دبیز تاریکی کے سیاہ بھیانک پردوں میں گم ہو جاتی تھی۔

اگر میں سڑک سے جاتا تو میرا مکان دو میل سے کم نہ پڑتا اس لئے میں نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور گلی کوچے طے کرتا ہوا روانہ ہوا۔ بعض گلیاں اتنی تنگ و طویل تھیں کہ مجھے تاریکی میں ڈر معلوم ہونے لگتا تھا۔ کئی بار میں اپنے پیروں کی آواز سے چونک چونک گیا۔ بارہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی دبے پاؤں میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ میں مڑ کر پیچھے دیکھتا۔ لیکن گلیوں کی طویل و سیاہ خرطوم کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ بعض مکانوں سے روشنی کی مدھم شعاع نکل کر آس پاس کی بلند دیواروں پر پڑ رہی تھی جس کے ہلکے انعکاس سے گہری تاریکی میں ضعیف سی تسوح تنویر پیدا ہو جاتی تھی۔ اتنی خفیف کہ میں اپنے کوٹ یا ٹائی کا رنگ بھی نہیں معلوم کر سکتا تھا۔ تین چار دفعہ میرا پیر کیچڑ میں جا پڑا۔ اور ایک بار تو میں ایک بدرو میں گرنے سے بال بال بچا۔

اب کوچے طوالت کے ساتھ ساتھ بلند بھی ہوتے جا رہے تھے۔ اور زیادہ طویل و مسلسل تھے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ آس پاس کی اونچی دیواریں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سیاہ بادلوں سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ایک گلی اس قدر طویل اور تنگ شروع ہو گئی تھی کہ اس کو طے کرنے میں میرا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ ابھی میں اس میں چند قدم ہی گیا ہوں گا کہ ذرا فاصلے پر چند قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جھٹ میرے دل میں دفعتہ" خیال پیدا ہوا۔ اگر وہ مسلح ہوئے تو میں نہتا ان کا کیسے مقابلہ کروں گا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ مجھے ایسا معلوم ہوا گویا ان لوگوں نے بھی میرے پیر کی آواز سن لی تھی اور وہ میرے تعاقب میں دوڑ رہے تھے مجھے سناٹا آگیا۔ تمام جسم پسینے پسینے ہو گیا میں نے ایک موہوم امید پر پناہ کے لئے دیواروں کو ٹٹولنا شروع کیا کہ کوئی کھونہ جگہ مل جائے تو اس میں گھس پڑوں۔ ایکا ایکی میرا ہاتھ ایک بہت بڑے پھاٹک پر پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کواڑ خود بخود آہستہ سے کھلے اور ایک تاریک ترخلا پیدا ہوا۔ میرے اندر آتے ہی دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اس اثنا میں میرے تعاقب کنندگان مجھے ڈھونڈتے ہوئے وہاں سے گذر گئے۔ میں تقریباً دس منٹ تک دم بخود کھڑا رہا۔ اس کے بعد آہستہ سے میں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ مگر کس قدر حیرت ہوئی کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش ہی نہیں کرتا تھا۔ اندر کوئی نہ تو کنڈا تھا نہ کوئی درز تھی کہ جس کو پکڑ کر میں اس کو کھول سکتا۔ کواڑ نہایت وزنی اور چکنے تھے۔ میں نے مایوسی میں ناخن سے درز کو ٹٹولا۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ تھے گویا ایک ہی تختے کے بنے ہوئے ہوں۔ پھنس گئے۔ میں نے دل میں سوچا۔ جال میں آگئے۔

جب میں اس کھینچ تان سے بالکل تھک گیا تو تن بہ تقدیر تاریک ڈیوڑھی میں آگے بڑھا۔ اس پر اسرار مکان میں ہر طرف ایک لرزہ خیز سناٹا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن ایک بلند کمرے سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی تھی میں آگے بڑھا اور زینہ طے کر کے اوپر پہنچا۔ دل میں خوف تھا کہ خدا جانے اس مکان میں دوست ہے یا دشمن ہے۔ بہر حال اب تو آپھنسا تھا۔ دیکھئے کیسی گذرتی ہے۔

کمرے کے دروازے کے پاس جا کر میں ٹھٹکا۔ پھر قدرے تذبذب کے بعد بڑھ کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

میں ایک نہایت فراخ و آراستہ کمرے میں کھڑا ہوا تھا۔ جس کی دبیز دیواروں پر نہایت خوشنما تصاویر آویزاں تھیں جو غیر زمانہ قدیم کی صناعی کا بہترین نمونہ تھا۔ وسط میں ایک طویل و عریض آبنوسی میز پڑی تھی اور اس کے داہنی جانب نفیس قالین کا فرش تھا۔ چند تصاویر کے چوکٹے خالص ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تھے جن پر سنہری بیل بوٹے نہایت خوشنما نظر آرہے تھے۔ اس کمرے کے انتہائی بعد پر ایک آرام کرسی پڑی ہوئی تھی جس پر ایک باوقار بوڑھا آدمی دراز تھا اور مجھے حقارت کے ساتھ دیکھ رہا تھا اس کی تحقیر آمیز نظروں سے میرے خون میں غصہ کی حرارت پیدا ہو گئی۔ میں سینہ تان کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور صاف آواز میں بولا۔

معاف کیجئے۔ یہ ہماری ناگوار ملاقات بالکل اتفاقی ہے۔ میں حادثہ" یہاں آپھنسا ہوں۔ اور اب نہیں سمجھ سکتا کہ کیا کروں"

تم نے دروازے کو دیکھا کیسی عجیب و غریب شے ہے۔ پرانے زمانے کی صنعت ہے۔ میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ آخر تم آہی گئے۔ بڈھے نے

... بات بڑے سادہ لہجہ میں کہا۔

میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ آپ کی کل تقریر کا کیا مطلب ہے میرا انتظار؟ میں نے پیشتر کبھی آپ کو دیکھنے کی بدنصیبی حاصل نہیں کی ہے۔ پھر انتظار کیسا۔ میں پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں معلوم نہیں کس طرح یہاں آ پھنسا ہوں۔ اس میں میرے ارادے کو مطلق دخل نہ تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"بیٹھو صاحبزادے میں ابھی تمہاری جھوٹ اور شیطانی حرکات ثابت کئے دیتا ہوں۔"

اپنی اس توہین پر میں نے چاہا کہ اس ناشدنی کا گلا دبا دوں ایک تو میں مصیبت کا مارا دوسرے یہ بوکھلا میرا مذاق اڑائے میرے تیور بدلے دیکھ کر بوڑھا سمجھ گیا۔ اس نے زور سے پیر زمین پر مارا۔ دفعتہً پردہ ایک طرف ہوا۔ اور ایک درجن خوبصورت مسلح آدمی نمودار ہو گئے۔ بوڑھا میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور ان بدمعاشوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ہم پھر اکیلے رہ گئے۔ اس بوڑھے فرتوت پر حملہ کرنے کے یہ معنی تھے کہ میرے ٹکڑے اڑا دیئے جاتے۔ میں کانپ گیا۔ آخر سنجیدگی دلائل سے بولا!

"آخر یہ کیا مذاق ہے؟ یہ کیا مصیبت ہے جس میں ناکردہ گناہ مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ میں والد شریف سے آخر تک آپ کی ایک بات کا بھی مطلب نہیں سمجھا ہوں۔"

مکار بوڑھے نے زیر لب کہا "آؤ میں تم کو اس کا مطلب اب بوضاحت سمجھاؤں۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا اور لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ہم ایک طویل گیلری طے کر کے ایک دوسرے کمرے میں پہنچے بوڑھے نے دروازہ کھولا اور آگے وہ پیچھے ہم دونوں داخل ہوئے۔

"رضیہ" بوڑھے نے اپنی سامع خراش آواز میں کہا "یہ تیرے عاشق زار صاحب تشریف لے آئے ہیں۔" میں نے ایک کرسی پر ایک حسینہ کو بیٹھے دیکھا جس کی حسین آنکھیں ذور گریہ سے سرخ و متورم ہو رہی تھیں۔ اس کے گرد چار مسلح آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ حسینہ اس کریہہ آواز کو سنکر کھڑی ہو گئی۔ اور پہلے میرے پیروں کو پھر بتدریج نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی نشیلی آنکھیں جونہی میری جانب متوجہ ہوئیں مجھے ایسا معلوم ہوا گویا میرے دل میں نیزے کی انی اترتی چلی جا رہی ہے۔ میں مبہوت ہو کر اس کو دیکھنے لگا۔ دفعتہً حسینہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ یہ کہتی ہوئی کرسی پر گر پڑی۔

"یہ نہیں ہیں —— یہ نہیں ہیں —— یہ نہ معلوم کون بے گناہ ہیں۔"

"نہیں!" بوڑھے نے مڑ کر میری جانب دیکھا۔ دفعتہً "خاتون میری جانب مخاطب ہوئی۔" جناب آپ کی اس مداخلت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ میں نے پیشتر آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ پھر آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں؟" اس کی حسین آنکھوں سے غصہ کے آثار ہویدا ہونے لگے۔

"خاتون" میں نے مودبانہ کہا "میں نے ہرگز آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ بلکہ زبردستی یہاں لایا گیا ہوں۔ لیکن اب آپ سے نیاز حاصل کر کے حقیقتاً اپنے کو نہایت خوش نصیب سمجھ رہا ہوں۔ میں اتفاقاً یہاں آ پھنسا ہوں۔ اور یہاں آکر میں دیکھ رہا ہوں کہ یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں یا اس مکان کے رہنے والے سب پاگل ہیں۔" میرے ان الفاظ سے حسینہ کے بشرے پر سے غصہ کی حرارت کم ہو گئی۔ اور اس نے ایک بار اور اپنی شراب ریز نظروں سے مجھے نوازا۔

"دیکھو میاں صاحب زادے۔ یہ میری لڑکی ہے۔ میرا نام نواب نند علی خاں ہے۔ شاید تم نے سنا ہوگا۔ چونکہ تم اس لڑکی کو دیکھ چکے ہو اس لئے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ دو گھنٹے کے اندر اندر تم اس سے نکاح کر لو ورنہ بصورت دیگر تم کو پھانسی دیکر مار ڈالوں گا۔ اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی کہ تم کہاں گئے۔ اس لڑکی کو دیکھ لینے کے بعد میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور دیکھے۔ میں اس کو جنس بازاری نہیں بنانا چاہتا ہوں۔"

"جناب عالی اس عزت افزائی پر جس قدر میں ناز کروں کم ہے لیکن اگر آپ یوں جبریہ شادی کر کے اس خاتون کی اور میری توہین کر کے اپنے کسی انتقام کو پورا کر رہے ہیں تو واللہ میں دو گھنٹے کیا اسی وقت پھانسی کھا کر مر جانا پسند کروں گا۔ لیکن اس نیک نہاد حسینہ سے شادی نہیں کروں گا اس وقت تک نہیں کروں گا۔ جب تک وہ مجھے شریف، بہادر اور اپنی قابل قدر شخصیت کے لائق نہیں تسلیم کرے گی۔ جب تک وہ یہ نہیں سمجھے گی کہ اس کو میں فتح کرنے کے ہر طرح قابل ہوں اور اس کا خوش نصیب شوہر بننے کی عزت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"بیوقوف لونڈے! دو گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں سوچ لے۔" یہ کہہ کر بوڑھا ہم کو تنہا چھوڑ باہر چل دیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے سپاہی بھی نکل گئے۔

"محترم! آپ واقعی شریف انسان معلوم ہوتے ہیں آپ نے مجھے ذلت سے بچا لیا۔" حسینہ نے شرمائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"خاتون! یقین جانئے میری زندگی کا ماحصل مجھے مل جائے گا اگر میں آپ کی حسین شخصیت کے تحفظ میں اپنی جان دوں۔" میں نے فرط ادب سے کہا۔

"آپ بہادر انسان ہیں۔" اس نے شیریں لہجہ میں کہا پھر بولی۔ "آپ اپنی اس افتاد پر یقیناً متعجب ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے ایک پروفیسر صاحب محبت کرتے ہیں۔ اپنے ایک خط میں بیتاب ہو کر انہوں نے یہ لکھ دیا تھا کہ وہ مجھ سے چند لمحوں کے لئے ملنے کو بیقرار ہیں۔ چنانچہ میں رات کو دو بجے اپنے عالی شان محل کا دروازہ کھلا رکھوں۔ وہ آئیں گے چند

[illegible] ہوا جاتا ہے [illegible] کیا اک [illegible] انہوں نے

پہلے ہی اس وقت ظاہر کیا جب وہ غریب پروفیسر کو پھانسنے کا مکمل انتظام کر چکے تھے۔ مقدر کی بات ہے کہ وہ تو کسی وجہ سے نہ آئے اور آپ جانے کیسے آ پھنسے۔"

میں نے اس کو اپنے آ پھنسنے کا واقعہ سنایا تو وہ بولی "ابا آپ ہی کو پروفیسر سمجھے۔ لیکن شکر ہے اب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔"

اس اثنا میں ایک گھنٹہ گذر چکا تھا۔ خاتون نے مجھ کو دیکھا۔ اور گھبرا کر بولی "اے صاحب آپ کی زندگی کا صرف ایک گھنٹہ باقی ہے۔ یعنی ساٹھ منٹ۔"

"ہاں بہادر موت سے نہیں ڈرتے۔ حسینہ تمہارے والد کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ابھی ایسے شریف باقی ہیں جو اپنی جان قربان کر کے عورتوں کی توہین کا انتقام لے سکتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کی قیمت پر جبریہ شادی کی انسداد کر کے ثابت کر سکتے ہیں کہ عورت جب تک مرد کو شریف اور قابل محبت نہ سمجھے وہ کبھی اپنے کو ذلیل دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"لیکن میں آپ کو ـــ تم کو قابل نفرت نہیں سمجھتی۔" خاتون نے میرے قریب آ کر کہا۔

"شکریہ" میں نے مختصر جواب دیا۔

پندرہ منٹ تک ہم خاموش رہے۔ اس عرصے میں نازنین کبھی رونے لگتی اور کبھی بشاش ہو جاتی۔ آدھ گھنٹہ اور ـــ دس منٹ بھی گذر گئے۔ یعنی میری زندگی کے صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے۔ چونکہ میں ایک شریف کام میں جان دے رہا تھا اس لئے نہ تو میرے چہرے پر گھبراہٹ تھی اور نہ پریشانی۔ خاتون نے اس قلیل عرصہ کا احساس کر کے نہایت پریشانی سے کہا۔

"بہادر نوجوان میں اس تمہاری قربانی کو عمر بھر نہیں بھولوں گی میں عمر بھر شادی نہیں کروں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ تم کو تمہاری شخصیت کو اور تمہارے نام کو پوجتی رہوں گی۔ واللہ اب میں محسوس کر رہی ہوں تم واجب احترام و قابل پرستش انسان ہو۔ میں تم سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔"

اتنے میں باہر پیروں کی آواز آئی۔

تو پھر کیا میں بے وقوف ہوں کہ اپنی پجارن کو صدمہ دوں گا۔ جب تم مجھے شریف و بہادر سمجھتی ہو۔ مجھ سے محبت بھی کرتی ہو تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں مر جاؤں۔ میں تو اس لئے اپنی جان قربان کر رہا تھا کہ تم پر ثابت کر دوں کہ تم کو عیاشانہ فتح نہیں کر رہا تھا۔"

"میں تم کو نہیں مرنے دوں گی ـــ نہیں مرنے دوں گی" کہتی ہوئی خاتون میرے بازوؤں میں آ گئی۔ میں نے اس کو اپنے قریب کر لیا۔ دروازہ کھلا چار جلاد، ان کے پیچھے مغرور نواب صاحب داخل ہوئے۔ جلادوں نے ہم کو بغلگیر دیکھ کر تلواریں نیچی کر لیں اور بوڑھا نواب ہم کو ہم آغوش دیکھ کر لٹے پیر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

نمکدان اکبر

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے

ہوئی کیوں اسے اس قدر کامیابی،
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے

کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اس کے،
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے

نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز،
دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے

وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب برزباں ہے

کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے

نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

(اکبر الہ آبادی)

بادشاہوں کو کھری کھری سنانیوالے

تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ دنیا میں کبھی ایسے حق گو بھی موجود تھے جو جوش صداقت کے لئے اپنی زندگیاں تک خطرہ میں ڈال دیتے تھے سخت سے سخت مصائب برداشت کرتے تھے۔ لیکن حق گوئی کے مسلک پر قائم رہتے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں خود غرضی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ انسانوں میں اتنی جرأت ہی باقی نہیں رہی کہ وہ کلمۂ حق زبان سے نکال سکیں۔ حق گوئی کی جگہ خوشامد پسندی نے لی ہے۔ راست گوئی کے بجائے ڈپلومیسی کو زیادہ اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ تاریخ سے ہم بعض ایسے حق گو حضرات کے واقعات درج کرتے ہیں جنہوں نے اپنی حق گوئی کے مقابلہ میں بادشاہوں تک کی پرواہ نہیں کی ہے۔

مردوں کا ذکر کیا ہے۔ گزشتہ دور میں عورتوں میں اس قدر ہمت و جرأت تھی۔ کہ وہ حق گوئی کے مقابلہ میں بادشاہوں تک کی پرواہ نہیں کرتی تھیں امیر معاویہ کے دور حکومت کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ امیر معاویہ کو یہ معلوم ہوا کہ بنی کنانہ کی ایک عورت دارمیہ امیر معاویہ کے خلاف لوگوں میں نفرت و حقارت پھیلا رہی ہے۔ امیر معاویہ نے اس عورت کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دارمیہ کو لایا گیا۔ امیر معاویہ نے پوچھا اے دارمیہ میری حکومت میں تجھے کیا تکلیف ہے کہ تو میرے خلاف رعایا کو بھڑکا رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو علیؓ کی حامی ہے۔ لیکن اب علیؓ دنیا میں نہیں ہیں۔ اب میری حکومت ہے۔ یاد رکھ میری مخالفت تیرے لئے مفید نہیں ثابت ہو سکتی۔

دارمیہ نہایت خاموشی کے ساتھ امیر معاویہ کی گفتگو سنتی رہی اس کے بعد بولی "معاویہ تو بے شک بادشاہ ہے مگر ایک ایسا بادشاہ جس نے رعایا کے دلوں پر نہیں بلکہ جسم پر اپنی حکومت قائم کر لی ہے۔ تو نے ظلم اور جبر سے حضرت علیؓ کی حکومت پر قبضہ جمایا ہے۔ اگر تیرا ضمیر مردہ نہیں ہو گیا ہے۔ تو اپنے ضمیر سے پوچھ کر تو حق پر ہے۔ یا میں حق پر ہوں۔ میں حضرت علیؓ سے محبت رکھتی ہوں۔ اس لئے کہ وہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتے تھے مسکینوں کے کام آتے تھے۔ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔ اور تجھ سے بغض کی وجہ یہ ہے۔ کہ تو اپنے سے افضل اور بہتر انسان سے لڑا۔ اور جس حق کا تو مستحق نہ تھا۔ اس حق کا طالب ہوا۔ تو نے خونریزی کرائی۔ تو ظالم ہے جابر ہے۔ ستمگر ہے۔ اور تیرے خلاف نفرت پھیلانا میرا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے"۔

سلفِ ۹۱ھ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ ولید بن عبد الملک حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف گئے۔ اس زمانہ میں عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ کے گورنر تھے حکم ہوا کہ خلیفہ آتے ہیں۔ اس لئے سب لوگ مسجد سے باہر نکال دئے جائیں لیکن سعید بن مسیب ایک بزرگ ہزار کوشش کے باوجود بھی مسجد سے نہ نکلے جب خلیفہ مسجد کے دروازہ پر آگیا۔ تو پہرہ داروں نے کہا۔ خلیفہ آتے ہیں سلام کو اٹھئے۔ آپ نے جواب دیا خانۂ خدا میں صرف ایک ہی بادشاہ کا احترام ہو سکتا ہے۔ دوسرے بادشاہوں کا احترام نہیں کیا جا سکتا۔ مسجد میں آنے کے بعد شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ آپ بنی امیہ کے بادشاہوں کے خلاف برابر پروپیگنڈا کرتے رہتے تھے۔ آپ کی آزاد گوئی کی بدولت کڑاکے کی سردی میں آپ کے جسم پر ٹھنڈا پانی ڈال کر کوڑے لگائے گئے۔ قید کیا گیا اور طرح طرح کی تکلیفیں آپ کو پہنچائی گئیں۔ لیکن آپ حق گوئی سے باز نہ آئے۔

حجاج بن یوسف کوفہ اور عراق کا ایک نہایت ظالم گورنر ہوا ہے اس نے ہزاروں بندگان خدا کو بے جرم تہ تیغ کیا ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے دربار عام کیا اور اس میں خلیفہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اپنی بہادری اور جرأت کی بھی تعریف کی ایک عراقی عالم سعد بھی اس دربار میں موجود تھے آپ نے حجاج کی تقریر کے بعد جوابی تقریر کرتے ہوئے کہا "ولید کی حکومت بلا شبہ بہت وسیع ہے۔ اور ولید کا گورنر حجاج یقینی طور پر بہت جری ہے۔ لیکن بیا جری ہے۔ جس کی جرأت حق کے لئے صرف نہیں ہوتی۔ بلکہ دنیا کے لئے۔ حجاج تو بہادری کا دعویدار ہے کیا بہادری اسی کا نام ہے کہ تو نے کوفہ میں قتل و خون کے دریا بہائے؟ کیا پہلوانی اسی کو کہتے ہیں کہ تو نے خانہ کعبہ پر پتھر برسائے؟ تجھ کو اپنی گورنری پر ناز ہے۔ اور ہم تجھے قہر الٰہی سمجھتے ہیں۔ ہماری دعا ہے۔ کہ خدا ہم میں اتنی قوت پیدا کر دے کہ ہم تجھ جیسے ظالموں سے نجات حاصل کر سکیں"

سعد کی تقریر نے مجمع میں اس درجہ جوش پیدا کر دیا تھا۔ کہ حجاج کو جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ لیکن حجاج ضبط کئے ہوئے بیٹھا رہا اس وقت خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد موقع پا کر سعد کو قتل کرا دیا۔

خلیفہ معتضد باللہ ایک جابر حکمراں ہوا ہے۔ اس کے ظلم اور جبر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس نے سینکڑوں بے گناہوں کو دیوار وں میں زندہ چنوا دیا ہے۔ وہ اگرچہ بے حد ظالم تھا۔ لیکن اس مغالطہ میں مبتلا تھا۔ کہ میں بہت بڑا منصف مزاج ہوں۔ جو شخص اس خیال کی تردید کرتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ ایک روز معتضد بیٹھا ہوا تھا مقربین اور علما بھی موجود تھے۔ معتضد نے مقربین سے پوچھا کہ "رعایا کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟" سب نے کہا "ہر جگہ آپ کے انصاف کا چرچا ہے" عبد الدین حمدون جو اس زمانہ کے عالم تھے۔ وہ بھی دربار میں موجود تھے۔ انہوں نے جب مقربین کی یہ خوشامد پسندی دیکھی تو ان سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یہ سب جھوٹے ہیں۔ آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ رعایا کا ایک متنفس بھی آپ سے خوش نہیں" خلیفہ نے غضب ناک لہجہ میں پوچھا "سبب" عبد الدین حمدون نے جواب دیا۔ "اس حاکم سے کون خوش رہ سکتا ہے۔ جو ظالم ہو، جابر ہو اور جمہور کے جذبات کی پروا نہ کرتا ہو؟" خلیفہ منہ دیکھتا رہ گیا۔

مندرجہ بالا تاریخی واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ گزشتہ دور میں کیسے کیسے حق گو گزرے ہیں۔ لیکن موجودہ دور نے ہم کو بزدل بنا دیا ہے۔ اور اب ہماری حالت یہ ہے کہ حق بات کا زبان سے نکالنا بدترین گناہ خیال کرتے ہیں۔

قربانی

(از جناب سید مشتاق احمد صاحب کابری)

صفیہ اور نجمہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ ماں دونوں کی عمر میں ایک ڈیڑھ سال کا فرق تھا۔ قدرت نے دونوں میں امتیازی خصوصیت رکھی تھی۔ نجمہ کی گفتگو اگر غیروں کو مانوس کر سکتی تھی تو صفیہ کے رویے چن سے محلہ والے عاجز آ گئے تھے۔ کوئی دن ایسا گزرتا جب کہ وہ ایک محلہ کی عورتوں سے نوک جھونک نہ ہو لیتی ہو۔ بھیک منگوں نے صدا لگانا چھوڑ دیا تھا۔ اگر کاش کسی روز بھیک مل جاتی تو وہ سمجھتے کہ آج صفیہ گھر پر نہیں ہے۔ اول نمبر کی شوخ، غضب کی طرار، چنچل مزاج۔ کبھی دروازے میں تو کبھی کھڑکی میں۔ نجمہ گو صرف ڈیڑھ سال بڑی تھی مگر بالکل سیدھی سادی اور بھولی سادہ لوح۔ اس کو صفیہ کے نزدیک بیوقوف بنائے رکھتی تھی۔ گھر کی ہر بات میں پہلے صفیہ کا کودپڑنا ضروری ہوتا تھا۔ حالانکہ صائب رائے نجمہ ہی کی ٹھہرتی تھی۔ سب سے زیادہ نمایاں فرق یہ تھا کہ نجمہ اپنی نفاست کے باوجود دبلی پتلی، گورے رنگ کی تھی اور صفیہ موٹی بھدی سیاہ فام رنگ و روپ سے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں حقیقی بہنیں ہوں گی اس جسمانی اور اخلاقی فرق کے بعد بھی دونوں بہنوں میں کافی میل جول رہتا تھا۔ اور کھریلو اڑوسوں کے ماحول میں بھی محبت کا ثبوت ملتا تھا۔

ماں کی زندگی تک تو خیر و خوبی سے گذری مگر ماں کے رخصت ہونے کے بعد ان دونوں کو ایک نئے دور میں قدم رکھنا پڑا۔ ماں کی دلی آرزو پوری نہ ہو سکی اور وہ ان دونوں کو دوشیزہ ہی چھوڑ گئی۔ دن جاتے دیر نہیں لگتی۔ فیاض نے چھ ماہ تک ان تھک کوششیں کیں مگر ناکام رہا سب طرف سے روپیہ کی مانگ تھی اور وہ اتنی بڑی رقم دینے سے قاصر تھا چاروناچار لڑکیوں کی قسمت پر چھوڑ کر اس نے اپنی دوسری شادی کر لی اس چھ ماہ کی مدت میں نجمہ نے گھر کو اس طرح سنبھالا کہ فیاض کو کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ نجمہ ہی کی ذات تھی جو سارے کنبہ کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھی۔

صفیہ تو یوں بھی پاس نہیں پھٹکتی تھی اب بھلا انسہ کے آنے پر وہ کیوں ہاتھ بٹاتی کھانا تیار کرنا۔ فیاض و انسہ کو پنکھے جھل کر کھانا کھلانا، بچھانا، غرض کہ کوئی ایسا کام نہ تھا جو بغیر نجمہ کے ہو جاتا۔ اب اس کی حیثیت تنخواہ دار ماما کی حیثیت سے کم نہ تھی۔ انسہ کو اگر کچھ بھی اس سے محبت تھی تو صرف اس کے دل خوش کر دینے والے کاموں کی وجہ سے تھی۔ اسی طرح ڈیڑھ سال اور گذر گیا۔ صفیہ اور نجمہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ صفیہ اس کو ظاہر کر سکتی تھی مگر نجمہ برداشت کئے جاتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ دوسروں کے لئے جینا اور دوسروں کے لئے مرنا عین عبادت ہے۔ آخرش کسی نہ کسی طرح صفیہ نے اپنا بر خود ہی ڈھونڈ لیا اور وہ گھر سے چلی گئی اس واقعہ کو فیاض اگر کچھ اہمیت دیتا بھی تو انسہ اسے روک دیتی اور یہ کہہ کر ایک بوجھ اتر گیا ٹالتی رہتی۔

نجمہ کے پاس ایسی سفاکی کہاں تھی کہ وہ اپنا خاوند خود ہی تلاش کر لیتی اس کی قسمت ایک ایسے ماں باپ کے سپرد کی گئی تھی جن کو اپنی اسائش سے غرض تھی نجمہ رفتہ رفتہ گھلتی جا رہی تھی مگر اس کا احساس کسی کو کچھ بھی نہ تھا۔ رات کی تاریکی میں نجمہ جب اپنی زندگی پر غور کرتی تو پھوٹ پھوٹ کر روتی مگر والدین کی خدمت کو جنت کی کنجی سمجھ کر اپنے آپ کو صبر دیتی اس کی حالت ایک ایسے پھول کے مانند تھی جو بغیر کھلے مرجھا جاتا ہے۔ کچھ دنوں بعد انسہ بیمار پڑ گئی اور ایسی بیمار کہ زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ انسہ کی علالت کا حال سن کر صفیہ مع اپنے انتخاب کردہ خاوند کے ساتھ میکے آئی۔ کچھ نہ کچھ تیمارداری بھی نے کی۔ مگر رات رات بھر جاگتے رہنا نجمہ ہی کے ذمہ تھا۔ تین ہفتہ کامل محنت کے بعد انسہ کو صحت ہوئی مگر نجمہ تیمارداری میں ادھ موئی ہو کر بچی۔ انسہ کو اب بہت زیادہ نجمہ سے محبت تھی۔ چنانچہ اس نے پیغامات شروع کئے تاکہ نجمہ کا بوجھ بھی کاندھے سے اتار دے۔ انسہ کو وہ اب اپنی بچی سے ہرگز کم نہ سمجھتی تھی۔ قدرت بھی نئے نئے تماشے دکھلاتی ہے۔ ادھر میاں کریم (صفیہ کا شوہر) جو عیادت کو آئے تھے اور جن کو اپنی عادت کے مطابق ہر پھول کی خوشبو سونگھ لینے کے بعد کوئی دلچسپی نہیں رہتی تھی۔ ان کی نظر کرم اب نجمہ کی طرف جھک رہی تھی۔ نجمہ تو پہلے پہل ان کا مطلب مذاق کی حد تک ہی سمجھی مگر رفتہ رفتہ وہ نجمہ کو اصلی روپ میں نظر آنے یہ رنگ دیکھ کر نجمہ ششدر رہ گئی۔ وہ حیران تھی کہ کس طرح اپنی گلو خلاصی کرائے اور صفیہ کی زندگی برباد نہ ہونے دے۔ وہ شروع سے بڑی خود دار تھی۔ اور ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اسے اس نگاہ سے دیکھے۔ کچھ روز تک یہ راز دل ہی دل میں رہا مگر ایک روز جب میاں کریم ایک ساری زیادہ قیمت کی لائے تو یہ امر اور آشکارا ہو گیا۔ اور گھر والے بھی کچھ مشکوک رہنے لگے۔ ساری کی طرف نجمہ نے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ مگر منہ نازنہ پر ایک طور تازیانہ

[illegible] کی مسلسل جد وجہد سے بات چیت تقریباً ختم ہو چکی تھی اب صرف تاریخ مقرر کرنے کو باقی رہ گئی تھی۔ ادھر نجمہ موت و حیات کے درمیان میں تھی۔ بہرصورت ناچار انجمن نے ایک روز میاں کریم سے کہہ دیا کہ وہ ان کی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ کسی طرح صفیہ کا خاتمہ کر دیں۔ یہ سن کر میاں کریم بھونچکے سے رہ گئے اور بالکل مستعد ہو گئے۔ نجمہ اب ان کی ہر حرکت کا جائزہ بغور لینے لگی۔ دوسرے روز شب کو اس نے دیکھا کہ ایک گلاس بھرا ہوا طاق میں بحفاظت رکھا ہوا ہے۔ کریم کی نظر بچا کر وہ انجمن کے پاس گئی اور اچھی طرح دیکھ بھال کر اس کو اٹھا لائی۔ نصف شب گذر جانے پر انجمن نے دیکھا کہ میاں کریم وہ گلاس جس کو نجمہ نے اپنی طرف سے وہاں رکھ چھوڑا تھا، صفیہ کو زبردستی پلا رہے ہیں۔ صبح میاں کریم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ پولیس کی حراست میں ہیں جب کہ نجمہ کی لاش پوسٹ مارٹم کو جا رہی ہے۔

میں دولتمند ہوں

(از جناب پروفیسر حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی)

جو لوگ مجھ سے واقف ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ میرے نام کا ایک حبہ بھی امپیریل بنک یا اور کسی بنک میں جمع نہیں ہے اور نہ میں کسی کمپنی کا حصہ دار ہوں نہ میرا روپیہ سود پر چلتا ہے اور نہ میرے یہاں چاندی سونے کا انبار ہے۔ وہ جب اس مضمون کے عنوان کو دیکھ کر نیچے میرا نام پڑھیں گے تو بہت ہنسیں گے وہ کہیں گے گھر و بار میاں غلام اور حضرت کا تو یہ حال ہے کہ چوٹی کا پسینہ ایڑی تک آتا ہے۔ جب کہیں پیٹ میں پڑتی ہے اس پر کہتے ہیں کہ میں دولتمند ہوں۔

میں یہ سب کچھ سنوں گا۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ اس کی صداقت کو تسلیم کروں گا، اپنے دعوے پر ایک بار پھر غور کروں گا، آخر اسی نتیجہ پر پہنچوں گا کہ میں دولتمند ہوں۔

پولیس کہے گی یہ تازہ آفت آئی۔ اب ایک چوکیدار اس کے مکان کے گرد چکر کاٹنے کو چاہیئے۔ اگر ذرا چوہے نے بھی کھٹکا کیا تو پکار پڑ جائے گی "پولیس"! "پولیس"!!

جب اس عنوان پر چوروں کی نظر پڑے گی تو بہت خوش ہوں گے تازہ شکار آگیا۔ اب تک معلوم ہی نہ تھا، ہم تو سمجھتے تھے کہ اس کے پاس کیا رکھا ہے، اس نے تو خود ہی بھانڈا پھوڑ دیا، جو شخص اس قدر بے احتیاط اور بھولا ہو اس پر ہاتھ صاف کرنا کیا مشکل ہے۔

میں ان سب کی باتیں سنوں گا، دل ہی دل میں ہنسوں گا۔ اور ایک بار پھر کہوں گا کہ میں دولتمند ہوں۔

اگر اس سرخی پر کسی انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی نظر پڑ گئی تو جہاں کہیں بھی ہو گا ہو کھلا کر سیدھا میرے گھر کا ٹکٹ لے گا اور سارے راستے سوچتا چلا آئیگا کہ یہ کہوں گا، یوں اونچ نیچ دکھاؤں گا، غرض جس طرح ہو گا اس شکار کو جال سے نہ نکلنے دوں گا۔

اس عنوان کو دیکھتے ہی اشتہاری دوا فروش کی باچھیں کھل جائیں گی فوراً نوٹ بک نکال کر میرا نام درج کر لیا جائے گا، مالدار ہے، دولتمند ہے ضرور روگی ہو گا، صحت ہرگز ٹھیک نہ ہو گی، سارے اشتہار بھیجوں، مگر قیمتوں میں اضافہ کر دینے کی ضرورت ہے، کم قیمت دوائیں ہرگز نظر میں نہ آئیں گی۔

میں ان سب کے خیالات کا مطالعہ کروں گا۔ دل ہی دل میں ہنسوں گا۔ اور ایک بار پھر کہوں گا کہ میں دولتمند ہوں۔

(۲)

میری دولت کو زوال نہیں، میرے مال کو ضرر نہیں، مجھے چور کا کھٹکا نہیں میں دولتمند ہوں۔

جب پردۂ سحر سے سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں نکلتی ہیں اور کھیتوں میں باغوں میں سونے کی بکھیر کرتی ہیں اور پتہ پتہ کونپل کونپل سونے کی ہو جاتی ہے تو مجھے اپنی دولتمندی کا احساس ہوتا ہے۔

جب صبح کے وقت چھوٹے چھوٹے پودوں کے پتوں پر شبنم موتیوں کی بکھیر کرتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب میرے ہی لئے ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہوں کہ میں دولتمند ہوں۔

جب شام کے وقت میں دریا کے کنارے سیر کے لئے جاتا ہوں اور غروب ہونے والے آفتاب کی کرنیں دریا کے پانی پر سونے کی چادریں بچھا دیتی ہیں تو میرا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس وقت میرے مال و دولت کا اندازہ مشکل ہے۔

جب رات ہوتی ہے اور ماہتاب ہر چیز پر چاندی کا ملمع کر دیتا ہے تو میری دولت کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

جب آدھی رات کے وقت ہر طرف خاموشی طاری ہوتی ہے اور آسمان پر بے شمار تارے جھلملاتے ہیں تو مجھے اپنے خزانہ کی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

میری دولت کو زوال نہیں، میرے مال کو ضرر نہیں مجھے چور کا کھٹکا نہیں، میں دولتمند ہوں۔

جب بچے میرے اردگرد کھیلتے ہیں۔ جب وہ میرا دامن پکڑ کر کھینچتے ہیں، جب وہ میرا کہنا نہیں سنتے، جب میری دوات کی سیاہی بکھیر دیتے ہیں، اور میری کتابوں کے ورق پھاڑ ڈالتے ہیں تو مجھے اپنی دولت کا احساس ہوتا ہے۔

جب دوست احباب سامنے ہوتے ہیں، جب شکوے ہوتے ہیں، شکایتیں ہوتی ہیں۔ جب محبت کے دریا لہریں لیتے ہیں تو مجھے اپنے مال و متاع پر ناز کرنے کا موقع ملتا ہے۔

میری دولت کو زوال نہیں، میرے مال کو ضرر نہیں مجھے چور کا کھٹکا نہیں، میں دولتمند ہوں۔

مُردے کا شوقِ حنا

(حاجی لق لق کے قلم سے)

اللہ دونوں کو غریقِ رحمت کرے۔ قاضی سیامک علی اور ہمارے والد چند گھامیں آپس میں بہت گہرے دوست تھے۔ ہمارے والد پٹواری تھے۔ اور قاضی صاحب پولیس کے پنشنر۔ والد صاحب عصر کے وقت جب ہمارے مکان کے باہر پیپل تلے بچھا بابا جان ایک بڑی چارپائی پر جمعبندی خسرہ گرداوری۔ روزنامچہ واقعات۔ روزنامچہ کارگزاری۔ رجسٹر انتقال اور چار خانہ بکھیرے بیٹھ جاتے۔ جاہی اور بارانی پیداوار کی میزان کیا کرتے تھے۔ تو قاضی صاحب دوسری چارپائی پر بیٹھے حقہ کا کش پر کش لگاتے اور اپنے ایامِ ملازمت کے کارنامے بڑے فخریہ لہجہ میں سنایا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ ایک دفعہ میں نے تن تنہا دس ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور بالآخر ایک ایک کو پکڑ کر انہی کی پگڑیوں سے انہیں جکڑ لیا۔ یا یہ کہ ایک چوری کا سراغ لگانے میں بارہ میں صاحب بھی ناکام رہے۔ لیکن آپ کے اس خادم نے معمولی تفتیش کے بعد مال برآمد کر لیا۔ اور ملزموں کو گرفتار کر لیا وغیرہ۔

ہم کم عمر تھے۔ لیکن قاضی صاحب کی داستانوں کا ایسا کن رس ہو گیا تھا۔ کہ جب بھی وہ اپنے کارنامے سناتے تھے ہم کہیں آس پاس ان سے لطف اٹھانے کے لئے ضرور موجود ہوتے تھے۔ کبھی کبھی بات کرتے کرتے قاضی صاحب ہمیں کھسک جانے کے لئے بھی کہہ دیتے تھے۔ یا چلم بھروانے کے بہانے سے ٹرخا دیا کرتے تھے۔ لیکن ہم بچپن ہی سے ذہین واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے فوراً تاڑ جاتے تھے کہ قاضی صاحب کی یہ کہانی یا اس کا کچھ حصّہ ہمارے سننے کے لائق نہیں۔

ایک روز قاضی صاحب نے چلم خلاص کرتے ہوئے کہا: "منشی جی کیا سناؤں کہ جوانی کے عالم میں کس قدر حوصلے رکھتے تھے۔ آج کل کے لونڈوں کو خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ کہ ذرّہ بھر جرأت نہیں (ہماری طرف اشارہ کر کے) ذرا انہیں میاں صاحبزادے سے کہہ کے دیکھو۔ کہ مغرب کے بعد ذرا دو ہرٹہ کنوئیں کے چوبچے سے چند ٹھیکریاں توڑ لائے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ خواہ آپ ایک آنے کی ریوڑیاں انعام رکھیں۔ یہ کبھی نہ جائے گا۔"

ابا جان نے اپنی گردن جھکا کر عینک کے اوپر سے ہماری طرف دیکھا۔ اور کہا "کیوں بیٹا! ہے حوصلہ؟"

ہم ایک خاموش ہنسی کے ساتھ شرما کر رہ گئے۔

قاضی صاحب نے حقّے کی نَے ہمارے والد کی طرف پھیر کر اپنی داستان یوں شروع کی:۔

گورداسپور کا واقعہ ہے۔ میں ان دنوں کانسٹیبل تھا۔ اور میری جسمانی طاقت اور حوصلے کا شہرہ ضلع بھر کی پولیس میں تھا۔ ایک دن ایک گاؤں سے اطلاع آئی۔ کہ کسانوں کے دو گروہوں میں نہر کے پانی پر سخت لڑائی ہوئی ہے۔ جس میں کئی آدمی ہلاک اور کئی مجروح ہوئے ہیں۔ تھانیدار صاحب ہم چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ دس آدمی کھیت رہے ہیں۔ اور پندرہ بیس زخمی ہوئے ہیں۔ حکمانہ کارروائی کی گئی۔ کئی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ اور ہم نے دس مردوں کی چارپائیاں اٹھوائیں اور گرفتار شدگان کو ہمراہ لے کر گورداسپور کا رخ کیا۔

گورداسپور پہنچ کر مردوں کو ہسپتال مردہ خانے میں رکھوایا۔ اور گرفتار شدگان کو حوالات میں بند کیا۔ رات ہوئی تو میری ڈیوٹی ایک حوالدار اور تین سپاہیوں کے ساتھ مردوں کی نگرانی پر لگی۔ مردہ خانہ مقفل تھا جس کے باہر ہم سپاہیوں نے تین تین گھنٹے پہرہ دینا تھا۔ اور حوالدار نے متصل کی کوٹھڑی میں رات بھر پاؤں پھیلا کر سونا تھا۔

سردیوں کی تاریک رات تھی۔ اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہم میں سے ایک سپاہی مُردہ خانہ کے باہر پہرے پر ڈٹا ہوا تھا۔ اور ہم تین آدمی اور ایک حوالدار کوٹھڑی میں بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔ حوالدار اپنی داڑھی کو مہندی لگا رہا تھا۔ کیونکہ اگلی صبح کو اس نے پیشی کے لئے کپتان صاحب کے پیش ہونا تھا۔ باتوں باتوں میں حوصلے اور جرأت کا ذکر آ گیا۔ اور حوالدار نے کہا۔ کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دس مردوں کے ہاتھوں میں تھوڑی تھوڑی مہندی لگا آئے۔ تو میں اسے چار آنے کی مٹھائی کھلواؤں گا۔

باقی سپاہی تو خاموش رہے۔ لیکن میں نے اچھل کر کہا "کہئے یہاں چار آنے میں ابھی مہندی لگا آتا ہوں۔ حوالدار نے کہا۔ کہ بھئی تمہیں پیسوں سے کیا غرض؟ مٹھائی ابھی آئی جاتی ہے۔ تم تیار ہو جاؤ۔

میں تیار ہو گیا۔ اور حوالدار نے کرم الدین سپاہی کو چار آنے دے کر کہا "جاؤ اگر کوئی دکان کھلی نہ ہو۔ تو کسی دکاندار کو جگا کر بھی مٹھائی لے آؤ۔"

میں نے اپنا ڈنڈا بغل میں دبایا۔ اور کہا "لیجئے میں جاتا ہوں۔ لیکن حوالدار بولا۔ ٹھہرو میاں رستم۔ اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ ذرا مجھے ڈاڑھی باندھ لینے دو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ تمہارا کیا بھروسہ ہے۔ کہ پہرہ دار کو ساتھ لے کر مُردہ خانہ کے اندر جاؤ۔ شرط تو یہ ہے۔ کہ اکیلے

...سامنے اندھیرے میں جا ڈالا

میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور حوالدار نے ہتھکڑی باندھنے پر پندرہ منٹ صرف کر دیئے۔ اتنے میں باہر سے سنتری کی آواز آئی کون ہے؟ اور میں سمجھ گیا کہ مٹھائی والا آ گیا۔ لیکن سنتری کو شاید یونہی کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی تھی۔

حوالدار نے ہندی کا کٹورہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ اور میں بغل میں ڈنڈا دبائے ان کے ہمراہ باہر نکلا۔ دوسرا سپاہی بھی ساتھ ہو لیا۔

دروازہ پر پہنچ کر حوالدار نے سنتری سے مردہ خانے کی چابی لے کر میرے ہاتھ میں دیدی۔ اور خود دونوں سپاہیوں کے ساتھ دو قدم ہٹ گئے۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر قفل کھولا۔ میری آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا تھا۔ اور میں کچھ تھوڑے سے مُردوں کی دس چارپائیاں دیکھ پاتا تھا۔ میں ٹٹول ٹٹول کر پہلے مُردے کے سرہانے پہنچا۔ اور اس کا سرد ہاتھ تھام کر میں نے اس پر تھوڑی سی ہندی لگا دی۔ اس کے بعد دوسری چارپائی کے سرہانے گیا۔ پھر تیسری کے پاس اور پھر چوتھی کے پاس۔ اتنے میں میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں۔ اور کچھ تو دروازے سے اور کچھ کھڑکیوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس لئے اب مجھے چارپائیاں اور مردے صاف نظر آ رہے تھے۔

میں چوتھے مردے کے ہاتھ کو ہندی لگا چکا تھا۔ کہ دفعتاً پچھلے مردے نے ہاتھ بڑھایا۔ اور ہلکی سی آواز آئی "مہربانی کر کے..."

میں نے بغل سے ڈنڈا نکالا۔ اور پھرتی سے مُردے کے ہاتھ پر رسید کر کے کہا "نامعقول اپنا نمبر بھی نہیں پہچانتا؟ جانتا نہیں۔ کہ ابھی نمبرہ باقی ہے۔ اسے چھوڑ کر تیرے پاس کیسے آ جاؤں؟"

مُردے کا ہاتھ گر گیا۔ اور میں نے مُردہ نمبرہ سے فارغ ہو کر اس کے ہاتھ کو ہندی لگائی۔ اس کے بعد باقی تمام کا کام پورا کر کے میں بڑی شان کے ساتھ باہر نکلا۔ میرے ساتھی کہیں دور کھڑے تھے۔ میں نے انہیں آواز دی۔ کہ آؤ اندر آ کر دیکھ لو۔ حوالدار اور دونوں سپاہی مُردہ خانہ کی طرف بڑھے اور میں اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا۔

چند منٹ کے بعد یہ لوگ بھی اپنا اطمینان کر کے کوٹھڑی میں آئے اور میری ہمت کی داد دینے لگے۔ اتنے میں کرم الدین سپاہی بھی ہاتھ کو تولئے میں چھپائے داخل ہوا۔ اور میری باچھیں کھل گئیں۔ کہ مٹھائی آ گئی۔ لیکن کرم الدین نے تولیہ ایک طرف پھینک کر کہا "ظالم تو نے تو میرا ہاتھ توڑ کے رکھ دیا!!"

میں نے ہاتھ کو غور سے دیکھا۔ ہاتھ سوج گیا تھا۔ اور اس پر میرے ہاتھ کی لگائی ہوئی ہندی بھی موجود تھی۔

میں نے اس کے حوصلے کی داد دی۔ اور چار آنے اسے بخش دیئے (دانی)

شعرائے محشرِ خیال کی رنگیں بیانیاں

چارہ گر اس فکر میں ہیں دردِ دل کچھ کم کریں
دل کی یہ خواہش کہ ہر تدبیر صرفِ غم کریں

عشق میں خوں ہو گئیں ارماں لٹے دل مٹ گیا
غم کی کوئی حد بھی ہے کس کس کا آخر غم کریں

وہ مری تقدیر پر الزام رکھ کر مل دیئے
کس سے اب ہم شکوۂ ناکامیٔ پیہم کریں

ڈوبنا ٹھہرا تو کیسی ناخدا کی جستجو!
خوف کیا گرداب کا ساحل کا پھر کیوں غم کریں

کھو گئے ہم تجھ سے اے دل ہم سے تو کھویا گیا
عمر بھر اب تو ہمیں رو رو ہم ترا ماتم کریں!

دل کے ٹانکے ٹوٹتے ہیں۔ ٹوٹنے دے چارہ گر
ہم سے ناممکن ہے ہم جوشِ تمنا کم کریں

پھر ہر اک کانٹا نظر آنے لگے "جانِ بہار"
پھر طلسمِ رنگ و بو کو درہم و برہم کریں

درد سے خالی ہے دل بے کیف ہیں سجدے ترے
آئیے زاہد رموزِ عشق سے محرم کریں

اب وہ گھبراتے ہیں کیوں؟ دل کی تباہی دیکھ کر
ان سے یہ کس نے کہا تھا؟ دل کا یہ "عالم" کریں

دل میں وحشت اب وہ پہلی سی کسک باقی نہیں
اٹھ چاہِ عشق میں پھر جستجوئے غم کریں

تیرؔ ہے اور جلوۂ عیار سو ہے
نہ اب جستجو ہے نہ اب آرزو ہے

محبت ہی قاتل محبت ہی بسمل
نہ خنجر ہے ان کا نہ میرا گلو ہے

محبت میں ہوں بے نیازِ آرزو سے
محبت خود اپنی جگہ آرزو ہے

محبت کی ہے ایک ایسی بھی منزل
محبت ہے جس میں نہ میں ہوں نہ تو ہے

وہ گل جس سے ہے رنگ و بوئے دو عالم
بظاہر جو دیکھو تو بے رنگ و بو ہے

ہمیں جب سے ساقی نے اپنا لیا ہے
شراب اپنی، جام اپنے، اپنا سبو ہے

میں ان کی ادائیں سمجھتا ہوں بسملؔ
نہ ہے دوست کوئی نہ کوئی عدو ہے

لغزشِ میخانہ ہے موج ہوا برسات کی
گیسوئے مشکیں ہے اے ساقی گھٹا برسات کی

ساغر و مینا سے ہے نشو و نما برسات کی
گلشنوں میں موج کرتی ہے ہوا برسات کی

جھوم کر اٹھنے لگی کالی گھٹا برسات کی
پھر دل میں لہریں لیتی ہے ہوا برسات کی

جب گھڑی زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے اس شوخ کے
گھٹتے گھٹتے۔ گھٹ گئی بالکل گھٹا برسات کی

سرخروئی ایک مدت پر ہوئی مجھ کو نصیب
کوئی ہاتھوں میں لگاتا ہے حنا برسات کی

برقِ حسن و برقِ چشم و برقِ دندان برقِ دل
برق تڑپاتی ہے ہر برقِ ادا برسات کی

آسماں پر ہے دماغ اس کا اسی سے روز و شب
ماری ماری پھرتی ہے کالی گھٹا برسات کی

سرخ پوشانِ چمن سے ہو کے اے اعجازؔ آج
خون میں ڈوبی ہوئی آئی ہوا برسات کی

جاتا ہوں خوش خوش عرضِ تمنا سے ہوئے
جس طرح کوئی شکوہ بے جا سے ہوئے

کچھ زہد و پارسائی نہ تقویٰ لئے ہوئے
میں ہوں ترے کرم کا بھروسا لئے ہوئے

ہر حال میں ہے عشق تمنا لئے ہوئے
اور حسن ہر ادا میں تقاضا لئے ہوئے

آدابِ بزمِ ناز کی دشواریاں نہ پوچھ
دل جا سکے جہاں نہ تمنا لئے ہوئے

ثابت قدم رہنا کوئی عشق میں مگر
ہے زندگی اجل کا سہارا لئے ہوئے

قربان تیری دین کے کیا دے دیا مجھے
دل اور دل بھی عشق کا جذبہ لئے ہوئے

اب وہ میں اور نوازشِ تسکین دو جہاں
ہر دل ہے اضطراب تمنا لئے ہوئے

بیٹھے ہوں دل میں جذب سما ہوں نگاہ میں
جلوے ہیں یہ عجیب کرشمہ لئے ہوئے

کوئی تری جفا سے ہے بیزار زندگی
کوئی تری جفا کا سہارا لئے ہوئے

او جلوہ ریز دیکھ تری جلوہ گاہ سے
میں جا رہا ہوں حسرتِ جلوہ لئے ہوئے

کیا قہر ہے کہ طاقتِ دیدار بھی نہیں
اور دل ہے دید کی بھی تمنا لئے ہوئے

او مرادِ عشق ذرا دیکھ تو ادھر
ایک اک نظر پیامِ تمنا لئے ہوئے

کچھ اور ذوقِ عشق سے لینا نہیں مجھے
تیرے لئے ہوں تیری تمنا لئے ہوئے

اپنے لئے کو حشر میں سے کر سب آئے ہیں
حاضر ہوں میں بھی تیری تمنا لئے ہوئے

رہتا ہے مضطرب دلِ مشتاق اے شکور
شوقِ طوافِ گنبدِ خضرا لئے ہوئے

وہ ذرہ ذرہ کے دل میں سمائے جاتے ہیں
تجلیات کا عالم بڑھائے جاتے ہیں

اب آ کے قبر پہ آنسو بہائے جاتے ہیں
مٹا چکے ہیں مگر پھر مٹائے جاتے ہیں

نظامِ دہر نہ ہو جائے درہم و برہم
بلاکشانِ وفا آزمائے جاتے ہیں

خیال ہی نہ رہے مجھ کو اپنی ہستی کا
کچھ اس ادا سے وہ دل میں سمائے جاتے ہیں

بہیں گے حشر میں بن کر یہی تو بحرِ کرم
گنہ کے بعد جو آنسو بہائے جاتے ہیں

زہے غرور مجھے پا کے پائمالِ ستم
نگاہ نیچی کئے مسکرائے جاتے ہیں

یہ کیا ادا ہے یہ انداز کس سے سیکھے ہیں
کہ بات بات میں آنسو بہائے جاتے ہیں

کہاں کے ساغر و پیمانہ و صراحی و مینا
اس اک نگاہ میں میخانے پائے جاتے ہیں

شکستہ دل کی یہ وقعت کہ ایک اشارے میں
حریمِ حسن کے پردے اٹھائے جاتے ہیں

جنہیں تو ڈھونڈ رہا ہے خدائی میں اے ورد
وہ تیرے جسم کی رگ رگ میں پائے جاتے ہیں

انجام یہی ہوتا ہے

(از مسٹر سیلوک رام باصر)

دیال بدصورتی کا بدترین نمونہ تھا۔

ہر انسان کے جسم میں کوئی نہ کوئی چیز دلکش ہوتی ہے۔ مگر وہ ہر لحاظ سے بدنما تھا۔ مہاتما گاندھی کا ڈھانچہ۔ سوکھے ہوئے دھڑ پر بڑا سا سر سر پر کھردرے اور بھدے بال۔ زرد زرد اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں جن میں کوئی کشش نہ تھی چہرے کی ہڈیاں۔ ابھری ہوئیں۔ گوشت کا نام نہ تھا۔ صرف کھال منڈھی نظر آتی تھی۔ موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں پر ہر وقت پیڑیاں جمی رہتی تھیں۔ ناک چپٹی کچھ آگے کو جھکی ہوئی۔ بن مانس کی طرح گردن۔ غرضیکہ دیال کو دیکھ کر دل میں نفرت پیدا ہوتی تھی۔ اس پر مصیبت یہ کہ وہ ان پڑھ تھا۔ اور ایک ایسے باپ کا بیٹا جسے پالنے کی خاطر دن بھر لوہار کا کام کرنا پڑتا تھا۔ جب کبھی اس کا باپ اسے کام میں مدد دینے کے لئے کہتا۔ تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے باہر بھاگ جاتا اور ندی کے کنارے بیٹھا سارا دن گیلی مٹی سے مکان بنایا کرتا تھا۔ یا کوئلے سے دیواروں پر نقش و نگار بنا بنا کر مٹا دیتا تھا۔ اس کے چند دوست بھی تھے جو محل بنانے میں اس کی مدد کرتے اور گیلی مٹی کے ڈھیر اس کے آگے لگا دیتے تھے۔ وہ اس کام کو کمال انہماک سے کرتا تھا۔ لڑکے اس کی چابکدستی کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے۔ اس کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تصویروں اور مٹی کی مورتیوں کی گاؤں کے بڑے بوڑھے بھی تعریف کرتے تھے۔ مگر اس کے دنیادار اور غریب باپ کو اس کی ان حرکتوں سے بے حد نفرت تھی جب اسے یقین ہو گیا کہ دیال آوارگی نہیں چھوڑ سکتا۔ تو ایک دن اچانک اس نے اسے اپنے گھر سے نکال باہر کیا۔ دیال کی ماں نے سب کچھ سنا مگر کیا کر سکتی تھی۔ کلیجہ مسوس کر رہ گئی۔ سنگدل باپ کا دل ذرا بھی نہ پسیجا۔

(۲)

دیال چلا گیا۔ دس برس گزر گئے۔ اس کے شکھ دکھ کا کسی کو کچھ خیال نہ رہا۔ وہ مر گیا یا جیتا ہے۔ بیمار ہے یا تندرست۔ یہ معلوم کرنے کی کسی نے کوشش نہ کی۔ دنیا بیکار اور نالائق کی کیا پروا کرتی ہے۔ آہستہ آہستہ دیال کی یاد بھی گاؤں والوں کے دلوں سے اتر گئی۔ صرف ایک ہستی تھی جو اس کے لئے اب بھی بے قرار تھی۔ اس کی بہتری کے لئے دعائیں مانگتی تھی اس کی جدائی میں سرد آہیں بھرتی تھی وہ اس کی ماں تھی۔ ماں کبھی نہیں بھولتی۔ خواہ تمام دنیا فراموش کر دے۔ اپنے شوہر سے چھپ کر وہ اپنے دیال کی واپسی کی دعائیں مانگتی تھی۔ "بھگوان ایک بار میرے دیال کا منہ دکھا دو۔ وہ نالائق ہی سہی مگر میرا لال ہے۔"

آخر دس برس کے بعد ایک دن اچانک گاؤں میں سنسنی پھیل گئی۔ دیال واپس آ گیا اب وہ بڑا امیر بن گیا تھا۔ اور تمام ملک میں بہترین مصور اور انجنیئر مانا جاتا تھا۔ دس برس تک وہ اسی فن کو حاصل کرتا رہا۔ اور چند دن پہلے مہاراجہ جے پور کے سامنے اپنے کمال فن کا اظہار کر چکا تھا۔ جس کے صلے میں اسے بہت سی دولت اور سرٹیفکیٹ ملے تھے۔ آج اس کی ماں نہال ہو گئی۔ سنگدل باپ اپنے نالائق بیٹے پر نثار ہونے لگا۔ دنیا خود غرض ہے۔ دس برس پہلے جس نالائق کو نہایت بے دردی سے گھر سے نکال دیا تھا۔ آج وہی دیال خاندان کا نام روشن کرنے والا بن گیا۔ ریت کی دیواریں بنانے والے نے سونے کی دیوار کھڑی کر دی۔ ملک بھر میں اس کی تعریفیں ہونے لگیں۔ جے پور میں اس کے کمال فن کے اظہار سے ملک بھر کے کاریگروں میں اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ سب اس کی عزت کرنے لگے۔ ہر طرف سے مانگ ہونے لگی مگر جے پور کی نمائش کے بعد دیال کہیں نہ گیا۔ اس نے حسب سابق چند دوست بنا لئے۔ اور ایک بار پھر ندی کے کنارے آنے جانے لگا۔ سارا سارا دن وہیں بیٹھا ریت کے محل بناتا تھا۔ اگر کوئی اس سے کہتا کہ "تم کسی راجہ کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے" تو اس کے بدنما چہرے پر نفرت کی ایک ہلکی سی لہر پیدا ہوتی اور وہ اپنی بدصورت ناک سکیڑ کر کہتا۔

"ان امیروں کو فن کی کیا پہچان۔ وہ تو اپنے پیسوں سے کام لینا جانتے ہیں۔ اور مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو ندی کا پانی اور ریت جب تک ملتی رہے گی۔ میں کہیں نہ جاؤں گا۔ میرے لئے یہ ریت کے محل اور کوئلوں کی تصویریں ہی سب کچھ ہیں"

اس کی باتیں سن کر لوگ سمجھتے کہ دیال ہنوز پاگل ہے۔ اور اسے دنیاداری کی کوئی سدھ نہیں۔ آئی دولت کو ٹھکرانا اور ریت کے محل بنا بنا کر خوش ہونا بے وقوفی اور جنون نہیں تو کیا ہے۔

(۳)

ناوج کماری اپنے جنبلی جیسے سفید اور کنول کی پنکھڑی کی مانند نازک بدن پر ہلکے رنگ کی دھانی ساڑھی پہنے بیٹھی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ

آنکھیں فرش پر جھکی ہوئی تھیں۔ قریب ہی اس کا بوڑھا باپ بیٹھا تھا۔

"بچی" مہاراج نے بابو سے پوچھا "اسے بڑی کس بات کی ہے جو متوش لگ رہی ہو۔ اپنے راجکماری کی شادی کے لئے اسے مرتبہ میں تو نے ہی منظور کر لیا ہے۔ پھر سوبات شروع کرنے کی اجازت ہوں نہیں دی۔ اب اور کیا چاہتی ہو؟"

آہستہ آنکھیں اٹھا کر راجکماری نے جواب دیا۔

"پتا جی۔ معاف کیجئے۔ دیر کی معافی میں نہیں آپ سے۔ آپ کو اپنے وعدے تو یاد ہوں گے؟"

"کیا ـــــ؟" مہاراج نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ نے جو چیزیں مجھے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سیاوہ آپ نے پورا کر دیا۔ ایک خاص چیز تو مجھے ابھی تک ملی ہی نہیں۔"

"اور کیا باقی ہے بیٹا۔" میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اچھی تعلیم دلاؤں گا۔ بڑے بڑے ملکوں کی سیر کراؤں گا۔ وہ تیرے لئے تیری مرضی کے مطابق اچھا سا ور ڈھونڈ دوں گا۔ یہ سب باتیں میں نے پوری کر دی ہیں۔ اب اور کیا باقی ہے؟"

اور وہ شیش محل بھول گئے۔

"اوہو!" مہاراج نے حیرانی سے کہا۔ "میں واقعی بھول گیا۔ بیٹا کتنی ضروری چیز تھی۔ بچی! یہ سب بڑھاپے کا قصور ہے۔ اسی برس کی عمر ہو گئی ہے عقل اور حافظہ نے جواب دے دیا۔ صرف تمہیں کو دیکھ کر جیتا ہوں ورنہ مجھ میں اور کیا ہے! اچھا میں اس کام کو بھی انجام دیتا ہوں۔"

(۴)

ایک مہینہ گزر گیا۔ مہاراج ناشتہ کر رہے تھے۔ راجکماری پاس بیٹھی تھی کھاتے کھاتے یکایک انہیں خیال آیا۔ انہوں نے وزیر کو بلانے کا حکم دیا۔ چند لمحے بعد سلطنت کا سب سے بڑا رکن سر جھکائے اندر داخل ہوا۔

"کیا خبر ہے" مہاراج نے پوچھا۔ "کاریگر آ گئے۔ کام شروع ہوا۔ اب دیر ناگوار معلوم ہو رہی ہے۔ شیش محل جلد تیار ہونا چاہئے۔"

مہاراج کی باتیں سن کر راجکماری کی آنکھیں فرطِ مسرت سے ناچ اٹھیں۔

"تمام ملک کے چنے ہوئے کاریگر آ گئے ہیں" وزیر نے آہستہ سے مہاراج کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "مگر .... مہاراج ...."

"ہاں۔ ہاں کہو جب سب آ گئے ہیں۔ تو دیر کیا ہے۔ کہو" مہاراج نے جلدی سے پوچھا۔

"مہاراج! دیر کا اور کوئی باعث نہیں صرف کاریگر کہتے ہیں مشہور مصور دیال کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ آ جائے۔ تو کام میں زندگی پڑ جائے اس وقت دیال ہی ملک کے انجینیروں اور مصوروں کا سرتاج مانا جاتا ہے۔ مگر .... مہاراج ....!

"اوہو! راجکماری نے کہا "دیال آج کل سب سے بڑا مصور اور انجینیر مانا جاتا ہے۔ اور اس کو تم نے نہیں بلایا۔ کیوں؟"

"مہاراج" وزیر نے نظریں جھکا کر کہا "دیال بڑا ضدی اور مغرور ہے اسے تمام راج درباروں سے دعوتیں آتی ہیں۔ مگر وہ انہیں ٹھکرا دیتا ہے۔ ایسا ماہرِ فن ہو کر بھی وہ اپنے گاؤں سے باہر نہیں جاتا۔ اپنے حال میں مست رہتا ہے۔ ندی کے کنارے مٹی اور ریت کے محل بنا بنا کر مٹاتا ہے۔ وہ راج دربار کے نام سے بھی نفرت کرتا ہے۔"

"ایسا کیوں کرتا ہے؟" مہارانی نے نرمی سے پوچھا "کچھ جانتے ہو؟"

"ہاں مہاراج!" وزیر نے جواب دیا "معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ کسی دولتمند کا کام نہیں کرنا چاہتا۔ فن کے سامنے دولت کو ہیچ سمجھتا ہے۔ وہ اگر ایک تصویر کی آنکھیں نیم وا رکھنا چاہے۔ اور خریدار چاہے کہ انہیں پوری کھلی رکھو تو وہ وہیں کام بند کر دیتا ہے اور کہتا ہے "نہیں جناب یہ اسی طرح رہے گی۔ تصویر میری ہی مرضی کے مطابق بننے دیجئے۔ اس چہرے پر آنکھیں نیم وا ہی رہیں گی۔" یہی باعث ہے۔ کہ خریداروں سے اس کی نہیں بنتی۔ وہ اپنی ہی مرضی کے مطابق کام کرنا چاہتا ہے۔ آج کل صرف مٹی کے محل بنانا اور ڈھانا اس کا کام ہے۔"

"جب تو وہ عجیب آدمی ہے۔" راجکماری نے حیرت سے کہا۔ "اسے ضرور بلاؤ۔ مہاراج اُسے پوری آزادی دیں گے۔"

وزیر نے سر جھکایا اور باہر چلا گیا۔

(۵)

جب دیال کو معلوم ہوا کہ کیدار پور کے مہاراج اپنی لڑکی کے لئے شیش محل بنوانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ کسی قسم کا لالچ نہیں۔ اس سے تو اسے سخت نفرت تھی وہ چند دنوں سے سوچ رہا تھا۔ کہ اگر کوئی دولت مند میری شرطیں منظور کرے۔ تو ایک ایسی تصویر بناؤں۔ جو میرے بعد یادگار رہے۔ جس طرح تاج محل وغیرہ بنانے والوں نے اپنے فن کے لاثانی جوہر ثبت کئے ہیں اسی طرح میں بھی کروں۔ یہی خیال تھا۔ جو دعوت منظور کرنے کا باعث ہوا۔

کیدار پور میں جو کاریگر موجود تھے۔ انہوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مہاراج نے اسے دیکھا اور حیران رہ گئے۔ "کیا یہی دیال ہے۔ سینچر کی طرح سیاہ فام! بدصورت ڈیڑھ پسلی کا انسان ملک بھر کے مصوروں اور انجینیروں کا سرتاج! قدرت کی نیرنگیاں عجیب ہیں۔"

"دیال" مہاراج نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "شیش محل کی تعمیر تمہارے سپرد ہے۔ جس طرح مرضی ہو کرو۔ جو خرچ ہو۔ تمہیں اختیار ہے مگر محل لاثانی ہو۔ خوبصورت ہو اور اس کی نظیر دنیا بھر میں نہ ملے۔ میں نہیں

دیال نے اپنی چندھیائی ہوئی آنکھیں مہاراج کی طرف اٹھائیں۔ مگر مہاراج کے چہرے پر پڑنے کی بجائے اس کی نظریں کہیں اور پڑیں۔

شاہی تخت کے پیچھے سر جھکائے ہوئے راج کماری بیٹھی تھی۔ مہاراج کی بات ختم ہوتے ہی اس نے سر اٹھایا۔ دیال اور راجکماری کی نظریں ملیں۔ راج کماری نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ دیال کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

(۶)

شیش محل تیار ہو گیا۔ خرچ کا اندازہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ مہاراج نے محل دیکھ کر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ راجکماری کی خوشی کا اندازہ لگانا تو دشوار ہے۔ دیال، راجکماری کے ایما پر مزید تصویریں اور بت بنانے لگا۔ دونوں کا روز ہی سامنا ہوتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی دیال کے بدن میں سنسنی پیدا ہو جاتی اور برش اس کے ہاتھ میں کانپنے لگتا۔

راج کماری بارہا خیال کرتی۔ کیسا بدصورت اور بدنما انسان ہے۔ مگر اس کا مقابلہ ملک بھر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ اسے دیال پر بڑا ترس آتا تھا۔ مگر جب وہ اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا۔ تو اُسے سخت نفرت ہوتی تھی ایک دن جب دیال کام کر رہا تھا۔ تو راج کماری نے قریب آ کر کہا "تم محنت بہت کرتے ہو۔ مگر ابھی تک تم نے انعام نہیں مانگا!"

"لے لوں گا۔ کونسی جلدی پڑی ہے۔ میری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں"

"میرا بس چلے تو" راجکماری نے میٹھی آواز میں کہا "میں تمہیں تیرا اس پور کی ساری دولت دے دوں"

"میں دولت لے کر کیا کروں گا۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے"

"پتاجی کہتے ہیں" راجکماری نے کہا "تم کو انعام میں دس گاؤں اور ایک لونکھا ہار دیں گے۔ کیا یہ انعام کافی ہے"

دیال کچھ جواب نہ دے سکا۔ وہ تشنہ نگاہوں سے راجکماری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کوشش کے باوجود اپنے دلی جذبات کا اظہار نہ کر سکا۔

"چپ کیوں ہو جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو مانگ لو"

بدصورت مصور بڑی ہمت کر کے اٹھا۔ اور راجکماری کے پاؤں پر جھک کر کہنے لگا "میری دو باتیں منظور کیجئے۔ ایک تو مجھے اپنے پاؤں چوم لینے دیجئے۔ دوسرے اپنے محل کے کسی کونے میں زندگی بسر کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ میں ہمیشہ آپ کے درشن کر سکوں"

راج کماری اس انوکھے مطالبہ پر حیران رہ گئی۔ ابھی وہ اپنے غصہ کے اظہار کے لئے الفاظ ہی تلاش کر رہی تھی۔ کہ دیال نے اس کا پاؤں چوم لیا۔

راجکماری سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔ اُس نے اسے ٹھکراتے ہوئے کہا "تم ہوش میں ہو"

عین اسی وقت غصہ سے کانپتے ہوئے مہاراج اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے کڑک کر کہا "بدمعاش کمینے۔ کیا"

مہاراج کی گرجدار آواز سے مصور کی نس نس سن ہو گئی اسے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ ایک لمحہ کے بعد ہی مہاراج نے گردن پکڑ کر لے پھینک دیا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ اسے کوڑے مار مار کر ختم کر دو"

راجکماری نفرت سے دیال کی طرف دیکھتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اب دیال کے ہوش ٹھکانے لگے۔ اس نے گڑگڑا کر کہا "مہاراج میں نے راجکماری کی توہین نہیں کی۔ میں تو انہیں کے ایما پر انعام مانگ رہا تھا۔"

"چپ رہو" مہاراج نے تیوری چڑھا کر کہا۔ اور آدمیوں کو اُسے لے جانے کا اشارہ کیا۔ سپاہی مصور کو گھسیٹتے ہوئے شاہی محل کے صحن میں لے آئے۔ دو آدمیوں نے اس کے بازو تھام لئے۔ اور دو زور زور سے کوڑے مارنے لگے۔

دیال کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس کی محنت اور جاں سوزی کا انعام کوڑوں کی مار ہو گی۔ تو وہ ندی کے کنارے کو کبھی نہ چھوڑتا۔ وہ اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ سپاہی اسے کوڑے مارتے تھے۔ اور اُس کے منہ سے یہی نکلتا تھا "میری راجکماری" "میری راج کماری"

کوڑے مارنے کا عمل اس وقت تک جاری رہا۔ جب تک موت نے اسے اپنی گود میں نہ لے لیا۔ مرنے کے بعد اس کی لاش شاہی محل کی فصیل کے نیچے پھینک دی گئی۔!

یہ تھا۔ اس کی جانکاہی کا انعام!

مغربی لڑکیاں

(یورپ کی ایک انشا پرداز خاتون کے قلم سے)

میں نے بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیوں کو تباہ اور برباد ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان میں سے بعض کی زندگیاں تو اس درجہ عبرت ناک ہیں کہ جب ان کے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم کانپ جاتے ہیں۔

نیویارک کے ایک مل اونر کی لڑکی کے متعلق پچھلے دنوں اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ یہ لڑکی یکایک غائب ہو گئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس مل اونر کے ایک کلرک کے دام محبت میں یہ گرفتار ہو چکی تھی۔ موقع ملنے پر یہ اس کے ساتھ فرار ہو گئی۔ ایک سال تک اس لڑکی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک سال کے بعد بوسٹن میں اس کی لاش پائی گئی۔ پولیس نے تحقیقات کی اس کا عاشق گرفتار ہو گیا اور اس نے قتل کا اقرار کر لیا۔

ایک دو نہیں اس قسم کے ہزاروں واقعات یورپ اور امریکہ میں ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کو غور کرنا ہے کہ آخر کونسی عورتوں کی کمزوری ہے جس کی بناء پر وہ روزانہ چالاک مردوں کا شکار بنتی رہتی ہیں۔ اس کمزوری پر غور کرنے کے بعد ہر دردمند انسان کا فرض ہے کہ وہ درندہ صفت مردوں سے بے گناہ لڑکیوں کو بچائے۔

میں اس مسئلہ پر جہاں تک غور کر سکی ہوں وہ یہ ہے کہ مغرب کی عورت اپنی حدود سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے وہ اس خطرناک نقطہ پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں پہنچنے کے بعد عورت کی نہ عزت محفوظ رہ سکتی ہے اور نہ جان۔

بعض حلقوں میں بلاشبہ مجھے دقیانوسی عورت کہا جائے گا۔ لیکن میں اس طعنہ کی پروا کئے بغیر صاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ عورت جب مردوں کے ساتھ گھل مل جائے گی تو اس کا یہی انجام ہوگا۔ میرے نزدیک عورت اور مرد کا دائرۂ عمل علیحدہ ہونا چاہیئے۔ عورت کو محض عورت بن کر رہنا چاہیئے اسے ان شاہراہوں پر چلنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔

مغربی عورتیں کیونکہ عملی زندگی میں مردوں کے دوش بدوش چلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس لئے مردوں کو عورتوں کے بہکانے اور فریب دینے میں کوئی دقت واقع نہیں ہوتی۔ ایک لڑکی جو اپنے مکان کی چار دیواری میں محفوظ ہے اس سے کہیں زیادہ خطرہ سے یہ ہوتی ہے جو کسی دوکان یا کارخانہ میں کام کر رہی ہو۔

لڑکیوں کی آبروریزی اور قتل وخون کے جتنے بھی واقعات ہوئے ہیں وہ اس چیز کے شاہد ہیں کہ عورتوں اور لڑکیوں نے غلط مرد کے انتخاب کی وجہ سے اپنی زندگی برباد کی ہے۔

آوارگی اور بدمعاشی کے واقعات سے قطع نظر کرنے کے بعد جب ہم مغربی ممالک کی شادیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی مشکوک اور ناقابل اطمینان نظر آتی ہیں۔ مغرب میں یہ عام دستور ہے کہ ایک نوعمر لڑکی کسی نوجوان کو اپنا شوہر بننے کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اور شادی ہو جاتی ہے۔

نوعمر لڑکی کا انتخاب ہی کیا۔ اسے تو ابھی اپنے برے اور بھلے کی تمیز بھی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ وہ جذبات کی رو میں اندھی ہو کر کسی غیر معقول نوجوان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے چند ماہ تو یہ قانونی عیاشی اچھی طرح نبھ جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد نتیجہ طلاق یا قتل ہوتا ہے۔ میرے علم میں ایسی بھی شادیاں ہیں جو لڑکیوں اور لڑکوں نے خود نہیں کی ہیں۔ بلکہ ان کے والدین نے سوچ سمجھ کر کی ہیں۔ ایسی شادیاں عموماً کامیاب اور خوشگوار ہوتی ہیں کیونکہ اس قسم کی شادیوں میں جذبات سے کہیں زیادہ عقل کو دخل ہوتا ہے۔

میں ذاتی مشاہدہ کی بناء پر یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر لڑکیوں کو عیار مردوں کے فریب سے بچانا ہے۔ اور ان کو سیاہ کاری کی زندگی سے علیحدہ رکھنا ہے تو ہم کو ایک ایسا دائرۂ عمل بنانا پڑے گا۔ جس پر مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ اپنے راستوں پر چلیں۔ لیکن اگر راستہ مشترک رہا تو یہ تباہیاں اور بربادیاں بڑھتی ہی جائیں گی۔

(ماخوذ از لیڈیز ادن میگزین)

واہ جی خدا بخش

(از جناب تاراشنکر صاحب ناشاد۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی بستی)

میں اپنے مکان کے باہری برآمدہ میں کرسی ڈالے ٹامس ہارڈی کی مشہور کتاب میئر آف کیسٹر برج دیکھ رہا تھا کہ یکایک میرے کانوں میں آواز آئی۔ "بابو کچھ کھانے کو دے"

پہلے میں نے سر نہ اٹھایا لیکن جب دوبارہ آواز آئی تو میں نے کہا "فرصت نہیں ہے"

فقیر نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "نوکر سے دلوا دیجئے"

میں نے کہا "نوکر باہر گیا ہوا ہے"

"تو کسی اور آدمی سے منگوا دیجئے"

"تم بڑے پاجی ہو۔ بحث کرتے ہو!"

اب میں نے کتاب بند کر دی۔ اور بھیک مانگنے والے کی طرف غور سے دیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک موٹا تازہ انسان تھا۔ اگرچہ اپنے سارے جسم کو ایک پھٹے پرانے کپڑے میں لپیٹے تھا پھر بھی بنجرے سے زیادہ غریب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سر پر بڑے بڑے بال تھے۔ ڈاڑھی بھی غالباً تین چار مہینے سے نہ بنی تھی۔ آنکھوں سے بجائے حسرت و یاس کے غصہ کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اور میری طرف اس طرح دیکھ رہا تھا گویا میں اس کی نگاہوں میں زبردست مجرم تھا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟

اس نے کہا۔ یہ تو بہت پرانا سوال ہے کوئی دوسرا سوال کیجئے۔

میں نے کہا۔ پہلے اس کا جواب دو۔

اس پر اس نے اپنی چادر سرکا دی۔ اس کے دونوں ہاتھ گل چکے تھے۔ میں نے جھٹ منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور نوکر کو آواز دی اس نے کچھ لا کر اسے دیا اور وہ چلتا ہوا۔

میں دیر تک اپنی سخت کلامی پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔

دوسرے دن قریب ۹ بجے رات میں وہ مجھے پھر میرے کمپاؤنڈ میں دکھائی دیا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی ذرا مکدر ہو کر پوچھا۔ کیوں بھائی دیکھ پایا نہ تم نے خدا کا گھر؟

اس نے منہ بنا کر کہا حضور جس دن خدا کا گھر دیکھ پاؤں گا مجھے اس کے بندوں سے کیا سروکار رہے گا۔

میں نے دریافت کیا "تمہارا ہاتھ کب سے ایسا خراب ہو گیا ہے؟"

اس نے کہا "میرا ہاتھ کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو پھر بھی آپ جیسے مالداروں سے روپیہ وصول کر لینے کو کافی مضبوط ہے۔ اس کی آواز میں جوش تھا۔ میں نے اس کی سرخ سرخ آنکھیں جو دیکھیں تو مکان کی طرف جلدی سے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور پستول تان کر بولا "خبردار اگر ذرا بھی کھسکے یا آواز نکالی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔ خیریت اسی میں ہے کہ چپکے سے جیب سے منی بیگ (روپیہ کی تھیلی) میرے ہاتھ میں رکھ دو۔ میں ہکا بکا سا رہ گیا اور ہراس و ہر سکتے کے عالم میں تکتا رہا۔ آخر جب اس نے کہا: ایک۔ دو۔ تو میں نے اس سے پہلے کہ وہ تین کہے چپکے سے منی بیگ نکال کر اس کے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ اس نے مسکرا کر کہا جب تک میں کمپاؤنڈ سے باہر نہ نکل جاؤں اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلنا۔ پندرہ دن تک خاموش رہنا اس کے بعد پولیس میں رپورٹ کر دینا۔

میں گرتا پڑتا گھر لوٹا۔

ٹھیک ایک ہفتہ بعد مجھے اپنے ایک دوست سے جو فارسٹ رینجر (Forest Ranger) ہیں ملاقات کے لئے جانا تھا ابھی ٹرین میں بیٹھا ہی تھا کہ وہی موذی میرے کمپارٹمنٹ میں آکر لوگوں کے ٹکٹ دیکھنے لگا۔

مجھے اس کی شکل دیکھ کر کچھ شک ضرور ہوا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ ریل کی وردی پہنے مسافروں کے ٹکٹ دیکھ دیکھ کر دھڑا دھڑ کاٹ رہا ہے۔ تو میں نے بھی، اسے اپنا ٹکٹ دیدیا۔ میرا ٹکٹ واپسی کا ٹکٹ تھا۔ اس نے ٹکٹ کاٹ کر مجھے واپس کر دیا۔ لیکن جب میں اسٹیشن پر اترا۔ اور گیٹ (دروازہ) پر پہونچا تو میری حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ کیونکہ میرا ٹکٹ پرانا ہونے کے علاوہ ایک دوسری جگہ کا ٹکٹ تھا۔ اس وقت جو ندامت مجھے ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا۔ ٹکٹ کلکٹر اگر میری جان پہچان کا نہ ہوتا تو کم سے کم ۱۰ کا چپت پڑتا۔

میں نے اپنے دوست سے وجہ کہ یہاں میں گیا ہوا تھا سب حال کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا بھائی فسانہ گو ہو۔ شاعر ہو۔ تمہاری باتیں

پہاڑی پہ سر دبا بیٹھی چاہئیں۔ جب تم اس آدمی کو دیکھتے ہو تو شور کیوں نہیں مچاتے اُسے پولیس کے نوٹس میں کیوں نہیں لاتے میں نے کہا بھائی جو جی میں آئے کہو وہ ایسا شاطر ہے کہ سامنے آ جائے تو تمہارے تو ہوش ہی بگڑ جائیں۔ میں پھر بھی ہوش میں رہتا ہوں۔

انہوں نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ارے یار تم تو واقعی نصلی ہونے جاتے ہو۔ یہاں تو اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ میں نے ہنس کر کہا۔ کیا خوب جنگل میں تو سمجھے ہی نہیں۔

میرا ہنسنا تھا کہ یکایک ایک ریچھ دور سے ہم لوگوں کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں تو دم بخود ہو گیا۔ میرے ساتھی بز کہلاتے ہوئے اپنے کوارٹر کی طرف بھاگے۔ نوکر چاکر الگ ہتھیار لینے دوڑے ریچھ ہمارے سامنے ہانپ رہا تھا۔ پنجیر صاحب بندوق سے نشانہ لیتے ہوئے بولے

ذرا آپ بیٹھ جائیے یہ کہکر وہ بندوق چلایا ہی چاہتے تھے کہ خدا بخش بہروپئے نے کھال الگ پھینک کر چلا کر کہا۔ سلام حضور اب تو انعام ملنا چاہئے۔

خدا بخش کو سامنے دیکھ کر میرے حواس بجا ہوئے۔ اس نے کہا محض حضور کو کام دکھانے کے لئے آج ۱۵ دن سے روپ بھر رہا ہوں۔ یاد ہے حضور نے پارسال جاڑوں میں کہا تھا۔ خدا بخش تم لوگ کیا الٹن اور جوکھن جی کر روپیہ اینٹھنے کی فکر میں رہتے ہو، مجھے ۲۰ برس سے برابر بہروپئے ملتے ہیں۔ لیکن کوئی دھوکا نہ دے سکا۔ یہ لیجئے اپنا منی بیگ اس کے روپیہ سنبھال لیجئے۔ یہ ہے آپ کی واپسی کا ٹکٹ۔

میں شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ آخر اس نے دس روپیہ لے کر میری جان چھوڑی۔

برسات کی راتیں

(از جناب مولانا مولوی حکیم اقبال صاحب شہدی بالاگھاٹ)

یہ موسم طوفانی! یہ کیف کی طغیانی ہر چیز میں رقصاں ہے جذبات کی عریانی
یہ پانی برستا ہے یا بادۂ ریحانی ہر قطرۂ بارش ہے میخانۂ روحانی
برسات کی راتوں سے ہے نسبت روحانی

جو پھول ہے گلشن کا۔ پیمانۂ عشرت ہے جو شاخ ہے گلشن کی مستانۂ عشرت ہے
خود باغ کا ہر خطہ مستانۂ عشرت ہے یہ خلد نما منظر کاشانۂ عشرت ہے
اس بزم کا ہر ذرہ دیوانۂ عشرت ہے

ہر لرزش ساغر میں ہے کیف کی طغیانی ہر لغزش ساقی میں ہے۔ جوش کی عریانی
ہر قطرے میں لرزاں ہے عشرت کی فراوانی اللہ رے فطرت کا یہ جذبۂ پنہانی
دل میں ہے نہاں میرے ایک جلوۂ ربّانی

ہر غنچہ میں لہراتی اک موج تبسم ہے ہر موج ہوا میں اک ہلکا سا ترنم ہے
دریا کی روانی میں موجوں کا تلاطم ہے ہر نغمۂ خاموشی معمورِ تکلم ہے
یہ جنتِ نظارہ اور دیدۂ مردم ہے

پھر کوکتی ہے "کوئل" پُر درد صداؤں میں اک درد کا دریا پھر بہتا ہے ہواؤں میں
پھر کالی گھٹا اٹھی سرمست فضاؤں میں پھر بجلی چمکتی ہے غم ریز گھٹاؤں میں
یہ اور اضافہ ہے الفت کی بلاؤں میں

پھر درد بھری لے میں کہتا ہے پپیہا "پی" پھر کوکتی ہے "کوئل" جس سے ہے لرزتا جی
پھر ابر کے پردے میں لہرانے لگی بجلی پھر کالی گھٹا اٹھی پھر جھوم کے پھر برسی
پھر یاد مجھے آئی دوشیزۂ فطرت کی

یاد آتا ہے رہ رہ کر ایک جلوۂ مستانہ جو شمع محبت ہے جو عشق کا پروانہ
پھر دل میں چمکتا ہے داغوں کا جلوخانہ ہوتا ہے چھلکنے کو جب ضبط کا پیمانہ
برسات کی راتوں میں ہو جاتا ہوں دیوانہ

حسنِ بے حجاب

(ہندوستان سے باہر)

بیویوں کا تبادلہ کر لو

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے باشندوں کو شادی کیلئے ہمیشہ کسی اچھے گھرانے کی لڑکی دیکھنی پڑتی ہے۔ لیکن جنوبی سرویا کے باشندوں کو بیویوں کی تلاش میں ذرا بھی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی کیونکہ وہاں ایک مخصوص بازار ہے۔ جہاں ہر قسم کی اور ہر ٹائپ کی بیویاں اسی طرح فروخت ہوتی ہیں جس طرح ہمارے ملک میں عام ضرورت کی اشیاء بکتی ہیں۔

کساد بازاری کی وجہ سے جنوبی سرویا میں بیوی کی قیمت بہت کم ہو گئی ہے۔ آپ نہایت آسانی کے ساتھ پچاس پونڈ میں ایک نوجوان اور خوبصورت بیوی خرید سکتے ہیں۔ اس بازار میں بیویاں بکتی ہی نہیں بلکہ پرانی بیویوں کا نئی بیویوں سے تبادلہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ پرانی بیوی اور بیس تیس پونڈ کی رقم دیکر ایک نئی اور نوجوان بیوی بڑی آسانی سے خرید سکتے ہیں۔

بتائیے آپ میں سے کتنے حضرات ہیں جو اس تبادلہ کو پسند کرتے ہیں؟

ننگا ناچ مذہبی فرض ہے

دنیا میں ایسی بھی عجیب وغریب اقوام موجود ہیں جن کے ہاں جوان لڑکیوں کے لئے مجمع عام میں مادرزاد برہنہ ہو کر رقص کرنا مذہبی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی لڑکی اس فرض کی انجام دہی سے انکار کرتی ہے تو اسے بے دین کہہ کر قتل کر دیا جاتا ہے۔

جس قوم میں یہ عجیب وغریب رسم موجود ہے۔ وہ افریقی جزائر کی ایک قوم ہے ایک سیاح کا بیان ہے کہ بیواری قوم میں یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی لڑکی بالغ ہو جاتی ہے تو اسے حصول جوانی کے شکریہ کے طور پر دیوتا اور برادری کے سامنے بالکل مادرزاد برہنہ ہو کر رقص کرنا پڑتا ہے۔

یہ عجیب وغریب رسم بیواری قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کی موجودگی میں انجام پاتی ہے۔ لڑکی سب سے پہلے دیوتا کے سامنے مادرزاد برہنہ رقص کرتی ہے۔ اور اس کے بعد اسے ان ہزاروں وحشیوں کے سامنے مادرزاد برہنہ رقص کرنا ہوتا ہے جو دیوتا کے حضور میں ہوتے ہیں۔

اگر کوئی لڑکی اس مذہبی فریضہ کی ادائیگی سے انکار کرتی ہے تو اسے لامذہب اور بے دین سمجھتے ہوئے قتل کر دیا جاتا ہے۔ گویا اس قوم میں ہر نوجوان لڑکی کے لئے زندگی میں ایک مرتبہ مادرزاد برہنہ ہو کر رقص کرنا لازمی ہے۔

کیا آپ مغربی تہذیب کے دلدادگان کو اس رقص کے دیکھنے کی اجازت دیں گے؟

ہوٹل یا حسن فروشی کے اڈے

حسن فروشی کا بیوپار کرنے والی دنیا میں کیسی کیسی مقدس ہستیاں ہیں اس کا اندازہ حال ہی کے اس واقعہ سے لگائیے کہ ہنگری کے ایک پادری نما بزرگ نوجوانوں کو خدا تک پہنچانے کی بجائے ایسی لڑکیوں کے پاس پہنچا دیتے تھے جو قدرت کی حسن کاری کا بہترین شاہکار ہیں۔ اس مقدس خدمت کے لئے انہوں نے ایک پونڈ فیس مقرر کر رکھی تھی، چنانچہ یہ حضرت سالہا سال تک اس مقدس پیشہ کو چلاتے رہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کسی بگڑے دل نوجوان نے ان کی سپلائی کردہ ایک لڑکی کو قتل کر دیا بس پھر کیا تھا۔ اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا اور اس وقت یہ عقدہ کھلا کہ دنیا میں کیسے کیسے پیر فرتوت موجود ہیں۔

فرانس کے ایک بہت بڑے نواب پر پچھلے دنوں اس جرم میں مقدمہ چلا تھا کہ ان حضرت نے پیرس میں ایک نہایت ہی شاندار ہوٹل قائم کر رکھا تھا۔ اس ہوٹل کا یہ قاعدہ تھا کہ جہاں ٹھہرنے والے مسافروں کو کھانے پینے کا سامان دیا جاتا تھا۔ وہاں ایک عدد نہایت خوبصورت لڑکی بھی سپلائی کی جاتی تھی۔ اور یہ کمبخت لڑکیاں ایسی بے باک ہوتی تھیں کہ مسافر کا ناک میں دم کر دیتی تھیں۔

اتفاق سے دہلی کا کوئی بڈھا اس ہوٹل میں آکر ٹھہرا وہ غریب یہ

دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کھانے پینے کے سامان کے ساتھ ایک مدد ایسی بھی موجود ہے جو خواہ مخواہ گلے پڑی جاتی ہے۔ بڈھے نے فوراً پولیس میں اطلاع دی ہوٹل کی تلاشی ہوئی تو دو سو سے زیادہ لڑکیاں ہوٹل کے اسٹاک سے برآمد ہوئیں۔

دیکھی آپ نے فرانس اور ہنگری کے مقدس پیرا در مالک ہوٹل کی کار فرمائیاں۔

کوہ قاف کی پریاں خریدیئے

آپ نے کوہ قاف کی پریوں کے افسانے ضرور پڑھے ہوں گے لیکن آپ کو شاید اس کا علم نہ ہو کہ کوہ قاف کی پریاں جن کے حسن کے ہم افسانے پڑھتے ہیں دنیا کے اکثر حصوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت ہوتی ہیں۔ چنانچہ دولت مند طبقہ ان پریوں کے خریدنے کے بعد اپنے محل سراؤں کو پرستان بنا لیتا ہے۔

کوہ قاف کی یہ پریاں، کوہ قاف کی وہ حسین وجمیل لڑکیاں ہیں جن کے حسن وجمال کا جواب آج ساری دنیا میں نہیں ہے یہ لڑکیاں بالکل اسی طرح فروخت کی جاتی ہیں جس طرح ہندوستان میں پہاڑی علاقہ کی لڑکیوں کی فروخت کا کاروبار جاری ہے۔

حال ہی میں ایک مصری سیاح نے ان لڑکیوں کے حسن وجمال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں شام عراق عرب کے جس خطہ میں بھی گیا وہاں میں نے دیکھا کہ کوہ قاف کی حسین وجمیل لڑکیوں کی فروخت کا سلسلہ ہر جگہ جاری ہے۔ ان حسین لڑکیوں کے تاجر پوشیدہ طور پر بردہ فروشی کر رہے ہیں۔ ایک بردہ فروش کے پاس میں نے سات آٹھ کوہ قاف کی لڑکیاں دیکھیں یہ اس قدر حسین تھیں کہ میں نے آج تک کبھی کوئی عورت اتنی خوبصورت نہیں دیکھی۔ ان لڑکیوں کی قیمت گاہک کی حیثیت پر موقوف ہے۔ درمیانہ حیثیت کے لوگوں کو سو دو سو روپیہ میں یہ لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ لیکن امراء سے ان لڑکیوں کی قیمت ہزاروں پونڈ وصول کی جاتی ہے۔"

انڈیا ایکٹ یعنی نیا قانون

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کیا بلا ہے۔ دستور اساسی یعنی نیا قانون کیا مصیبت ہے نئے قانون کی رو سے ہندوستانیوں کو کیا ملا گورنمنٹ آف انڈیا۔ آیندہ سال سے کس قسم کی کرے گی صوبوں کی حکومتوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ آیندہ سال فیڈریشن کے قیام کے بعد کیسی کیسی بلائیں آئیں گی۔ ہندوستان کی ریاستیں کانگریس کی طرف آ جائیں گی یا انگریزی سرکار کا ساتھ دیں گی۔ اور ان کو ساتھ دینے کا یا کانگریس کے آگے ہاتھ جوڑنے کا اختیار بھی ہے یا نہیں، فیڈرل اسمبلی میں ان ریاستوں کی نمائندگی کتنی کتنی ہوگی ہندوستان میں کوئی فرقہ پرست یا صرف ہندو یا مسلم جماعت حکومت کی جگہ لے سکتی ہے یا نہیں۔ انگریزی غلامی سے ہندوستان نکل سکتا ہے یا نہیں اس قسم کے تمام خیالات اور قانونی واقعات معلوم کرنے کے لئے آپ دفتر محشر خیال سے "جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی" کی بنائی ہوئی کتاب "اصلاحات ہند" منگا کر ملاحظہ فرمایئے اس سے آپ کو جدید دستور کا حال معلوم ہو جائے گا۔ لکھائی چھپائی عمدہ اردو زبان نہایت سلیس اور عام فہم ۲۳۵ صفحات اعلیٰ قیمت ڈھائی روپے رعایتی قیمت ایک روپیہ جلدی منگا لیجئے۔ ممکن ہے کہ ختم ہو جائے قومی کارکنوں کو یہ کتاب فوراً منگانی چاہئے۔

استاد فارسی

بلا استاد کی مدد کے چند دنوں میں فارسی سکھلانے والی کتاب۔ یہ فارسی بول چال ہے جسے پنجاب یونیورسٹی سے علم فارسی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کئے ہوئے دو فاضل حضرات نے سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد فارسی زبان کے مفرد الفاظ کو گرامر کے لحاظ سے اردو معنی کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس کے بعد مرکب الفاظ ہزاروں کی تعداد میں لکھ کر ہر قسم کے کاروباری خطوط کے نمونے عرضیاں اور چٹھیاں۔ تیمارداری اور مبارکباد تعزیت وغیرہ کے نمونے اردو میں درج ہیں۔ قیمت بارہ آنے۔ محصول سات آنے

استاد عربی

اب تو اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے اور متعدد اساتذہ نے نہ صرف اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ اس کو بہترین کتاب بتایا ہے۔ اگر آپ کو شوق ہو کہ آپ اپنے رسول کی زبان سے واقف ہو جائیں اور خدا کے سب سے مقدس فرمان قرآن کو اپنی مادری زبان کی طرح پڑھنے لگیں تو اس کتاب کو منگا کر رکھیے۔ اور تھوڑا تھوڑا پڑھیے۔ انشاء اللہ چند ماہ میں آپ کو عربی پڑھنی آ جائے گی۔ اور آپ محنت کریں تو صرف تین ماہ میں خاصی عربی سے واقف ہو جائیں گے۔ قیمت بارہ آنے۔ محصول پانچ آنے

ان کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

ڈرامہ:—

طالبِ علم

(از جناب احسان اشرف صاحب فتنہ لکھنوی)

یہ ڈرامہ در اصل خطاب ہے ان نوجوانوں سے جو کالج اور یونیورسٹیوں میں تحصیل علم کے بجائے اپنا قیمتی وقت لہو ولعب میں ضائع کر رہے ہیں۔ اور اپنے والدین کی دولت اور آرزوؤں کا خون کر رہے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جو لطیف پیرایہ میں بیان کی گئی ہے تاکہ ان کے دلوں کو ٹھیس نہ لگے اور مطلب بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے ؎

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم ۔ انیںؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو (فتنہ)

افراد ڈرامہ "طالب علم"

اختر۔ ایک نوجوان طالب علم۔
کریم۔ اختر کا نوکر۔
ضمیر۔
انور۔ } اختر کے دوست
حامد۔
چند ملازم وغیرہ۔

کریم۔ اختر میاں۔ اختر میاں۔ اٹھئے۔ ہوشیار ہوئیے۔
(انگڑائی کی آواز)

اختر۔ اوہو۔ کیا ہے!

کریم۔ وقت بہت ہو چکا ہے۔ اٹھئے۔

اختر۔ لاحول ولاقوۃ۔ سونا بھی دشوار ہو گیا۔ ابھی تو سات بجے ہوں گے ابھی سے جگا دیا۔

کریم۔ نہیں بھیا آج بدلی ہے۔ گھڑی میں ساڑھے نو بج چکے ہیں۔

اختر۔ (گنگناتا ہے) راحت کا اس طرح سے زمانہ گزر گیا جھونکا ہوا کا جیسے ....

کریم۔ منہ دھونے کا سامان تیار ہے۔

اختر۔ خاموش۔ منہ دھونا منہ دھونا۔ کیا ایک دن منہ نہ دھلے گا تو کھانا نہ ملے گا (قہقہہ) وقت کم ہے ابھی اسکول بھی جانا ہے۔ جلدی سے چائے لاؤ۔ (میز کھڑکھڑانے کی آواز)

کریم۔ چائے تیار ہے لیجئے۔

اختر۔ واہ چائے کتنی خوشرنگ، خوش ذائقہ۔ رسیلی۔ حیات انسانی کو قائم رکھنے کیلئے انمول چیز ہے۔ اس کے اثرات رنگین، دلکش، اس کا خمار روح افزا ؎

لے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

شراب میں اور اس میں فرق ہی کیا؟ شراب کی تاثیر گرم اور مزا خراب ہوتا ہے۔ موسم گرما میں برف میں لگا کر پی جاتی ہے۔ چائے کی تاثیر بھی گرم ہے لیکن مزا بھی۔ واہ۔ واہ۔ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ کریم کریم ادھر آؤ۔ دیکھو یہ کیا ہے؟

کریم۔ پیالی۔

اختر۔ اور اس کے اندر۔

کریم۔ چائے۔

اختر۔ اسے چائے کیوں کہتے ہیں۔

کریم۔ میں گنوار آدمی یہ کیا جانوں۔

اختر۔ تم کیوں جاننے لگے۔ اونہہ۔ سنو۔ یہ ہے چا ہے یہ لفظ نکلا ہے "چاہ" سے۔ اس کے پینے سے چاہ پیدا ہوتی ہے۔ سمجھے۔ (قہقہہ)
(ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن)

ارے کریم۔ دس بجے ہیں۔ سب بج گئے۔ بہت دیر میں اٹھاتے ہو۔ جانتے ہو میں اسکول میں پڑھتا ہوں۔ محمود نہیں کماتا ہوں بلکہ ابا جان اپنی کمائی سے روپیہ روانہ کرتے ہیں۔ میں بے غیرت ہوں۔ بے حیا ہوں۔ روپیہ برباد کرتا ہوں۔ تم نمک حرام ہو۔ نالائق ہو۔

کریم۔ بھیا میرا قصور؟ میں نے تو کئی مرتبہ جگایا۔ لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔

اختر۔ جب دیکھو میری توجہ کا رونا ہے۔ میں نے توجہ نہیں کی۔ گھر کے مالک تم ہو کہ میں۔ نوکر تم ہو کہ میں۔ نکل جاؤ گھر سے۔ (سسکیاں لینے کی آواز)

کریم۔ کھانا تیار ہے۔

اختر۔ کھانا تیار ہے؟ لیکن اب کس وقت کھاؤں گا۔ نہیں کھاؤں گا۔ ساتھ لیتے آنا
(دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں)

سین دوئم۔ (ٹن ٹن۔ اسکول کا دوسرا گھنٹہ)

انور۔ ہونہہ۔ ہو چکا فلسفہ ہو گیا۔ پروفیسر صاحب خفا ہوں گے۔ لیکن کیا پروا ہے یہ سب بکریم کا قصور ہے۔ ہزار مرتبہ کہا وقت سے جگا یا کر۔ کام ڈھنگ سے کیا کر۔ لیکن وہ کیوں کرے۔ وہ اپنے کو لوکر تھوڑی لارڈ صاحب سمجھتا ہے۔ بڈ ہا کھوسٹ میں اسے نکال دوں گا۔ (کچھ سوچتا ہے) کالج جانا تو اب محض بیکار ہے۔ انور کے یہاں جانا چاہئے۔ وہ بہلا ہو

(دروازہ کھٹکھٹاتا ہے)

انور۔ کون ہے۔ کون صاحب۔

اختر۔ ارے کیوں مرکنے پڑا ہے۔ اٹھ جلدی سے۔

انور۔ (دروازہ کھولتا ہے) اخاہ۔ خوب آئے یار دیکھو منیر بیٹھے تم کو یاد کر رہے ہیں

منیر۔ آگیا اختر کا بچہ۔ میاں لاکھ محنت کرو لیکن تم اس سال تو پاس ہو نہیں سکتے ہیں جناب نے تو ابھی سے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ کون ضروری ہے کہ دوسرے سال انسان پاس ہی ہو جائے۔

انور۔ ٹھیک اور بالکل ٹھیک ہمارا تو میڈیکل سرٹیفکیٹ رہا۔ جب تک ڈاکٹر ڑوف زندہ ہے اور میری جیب میں سکے ہیں سو تک کا چٹھی کی کوئی فکر نہیں۔

اختر۔ تمہارا ڈاکٹر بھی بس ——

منیر۔ منکور ہے۔

اختر۔ ایک مرتبہ میں اس کے یہاں گیا۔ کہا "سرٹیفکیٹ چاہئے" اس بندۂ خدا نے بس عینک لگا کر قلم اٹھایا اور کہا کتنے دن کا چاہئے۔ اور کیا مرض لکھدوں"

منیر (ہنستے ہوئے) یہی اس کا حال ہے۔ ذرا لالچی ہے۔

انور۔ کیا بیہودہ ذکر نکالا ہے۔ ڈاکٹر، دوا، مریض، مجھے تینوں سے سخت نفرت ہے (گھنٹی بجاتا ہے)

نوکر۔ حضور۔

انور۔ ناشتہ۔

اختر۔ یہ ناشتہ کون وقت کا ہے۔ کھانا منگواؤ۔ تمہارے اشتیاق میں بغیر کھائے گھر سے چلا آیا ہوں۔

منیر۔ ارے بارہ بجے ہیں۔ اماں اختر اس ایفوئی سے پوچھو کہ اس نے اپنا منہ بھی دھویا ہے؟ میں نے آکر تو اسے جگایا ہے۔

(میز کھڑکھڑانے اور تشتریوں کے اٹھنے کی آوازیں)

سین سوئم۔

(انور کا باہری کمرہ۔ اختر، انور، منیر، بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں)

ترپ بولو۔

بیول۔

یہ لو پان کا اٹھا۔

یک ہاتھ باقی ہے۔

وہ مارا۔

منیر۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ مشہور سیاح کون آیا؟

انور۔ یہ کیا واہیات سوال ہے۔ سچ مانو۔ جتنا بیکار تواریخ کا مضمون ہے اتنا کوئی بھی نہیں۔ آپ کو خدا کی قسم ذرا سچ بتائیے کہ اگر اکبر ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تو آپ کا کیا فائدہ ہوا۔ اور اگر نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تو آپ کی کونسی جائداد چھین لی۔ اگر سکندر مر گیا تو آپ پر کیا اثر پڑا۔ اور آپ نے اس غم میں کتنے آنسو بہائے۔ لاحول ولا قوۃ۔

اختر۔ مجھے تو ناول کے علاوہ ہر کتاب پڑھنے سے الجھن ہوتی ہے۔ آپ جس کو ادب ادب کہتے ہیں وہ تو بہت ہی پریشان کن چیز ہے۔ ادبی جملوں کو پڑھکر میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ البتہ سوشلزم سے دلچسپی ہے۔ اس کا لٹریچر پڑھنے میں تکلف نہیں ہوتا ہے۔

منیر۔ جہاں کسی نے سوشلزم کا نام لیا۔ اور مجھے اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ کیا مصیبت ہے۔ ہر شخص اپنی واقفیت کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔ صاحبزادے آپ نے سوشلزم پر کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ سوشلزم کا کہیں نام سن لیا ہوگا۔

انور۔ (قہقہہ لگاتا ہے) لیجئے بھائی منیر خفا ہو گئے۔

اختر۔ اے چند صحرائی خاموش۔ دیکھ فضا سے شراب کی بارش ہو رہی ہے مستی کا زمانہ ہے۔ اب دنیا میں محبت کا دور دورہ ہے۔

انور۔ خیریت! کیا کوئی مست شباب نظروں کے سامنے ہے۔ کسی کی کافر جوانی یاد آگئی۔ سچ بتاؤ۔ آپ بھی پانچوں سواروں میں ہیں۔

منیر۔ بھائی اختر کو نہ عشق ہے نہ بوالہوسی۔ بلکہ کوئی مرض ہے۔ ہر بھلی صورت کو آپ سجدہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ دل کیا ہے۔ ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں ہر کسی کو نذر کر دیتے ہیں اور پھر واپس منگا لیتے ہیں۔

اختر۔ پاگل کہیں کا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ سنیما چلتے ہو یا نہیں۔

انور۔ ضرور ضرور۔

منیر۔ پکی ہو گئی۔

سین چہارم۔

اختر۔ یار تماشہ تھا اچھا۔

منیر۔ ہاں۔

انور۔ یہاں تو پیسے گر گئے۔

اختر۔ آپ لوگوں کو تو کبھی کوئی تماشہ پسند آئے گا نہیں۔ شیطان نے کان میں پھونک دیا ہے کہ سوائے انگریزی فلمس کے کوئی فلم نہ دیکھو اور اگر دیکھو تو اسے اچھا نہ کہو۔ سبحان اللہ مقلدانہ ذہنیت۔ غلامانہ دماغ۔

منیر۔ اختر تم نے معلوم نہیں کتنے ناول پڑھے ہیں یہ دو الفاظ یاد کر لئے ہیں۔ یہ کون افسانہ ہوا کہ ایک شخص ایک یتیم و بیسہارا بچے کو اٹھا لاتا ہے۔ لڑکوں کی طرح پالتا ہے۔ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اس کی لڑکی اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ اس کو بھی اس سے غیر معمولی محبت ہے۔ لیکن وہ اس خیال سے

کہ اس کی حالت اس قابل نہیں ہے کہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دے سکے۔ دوسرے اس کے نزدیک یہ بڑی بے وفائی ہوگی کہ اپنی محسن کی لڑکی کو بری نگاہ سے دیکھے۔ وہ محبت کے شعلوں میں جلتا ہے انگاروں پر لوٹتا ہے اور ضبط کرتا ہے۔ جب صبر اور ضبط ممکن نہیں ہوتا ہے تو ایک شب گھر سے اسطرح غائب ہو جاتا ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا

اختر۔ معلوم نہیں آپ نے کس گدھے سے علم پڑھا ہے کہ آپ کو خاک کچھ نہ آیا کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ ایک شخص ان حالات میں اس قدر اپنے دل پر جبر کر کے اپنے محسن کی عزت بچاتا ہے۔

انور۔ میں تو اسے بزدلی کہتا ہوں۔ ہیرو تو احمق تھا ہی لیکن ہیروئن نے تو بالکل پاگل پنے کا ثبوت دیا ہے کہ ہیرو کے غائب ہو جانے کے بعد اس نے جوگیانہ بھیس لے لیا اور دنیا سے کنارہ کش ہو گئی۔

اختر۔ تم لوگوں سے بحث کرنا تو حماقت ہے۔ تمہارے نزدیک ہمت مردانہ بہادری حق شناسی۔ ایثار مروت وغیرہ کی صفات بے معنی ہیں۔ ہیرو کے غائب ہونے سے اس کے ایثار اور ہمت پر مہر ثبت کر دیا۔ یہ حق و انصاف کے مقابلہ میں نفس کی شکست تھی اور ہیروئن کا جوگن ہونا گویا عشق کی فتح تھی۔

انور۔ یہ بحث فضول ہے ہیروئن کس قدر خوبصورت تھی اور گلا کتنا پیارا پایا تھا خصوصاً اس کا آخری گانا غضب کا تھا۔

اختر۔ دگا تا ہے) ہم تم کو پیار کرتے۔

منیر۔ بھائی ٹھہر جاؤ۔ آپ لوگ آدھ گھنٹہ میرے یہاں صرف کریں۔

اختر۔ اب گیارہ بج رہے ہیں۔

منیر۔ کیا پرواہ ہے۔ اترو چلو میاں یہ صحبت غنیمت سمجھو۔ سب بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن (دروازہ پر پہونچ کر منیر گھنٹی بجاتا ہے)

نوکر۔ حضور — منیر۔ کچھ پینے کے لئے لاؤ۔ (نوکر بوتلیں اور گلاس میز پر رکھتا)

منیر۔ تم لوگوں نے ... پڑھا ہے ہم وہی ہیں بہادر ہیں۔ میں پیارے انور کا جام صحت نوش کرتا ہوں۔

اختر۔ بھائی میں اپنا جام صحت خود ہی نوش کرتا ہوں (سب زور سے ہنستے ہیں)

اختر۔ اور ساقی ہی سا تھ اجازت چاہتا ہوں۔ کریم سخت پریشان ہوگا۔

منیر۔ اسے تجھے کریم سے لڑکوں کی سی محبت ہے حالانکہ عمر میں وہ تیرے دادا کی عمر کا ہے۔ (سب ہنستے ہیں) (گڈ نائٹ۔ گڈ نائٹ کی آوازیں۔ دروازہ کھلتا اور بند ہوتا ہے)

سین پنجم۔

اختر۔ کریم۔ جلد پانی لاؤ۔ حلق خشک ہو رہا ہے مرچیں سی لگ رہی ہیں۔

کریم۔ لیجئے پانی۔

اختر۔ ارے تو یہ پانی لایا ہے؟ کیوں لایا؟ اسی طرح پانی لایا جاتا ہے؟ یہ پانی ہے؟ تیزاب ہے تو خون کے دھبے ہیں سارے اس میں آگ رکھ لایا۔ ظالم یہ دیکھ دیکھ چنگاریاں نکل رہی ہیں (اختر کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر زمین پر گرتا ہے گر کر چکنا چور ہو جاتا ہے)

اختر۔ ارے بھاگ۔ یہ کیا ہوا؟ تیرے کپڑوں میں آگ لگ گئی ہے۔

کریم۔ ہائے یہ سب شراب کا اثر ہے۔

اختر۔ کیا کہا شراب؟ تو نے شراب پی؟ کمبخت، پاپی، شراب پی۔ پی۔ ارے شراب میں نے پی؟ بول تو نے پی یا میں نے؟

کریم۔ بھیا تم نے پی۔ اختر۔ نہیں۔ کریم۔ میں نے۔ اختر۔ تو چھوٹا ہے۔ نکل جا جا جا۔ (گر پڑتا ہے)

اختر۔ یہ آج اس ظالم منیر نے کیا پلا دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ شعلوں کا ایک جلوس ہے جو حلق کے راستے پیٹ کے اندر برابر جا رہا ہے۔ در و دیوار گھوم رہے ہیں میرے اللہ۔ باپ کی محبت ان کا روپیہ میرا وقت سب بیکار ہیں لعنت ہے مجھ پر مجھ پر نہیں تمام دنیا پر (ہنستا ہے) یہ میرے پیر کیوں لڑکھڑا رہے ہیں۔ ارے کریم او کریم کے بچے مجھے پلنگ پر لٹا۔

(کریم اختر کو اٹھا کر پلنگ پر لٹاتا ہے)

کریم۔ یا اللہ کیا ہوگا؟ باپ کا روپیہ اور خاندان کی عزت کا یوں خون ہو رہا ہے۔ یہ صاحبزادے پڑھنے کے عوض اپنے کو یوں تباہ کر رہے ہیں۔ نہ کوئی سننے والا ہے نہ دیکھنے والا ہے مجھے کیا؟ نیند آ رہی ہے سوتا ہوں۔

سین ششم:۔

(صبح کا وقت ہے نو کا گھنٹہ بجا ہے)

کریم۔ چائے رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی۔ لیکن اب تک اختر میاں نہیں اٹھے رات کو دیر میں سوئے تھے۔ طبیعت بھاری ہو گئی۔ یہ کمبخت شراب سر میں شاید درد پیدا کر دیتی ہے۔ کھانا بھی تیاری پر آ گیا۔ وہ اب بھی نہیں اٹھے۔

اختر بھیا۔ اختر بھیا۔

(جواب ندارد)

کہیں خفا نہ ہو جائیں۔ ان کو تو کچھ بھی لحاظ نہیں آتا ہے۔ گالیاں بھی دیدیتے ہیں۔ یا اللہ کیا کروں۔

بھیا۔ بھیا۔ (زور سے) بھیا۔ اٹھئے۔

اختر۔ ہم تم سے پیار کرتے تم ہم سے پیار کرتے۔

کریم۔ بھیا اٹھئے۔ ساڑھے نو بجے ہیں۔ بھیا۔

اختر۔ اوہ۔ سر میں درد ہے۔ کل بالکل پڑھائی نہیں ہوئی۔ آج بھی اسکول جانا بیکار ہے۔ کیا اسکول کا وقت ہو گیا؟

کریم۔ (دھیمی آواز سے) جی ہاں۔

پردہ

دو روپے میں فوٹو کیمرہ

حیرت کی کیا بات ہے. منگا کر دیکھ لیجئے. اگر یہ فوٹو کیمرہ کسی طرح مکر وثابت ہو یا صاف فوٹو تیار نہ کرے تو آزادی سے واپس کر دیجئے آپ اس فوٹو کیمرہ کا کام دیکھ کر خوش ہو جائیں گے. عام طور پر بازار میں اس قسم کا کیمرہ آٹھ سات روپے کو ملتا ہے. اس سے اتنا ہی صاف فوٹو اتارے جتنا ہمارے کیمرے سے. اگر وہ دس سال استعمال ہو سکتا ہے تو ہم دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا فوٹو کیمرہ بارہ سال کام دیگا. اور پھر قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہمارے فوٹو کیمرے کے ذریعے آپ گھر بیٹھے اپنے پیارے بچوں اور گھر کی مستورات کا فوٹو خود ہی تیار کر سکتے ہیں.

بہت آسان ترکیب

اس فوٹو کیمرہ کے ذریعہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی نہایت آسانی کے ساتھ فوٹو بنا سکتا ہے کیونکہ اس کی ترکیب استعمال بہت ہی آسان ہے. چھپا ہوا فارم کیمرے کے ساتھ ملے گا جسے صرف ایک بار پڑھ کر آپ بڑی آسانی کے ساتھ ہر قسم کا فوٹو تیار کر لیں گے. کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں.

مفت

فوٹو کیمرہ کے ساتھ اس کے فلم. اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو دھونے کا مسالہ وغیرہ بھی کافی تعداد میں ہم مفت دیتے ہیں. تاکہ کیمرہ وصول کرتے ہی آپ یہ شاندار تجربہ کر سکیں. اس کے بعد جب کبھی آپ کو فلم یا پرنٹنگ کارڈ اور مسالے کی ضرورت ہو تو ہم سے یا بازار سے بصورت خرید سکتے ہیں کیونکہ یہ سامان علیحدہ بھی ہمیشہ مل سکتا ہے. پس اگر آپ کو مندرجہ بالا فوٹو کیمرہ درکار ہو تو **منیجر کامیاب بکڈپو پوسٹ بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر بذریعہ وی. پی منگا لیجئے. ایک عدد فوٹو کیمرہ معہ مکمل سامان (یعنی فلم، پرنٹنگ کارڈ، اور فوٹو دھونے کا مسالہ وغیرہ) ساتھ ہوگا اس کی قیمت صرف دو روپے محصول سات آنے. دو فوٹو کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف

آپ کی بیوی کی ساڑی

اگر زیادہ قیمتی ہے اور اس پر کوئی دھبہ پڑ گیا ہے. جس کے باعث قیمتی ساڑی بیکار ہو گئی ہے. یا آپ کے بچوں کی بے احتیاطی سے کسی قیمتی کپڑے پر کوئی ایسا داغ دھبہ آگیا ہے جو کسی طرح دور نہیں ہوتا تو آپ پتہ ذیل سے مشہور ایجاد دوا **کلین واشں** منگا لیجئے. یہ دوا ہر قسم کے دھبہ کو خواہ وہ کتنا ہی پکا داغ ہو کپڑہ پر، یا کاغذ پر "تانا" اس طرح صاف کر دے گی جیسے کوئی دھبہ تھا ہی نہیں. ابھی حال میں یہ عجیب و غریب ایجاد جاپان سے تیار ہو کر آئی ہے. بے حد کارآمد چیز ہے. قیمت صرف ایک روپیہ بارہ آنے **منیجر کامیاب بک ڈپو پوسٹ بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر بذریعہ وی. پی. پارسل طلب کر لیجئے. پارسل پر سات آنے محصول ڈاک لگتا ہے.

فاؤنٹین پین (صرف ایک روپیہ میں)

یہ وہ فاؤنٹین پین ہے جو دہلی کے بازار چاندنی چوک میں سوا دو روپے کو ملتا ہے بہت مشہور کارآمد اور مضبوط قلم ہے اس کا نب بھی اچھی کوالٹی کا ۱۴ کیرٹ ہے ڈیزائن نہایت اعلیٰ درجہ کا اور خوبصورت. چونکہ کثیر تعداد میں فروخت ہوتا ہے. اس لئے ہم نہایت کم قیمت پر یہ قلم دیتے ہیں. یعنی صرف ایک روپیہ قیمت لیتے ہیں. اگر آپ کو فاؤنٹین پین کی ضرورت ہے اور آپ کم خرچ بالا نشین قلم چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اس قلم کے خریدنے کا مشورہ دیں گے. سیاہی بھرنے کا ٹلب قلم کے پچھلے سرے پر ہے اور اس پر بھی ایک اندرونی اسپرنگ ہے. دیکھنے میں بھی زیادہ قیمتی معلوم ہوتا ہے **منیجر کامیاب بکڈپو پوسٹ بکس ۲۴ دہلی** کو خط لکھ کر یہ فاؤنٹین پین بذریعہ وی. پی منگا لیجئے. آپ یہ قلم خرید کر یقیناً خوش ہوں گے کیونکہ بہر صورت یہ سودا کافی سستا ہے اور بہت کم داموں آپ اچھی چیز حاصل کر لیں گے. محصول پارسل سات آنے لگتا ہے.

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

جو لوگ اولاد سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور جو لوگ اولاد کی تمنا میں سارے جتن کر چکے ہیں۔ ان کی اطلاع کیلئے شائع کیا جاتا ہے کہ نئے زمانہ کی سائنس نے اس مشکل کو بھی آسان کر دیا ہے۔ اور اب ایک ایسا مرکب تیار ہو گیا ہے۔ جو عورت کو حمل قائم کرنے میں حیرت انگیز کام کرتا ہے۔ یہ ایک دوا ہے جسکا نام "محافظ اولاد" ہے۔ اس دوا کو مسلسل سات رات تک عورت استعمال کرتی ہے اور ان ایام میں اُسے مرد سے بالکل علیحدہ رہنا پڑتا ہے۔ ٹھیک آٹھویں رات عورت...... اس پرہیز کو توڑتی ہے (یعنی مرد کے پاس جاتی ہے) تو اسی شب حمل رہ جاتا ہے یہ اتنا تعجب خیز تجربہ ہوا ہے کہ خود ڈاکٹر بھی حیران ہیں کہ محافظ اولاد کی سات خوراک دوا استعمال کرنے کے بعد عورت کا اندرونی جسم بالکل قدرتی حالت میں آ جاتا ہے اور جب آٹھویں رات میاں بیوی........ ہوتے ہیں تو اسی رات یقیناً حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اس پرچہ کے ناظرین میں سے بھی سینکڑوں نے اس دوا کا تجربہ کیا اور بعض جگہ تو ایسی ایسی عورتوں کے ہاں اولاد ہونی شروع ہو گئی۔ جن کی شادی کو تیس سال ہو چکے تھے آج دوا "محافظ اولاد" کی بدولت سینکڑوں بے اولاد عورتوں کی گود میں بچے کھیل رہے ہیں۔ اور وہ اس دوا کی ہر جگہ تعریف کرتی رہتی ہیں۔ اگر آپ میں سے بھی کوئی صاحب، اولاد سے محروم ہوں۔ یا شادی کو عرصہ گزر چکا ہو۔ اور حمل نہ ٹھہرتا ہو۔ یا حمل گر جاتا ہو تو آپ کو چاہئے کہ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۲ دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھ کر دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی۔ پارسل منگا لیجئے۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ اس شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) ہے اور پارسل پر صرف سات آنے خرچ ہوتے ہیں۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے سے یا اور کسی بیماری یا بے احتیاطی سے بعض اوقات عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت نرم اور ڈھیلے پڑ کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں اور اس طرح عورت کی ظاہری جوانی ختم ہو جاتی ہے۔ عورت کے ظاہری حسن کے لئے اس کے سینہ کو بھی جوان ہونا ضروری ہے۔ اگر نرم اور نیچے کو ڈھلکے ہوئے پستان پر مشہور دوا "پرسٹین" کا استعمال کیا جائے۔ تو یہ ثمر شباب (یعنی پستان) پھر از سر نو گول اور سخت ہو جاتے ہیں اور عورت پھر نوجوان لڑکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر گود میں بچہ ہو۔ اور وہ دودھ پیتا ہو تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ دوا نقصان نہیں کرتی۔ اس زمانہ میں بھی دوا "پرسیٹین" استعمال ہو سکتی ہے۔ پستان کو دوبارہ سخت اور گول کرنے کے لئے یہ دوا سالہا سال سے مشہور ہے۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (محصول ڈاک سات آنے) (۴/۱۵)

منگانے کا پتہ۔ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۲ دہلی

ماہواری ایام کی خرابیاں

عورت ذات کو ماہواری ایام کا باقاعدہ آنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی باعث ایام کم آتے ہوں یا درد اور تکلیف دے کر آتے ہوں یا بند ہو گئے ہوں یا مہینہ میں دو بار یا رک رک کر آتے ہوں یا ایام ماہواری کی اور کوئی خرابی ہو، دورے وغیرہ پڑتے ہوں تو یقین کیجئے کہ ماہواری ایام کو درست اور باقاعدہ اور ہر ماہ وقت مقررہ پر لانے کے لئے سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مریضہ کو ایک شیشی دوا "کورس" استعمال کرا دی جائے۔ دوا کورس کا حیرت انگیز اثر دیکھ کر ہر شخص خوش ہو جاتا ہے۔ اس دوا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے۔ اور پھر بغیر تکلیف کے ہر ماہ ایام ماہواری آتے ہیں اور پھر ایام کے دنوں میں درد وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بڑی معرکہ کی دوا ہے اور سالہا سال سے ہندوستان میں شہرت حاصل کر رہی ہے۔ ایک شیشی کورس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور سات آنے محصول پارسل پر لگتے ہیں۔ آج ہی لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۲ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔

جرمنی کشیدہ کاری کی مشین (بہت کم قیمت)

اب آپ کی بہو بیٹیوں کو ہنر سیکھنے کا موقع ہے۔ جرمنی میں ایک مشین تیار ہوئی ہے جس کے ذریعہ کشیدہ کاری کا کام بہت آسان ہو گیا ہے جو کام کشیدہ کاری کا ہاتھ سے دو گھنٹے میں ہوتا ہے۔ وہ اس مشین کے ذریعہ صرف پانچ منٹ میں تیار ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کے کپڑوں پر تکیہ کے غلاف میز پوش پلنگ کی چادریں۔ غرضیکہ جس چیز پر کشیدہ کاری کی ضرورت ہو اس مشین کے ذریعہ دیکھتے دیکھتے ہو جاتی ہے۔ ہر لڑکی بہت آسانی کے ساتھ اس مشین سے کام کر سکتی ہے۔ بہت آسان ترکیب ہے۔ کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ترکیب استعمال کا مکمل فارم مشین کے ساتھ ہوتا ہے یہی استاد ہے۔ ہر شریف گھرانے کی بہو بیٹیوں کو اس کارآمد مشین کی ضرورت ہے۔ لہذا آپکو چاہئے کہ منیجر کامیاب بک ڈپو پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر یہ مشین بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ ایک مکمل مشین کی قیمت صرف تین روپے ہے۔ محصول پر سات آنے خرچ ہوں گے۔ آپ کی بچیاں یہ مشین اور اس کا کام دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں گی۔ واضح رہے کہ یہ مشین جرمنی کی بنی ہوئی ہے۔ دیسی نہیں ہے۔ آج کل کے بعض تاجر دیسی مشین فروخت کر کے پبلک کو الجھن میں ڈال رہے ہیں۔ لہذا دیسی مشین ہرگز نہ خریدیئے۔ کیونکہ وہ جرمنی مشین کی طرح کارآمد نہیں ہے آپ صرف جرمنی مشین طلب کیجئے اور اس کے لئے کامیاب بکڈپو کا مندرجہ بالا پتہ یاد رکھئے۔

سوزاک کا شرطیہ علاج

پرانا سوزاک ہو یا نیا۔ اور خواہ کتنی ہی تکلیف بڑھ گئی ہو۔ اگر ایک شیشی کلوزول اس بیماری کو دور نہ کرے تو ہر حال میں قیمت واپس یہ وہ دعویٰ ہے۔ جو علی الاعلان سالہا سال سے منظر عام پر ہے "کلوزول" دوا نے سینکڑوں مریضان سوزاک کو تندرست کر دیا ہے۔ ہر ولایتی دوا کے مقابلہ پر "کلوزول" اول نمبر رہی۔ اور نوے فیصدی سوزاک کے مریضوں کو مکمل تندرست کر کے دکھایا۔ خود سینکڑوں ڈاکٹر معترف ہیں کہ کلوزول سے بہتر سوزاک کا دوسرا کوئی علاج نہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد مریض خود بخود اس دوا کا معتقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کلوزول کی ایک ایک خوراک اپنا اثر ثابت کرتی چلی جاتی ہے۔ اور پوری شیشی استعمال کر چکنے کے بعد مریض مکمل تندرست ہوتا ہے۔ اگر اس دوا کی کسی بھائی کو ضرورت ہو تو جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالی جائے۔ ایک شیشی کلوزول کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ (۲/۸) محصول سات آنے۔

پیشاب بعد سفید قطرہ

اگر کسی مرد کو پیشاب کرنے کے بعد یا پیشاب سے پہلے یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر ہی سفید قطرہ آجائے (یعنی مادہ خارج ہو جائے) تو اسے جریان کی بیماری کہتے ہیں۔ جریان بڑا موذی اور دردناک مرض ہے۔ اس کا فوراً علاج ضروری ہے

علاج ہندوستان کے لاتعداد ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے کہ جریان کا مرض دور کرنے کے لئے دوا جوہر اعظم سے بہتر اور کوئی علاج نہیں۔ اس دوا کے استعمال کے بعد یہ مرض بالکل جاتا رہے گا۔ اگر رات کو سوتے میں احتلام (یعنی خواب) ہو جاتا ہے یا پیشاب سے پہلے یا بعد میں سفید رطوبت خارج ہوتی یا سرعت کی شکایت ہے تو اس سے غفلت ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ آج ہی ایک خط جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کے پتہ پر لکھ کر جوہر اعظم دوا کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی منگا کر استعمال کریں۔ جریان کا مرض ایسا جاتا رہیگا جیسے تھا ہی نہیں۔ ایک شیشی جوہر اعظم کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنہ (۳/۸) محصول پارسل اندرون ہند معاف) ممالک غیر کے منگانے والوں سے محصول چارج کیا جائے گا کیونکہ وہاں زیادہ محصول لگتا ہے۔

اشعارِ رنگا رنگ

(از جناب اشفاق مرزا صاحب دہلوی)

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو	حسن بریلوی	ہم اگر ان کو بھلائیں تو کسے یاد کریں
میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپ کا حسنِ شباب	ظفر	ہنس کے بولا وہ صنم شانِ خدا تھی میں نہ تھا
جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں	اکبر	یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر
رات بھر اُن کا تصور دل کو تڑپاتا رہا	اختر شیرانی	ایک نقشہ سامنے آتا رہا۔ جاتا رہا
اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل	اقبال	لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے
قیامت میں دھرا کیا ہے؟ قیامت کسکو کہتے ہیں؟	انجم	ترے کوچہ میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا؟
زلفوں سے تمہاری ہوں پریشان زیادہ	ظفر	دیکھو میری اِس حالِ پریشان میں صورت
دِل میں اس طرح سے ارمان ہیں آزادی کے	چکبست	جیسے گنگا میں جھلکتی ہے چمک تاروں کی
حیا سے سر جھکا لینا۔ ادا سے مسکرا دینا	اکبر	حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
لئے جاتی ہے کہاں زیست کے مجرم کو ازل	قمر بدایونی	قید ہستی سے بھی کیا بڑھ کے ہے زنداں کوئی
عبرت سے بھرا کتنا عاشق کا فسانہ ہے	رند	ہنسنے کو جہاں سارے رونے کو زمانہ ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	اقبال	یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر	ظفر	مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا
دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے	صبا	بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا
گندمی رنگ بھی ہے زلفِ سیاہ فام بھی ہے	صبا	مرغِ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے
چشمِ آہو نہ ملی دیدۂ نرگس نہ ملا	امیر	اے حیا تم کو نہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا
دل میں رہ جائے تڑپنے کی نہ حسرت باقی	رند	تہ دام اور پھڑک لینے دے صیاد ابھی
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی	چکبست	کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی
وہ بھی کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی	داغ	رنج سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی

ادبی سرمستیاں

کیا تم بھی مجھے یاد کر رہے تھے

بہار کا خوشگوار موسم تھا۔ تختۂ چمن میں بسنتی پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ مولسری اور چنبلی کے پھول جھوم رہے تھے۔ بلبل پھولوں کو چوم رہی تھی۔ مجھے باغ کا یہ نظارہ بے حد پسند آیا...... آہ کتنا خوبصورت تھا وہ نظارہ...... اس وقت میں تمہیں یاد کر رہی تھی..... کیا تم بھی مجھے یاد کر رہے تھے؟

ایک دن جب کہ ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ دیہاتی لڑکیاں ندی کنارے پیپل کے درخت پر جھولا جھول رہی تھیں اور وہ میٹھے درد بھرے راگ سے یہ گیت گا رہی تھیں۔

آؤ پیا پی جھولا جھولیں.... آؤ پیا پی

مگر خاموش بیٹھی...... میں تمہیں یاد کر رہی تھی.... کیا تم بھی مجھے یاد کر رہے تھے؟

ایک مرتبہ سب سے بے خبر اپنے کمرے میں کھڑکی میں تمہیں یاد کر رہی تھی اچانک کسی نے پیچھے سے میری آنکھیں بند کر دیں..... میں نے کہا آہ چھوڑ دو...... ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹا لئے گئے۔ .. .. میں نے مڑ کر دیکھا تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی...... اور جھٹ یہ الفاظ میری زبان سے نکلے۔ میں تمہیں یاد کر رہی تھی... ...... انہوں نے جوش مسرت سے ہاتھ دباتے ہوئے کہا کیا تم بھی مجھے یاد کر رہی تھیں...... اور ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں کھو گئے۔ نہ جانے ابھی کتنے وقت یونہی رہتے...... کسی راہ گیر کی رسیلی آواز نے ہمیں چونکا دیا...... وہ یہ گا رہا تھا........

بھول نہ جانا پریت نبھانا

(پوشیدہ بانو امید)

کامیاب مسرت

مسرت! میں نے تجھے نئے نشاط کی شرر افشانیوں میں، دل کی گہرائیوں میں، فریب عقل کی ہوشیاریوں میں، تخیلات کی بیداریوں میں تصورات کی گل کاریوں میں، آبشار کے ترنم میں، دریا کی موجوں میں، بہار کی رنگین فضاؤں میں، صبح کے سہانے میں اس کی ضیاؤں میں، انوار شبستان میں شفق کی سرخی میں، شام کے لالہ افشاں میں رات کی خوش تاریکیوں میں، صبح کے داماں میں تلاش کیا، مگر تیرا پتہ نہ چلا۔

تیری خاطر میں نے کوہ و دشت چھان مارے وادی کا ذرہ ذرہ دیکھ ڈالا مگر ناکام رہا۔ آخر کار صحن چمن میں آیا۔

طائران خوش الحان کی زمزمہ سرائیوں میں تجھے تلاش کیا، سبزہ خوابیدہ سے جگا کر دریافت کیا، بلبل نالہ کش سے ہم آہنگ ہو کر پوچھا۔ خوش خرامان چمن سے دریافت کیا۔ وہ تیرا پاکیزہ نام سن کر جھومنے لگے۔ سرو شمشاد سے تیرا پتہ پوچھا وہ تیرا نام سن کر ششدر ہو گئے۔ نرگس سے التجا کی وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے گھورنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی جو سمٹ کر ایک گوشہ میں آئی اور شبنم کی صورت ٹپکنے لگی۔ وہ رو تی تھی اور مجھ سے ناآشنا ہونے کا ثبوت آنسوؤں سے دیتی تھی۔

میں گریہ کناں تھا، دل پر اداسی چھائے جا رہی تھی، میری نظروں میں اب دنیا اندھیر تھی ہر طرف یاس ہی یاس تھی۔ اس عالم ناامیدی میں سنبل نے اپنی زلفوں سے رخ روشن نکالا، میں شہاب ثاقب کی مانند آن واحد میں اس کے پاس جا پہنچا۔ میں نے وہاں کیا دیکھا؟ میری حیرت خود انگشت بدنداں تھی۔ آخر سنبل کی کیاری میں اپنی سیاہ دراز زلفیں بکھیرے کھڑی تھی جن کے سائے میں میری حقیقی مسرت رقصاں تھی۔ وہ میری آغوش محبت میں تھی۔ اور تمام کائنات مسرت سے لبریز تھی۔

(مختار احمد خاں رشیدی)

کہارن

(از جناب نثار سیمابی اٹاوہ)

وہ ذات کی کہارن تھی مگر تھی جوان ہی کوئی اٹھارہ۔ انیس سال کی عمر ہوگی چھریرا بدن بڑی بڑی آنکھیں گول چہرہ اور گندمی رنگ۔ جب وہ کنوئیں پر زمیندار صاحب کا پانی بھرنے جاتی اور وہاں سے سر پر ایک بڑا سا کلس اور کمر پر پانی سے بھری ہوئی رکھے ہوئے واپس آتی تو راستے میں لوگ اس کی بوجھ سے لچکتی ہوئی کمر کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے بچاری آنکھیں جھکائے شرماتی لجاتی نکل جاتی اور اس کے پیچھے صرف چند الفاظ گونجتے رہ جاتے۔ "گوری دھیرے چلو گگری چھلک نہ جائے"

بات یہ ہے کہ چار سال ہوئے کہ جب اس کا باپ پلیگ کا شکار ہوچکا تھا۔ اب کوئی گھر میں اتنا نہیں جو اس کی دیکھ بھال کرے صرف اس کی بوڑھی ماں ابھی تک زندہ ہے۔ وہ بھی ہمیشہ کی مریض ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اب شوہر کی مفارقت سے اور بھی کمزور ہوگئی ہے۔ جب تک اس کے ہاتھ پاؤں چلے گھر کا کام کیا گاؤں والوں کا پانی بھرا اور اپنی پیاری موہنی کو تکلیف نہ ہونے دی مگر اب معذور ہے اب موہنی صبح و شام گاؤں کا پانی بھرتی ہے۔ زمیندار صاحب کے یہاں برتن مانجتی ہے چوکا کرتی ہے بقیہ وقت میں اپنا کھانا پکاتی ہے۔ اور اپنی بیمار ماں کی تیمارداری کرتی ہے گھر میں اتنا پیسہ تو ہے نہیں کہ ماں کو کسی وید یا حکیم کو دکھائے اور اس کی دوا دارو کرائے۔ ہاں پرہت جی نے جو کاڑھا دیا ہے روز صبح اسے پلا جاتی ہے مگر ابھی تک تو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

آمدنی بھی کچھ ایسی نہیں زمیندار صاحب دو روپیہ ماہوار دیتے ہیں تھوڑا بہت اور لوگوں سے بھی مل جاتا ہے۔ زمیندار صاحب اکثر کہا بھی کرتے ہیں "موہنی تو غریب ہے اس لئے تجھے دو روپیہ دیتا ہوں ورنہ دوسرا کہار ایک روپیہ میں بھی کام کرنے کو تیار ہے"

جب موہنی کا باپ زندہ تھا اس نے موہنی کی سگائی پاس ہی ایک گاؤں کے کھاتے پیتے کہار کے گھر لگائی تھی اس کا ارادہ تھا کہ موہنی کی شادی اگلی فصل میں بڑی دھوم دھام سے کرے گا اور اسی وجہ سے اس نے جوڑ جاڑ کر ایک جوڑی چاندی کے بھاری بھاری کڑے اور ہنسلی بھی بنوا رکھی تھی مگر اس سال گاؤں میں پلیگ پھیلا اور وہ اپنی پیاری موہنی کی شادی کے ارمان کو دل ہی میں لئے ہوئے راہی عدم ہوا۔

اب شادی کیسے ہو۔ موہنی خود ہی تیار نہ تھی۔ بیمار ماں کو کس پر چھوڑ دے غرض شادی ٹل گئی۔ سنا جاتا ہے کہ اب اس لڑکے کی شادی بارم پور کے ایک دوسرے کہار کے یہاں ہوچکی ہے۔

مئی کا مہینہ ہے زمیندار صاحب کا اکلوتا لڑکا چندرپال سنگھ بی اے تھرڈ ایر کا امتحان دے کر گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر آیا ہوا ہے۔ موہنی کو اب کچھ کام اور بڑھ گیا ہے کیونکہ کنور صاحب کے مورننگ باتھ کے لئے تازہ پانی بھرنے تڑکے ہی جانا پڑتا ہے زمیندار صاحب نے کہہ دیا ہے۔

"موہنی دیکھ چندر کو تکلیف نہ ہونے پائے تجھے ہینے پر کچھ اور پیسے مل جائیں گے۔

اور دیکھو صبح چندر کے لئے چا ربھی تیار کر جایا کرو"

اب موہنی صبح اٹھتے ہی کنور صاحب کے نہانے کے لئے پانی بھرتی ہے اور جب کنور صاحب غسل خانے میں چلے جاتے ہیں وہ چائے بنانے بیٹھتی ہے اور جب وہ غسل خانے سے نکل کر آتے ہیں بے چاری کیتلی میں چائے لیکر جاتی ہے اور ان کی میز پر رکھ دیتی ہے وہ اکثر یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ کنور صاحب اس کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے اور وہ جلدی سے کمرے کے باہر نکل آتی ہے۔

ایک دن صبح جب وہ چائے تیار کرکے میز پر رکھنے گئی تو اس نے دیکھا کہ چندرپال اس کے چہرے کی طرف ٹکٹکی لگائے ہے۔ وہ جلدی سے کیتلی رکھ کر باہر نکلنا ہی چاہتی تھی کہ چندرپال نے اس کی دھوتی کا دامن پکڑ لیا اور بولا۔

"ذرا ٹھہرو"

وہ شرما گئی اس نے اپنی گردن جھکالی۔

"میں تم سے پریم کرتا ہوں"

"کیا"

"دیکھو میری زندگی تمہارے ہاتھ ہے"

وہ خاموش کھڑی رہی اس کا جسم پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

چندرپال نے دھوتی کا دامن چھوڑ دیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"مجھ پر دیا کرو"

موہنی اب بھی خاموش تھی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اس

کی جانی پہچانی پرچھائیں کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ چندر پال نے پھر کہا۔

"بولو تیار ہو؟"

"نہیں۔"

"نہیں" کیوں؟

کیا تمہیں معلوم نہیں ہے۔ تمہارا گاؤں میں رہنا مشکل ہو جائیگا

میں آنا ہی چاہتا ہوں۔ سے کہہ کر تمہاری نوکری چھڑوا دوں گا۔ پھر تم در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرو گی۔ بھیک مانگو گی۔ معلوم ہے نا؟

موہنی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کیا کرے۔ اب اُس کے دل میں طرح طرح کے خیالات موجزن تھے۔

اگر میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی تو......... نہیں.......

کنور صاحب ٹھاکر صاحب سے کہہ کر پانی بھروانا بند کرا دیں گے ان کے کہنے سے تمام گاؤں میں دوسرا کہار رکھا جا سکتا ہے۔

اگر میں ان زمیندار صاحب سے سچ کہہ دوں تو........ ثبوت کیا ہوگا........ وہ اپنے لڑکے کے سامنے میری بات سچ کیوں ماننے لگے۔ اگر نوکری چھوٹ گئی تو کھائیں گے کہاں سے۔ ماں کے کارج کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ اگر ماں بھی مر گئی تو پھر گاؤں میں میرا کون ہے۔

کنور صاحب چاہیں تو ہمیں گاؤں سے نکلوا دیں۔ ہمیں پولیس کے سپرد کر دیں۔ ہمیں کسی دوسرے گاؤں میں بھی نہ ٹکنے دیں۔ آخر کار ماں کی محبت اور پیٹ کا سوال عصمت پر غالب آ گیا۔

اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے دوڑ گئے۔

کنور صاحب نے پھر کہا۔

"بولو" کہیں یا نہیں۔؟

"ہاں" موہنی بولی۔

کنور صاحب کی پیشانی ومک اٹھی کمرے کے کواڑ بند ہو گئے۔

قریب آٹھ ماہ گذر گئے گاؤں بھر میں جگہ جگہ موہنی کے حمل کے چرچے ہیں۔

یار یہ لڑکی ایسی تو ہے نہیں۔

ابی ان کمینوں کا کیا ٹھیک ہے۔

مگر یار یہ حمل ہے کس کا۔

کیا معلوم۔ ہوگا کسی کا۔

ہوتے ہوتے زمیندار صاحب کو بھی اطلاع ہوئی انہوں نے ایک دن چھبال پر بلایا اور یہ کہہ کر حساب صاف کر دیا کہ تجھ جیسی بدچلن لڑکی کا بھو بیٹیوں میں کام نہیں۔ قریب ہی بیٹھے ہوئے پروہت جی بھی بولے۔

"ہاں بھائی میرے یہاں بھی نہ آیا کر کل اپنے پیسے لے جانا۔"

موہنی بے چاری کھڑی کھڑی خاموش سن رہی تھی۔ اُس کے دل میں ہراس تھا اور آنکھوں میں آنسو۔

کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ موہنی حویلی کے چاوڑی بازار میں ایک کوٹھا کرایہ پر لئے ہے اب اُس کے ہاں زیور بھی ہے اور روپیہ بھی اچھے اچھے کھانے بھی ہیں اور کپڑے بھی۔ اس کی بیمار ماں چھ ماہ ہوئے مر گئی ہے۔ اب پیٹ پوری طرح عصمت پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔

پہلے آپ سے کہنا چاہتا ہوں

پہلے تو آپ کو علم ہے کہ برطانوی محاذ اور جرمنی کی آپس میں ٹھن رہی ہے۔ اور اسی سبب سے تجارتی مال کی آمد و رفت میں رکاوٹ پڑ گئی ہے، مجھے یہ خطرہ پہلے سے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر جنگ کا اعلان ہوا تو سب سے پہلے کاغذ کی گرانی کا رونا رویا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو کاغذ محشر خیال میں لگایا جا رہا تھا اس کی قیمت دوگنی ہو گئی اور اس قیمت پر بھی بھاؤ ٹھیرنے کے آثار نہیں ہیں خدشہ یہی ہے کہ ابھی اس کاغذ کا بھاؤ اور تیز ہوگا۔

غور کرنے کی بات

اب میرے اور آپ کے لئے سوچ میں پڑ جانے کی بات یہ ہے کہ گزشتہ پرچے میں دوشیزہ نمبر شائع کے ساتھ نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کے انتظامات کیلئے پورا نقشہ تیار کر لیا گیا تھا کہ یکایک جنگ کے دیو نے تمام انتظامی رجحانات پر حملہ کر دیا۔

کاغذ مہنگا ہوا چھپائی کی سیاہی کی قیمت بڑھ گئی۔ اور چاروں طرف سے گرانی کی آوازوں نے جری بازوؤں کو شل کر دیا، ہمت توڑ دی اور ہمکو مجبوراً آپ کے سامنے دوشیزہ نمبر نکالنے کی اسکیم پر غور کرنے کی دعوت دینی پڑی۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ موجودہ گرانی سے قبل بھی محشر خیال دو سو روپیہ ماہوار کا نقصان برداشت کرتا رہا ہے۔ آپ یہ کہیں گے کہ میرے دماغ میں کسی جانور نے کاٹا ہے کہ اس نقصان کو اٹھا رہا ہوں بیشک ہمارے دماغ نے اردو ادب کی خدمت اور قومی فلاح و بہبود اور اصلاح معاشرت و تمدن کی تبلیغ نے اس نقصان کو برداشت کرنے کی دعوت دی۔ جواب بھی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے اور خدا کا فضل شامل حال رہا تو قائم رہے گی۔ مگر اس ہمت اور جرأت کو بڑھانے کے لئے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو اپنا رفیق سمجھکر مشورہ لینے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ اس دور میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

میرا خیال یہ ہے

کہ اس گرانی کاغذ اور طباعت کے دور میں دوشیزہ نمبر نکالنے کے ارادہ کو استقامت دینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اس وقت تن دہی کے ساتھ محشر خیال کی اشاعت کو بڑھانے کے لئے کام کیجئے اور یہ فیصلہ کیجئے کہ آپ کو اس مہینہ میں اپنی کوشش سے دو دو نئے خریدار ضرور دینے ہیں اور ان کا چندہ محشر خیال کے دفتر میں لازمی طور پر بھجوا دینا ہے۔ اگر آپ نے اس اسکیم پر عمل شروع کر دیا تو موجودہ گرانی کا مقابلہ کر کے دوشیزہ نمبر ہی کروفر کے ساتھ نکلے گا جس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔

کیا رسالہ کا چندہ بڑھا دیا جائے

یہ بھی خیال تھا کہ اس گرانی کے زمانہ میں آپ سے یہ اپیل کی جائے کہ بھائی صاحب اگر آپ کو اپنے محشر خیال سے ہمدردی ہے اور اس کو زندہ رکھنا ہے تو بجائے ایک روپیہ سال ادا کرنے کے اب دو روپیہ سال ادا کیجئے تب محشر خیال کی بقا کا انتظام ہو سکتا ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ آپ کو دو روپے سال ادا کرنے میں تامل ہوگا۔ آپ کے سامنے ایک ایسی اسکیم پیش کر دی ہے جو کسی طرح بھی آپ پر بار ثابت نہیں ہوتی۔ اور آپ آسانی کے ساتھ صرف چند منٹ میں اسکو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔

آپ اس خبر سے ناواقف نہ ہوں گے کہ انگریزی اخبارات اور ماہوار میگزینوں نے بھی یا تو اپنی ضخامت گھٹا دی یا سالانہ چندہ بڑھا دیا۔ مگر محشر خیال نے موجودہ گرانی کے مقابلہ کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل سامنے رکھا ہے جو کسی حالت میں نہ رسالہ کی ظاہری خوبیوں اور نہ ضخامت کی صورت میں فرق آنے دیتا ہے

ایک دوسرا طریقہ

اگر آپ کو اس میں بھی تامل ہو کہ کسے فرصت رکھی ہے کہ خریدار بنائے اور کون کسی کی خوشامد کرے تو آپ اپنی خودداری کو بھی نہ چھوڑیئے اور اپنے محشر خیال کی امداد بھی گھر بیٹھے اس طرح سے کیجئے کہ محشر خیال کی بک ایجنسی سے ایک ایک دو دو روپے کی اپنی پسند کی کتابیں منگا لیجئے۔ اس سے یہ ہوگا کہ بک ایجنسی کے اسٹاک میں سے کتابیں فروخت ہو جائیں گی اور محشر اپنے اسٹینڈرڈ کو قائم رکھ سکے گا۔

ہر قسم کی کتابیں اور قرآن مجید

آپکو دفتر محشر خیال سے مل سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ دیکھیں کہ محشر خیال کے موجودہ پرچہ میں آپ کے مطلب کی کوئی کتاب نہیں ہے تو آپ دفتر میں

[illegible]
[illegible]م کرکے روانہ کردی جائیں گی۔

دوشیزہ نمبر کی تیاری

اس نمبر کی تیاری میں جو ترتیب قائم کی گئی ہے۔ تو اس سے یہ ابتدائی نوعیت کا یہ ہندوستان کا پہلا پرچہ ہوگا جس میں رنگین اور بہار آفریں مضامین آپ کی نظر کے سامنے آئیں گے، جو جذبات انگیز نغمیں اور جو نظمیں کیف و سرور کا باعث ہونگی۔ نظر فریب نائیٹل اور سادہ جو دی پیدا کردیں گے۔ غرضیکہ دوشیزہ نمبر ایک ایسی مجموعی تصویر ہوگا جس کو نظر سے اوجھل کرنا نامعلوم ہوگا۔

تجارتی نقصان کا موازنہ

اب تو جنگ کی وجہ سے تجارتی کاروبار پر جو اثر پڑ رہا ہے اس نے مشکلات میں اضافہ کردیا ہے۔ جنگ سے قبل بھی گزشتہ چند سال سے کتابوں کی تجارت میں نقصان رہا ہے جس کی وجہ سے مخشر خیال مالی مشکلات میں مبتلا ہوتا رہا ہے۔ کتابوں کی تجارت کو کچھ کیمیا کہا جاتا تھا مگر اب گرانی کاغذ اور کمیشن نے اس تجارت کو اس درجہ تک پہونچا دیا ہے کہ نفع برائے نام رہ گیا ہے۔ اس لحاظ سے مخشر خیال کو دو نقصانات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔

اگر مخشر خیال کوئی مذہبی یا فرقہ پسند پرچہ ہوتا تو اس آڑ میں اپیل کرکے امدادی رقوم وصول کر لیتا۔ مگر یہاں تو اصول اور ضمیر روکتے ہیں کہ ضمیر ملامت کرے اور اصول اجازت نہ دے۔ اب مخشر خیال کے نقصان کو پورا کیا جائے تو کس طرح۔

میرے پاس تو مخشر خیال کی بقا کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ میں آپ سے صرف خریدار بڑھانے کی پرزور اپیل کرتا رہوں۔

اور جب آپ میری اس اپیل پر توجہ نہ کریں تو قرض لے کر نقصان پورا کرتا رہوں۔ مگر کسی سے قرض کب تک لیتا رہوں اور کب تک مخشر خیال کو قرض کے بوجھ سے دباتا رہوں۔

ہمدردی کی ضرورت

اگر آپ کے دل میں کچھ درد ہے اور اپنے مخشر خیال کو بہترین صورت میں دیکھنے کی آرزو ہے تو میرے ساتھ اتنی ہی ہمدردی باعث صد شکر ہوگا کہ خریدار بڑھایئے اور ان کا چندہ دفتر مخشر خیال میں منی آرڈر کے ذریعہ سے بھجوا دیجئے۔

خادم۔ محمد عبدالحق فاروقی مالک رسالہ مخشر خیال دہلی

دوشیزہ نمبر کی ایک جھلک

حصۂ نظم

حورِ گلستان } شاعر نے ایک دوشیزہ مالن کی صبح کے وقت آمد کا ایک نہایت دلکش نقشہ کھینچا ہے۔

ہندی گیت } جیا نہ کلپا آسا جن جیا نہ کلپا۔ اس مطلع سے خود ہی اندازہ کیجئے کہ ہندی کے میٹھے بولوں میں کیا غضب ڈھایا گیا ہوگا۔

جوانی } جوانی کی ابتدا اور انتہا کو نظم کیا گیا ہے جس سے ناظر کے دل میں ایک کیف جذبات پیدا ہو جاتا ہے۔

عروسِ فطرت } "یہ چاندنی، یہ فضائے سیمیں، یہ بارش نور ہلکی ہلکی"۔ یہ مطلع اپنے اندر کس قدر جاذبیت رکھتا ہے۔ شاعر کے تخیلات کا اندازہ بغیر اس نظم کے پڑھے نہیں کیا جا سکتا۔

پیکر آرزو } ایک دوشیزہ کی تصویر کو دیکھ کر شاعر نے اپنے جذبات اور تخیلات کا خاکہ کھینچا ہے۔ دلچسپ انداز میں۔

ہمہ گیری عشق } عشق ہی دنیا میں سب کچھ ہے اور اس کا ہر جگہ چرچا ہے اس کے بغیر کوئی انسان، انسان ہی نہیں کہلایا جا سکتا۔

دوشیزہ فطرت } "تم کیا ہو۔ تماشہ ہو۔ ننھی سی گجریا ہو"۔ ایک کنواری لڑکی کا نقش دوشیزگی۔ شاعر کے جذبات کا قابل دید تخیل۔ خود دوشیزہ اور ناظر کی زبان سے۔ وغیرہ وغیرہ

حصۂ نثر

پہلا گناہ ایک دوشیزہ کا قلق جس نے محبت کی خاطر گناہ کیا۔ افسانہ
نیا چاند۔ مزاحیہ رنگ میں ایک دوشیزہ کو چاند کی مثال دیکر پیش کیا گیا ہے۔
مکالمہ۔ "من ترا حاجی بگویم۔ تو مرا حاجی بگو" اس مصرعہ کے برعکس ایک پرچی مکالمہ
مجھ سے۔ عشق کے مبتلا کا تخاطب اپنے معشوق سے فراق کی دلچسپ کہانی۔
تقدیر کا ایک رخ۔ دل کے ٹکڑے اڑا دینے والا افسانہ جس کے پڑھنے سے رنگینی بہار آفریں اور کیف و سرور کی چاشنی ہلچل مچا دے گی۔

یہ مختصر سا خاکہ دوشیزہ نمبر کے چند مضامین کا ہے جس کی مانگ بڑی تیزی سے ہو رہی ہے۔ یہ نمبر اپنی گوناگوں خوبیوں کے ساتھ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو شائع ہو جائے گا۔ آپ آج ہی آرڈر دیدیجئے اس نمبر کی قیمت چار آنے ہوگی مستقل خریداروں کو مفت ملے گا۔

منیجر مخشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

قسمت آزمائی کا بہترین موقعہ

ایمانداری اور دیانتداری ہمارا نصب العین ہے

تفریحی معمہ نمبر ۱

ایکہزار روپیہ انعام

پہلا انعام	مبلغ بیس روپے

دوسرا انعام مبلغ پانچ روپے (۵)	تیسرا انعام مبلغ تین روپے (۳)	چوتھا انعام مبلغ دو روپے (۲)

فیس داخلہ فی حل آٹھ آنے

دو حل ایک نام سے بھیجنے والے کو تیسری کوپن بلا فیس

آخری تاریخ داخلہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء

... قسمت ... اخبار ... نکل ... ری ... ست ...

انگریزی اخباروں اور رسالوں میں تو معمہ جات کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے لیکن اب تھوڑے عرصے سے ہندوستان کے بعض اخبارات اور رسالوں میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ معمہ جات کا سلسلہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے کیونکہ معموں کے حل کرنے سے دماغی قوتوں میں اضافہ ہونے کے علاوہ انعامات بھی ملتے ہیں اور یہ فرصت کے اوقات کی بہترین تفریح بھی ہے۔ لیکن جسقدر یہ سلسلہ کامیاب ہونا چاہئے تھا اتنا ہوا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی اخبارات اور رسائل معمہ دیتے وقت تو گرانقدر انعامات کا اعلان کر دیتے ہیں۔ لیکن انعامات تقسیم کرنے کے وقت وہ کسی کو ایک پیسہ بھی نہیں دیتے اس لئے ایک مرتبہ پھنس جانے کے بعد کوئی شخص دوسری مرتبہ اس میں شریک نہیں ہوتا اور اپنے زیر اثر حلقہ کو بھی اس جال میں پھنسنے سے بچا لیتا ہے۔ ہم نے بھی کچھ عرصہ سے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ہمارے معموں میں شریک ہونے والے حضرات اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اپنے اعلان کے مطابق انعامات تقسیم کرتے ہیں۔ آج تک کسی صاحب کو دوسرے اخبارات اور رسائل کی طرح ہم سے یہ شکایت نہیں کہ ہم نے اعلان کے مطابق انعامات تقسیم نہیں کئے۔ ہم گرانقدر انعامات کا اعلان تو فی الحال کر نہیں سکتے کیونکہ ابھی پبلک کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اور حل زیادہ تعداد میں ہمارے پاس نہیں پہنچتے۔ لیکن اپنے اعلان کے مطابق انعامات تقسیم ضرور کر دیتے ہیں۔

ابتک ہم نے جتنے معمہ شائع کئے ہیں ان میں کتابیں اور رسالے وغیرہ انعام دیتے ہیں لیکن اب ہم نے ایک ہزار روپیہ نقد تفریحی معمہ جات کے سلسلہ میں تقسیم کرنے کے لئے رکھ لیا ہے لہذا آئندہ ہم تمام انعامات نقد تقسیم کریں گے۔ یہ تفریحی معمہ جات کے سلسلہ کا پہلا معمہ ہے۔ اس لئے اس مرتبہ ہم نے تیس روپے کے چار انعامات مقرر کئے ہیں۔ اگر آپ حضرات نے اس میں دلچسپی لی اور حل ہمارے پاس کافی تعداد میں پہنچنے لگے تو ہم بھی رفتہ رفتہ انعامات کی رقوم بڑھاتے جائیں گے اور اک دن انگریزی اخباروں اور رسالوں کی طرح ہم بھی ہزاروں روپے کے انعامات تقسیم کرنے لگیں گے آپ بھی تفریحی معمہ کے سلسلے میں حصہ لیجئے ممکن ہے کہ پہلا انعام آپ کی قسمت میں ہو اور آٹھ آنہ فیس داخلہ دینے کے بعد آپ کی دماغی قوتوں میں اضافہ ہونے کے علاوہ آپ کو انعام بھی مل جائے کوشش کیجئے اگر آپ کی قسمت نے ساتھ دیا تو سودا منافع کا ہے اپنی پہلی فرصت میں معمہ حل کر کے روانہ کر دیجئے شرائط معمہ اور اشارات درج ذیل ہیں۔

تفریحی معمہ نمبر ۱ حل کرنے کی شرائط

۱۔ حل روشنائی سے صاف بھرا ہوا ہونا چاہئے۔ پنسل سے لکھے ہوئے اور مشکوک حل مقابلہ میں شریک نہ کئے جائیں گے۔

۲۔ تمام حل ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کی دوپہر تک دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں۔ اس کے بعد آئے ہوئے حل واپس کر دئے جائیں گے۔

۳۔ صحیح حل ایڈیٹر معمہ کے پاس موجود ہے جو حل اس کے مطابق ہوگا وہ صحیح سمجھا جائے گا۔

۴۔ ایک نام کے کوپن پر ایک ہی انعام دیا جائے گا۔

۵۔ اگر ایک لفظ سے دو لفظ بنتے ہوں گے اور وہ دونوں غلط ہوں گے تو دو غلطیاں سمجھی جائیں گی۔

(۴) اگر حل کا کوئی خانہ خالی رہ جائے گا تو وہ حل بیکار سمجھا جائے گا۔ اور فیس داخلہ بھی واپس نہ کی جائے گی۔
(۵) صحیح حل اور فہرست انعام یافتگان معمہ مکمل پتہ اکتوبر کے رسالہ میں شائع کردی جائے گی اور انعامات ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو روانہ کردیے جائیں گے۔
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا اور ہر لحاظ سے قابل تسلیم سمجھا جائے گا۔
(۷) حل ہمارے مطبوعہ کوپن کے علاوہ سادہ کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔
(۸) ایک ہی نام سے دو کوپن بھیجنے والا تیسری کوپن بلا فیس (فری) بھیج سکتا ہے۔
(۱۰) اگر حل کسی وجہ سے راستہ میں گم ہو جائے یا وقت پر دفتر میں نہ پہنچے تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔
(۱۱) فیس حل بار۔ یہ منی آرڈر یا بذریعہ ٹکٹ بھیجی جائے۔ اگر منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجی جائے تو بہتر ہے کیونکہ ٹکٹ راستہ میں گم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔
(۱۲) بالکل صحیح حل بھیجنے والے کو مبلغ بیس روپے۔ ایک غلطی والے کو مبلغ پانچ روپے۔ دو غلطی والے کو مبلغ تین روپے اور تین غلطی والے کو مبلغ دو روپے انعام دیا جائے گا۔
(۱۳) اگر ایک سے زیادہ حل صحیح ہوئے تو انعام مساوی طور پر تقسیم کردیا جائے گا۔ اسی طرح ایک غلطی والے۔ دو غلطی والے اور تین غلطی والوں کے انعامات بھی مساوی طور پر تقسیم کیے جائیں گے۔

اشارات

دائیں سے بائیں جانب

(۱) ہر انسان اس کا خواہشمند ہے۔
(۴) تم گئے بام پر اگر دیکھو + تم سے شرمائے گا ...... دیکھو
(۷) یعنی۔ پہنچنے والا (فارسی کا لفظ ہے)
(۸) باجہ کی ایک قسم
(۹) یعنی۔ ہنستا ہوا۔
(۱۰) اس کا پورا کرنا ہر شخص کو واجب ہے (ہندی کا لفظ)
(۱۲) یعنی۔ عزت
(۱۵) یعنی۔ روشنی
(۱۶) یعنی۔ غریب
(۱۸) جسم کا ایک حصہ

اوپر سے نیچے

(۲) منروا فلم کمپنی کا ایک مشہور فلم
(۳) یعنی۔ اکیلا
(۵) کھانے میں استعمال ہوتی ہے۔
(۶) یعنی۔ راستہ دکھانے والا
(۱۱)۔ ہنسنے میں پھول جو جھڑتے ہیں دلہن کے منہ سے ابھی ...... انہیں پھولوں کا بنا لا سہرا
(۱۲)۔ ہر شخص کو حاصل کرنا چاہیئے۔
(۱۳) عشق اور .... چھپائے نہیں چھپتے۔
(۱۶) یعنی۔ دروازہ۔

ر ۶	م ۵	۴	■	ت ۳	ل	و ۲	و ۱
			ق	۸	■	س	۷
		ث ۱۰	■	۵			خ ۹
	■		■		■	ت	
	■	■	م ۱۱	■	■		■
■		د	۱۴	■	م ۱۳	■	ع ۱۲
و ۱۶	■		ل		ش ۱۵	■	
	س ۱۸	■		ی			م ۱۷

(مجھے ایڈیٹر کا فیصلہ اور معمہ کی جملہ شرائط منظور ہیں)

نام .... پتہ .... فیس داخلہ مبلغ ....
تاریخ روانگی .... فیس داخلہ کس ذریعہ سے بھیجی گئی ....

معمہ بھیجنے کا پتہ:- ایڈیٹر معمہ رسالہ حشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

جنگ!

(از۔ ادارہ)

اعلان جنگ

یکم ستمبر کو ہٹلر نے جرمن فوج کے نام ایک اعلان جاری کیا کہ پولینڈ کی "دیوانگی" اور وہاں کی جرمن اقلیت پر وحشیانہ مظالم" کو ختم کرنے کے لئے جرمنی کے نزدیک اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں کہ پولینڈ کے خلاف فوج کشی کی جائے۔ اسی دن دوپہر کے وقت جرمن فوجیں پولینڈ میں تین اطراف سے داخل ہوگئیں۔ اور اس جنگ کا جس کے لئے تمام دنیا کے ممالک تیاریاں کر رہے تھے آغاز ہوگیا۔

برطانیہ اور فرانس نے اپنے وعدوں کے مطابق جرمنی کو الٹی میٹم بھیجا کہ اگر جرمن فوجیں پولینڈ سے واپس نہ بلائی گئیں تو یہ دونوں ممالک جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ جرمنی نے ایک وقت متعینہ کے اندر الٹی میٹم کا کوئی جواب نہ دیا اس وجہ سے برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس اعلان کے بعد دنیا کے مختلف ممالک سے سرکاری اعلانات جاری ہوئے۔ برطانوی نوآبادیات نے برطانیہ کے ساتھ اظہار وفاداری کیا۔ بہت سے ممالک نے غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ کسی ملک نے جرمنی کے ساتھ لڑنے کا وعدہ نہیں کیا۔ چنانچہ مختصر طور پر اس وقت صورت حال یہ ہے کہ برطانیہ اور فرانس اور نوآبادیات ایک طرف ہیں۔ جرمنی دوسری طرف۔ امریکہ۔ روس۔ اور جاپان غیر جانبدار ہیں۔ اٹلی اور اسپین بھی غیر جانبدار ہیں۔ لیکن ان ممالک کی غیر جانبداری کوئی معنی رکھتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ممالک وقت کے منتظر ہوں۔ ظاہر ہے کہ اٹلی کی ہمدردیاں جرمنی ہی کے ساتھ ہوسکتی ہیں۔

جنگ کے اسباب

سطحی نظر سے اگر دیکھا جائے تو جنگ کا سبب جرمنی کا پولینڈ پر حملہ کرنا ہے۔ لیکن یہ اصل سبب نہیں۔ صرف فوری سبب ہے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سرویا کے ایک شہر میں آسٹریا کے ولیعہد کے قتل ہوجانے کی وجہ سے شروع ہوگئی تھی۔ لیکن صرف ایک شہزادہ کے قتل کی وجہ سے دنیا نے اپنے آپ کو آگ کے اندر نہیں پھینک دیا تھا۔ ایندھن پہلے سے موجود تھا صرف ایک چنگاری لگانے کی ضرورت تھی۔ اگر ایندھن موجود نہ ہوتا تو چنگاری کیا کام کرتی۔ یہی حال موجودہ جنگ کا ہے۔ مختلف طریقوں سے ایندھن جمع کیا جا رہا تھا۔ پولینڈ پر حملہ نے ایک چنگاری کا کام دیا۔ اور آگ بھڑکنی شروع ہوگئی

ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ ایندھن کس طرح جمع کیا گیا یہ الفاظ دیگر کون کون ممالک موجودہ جنگ کے ذمہ وار ہیں اور کس طرح۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے کہ فسطائیت اور نازیت دنیا کے امن وامان اور صلح وآشتی اور ہماری تہذیب کے لئے زبردست خطرات ہیں اور جتنی جلدی دنیا اس بربریت سے نجات حاصل کرسکے اتنی ہی زیادہ تہذیب انسانی ترقی کرسکے گی۔ لیکن فسطائیت کے لئے زمین کس نے تیار کی؟ معاہدۂ ورسائی نے۔ گزشتہ جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد ورسائی کے محل میں فاتح اقوام کے نمائندے جب جمع ہوئے تو ان کے دلوں میں انتقام کا جذبہ موجزن تھا انہوں نے مفتوح اقوام کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ مسٹر لائڈ جارج اور موسیو کلیمنسو نے جو صلحنامہ تیار کیا وہ ایک وقتی چیز تھی۔ ایسا صلحنامہ دنیا میں دائمی طور پر امن کا ضامن نہیں ہوسکتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہوگیا۔ جرمنی اور اٹلی میں جو بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی تھی اس سے وہاں کے چند خودغرض اور پاگلوں نے فائدہ اٹھایا۔ وہاں کے نوجوانوں کو جمہوریت اور آزادی کے خلاف بھڑکایا۔ یہ ایک جذباتی چیز تھی۔ فسطائیت اور نازیت کی بنادیں اسی پر تیار کی گئیں۔

مسولینی نے اٹلی میں اور ہٹلر نے جرمنی میں جس قسم کی نیشنلزم کی بنیاد ڈالی اس کا سب سے بڑا اصول جنگ تھا۔ یہ نیشنلزم جنگ سے پیدا ہوا۔ اور جنگ ہی اس کا منتہائے مقصود ہونا چاہئے تھا۔

مسولینی اور ہٹلر کی پالیسی صرف اٹلی اور جرمنی کو اندرونی طور پر مضبوط کرنا ہی نہ تھا بلکہ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی اقوام کو ختم کر کے نئے سامراجوں کی بنیاد ڈالنی تھی۔ اٹلی نے حبشہ اور البانیہ اسی لئے۔ جرمنی نے آسٹریا۔ چیکوسلواکیا اور میمل پر اسی لئے قبضہ کیا۔ برطانیہ اور فرانس نے ان نئے سامراجوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو شروع ہی میں نہیں روکا۔ اس کا نتیجہ آج ہم جنگ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔

اگر ہم نظر غائر سے دیکھیں تو جنگ کا سب سے بڑا سبب نظام سرمایہ داری ہے۔ نظام سرمایہ داری نے لازمی طور پر شہنشاہیت کو جنم دیا دنیا میں مساوات کی عدم موجودگی۔ بہت سے ممالک کا دوسرے ممالک پر

اشیائے خام پر غلط قسم کا کنٹرول اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں ہیں جو جنگ کا سبب ہیں۔ جب تک ترازو کے دونوں پلڑے یکساں نہیں ہونگے جنگ کے امکانات باقی رہیں گے۔

ہندوستان اور جنگ

ہمارے سامنے یہ بہت بڑا سوال ہے کہ ہم موجودہ جنگ میں کس کا ساتھ دیں۔ ظاہر ہے کہ جرمنی پر پولینڈ نے جو حملہ کیا ہے وہ وحشیانہ ہے ہم کسی طرح اس کو جائز قرار نہیں دے سکتے۔ جہاں تک دنیا میں جمہوریت اور آزادی کے اصولوں کو قائم رکھنے کی کوشش کا سوال ہے ہندوستان بلاشبہ ان اصولوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہے گا۔ دنیا کے کسی ملک میں ان اصولوں کے لئے اتنی محبت نہیں ہو سکتی جتنی ہندوستان میں۔ ہم نے غلامی میں رہ کر ان اصولوں کی پرورش کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہر قسم کی سامراجی حکومت ختم ہو جائے اور اس کی جگہ جمہوریت قائم ہو سکے ہم موجودہ جنگ میں جمہوریتوں کا کس طرح ساتھ دے سکتے ہیں جب کہ ہم خود غلام ہیں اگر ہم آزاد ہوتے ہیں تو بہتر طریقہ پر جمہوریتوں کی امداد کر سکتے۔ لہذا ہمارے سامنے سب سے بڑا سوال خود ہماری آزادی کا ہے۔

لیکن اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ ہم برطانیہ کی اس مصیبت میں کوئی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ ہمارا مطالبہ آزادی جنگ سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے آزاد ہے۔ لیکن خود برطانیہ کے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان میں اسی اصول پر عمل درآمد کیا جائے جس کے لئے وہ آج یورپ میں لڑ رہا ہے۔ برطانوی مدبرین کو اس مسئلہ پر سوچنے کی سخت ضرورت ہے" مانچسٹر گارجین نے ہندوستان اور جنگ کے موضوع پر لکھتے ہوئے برطانیہ کو جو مشورہ دیا ہے۔ وہ برطانوی مدبرین کی توجہ کے قابل ہے۔

جنگ کے بعد صلح

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ جنگ کب تک ختم ہوگی۔ اس معاملہ کے متعلق کوئی پیشین گوئی کرنا سخت قسم کی غلطی ہوگی۔ برطانوی کابینۂ جنگ نے حال ہی میں جو اعلان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تین سال کے لئے جنگ کی تیاریاں کر لی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں اب مغربی محاذ (فرانس اور جرمنی کی سرحدوں پر) پر بھی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ گو اس وقت اس جنگ میں برطانیہ۔ فرانس اور جرمنی ہی شامل ہیں۔ لیکن آگے چل کر غیر جانبدار ممالک کو بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ اور کسی نہ کسی طرف اپنے آپ کو شامل کرنا پڑے گا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ جنگ کب تک جاری رہے۔

لیکن بہر حال جب کبھی بھی جنگ ختم ہو۔ اور جنگ کے بعد صلح ہو ہمیں ان اصولوں کو فراموش نہ کر دینا چاہئے جن کے خاطر دنیا کو اس آگ میں کود نے کی دعوت دی گئی ہے وہ اصول یہ ہو سکتے ہیں — مساوات۔ برادری اور آزادی ان اصولوں کیلئے انقلاب فرانس شروع ہوا۔ لیکن ان کو دوران انقلاب ہی میں بھلا دیا گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن اصولوں کی خاطر ہم نے جنگ شروع کی ان کو جنگ کے بعد یا جنگ کے دوران ہی میں فراموش کر دیں۔ ہمیں اس جنگ کے بعد ایسی صلح کی بنیاد ڈالنی چاہئے جو دائمی ہو۔ اور دائمی صلح اسی وقت قائم ہو سکتی ہے۔ جب ہم صلح کی میز پر تمام منتقمانہ جذبات کو بالائے طاق رکھ کر بیٹھیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ صلح ایک اور معاہدہ ورسائی بن کر رہ جائے۔

وہ دائمی صلح کیا ہے؟ ہم نے اسی مضمون میں کہیں تذکرہ کیا ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی اگر غلامی کا ایک شائبہ باقی رہا تو جنگ کے امکانات باقی رہیں گے۔ تمام دنیا کی قوموں کو مساویانہ آزادی دیجائے۔ ہر قسم کے سامراج کا خاتمہ ہو جائے۔ انہیں حالات کے ماتحت تہذیب انسانی ترقی کر سکتی ہے۔ اور انہیں حالات کے ماتحت ہم تمام دنیا میں ایک بین الاقوامی برادری قائم کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انسان کے دماغ کو ان تمام آلائشوں سے پاک کر دیا جائے جو پیدا ہوتی ہیں غلط قسم کے مذہب سے۔ غلط قسم کی قومیت سے اور غلط قسم کی پابندیوں سے۔ جب انسان کا دماغ ان تمام آلائشوں سے پاک ہو جائے گا اسی وقت ہم ایک دائمی صلح کی بنیاد ڈال سکتے ہیں۔

اگر ہمارا مقصد حاصل ہو گیا تو ہم جنگ کی تمام مصیبتوں اور دشواریوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم اپنے اس مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانی کر سکتے ہیں۔

دوشیزہ نمبر کی تیاری

اس نمبر کے لئے تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ مضامین بکثرت موصول ہو رہے ہیں مگر ان حضرات کو واضح رہنا چاہئے کہ جن کے مضامین دفتر میں پہونچے ہیں ان میں سے جن کا انتخاب ایڈیٹر صاحب کی قلم سے ہوگا وہی درج ہوں گے۔ باقی بصورت طلب واپس ہوں گے۔

دوشیزہ نمبر کو بہتر سے بہتر صورت میں دیکھنے کے لئے آپ زیادہ سے زیادہ خریدار بنایئے۔

منیجر محشر خیال دہلی

سکونِ دل

(از جناب پروفیسر اکبر خاں صاحب)

یہ انساں کم نظر انساں زر و سیم و جواہر پر — نہیں معلوم آخر کیا سمجھ کر جان دیتا ہے
یہ دُرِّ بے بہا یہ بیش قیمت آتشیں گوہر — یہ وہ چیزیں ہیں جن پر آدمی ایمان دیتا ہے

مگر اے کاش اس ظالم کو یہ معلوم ہو جاتا
سکونِ دل کبھی ان سے میسر ہی نہیں آتا

زر و سیم و جواہر ہے ان انسانوں کا سرمایہ — جو سرمایہ پرستی میں سکونِ دل کے دشمن ہیں
وہ ایواں جن کے حصے میں سکونِ دل نہیں آیا — زر و سیم و جواہر کے تباہی خیز خرمن ہیں

فنا ہوتی ہیں جب روحیں جہانِ زر پرستی میں
بپا ہوتا ہے ایک محشر سکونِ دل کی بستی میں

میں شاعر ہوں مری دولت سکونِ دل ہے دنیا میں — توکّل ہے مرا مذہب تخیّل میرا ایماں ہے
میں جامِ جم کے ذرّے دیکھتا ہوں خاکِ صحرا میں — انہی ذرّوں میں قیصر کا عظیم الشان ایواں ہے

گدائی میں شہنشاہی کا جوہر میرا حصّہ ہے
جو آنکھوں سے ٹپکتا ہے وہ گوہر میرا حصہ ہے

یہ وہ گوہر ہے جس پر ابرِ نیساں رشک کرتا ہے — یہ وہ گوہر ہے جس میں راز ہے دنیائے ہستی کا
یہ وہ گوہر ہے جس میں خون اپنا رنگ بھرتا ہے — یہ وہ گوہر ہے جس میں زعمِ باطل خود پرستی کا

کبھی انسان کو مغرور ہونے ہی نہیں دیتا
غمِ انسانیت سے دُور ہونے ہی نہیں دیتا

غروبِ مہر میں پنہاں طلوعِ ماہ میں عریاں — مری دنیا میں سیم و زر کا بھی اک خاص حصّہ ہے
سکونِ دل مری دنیا سے لیجاتا ہے ہر انساں — سکونِ دل مری دنیا کا راحت خیز قصّہ ہے

یہ وہ قصّہ ہے جس کو اہلِ دولت کہہ نہیں سکتے
سکونِ دل کی دنیا میں یہ ظالم رہ نہیں سکتے

عورت کا ایثار

(از جناب نیم اخونوی)

ڈاکٹر رشید نے عینک لگاتے ہوئے حیرت کے ساتھ شیاما کو دیکھا
شیاما نے بھی ڈاکٹر پر نگاہ غلط انداز ڈالتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"کیا تم دراصل پاگل ہو؟" ڈاکٹر رشید نے اور زیادہ متحیر ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ کو میرے پاگل ہونے میں شبہ کیا ہے۔ ڈاکٹر؟" شیاما نے پرنم آنکھوں سے ڈاکٹر کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے عینک چہرہ سے اتار کر ہاتھ میں ہلاتے ہوئے اور زیادہ عمیق نظروں سے شیاما کی طرف دیکھا.... جس سے اُسے شیاما کے پاگل ہونے میں شک معلوم ہو رہا تھا۔

شیاما نے بے تکی ہنسی ہنستے ہوئے اپنی ساڑی کے ایک کنارے کو پھاڑ کر ڈاکٹر کے گلے میں ڈال دیا اور کہا "ڈاکٹر یہ ہار میں تمہارے گلے میں پہنانا چاہتی ہوں۔" ڈاکٹر کے چہرہ پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا یہ خیال کہ "یہ پاگل نہیں ہے" بالکل غلط ہے۔ شیاما کو ایک کوارٹر میں لے جایا گیا، جہاں اسے ہمیشہ رہنا تھا۔

ڈاکٹر رشید روزانہ شیاما کے معائنہ کے لیے جاتا۔ اُسے شیاما سے غیر معمولی دلچسپی ہو گئی تھی، وہ بسا اوقات شیاما کو آبدیدہ پاتا۔ لیکن اسے دیکھتے ہی شیاما اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کرتی، ڈاکٹر گھنٹوں شیاما کے پاس بیٹھ کر گفتگو کیا کرتا۔ شیاما ہر بات کا جواب دیتی اور اتنا معقول کہ ڈاکٹر کو اس کے پاگل نہ ہونے کا شبہ یقین کی حد تک پہنچنے لگا۔

شیاما مرلی منوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار ہوئی تھی جرم بالکل عیاں تھا ثبوت بھی کافی تھے۔ لیکن شیاما پاگل ہونے کے سبب پھانسی پانے کے بجائے پاگل خانہ بھیجی گئی۔ مرلی منوہر شیاما کے ایک قریبی عزیز کا نوجوان لڑکا تھا اور شیاما کی شادی اسی سے ہونے والی تھی۔ مرلی منوہر شیاما کے گھر برابر آیا کرتا تھا ایک دن شیاما نے اُسے پستول کا نشانہ بنا دیا۔ بظاہر دماغی خلل کے سوا کوئی بات ایسی نہ تھی جس کے سبب شیاما نے یہ اقدام کیا ہو۔

ڈاکٹر رشید نے بارہا اس بات کی کوشش کی کہ شیاما سے اس راز کو دریافت کرے۔ مگر شیاما نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

شیاما نہایت حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کا چہرہ متانت اور سنجیدگی کا آئینہ دار تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے کی لڑکی تھی۔ اور بی۔ اے تک تعلیم حاصل کر چکی تھی۔

شیاما کا دماغی توازن جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ نہ وہ پاگل معلوم ہوتی تھی نہ فرزانہ، لیکن دن بدن کمزور ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ تین سال کی قید نے جہاں ڈاکٹر رشید کی کھچڑی ڈاڑھی کو بالکل سفید بنا دیا تھا۔ وہیں شیاما بھی بدل چکی تھی۔ اس کا چہرہ مرجھائے ہوئے گلاب کی مانند ہو گیا تھا، آنکھیں حلقوں میں گھس گئی تھیں اور رنگت زرد ہو گئی تھی۔ وزن اتنا کم ہو گیا تھا کہ تیز ہوا کے جھونکوں میں بید کی طرح لچک جاتی تھی۔

ڈاکٹر رشید نہ صرف ڈاکٹر تھا۔ بلکہ فلسفی بھی تھا، اور اپنی تمام عمر میں اس نے شیاما سے زیادہ کسی چیز کا گہرا مطالعہ نہ کیا تھا مگر اُسے حیرت تھی کہ وہ شیاما کے راز زندگی کو دریافت نہ کر سکا۔ لیکن اس یقین کو پہنچ گیا تھا کہ شیاما محبت کا شکار ہے۔

ایک اندھیری رات میں جب کہ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا ڈاکٹر رشید اپنے مطالعہ کے کمرہ میں بیٹھا ہوا عشق کے فلسفہ پر غور کرنے کی جدوجہد کر رہا تھا کہ یکایک شور کی آواز اُس کے کانوں تک پہنچی —— وہ کتاب کو میز پر رکھ کر ٹارچ لئے ہوئے باہر نکل آیا، شاید پاگل خانہ میں آگ لگ گئی تھی، آگ کے شعلے بلندی تک پہنچ چکے تھے —— وہ بے تحاشا شیاما کے کوارٹر کی طرف دوڑا، یہی آگ کا آماجگاہ تھا، اب اور بھی لوگ آگ پر قابو حاصل کرنے کی غرض سے آ گئے تھے —— ڈاکٹر رشید آگ سے کھیلتا ہوا شیاما کے کمرے میں گھس گیا جو سارا جل رہا تھا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب کہ اُس نے دیکھا کہ شیاما پلنگ پر خاموش پڑی ہے، حالانکہ پلنگ جل رہا ہے۔ اور شیاما کے کپڑے بھی جل چکے ہیں —— وہ بھاگ کر جان بچا سکتی تھی —— ڈاکٹر رشید بھی خطرہ میں پڑ گیا۔ لیکن تمام تکلیفات کو برداشت کرتے ہوئے بھی ڈاکٹر شیاما کے نیم سوختہ جسم کو لے کر کسی طرح باہر آ گیا —— اب شیاما آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی اور آنکھ کے

[illegible] میں [illegible]
[illegible] چکی تھی۔

کچھ تسکین بخش دوائیں چھڑک کر ڈاکٹر رشید نے شیاما کو تسلی دیتے ہوئے کہا "مت گھبراؤ شیاما تم اچھی ہو جاؤ گی۔"

شیاما نے نحیف آواز میں کہا، "ڈاکٹر، تم نے کیا غضب کیا۔ مجھے کیوں نہیں مر جانے دیا۔ اب تم ہی میری تکالیف کے ذمہ دار ہوگے۔"

"چپ رہو شیاما، یہ تم کیا کہہ رہی ہو، میں نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر تمہاری جان بچانے کی کوشش کی ہے۔" ڈاکٹر نے نہایت تسلی بخش لہجہ میں کہا۔

"لیکن اب میں جینا نہیں چاہتی۔"

ڈاکٹر نے اس جملہ پر کوئی توجہ نہ کرتے ہوئے اسے دوا پلادی اور خود دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ رہا ـــــ لیکن اُسے نیند نہ آئی ـــــ وہ پھر آہستہ آہستہ شیاما کے کمرہ میں عقب سے داخل ہوا، اس طرح کہ شیاما کو اُس کے آنے کی خبر نہ ہو۔ اُس نے سنا شیاما کراہتے ہوئے کہہ رہی ہے: "تم کہاں ہو پربھو! کیا آخری وقت میں بھی اپنی شیاما کو اپنا چہرہ نہ دکھاؤ گے؟"

ڈاکٹر رشید والفاظ کی تہ کو پہنچ گیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اُس نے آگے بڑھ کر کہا "شیاما، تم کس پربھو کو یاد کر رہی ہو، کیا تم کسی پر عاشق ہو؟ بولو، تم کس پربھو کو یاد کر رہی ہو؟ کیا تم کسی پر عاشق ہو، شیاما مجھ سے نہ چھپاؤ۔ میں بھی تمہیں چاہتا ہوں۔ لیکن ایک عزیز باپ کے مانند تم میری بیٹی ہو۔ بولو تم کس پربھو کو یاد کر رہی ہو، تاکہ میں اسے یہاں لے آؤں ـــــ" ڈاکٹر نے اُس کی نبض دیکھتے ہوئے پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھا، "شیاما مجھے اپنا رازدار سمجھو مجھے تم سے انتہائی ہمدردی ہے۔"

شیاما نے پلکوں کو دبا کر آنسو بہاتے ہوئے کہا، "ڈاکٹر کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا میں تمہیں اپنی زندگی کا راز بتادوں؟"

"ہاں شیاما، میں ایک مخلص ہوں، مجھے تمہارے ساتھ اُسی روز سے ہمدردی ہے جس روز سے تم یہاں آئی ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں اپنا کتنا وقت تمہارے پاس گزارتا تھا۔ کیا تم نے کسی اور مریض کے پاس بھی مجھے اس طرح جاتے دیکھا ہے ـــــ شیاما، میں جانتا تھا کہ تم محبت کا شکار ہو۔" کراہتے ہوئے شیاما نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی مگر ڈاکٹر نے اُسے روک دیا ـــــ ایک لمحہ کے بعد شیاما نے کہا ـــــ "ڈاکٹر ـــــ یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر سندر گاؤں میں ایک غریب آدمی رہتا ہے جس کا نام "پربھو" ہے ـــــ آہ پربھو، وہ شہر کے کسی دفتر میں کلرک ہے لیکن ہر شام کو اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ تم جا کر اس سے کہہ دو کہ تمہاری شیاما تمہیں آخری وقت یاد کر رہی ہے۔"

[illegible] ڈاکٹر رشید نے اپنا موٹر نکلوا کر سندر گاؤں کا راستہ لیا۔ اب بالکل صبح ہو گئی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں پیڑوں کی پھنگیوں پر سنہرا پانی پھیر رہی تھیں ـــــ سندر گاؤں کے کاشتکار اپنے ہل اور بیلوں کو لئے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے پربھو کا پتہ دریافت کیا اور چند لمحات کے بعد اُس نے پربھو کے دروازہ پر ہارن دیا۔ ایک خوش رو مگر غریب نوجوان دھوتی اور قمیص پہنے باہر نکلا، اس کی گود میں ایک روتا ہوا بچہ تھا جسے وہ بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ موٹر دیکھ کر وہ متحیر ہو گیا اور گھبرا کر قریب آیا ـــــ ڈاکٹر نے کہا، "کیا تم پربھو ہو ـــــ؟"

"جی ہاں" "فرمائیے آپ نے کیوں زحمت کی ـــــ؟"

ڈاکٹر: "میں تم سے کچھ راز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔؟"

پربھو: "تو اندر تشریف لائیے۔"

ڈاکٹر: "کیا تمہارے گھر میں پردہ نہیں ہوتا؟"

پربھو: "نہیں گھر میں صرف میری بیوی ہے اور وہ پردہ کرنے کی عادی نہیں۔ آپ تشریف لائیے۔"

ڈاکٹر: "کیا کہا اندر تمہاری بیوی ہے۔ کیا تم شادی کر چکے ہو، کیا تمہاری شادی ہو گئی، کیا یہ بچہ بھی تمہارا ہی ہے؟"

"جی ہاں ـــــ" پربھو نے صرف ایک جواب دیا۔

ڈاکٹر ـــــ کچھ سوچ کر، "لیکن میں جو باتیں کرنا چاہتا ہوں وہ تمہاری بیوی کے سامنے نہیں ہو سکتیں ـــــ یہ بہتر ہو کہ تم میرے موٹر پر بیٹھ جاؤ۔ لیکن بچہ کو اندر دے آؤ نا ـــــ"

پربھو نے اندر جا کر بچہ کو بیوی کے حوالہ کر دیا۔ اور خود باہر لوٹ آیا۔ اس کا دل بھی اچھل رہا تھا۔ پہلے اسے یہ خیال تھا کہ شاید اس کے دفتر کے متعلق کوئی افسر ہے۔ مگر بعد کو اُس کے خیال بدل گئے تھے۔

ڈاکٹر نے پربھو کو موٹر میں بٹھا کر کہا ـــــ "کیا تم شیاما کو جانتے ہو؟"

پربھو نے متوحش ہو کر کہا، "شیاما، لالہ رتن بہاری کی لڑکی شیاما ـــــ ہاں ہاں خوب اچھی طرح سے جانتا ہوں، میں تو اس پر عاشق تھا لیکن میں غریب تھا اور وہ امیر، اس کے پتا، اس کی شادی مرلی منوہر سے کرنا چاہتے تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ شیاما بھی مجھے چاہتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اُس کے باپ نے میری پرواہ نہ کی، مرلی منوہر بار بار شیاما کے گھر آیا کرتا تھا، مگر میں اسے برداشت نہ کر سکتا تھا، میں نے شیاما کو کئی بار منع کیا کہ وہ اسے اپنے گھر نہ آنے دے، مگر وہ نہ مانی ـــــ آخر میری بدگمانیوں نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں اُسے مار کر اپنا راستہ صاف کروں، میں نے شیاما سے یہ بھی کہہ دیا ـــــ مگر شیاما نے کوئی پرواہ نہ کی ـــــ آخر ایک روز میں ایک پستول چرا لایا۔ اور جیسے ہی مرلی منوہر شیاما کے گھر سے نکل کر اپنے گھر جانے لگا میں نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ـــــ شیاما قریب ہی باغیچہ میں کھ

تھی، اُس نے مجھے دیکھ لیا، اور دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی ـــ اُس نے کہا "پربھو یہ تم نے کیا غضب کیا ـــ بھاگ پستول مجھے دے کر بھاگ جاؤ ـــ میں بھوت کھڑا تھا اُس نے زبردستی مجھے بھگا دیا ـــ

پھر ڈاکٹر صاحب آپ کو معلوم ہے یا آئندہ میں نے آپ کو بتایا ہے۔

ڈاکٹر نے حیرت سے یہ داستان سنتے ہوئے کہا، "ہاں ابھی شیاما نے نہیں یاد کیا ہے ــ"

"لیکن میں اُس سے نہیں مل سکتا" پربھو نے جواب دیا۔

ڈاکٹر: "پربھو تم کیا کہہ رہے ہو جس عورت نے تمہارا جرم اپنے سر لے کر تمہاری جان بچائی ہو، اور جو ابھی تک تمہارے عشق میں دیوانی ہے۔ کیا تم اُس سے نہ ملوگے۔؟"

پربھو: "جی ہاں میں نہیں مل سکتا"

ڈاکٹر: "لیکن تم پچھتاؤ گے پربھو، وہ زندگی کی آخری گھڑیاں گذار رہی ہے۔"

پربھو: "کیا کہا کیا وہ مر رہی ہے؟"

ڈاکٹر: "ہاں بلکہ ممکن ہے مر چکی ہو"

پربھو: "تو میں ضرور چلوں گا، چلو فوراً چلو مجھے شیاما کے پاس پہنچا دو، میں اُسے ضرور دیکھوں گا"

ڈاکٹر پربھو کو لئے ہوئے شیاما کے پاس آیا، شیاما اسی انتظار میں بیٹھی کھوئے پڑی تھی، پربھو کے سامنے آتے ہی شیاما بولی۔ "پربھو، پربھو، پربھو" بدحواسی میں شیاما شیاما کہتا ہوا اس پر گر پڑا، ڈاکٹر نے ایک منٹ کے بعد شیاما کی نبض دیکھی، لیکن وہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو چکی تھی۔ اُس نے چاہا کہ پربھو کو جدا کر دے ـــ لیکن اُس کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب کہ اسے معلوم ہوا کہ پربھو بیہوش نہیں۔ بلکہ مردہ ہے ـــ

ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا ـــ عورت ـــ محبت ـــ ایثار ـــ

اس کی گردن جھک گئی۔

شیطان

(چودھری محمد عبداللہ خاں صاحب ایم اے ہیڈماسٹر)

آسمانوں کے دامن میں تین فرشتے رہتے تھے۔ ریا۔ شیطان اور کیوپڈ آدمؑ کے بعد آسمانی بادشاہت سے ان تینوں کو نکال دیا گیا۔ ریا اور شیطان یہ دونوں آدمؑ کے جرم اور جرم کی پاداش میں برابر کے شریک تھے۔ وہاں سے نکلتے ہوئے آدمؑ نے سارا الزام کیوپڈ کے سر تھوپ دیا۔

خدائی کارندوں نے غضب ناک ہو کر اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اور ریا اور شیطان کی طرح اُسے بھی جیبی سے ملک بدر کروا دیا۔

ریا اور شیطان آدمؑ اور ابن آدمؑ کو اپنا پرانا رفیق سمجھ کر محبت کرتے کیوپڈ انتقام کی آگ میں پھنک رہا تھا۔ آدمؑ کی ارضی مملکت کا دستور یہ قرار پایا کہ حوّا کی بیٹیوں سے الگ رہو۔ بوڑھوں نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ یہ صرف عورت تھی۔ جس نے آسمانی بادشاہت ہم سے چھین لی پیرو جوان اب سب اُن سے الگ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ارضی ریاست بھی چھین جائے۔

یہ تجویز طے ہو گئی۔ اور زمین کے چپہ چپہ پر ڈونڈی پٹوا دی گئی۔ کہ ہمارا خدا عورت کو بُرا سمجھتا ہے۔ اس لئے کوئی اس سے میل ملاپ نہ رکھے۔

(۲)

حوّا کی بیٹیاں زمین کے چاروں کونوں سے نقاب اوڑھ کر آئیں پرے جا کر بیٹھیں۔ انہوں نے اپنے گلابی رخساروں میں سفید مرمریں انگلیاں گھونپ کر یہ فیصلہ دے دیا۔ کہ عورت خدا کی برگزیدہ مخلوق ہے۔ مرد نجس ہے۔ جس کے چھو جانے سے وہ غلیظ ہو گئی۔ اور غلاظت کی وجہ سے زمین پر پھینک دی گئی۔ اس کی پاک باز بہنیں جنہوں نے مرد کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں اب بھی حوران بہشتی ہیں اس پر سب نے آہ کھینچی۔ سب کے سینے دریا کی مضطرب لہروں کی طرح اٹھنے اور گرنے لگے۔ سب نے بے قرار سینوں پر ہاتھ رکھ کر اِدھر اُدھر جھانکا۔ اور کہا کاش مرد نہ ہوتا۔ ایک نے کہا اب تو یہاں کوئی نہیں اور پھر سب سر جوڑ کر چہ میگوئیاں کرنے لگیں۔ تو اب صاحب صدر نے اونچی آواز سے کہا کہ یہاں زمین پر بھی مرد تمہارے پیچھے پیچھے چلا آیا ہے۔ اس سے عدم تعاون کرو۔ ہمارا خدا مرد کو نجس سمجھتا ہے۔ تم میں سے کوئی اس سے میل ملاپ نہ رکھے۔ یہ قانون پاس ہوا۔ اور زمین کے چپہ چپہ پر منادی کرا دی گئی۔

(۳)

ریا اور شیطان کا ان دونوں فیصلوں میں کوئی دخل نہ تھا بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں نے جوان کی ساوی سیہ کاریوں سے آشنا تھے۔ ان پر پہرہ لگوا دیا تھا۔ کہ وہ کم از کم ان کی ان مخفی مجالس میں نہ آنے پائیں۔

(۴)

یہی ہوا مرد اپنی دھونی آپ رماتا۔ عورت کشیدہ کاڑھتی یا چرخہ کات کر دن کو رات اور رات کو دن کر دیتی۔ منہ اندھیرے کنوئیں سے پانی کھینچ لاتی۔ کھیتوں کو بھی مرد ل جاتا۔ تو منہ ڈھانک لیتی۔ اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی۔ اور مرد گزرا کر گزر جاتا۔

(۵)

ریا اور شیطان اب بھی حوّا کی بیٹیوں اور فرزندان آدم کے گھر بھائی بندوں کی طرح آتے جاتے تھے۔ مگر انہیں اس نئے دستور کا علم نہ تھا آہستہ آہستہ یہ راز کھل گیا۔ افشائے راز کا سارا ذمہ ریا۔ بی بی پر تھا۔ جو بڑی متین اور بڑی فہمیدہ عورت تھی۔ اور اسی وجہ سے اس روز سے وہ النسا کی صدر بنائی گئی تھی۔ اُس نے صرف اس شرط پر بتانا منظور کیا۔ کہ اس کا نام کسی کو نہ بتایا جائے۔

ان دونوں دیوتاؤں سے کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ اس راز کا علم ہونے پر باغی نوجوانوں کو شیطان کنواریوں کے جھنڈوں میں لے گھستا۔ اور دیر تک چھیڑ چھاڑ لگی رہتی۔ نوجوان خوش ہو کر کہتے۔ شیطان دیوتا بہت اچھے ہیں۔ نوخیز انسانی تیتریاں جھجکتی ہوئی گھبرا تیں سادہ منہ میں کہتیں۔ اچھے دیوتا۔

بڑے بوڑھوں میں یہ رسم ہو چلی تھی۔ کہ ہر شام کو پیر و جوان سب ایک جگہ جمع ہو کر حلف اٹھائیں۔ کہ انہوں نے لال۔ گوری۔ اور سانولی۔ کنواریوں کو چھونا تو کیا۔ دیکھا تک نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر ریا دیوتا بلند آواز سے اُن باغی نوجوانوں کی طرف سے قسم اٹھا دیتا۔ سب خاموش رہ جاتے کیونکہ یہ آسمانی دیوتا ہے۔

شیطان دیوتا کے کہنے پر کئی مرتبہ بھولی کنواریاں جوان مرد سے ملی

چٹکیاں لیتیں۔ مگر جب کھوسٹ بوڑھی عورتیں پہنچتیں۔ تو ریا دیوتا بلند آواز سے قہر اٹھا دیتے۔ کہ یہ پاک ہیں۔ شبنم کے چمکدار قطروں کی طرح پاک ریا دیوتا یہ سب عورتوں کو یقین تھا۔ وہ ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر کہتیں۔ کہ "ہاں" ہمارے اچھے دیوتا۔

(۶)

شیطان دیوتا نے ایک ایک کرکے سب زن و مرد کو سمجھا دیا۔ کہ میں سماؤں کے پیچھے ہوئے راز جانتا ہوں۔ آسمانوں میں نہیں تو آسمانوں کے قریب رہتا ہوں۔ اور وہاں یہ لکھا ہے۔ کہ نوجوان عورتیں اور نوجوان مرد اور بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد اگر باہم آنکھ مچولی کھیل لیا کریں۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ جوان لڑکیاں جب کنوئیں پر پانی بھرنے جائیں۔ تو راہ میں جوان لڑکوں کی چوڑی چکلی چھاتیوں اور خوبصورت ناک کی تعریف کرتی جائیں تو کوئی ہرج نہیں۔ کنوئیں سے پانی کھینچتی کھینچتی اگر وہ سہیلیوں سے آنکھ بچا کر ان مردوں کو دیکھ لیا کریں۔ جو دور سے انہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ تو کوئی ہرج نہیں۔

ہر ملک کی تعزیرات میں آہستہ آہستہ ترمیمیں ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اب دنیا والوں کا یہی دستور قرار پا گیا پہلے آئین کو ناقص اور عسیر العمل سمجھ کر بدل دیا گیا یہ تھا بھی معقول کیونکہ صدیاں بیت گئیں۔ اور آسمانی بادشاہت سے اولاد آدم پر کوئی عذاب نازل نہ ہوا۔

کیوپڈ دیوتا کے کان تھے۔ آنکھیں نہ تھیں۔ وہ سنتا اور آدم کی ارضی بہشت کی داستانیں سن کر کلیجہ مسوس لیتا۔ وہ انتقام لینا چاہتا تھا مگر وہ زمینوں کے گھر کی راہ نہیں جانتا تھا۔ اس لئے کہ وہ اندھا تھا۔

اس کے کان بہت پتلے تھے۔ بالخصوص جب سے بینائی چھینی تھی۔ وہ محسوس کرتا تھا۔ کہ وہ ہلکی سے ہلکی آواز بھی سننے لگا ہے۔ اس نے چاروں سمت کان لگائے۔ اسے کسی طرف سے کسی آدم زاد کی کوئی آواز نہ سنائی دیتی۔ برسوں گذر گئے۔ اور وہ کڑھتا رہا صبح و شام شاہراہوں پر کان دھرے بیٹھا رہتا۔ آخر ایک شب ماہتاب کو جب چودھویں کا چاند جگمگا رہا تھا۔ اسے دور سماوی کائنات کے اس پار کنواریوں کے قہقہے سنائی دئے۔

کہیں دور چاندنی میں نوخیز جوڑے کھیل رہے تھے۔ دبے پاؤں آکر جب کوئی نوجوان کسی دوشیزہ کی آنکھ میچ لیتا۔ تو قہقہہ پڑ جاتا جب وہ پوچھتا۔ کہ میں کون ہوں۔ اور وہ سوچتی کی سوچتی رہ جاتی تو پھر سب کھل کھلا کر ہنس دئے۔ دیوتا نے یہ سب کچھ سنا اور دانت پیس کر ان آوازوں کی سمت میں ہو لیا جب آوازیں ماند پڑ جاتیں۔ تو وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا۔ اور دوسرے قہقہے کا انتظار کرتا وہ انتقام لینا چاہتا تھا وہ گرتا پڑتا راہ ٹٹولتا اندھا دھند چلا آ رہا تھا۔ راستہ فرسنگوں دور تھا

دھرتی ماتا نے جب [illegible]

پہلی مرتبہ کانپ گئی کیوپڈ کو وہ جانتی تھی۔ کہ جتنا وہ [illegible] گھمسر ختم کردے گا۔ جو اس کی زد میں آیا۔ جاں بر نہ ہوا۔ حالانکہ [illegible] اس نے جوانی کے سرپرستوں کو جمع کیا۔ اور ہنسنے والیوں کو کہا کہ تمہاری ہنسی ستم ڈھائے گی۔ یہ آسمانوں پر سنی جاتی ہے۔ اگر وہ آگیا تو تم اور تمہارے نوجوان دوستوں کو دار و رسن پر کھنچوا دے گا۔

دوسری طرف اس نے پہاڑ، سنگلاخ چٹانیں، باد و باران کے جھکڑ زلزلے، طوفان سب لاکر کیوپڈ کی راہ میں حائل کر دئے۔ کہ وہ مدتوں اور زمینوں کی خوشیوں کو مستغنی نہ کر سکے۔ وہ بھی جانتی تھی کہ جنت میں سارا قصور کیوپڈ کا تھا۔

پھر ریا دیوتا نے بلند آواز سے کہا۔ مگر آنکھیں میچ کر وہ ہمیشہ اسی طرح سے بات کرتا۔ وہ خواہ کچھ کہہ رہا ہو۔ آنکھوں کے اشاروں سے گوری چٹی عورتوں کو وہ سب سمجھا جاتا جو اسے درحقیقت کہنا ہوتا تھا۔ مگر آنکھیں میچ کر زیر لبی وہ کچھ اور کہہ رہا تھا اور دھرتی ماتا کی تائید کی۔

بُرا ہو جوانی دیوانی کا اب عورت اور مرد کھلے بندوں ملنے کی بجائے چھپ چھپ کر ملنے لگے۔ اور پہلے سے زیادہ ہنستے۔ ریا دیوتا کے ہوتے ہوئے انہیں کس کا ڈر تھا۔

جوان مرد تو خاموش رہ کر یا دور ہی بات کر سکتے تھے۔ مگر جوان سال کنواریاں جن کے لب شکریں کی ہر جنبش سے پھول جھڑتے تھے۔ انہیں خالی بھی دیکھ کر بھی ہنس دیتی تھیں۔ اور مرد کو دیکھ کر بھی ہنس دیتی تھیں۔

آخر وہ آپہنچا۔ کنواریوں کے قہقہوں کی راہ سے وہ ان کے ہونٹوں میں اتر آیا۔ اور پھر رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ سب سے پہلے ان کے سینوں کو جو مد و جزر کی لہروں کی طرح اٹھتے اور گرتے تھے۔ اس نے اپنا مسکن بنالیا۔

سارا قصور عورت کا تھا۔ دھرتی ماتا نے سر پیٹ لیا۔ اور کہا کہ عورت بھولے مرد کو زمین سے بھی نکلوائے گی۔

مرد آہستہ بول سکتا تھا۔ اس لئے اس پر بدستور ریا اور شیطان کا یارانہ رہا ہنسنے والی عورتوں پر کیوپڈ مسلط ہو گیا کیوپڈ سراپا عشق تھا اور دھرتی ماتا جانتی تھی۔ کہ "العشق نار" عشق آگ ہے۔

کیوپڈ عورت کی لمبی لمبی سیاہ پلکوں میں بیٹھ کر مرد پر حملہ کرتا ہے مرد اور عورت جب تنہا ہوں۔ تو یہ دونوں کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کے سیاہ بال لہراتے ہوئے سانپ اس کی آنکھیں میں خمار نوشیں اس کے ہونٹوں میں انگبیں اس کے سرخ و سپید اور گرم رخساروں میں جنت کی آگ اس کے سینے کے اتار چڑھاؤ میں نشے کیف و بے خودی نظر آنے لگتی ہے۔

تنہائی میں عورت مرد کو دیکھ کر ہنسی ہے کیوپڈ اس [illegible]

[illegible]
[illegible]۔

جب اُس کے آنسو مرد کے رخساروں کو تر کر رہے ہوں۔ وہ کہتی ہے۔
کچھ بھی اعتبار کرو یہ تم۔ مرد کے دل کی چٹان پر کیوپڈ کی یہ آخری یورش ہوتی ہے جس کے بعد مرد نیم جان ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ کل جن کے سروں پر تاج تھے۔ جن کی مملکت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے ان کو اس حالت میں خاک و خون میں تڑپتے دیکھا ہے۔ رِیا دیوتا جن عابدوں کی تلسی کے منکے ہونے والوں کی لانبی لانبی تسبیحیاں اٹھائے پھرتے تھے۔ انہوں نے حرم سپے اور بت خانے آباد کئے۔ قشقہ کھینچا۔ دیر میں بیٹھے اور کبھی کا ترکِ اسلام کیا۔

جنہوں نے عقل اور دانش کی بے شمار کتابیں پڑھی تھیں۔ انہوں نے بصیرت و بینش کو ایسا کھو دیا۔ کہ وہ کیوپڈ کے کتوں تک کی غلامی کرنے لگے۔

پاسے سگ بوسیدہ مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود
گفت ایں مرکوئے لیلے گاہے گاہے رفتہ بود

لیلے کیوپڈ کا دوسرا نام ہے۔
کیوپڈ کی آتشِ غضب ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اب تو یہ کسی کے بس کا روگ نہیں رہا۔ سکول کی ہر لڑکی مکتب کا ہر بچہ اسیر ہو چکا ہے۔
بڑی بوڑھیوں نے آخر آستین چڑھا کر جب مارے غصہ کے اُن کے نتھنے پھول رہے تھے کہ یہ سارا قصور دوشیزاؤں کا ہے۔ انہوں نے ہماری ناک کاٹ ڈالی۔ اس زمین سے بھی وہ ہمیں نکلوا دیں گی۔ باقی تو سب چپ رہیں۔ مگر محلے کی تیز گفتار لڑکیوں نے اپنی رسیلی آنکھوں کا زاویہ درست کرتے ہوئے کہا۔ بڑی بی یاد کرو تم بھی تو اپنی کبھی کبھی داستانیں سنایا کرتی تھیں۔؟

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(۷)

ایک عرصہ تک بیکار رہنے کے بعد ان تینوں آسمانی دیوتاؤں میں صلح ہو گئی اور یوں ہوا کہ کیوپڈ کو ریا اور شیطان نے حلف اٹھا کر یقین دلایا کہ اگر ہم انسان نہیں تو اس کی خدا پرستی کے ضرور دشمن ہیں۔ ہم اُس کے دل سے خدا پرستی اور خدا ترسی نکال دیں گے اپنی باری پر تم آؤ۔ اور اُس کا حوا کی بیٹیوں سے میل ملاپ کرا کر سربازار رسوا کرو۔ کیوپڈ نے تھوڑی دیر سوچا۔ اور کہا خوب ہے۔ جنت میں بھی ہم نے اُس کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ انسان کتنا بھولا اور جاہل تھا۔ ظلوماً جہولا۔
وہ سمجھ گئے۔ کہ وہ صرف صلح و آشتی سے آدم کو اس کی ارضی بہشت سے نکال سکتے ہیں۔

(۸)

سب سے پہلے صرف لگاتے ہی آدم کے ہر بیٹے اور حوا کی ہر بیٹی پر ریا اور شیطان مسلط ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں عورت کے بارہ سال گزرنے تک یہ اُس کی رگ رگ اور نس نس میں سرایت کر جاتے ہیں۔
مرد چونکہ سارا دن ہل جوتتا اور ٹوکری ڈھوتا ہے۔ اور صرف رات کو سو سکتا ہے۔ اس لئے اُن پر اُن کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ اٹھارہ سال تک یہ مرد کو بھی فتح کر لیتے ہیں۔ بارہ سالہ دوشیزہ اور اٹھارہ سالہ لڑکوں میں کیوپڈ حلول کر جاتا ہے۔ کیوپڈ کو اپنا عمل پورا کرنے کے لئے ریا اور شیطان کی طرح لمبا عرصہ درکار نہیں ہوتا۔ وہ اندھا دھند آتا ہے۔ کالی گھٹا کی طرح جو زور سے برس جاتی ہے۔ اور جل تھل کر دیتی ہے۔ نیز آندھیوں کی طرح جو تناور درختوں اور فلک بوس محلات کو الٹ کر زمین کے متوازی کر دیتی ہے۔ برق خاطف کی بے محابا چمک کی طرح جو دیکھنے والوں کی آنکھیں اُچک لے جاتی ہے کیوپڈ آتا ہے۔ عشق کے دہکتے ہوئے شراروں کے ساتھ آتا ہے۔ اور مردوں اور عورتوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ آہ کیوپڈ کا انتقام اب تو یہ لاعلاج مرض کی طرح سب کو لاحق ہوتا جا رہا ہے۔

(۹)

کیوپڈ واپس آسمانوں کو نہیں لوٹ سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ اندھا تھا اس لئے کہ اُس نے ابھی اور انتقام لینا تھا۔
رات کے تیسرے پہر جب عابد شب زندہ دار سجدے کیا کرتے تھے۔ ریا اور شیطان کا یہ دستور تھا۔ کہ اُس وقت واپس آسمانوں کے دامن میں لوٹ جایا کرتے تھے۔ اور اُس وقت تک نہ لوٹتے جب تک شوالوں میں ناقوس بجتے رہتے۔ کیوپڈ تیسرے پہر کو بھی اپنی مغفلیں گرم کرتا۔ اس لئے کہ خدا سے ہی ڈرتا تھا ـــــ کافر کیوپڈ۔
اب پہلے دو دیوتاؤں نے بھی زمینوں میں ہی گھل مل کر رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ کبھی یہ تینوں مل کر صرف کنواری عورتوں کی لانبی لانبی پلکوں میں رہا کرتے تھے۔ مگر اب تو یہ انسان کے خون تک کا سرایت کر گئے ہیں۔ ہماری صدی میں اب ہر بچہ بوڑھا ان تینوں کا پرستار ہے۔
خدا پرستی اور خدا ترسی غائب ہو چکی ہے۔
دیہرلی مانتانے سر پیٹ لیا۔ اور کہا۔ یہ سارا قصور عورت کا ہے جو اسے مرد کو زمین سے بھی نکلوائے گی۔

ساون کی ایک رات

(از جناب سید لقی حیدر صاحب بلگرامی سمرودی)

کیا واقعی تم جا رہے ہو۔

ہاں! ثریا۔

کب تک آنا ہوگا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ نوکری ہی جوکرنی ہوئی...... اس کا کیا ٹھکانا...... مل گئی تو خیر ورنہ در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔۔۔ اچھا اب جانے دو۔

مجھے بھی ساتھ لے چلو۔

تم کہاں ٹھوکریں کھاؤ گی جب میں نوکر ہو جاؤں گا۔ تو اپنی پیاری ثریا کو جلد بلاؤں گا...... ہاں

پھر میں تمہارے بغیر کیونکر رہوں گی۔۔۔ اگر نہ بلایا تو؟

پھر کھائیں گے کہاں سے ثریا... یہ ننھا تمہارا دل بہلائے گا...

..... دیکھو بیٹا! اماں کا کہنا ماننا ہمارا بیٹا بڑا اچھا۔ ...ہاں! ہم اپنے ننھے کے لئے مٹھائی لائیں گے۔

احسن نے بیوی کا الوداعی بوسہ لیا اور آہستہ سے ننھے کو گود سے اتار دروازے سے باہر ہوگیا۔ احسن سر جھکائے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا اور ثریا پر حسرت نگاہوں سے شوہر کو کواڑ کی آڑ سے دیکھ رہی تھی

(۲)

دن گذرے ہفتہ گذرا مگر احسن کی کچھ خبر نہ معلوم ہوئی...... اب کی ساون بڑے زوروں پر آیا ساون کی مست ہوائیں دل میں گدگدیاں پیدا کرنے لگیں باغات میں جا بجا جھولے پڑ گئے۔ کلیاں کھل گئیں۔ درختوں پر عجب جوبن آگیا چاروں طرف مستی و جوانی کی بارش ہونے لگی ہر ایک چیز پر مسرت چھا گئی مگر ایک دل کسی کی یاد میں بے قرار تھا۔

کسی پہلو نہ چین آتا تھا دم بھر
کسی کی یاد چٹکی لے رہی تھی (نقی)

ساون کی ٹھنڈی راتیں اور ثریا کی اختر شماری یہ تھی ایک معصوم کی زندگی

(۳)

اختری تم تو ہمیشہ جیبری بیٹھی رہتی ہو کبھی سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تمہارے لچھن ہی ایسے ہیں جب کسی چیز کے لئے کہو تمہارے پاس دام ہی نہیں نکلتے پھر دوسرے محبت ہے۔

تو کیا تم کو میری محبت پر شک ہے تمام کمائی تم کو کھلا ڈالی پھر بھی بیٹھا لکار آج میرے پاس پیسہ نہیں ہے تو تم اس طرح پیش آ رہی ہو اگر کبھی میں قطعی مفلس ہو گیا تو تم مجھے اپنے گھر میں پھٹکنے بھی نہ دو گی۔

جاؤ! جاؤ!! میاں احسن جاؤ!!! یہ طعن تشنیع کسی اور کو سنانا ذرا سی بات کہی تو آپ کو بہت بری لگی۔

تم تو ناحق خفا ہوتی ہو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی میں تمہارے لئے کب انکار کرتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ واقعی میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں چلے وہاں سے باتیں بنانے۔ رہنے دیجئے اپنے پیسوں کو بس اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آیئے۔

اچھا یہ بات ہے........

پھر یری لے کر جو ایک مرتبہ اسے ٹھوکر لگا دھڑام سے منہ کے بل شراب میں بدمست تو تھے ہی طاقت مقابلہ کہاں چوڑی والوں نے کان پکڑ کر نکال دیا یہ ہے نیرنگئ زمانہ میاں احسن طوائف کے جال میں ایسے پھنسے کہ ثریا کا بھی دھیان نہ رہا۔

(۴)

ساون کی نمی نے دماغ میں تراوت پہنچائی تو شراب کا نشہ ہرن ہوا خود کو چوراہے پر پڑا پایا وقت پڑا تو گھر یاد آیا اسی حالت میں خود پر لعنت بھیجتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے غیرت والے ہوتے تو کہیں ڈوب مرتے مگر توبہ کیجئے۔ حیاداری کا ثبوت دینے کے لئے گھر کی راہ لی۔ اتنی ہمت تو نہ تھی کہ روز روشن گھر میں داخل ہوتے رات کی تاریکی میں گھر میں داخل ہوئے۔ ثریا کو دیکھا! بستر کیا کھری کھاٹ پر پڑی کروٹیں بدل رہی ہے لب پر سوائے یاد احسن کے اور کچھ نہ تھا نہ بدگمانی تھی نہ شکوہ تھا صرف دعا خیر تھی" خدایا ننھے کے ابا کو صحیح سلامت واپس لا مولا مشکل کشا کا دونا چڑھاؤں گی"۔ احسن بھی آخر گوشت و خون کا دل رکھتے تھے بے تاب ہو گئے محبت کی اس جیتی جاگتی تصویر کو کلیجے سے چپٹا لیا...... آہا آج ساون کی رات کس قدر پر کیف تھی۔ کوئی ثریا کے دل سے پوچھے۔

قرق امین

(از جناب حسن مہدی صاحب نیوتنوی)

"پنڈت جی روپیہ آج ہی بلکہ ابھی ابھی دینا ہوگی" ہری چند قرق امین نے کڑکتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "سارے گاؤں میں تمہیں رہ گئے ہو۔ جو روپے دینے نہیں آتے اور جانت بھانت کے بہانے تلاش کرکے الو بنا دیتے ہو۔ آخر اس طرح کہاں تک دوڑیں یہ باتیں سوچنے کی ہیں پنڈت جی لاؤ روپیہ دے دو ورنہ کرو۔

"بھیا گنگا کی تو ایک کوڑی پاس نہیں ہے۔ بڈھے شیام نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔ "روپیہ جان سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔

"ہاں جان سے زیادہ عزیز نہیں ہے لیکن دینے کے لئے دم نکلا جا رہا ہے۔ ایسے بھولے ہو جیسے اب دنیا ہی نہیں ہے" ہری بولا،

"آرام کی نیند سونے والے اور میٹھے میٹھے کھانے والے نہیں جان سکتے ہیں کہ ایک غریب پر کیا گزر رہی ہے" شیام نے کہا، آرام...... اور سکھ کی نیند پنڈت جی ہم کو کبھی نہیں نصیب ہوئی ہماری جگہ آکر دیکھو کہ کس طرح تیسوں دن تو دھوپ میں مارے مارے پھر کر گذارتے ہیں۔ ہری نے زمین پر لکڑی سے لکیر کھینچتے ہوئے کہا "خیر ہوگا پنڈت جی اب یہ بتاؤ کہ روپیہ کس دن ملے گا؟"

"ایسا ہی ہوگا بھیا" شیام نے ہری کی طرف ملتجانہ نظر سے دیکھتے ہوئے کہا، "صرف آٹھ دن کی مہلت اور دیجئے سب بقایا ادا کر دوں گا۔

"کتنا روپیہ ہے تمہارے ذمہ"

"دس روپیہ؟"

"محمود۔ (ہری کا چپراسی) آج کون دن ہے؟"

"حضور۔ سوموار۔

"سوموار۔ سوموار۔ آٹھ دن۔ منگل کو مطالبہ داخل کرنا ہے روپیہ ابھی تک رتی بھر نہیں وصول ہوا"

"اچھا پنڈت جی آٹھ روز کی مہلت ملتی ہے۔" ہری چند کوٹ کو کھونٹے پہ ڈال کر کہتا ہوا پلنگ سے کھڑا ہو جاتا ہے، "اگر میں نہ آؤں تو روپیہ تحصیل میں ضرور داخل کر دینا۔"

"قرق امین صاحب رات نزدیک آرہی ہے گھر دور ہے کیا رہئے گا" سندری دشیام کی جوان لڑکی نے آواز دبلتے ہوئے کہا، بڈھے باپ نے بھی تائید کر دی۔

اچھا رہ جاؤں گا بوڑھے میاں۔ اگر تمہاری سندری کی یہی مرضی ہے کوئی مضائقہ نہیں،" ہری چند بولا "محمود تم اور جہاں تک بھی (دونوں چپراسی) گاؤں میں کسی مسلمان و برہمن کا گھر تلاش کرکے رہ جاؤ۔ صبح کو آجانا روانہ ہو جائیں گے۔"

چپراسی اپنے رہنے کی فکر میں چل دیتے ہیں۔ ہری چند چارپائی پر لیٹ کر گم ہو جاتا ہے۔ "غریب بھی بااخلاق ہوتے ہیں شیام و سندری نے کیسا اچھا برتاؤ میرے ساتھ کیا۔ لیکن میں نے ان کے ساتھ کیا وحشی پن برتا۔ اگر شیام روپیہ رکھتا ہوتا فوراً دے دیتا نہایت شریف انسان ہے یہ تو دیسی ہی شرافت کی پتلی سندری بھی ہے۔"

"دودھ پی لیجئے بھیا"

"ارے یہ تکلف کیوں کیا سندری میں روزانہ دودھ تھوڑے ہی پیتا ہوں۔"

"ہمارا آپ کا روز روز کا سابقہ ہے کیا؟ یہ تو انسانی فرض ہے بھیا" پھر درشن کہاں ہوں گے؟"

"درشن کیوں نہیں ہوں گے۔ بوڑھے میاں نے ہر آٹھویں روز بلانے کی ٹھان لی ہے" ہری دودھ لیتے ہوئے بولا "اب تو ہم تمہارے مہمان ہو ہی گئے سندری۔

"بھیا آپ کی تکلیف کا احساس ہم کو بھی ہے۔ لیکن مجبوری کی وجہ سے شرمندہ ہیں کہ ہم آپ کی شکایات کو دور نہیں کر سکتے۔ باپ اکیلا کماتا ہے۔ دو توں کھاتے ہیں، جوان بھائی نہ مرگیا ہوتا تو بھیا آج ہر ایک کی باتیں نہ سننا پڑتیں" سندری نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "غریبوں کی مہمانداری کیا۔"

"میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں سندری" ہری بولا، "میزبان کی محبت سے کھلائی ہوئی خشک روٹی اپنے یہاں کے لذیذ کھانوں سے بہتر ہے۔

"لیکن جب کسی کے دل میں محبت ہو اور وہ ایسا خیال کرے۔" یہ کہہ کر سندری اندر چلی گئی۔

ہری دودھ پی کر ٹہلنے چل دیا۔ شروع برسات کا زمانہ۔ بادل

[illegible] سندری [illegible] باتیں تھیں۔ جو
ہری کو مدہوشی کے عالم میں گاؤں سے بہت دور نکال لے گئیں۔
یکایک بادل گرجا اور بڑی بڑی بوندیں گرنا شروع ہوگئیں۔ خیالات میں
ڈوبا ہوا ہری چونکا۔ آس پاس نظر دوڑائی حفاظت کا مقام نہ پاکر گاؤں
کی طرف چل دیتا ہے۔ مکان تک پہنچتے پہنچتے عجیب حالت بن گئی۔ کپڑوں
سے پانی ٹپک رہا ہے۔ جوتوں سے پسٹر پسٹر کی آواز نکلتی ہے۔ پہنچتے
ہی پنڈت جی کو آواز دی۔ آواز کے ساتھ ہی سندری باہر آگئی۔ "آپ کہاں
چلے گئے تھے۔ باپو کو ٹھاکر صاحب نے بلا بھیجا ہے وہاں گئے ہیں آئیے آپ
بیٹھئے۔" "ارے رام آپ تو بھیگے کھڑے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اندر گئی اور صرف
ایک پرانی پھٹی گدڑی کے لئے بیروں واپس آگئی۔ "لیجئے اس کو اوڑھ کر
کپڑے اتار کر لٹکا دیجئے ذرا دیر میں خشک ہوجائیں گے۔"

سندری زمین پر بیٹھ گئی۔ لیکن سردی کی وجہ سے کانپ رہی ہے
مکان کے اندر ایک دیا ٹمٹما رہا ہے۔ جس کی لو بھی سندری کا ساتھ دے
رہی ہے۔

"تم کانپ رہی ہو سندری" ہری یکایک چیخ اٹھا، "کچھ اور بچھو تو
اوڑھ لو۔ زمین پر نہ بیٹھو سندری۔"

نہیں! بھیا آپ اس کی فکر نہ کریں۔ غریبوں کی راتیں اکثر ایسی ہی
گذرتی ہیں۔ سندری نے سنجیدہ لہجے میں کہا، "آپ کو سردی لگ رہی ہوگی۔
بھلا اس پھٹی گدڑی میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ سردی کو روک سکے۔ ناحق میں نے
آپ کو روک کر تکلیف دی۔

"نہیں۔ نہیں! سندری تم میری فکر نہ کرو مجھے سردی نہیں معلوم
ہو رہی ہے۔ میں تمہاری محبت ہی سے پسینہ پسینہ ہوا جا رہا ہوں۔"
ہری بولا، "تم نے کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے؟"

"ہاں! میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ یہاں سے دو میل کے فاصلے
پر شیام پور نامی گاؤں میں اسکول ہے۔ وہاں پڑھنے جاتی تھی۔ ابھی میں
اردو مڈل میں تھی کہ میرا بھائی مر گیا اس وجہ سے تعلیم مجبوراً چھوڑنا پڑی"

"افسوس۔ چھوٹے گاؤں میں کسانوں کی لڑکیوں کے لئے ایک بھی
اسکول نہیں ہے۔ جس میں کہ شوقین لڑکیاں مفت تعلیم حاصل کر سکیں
آج اس ادنیٰ تعلیم زدہ لڑکی نے میرا دل کس طرح موہ لیا ہے ضرورت ہے کہ
گاؤں میں چھوٹے تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔"

"کپڑے پہن لیجئے سوکھ گئے ہیں۔"
"اچھا! سندری۔"

ہری اٹھ کر کپڑے پہنتا ہے۔ اپنے کاغذات نکال کر اور دیا سلائی جلا کر
خیام کے سو روپوں کی رسید تحریر کرتا ہے۔ "آج سے غریبوں کی سیوا کروں گا
لو سندری یہ تمہارے باپ کی رسید ہے۔"

سندری نے سر جھکا کر رسید کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ہری نے سندری
کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سندری! سندری! میں تیرا دلدادہ ہوں۔ مجھ کو تجھ سے محبت ہے۔
سندری! میں تجھکو پوجتا ہوں سندری! سندری تجھ کو میری محبت پر
یقین کرنا چاہیے۔"

سندری ڈر جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ کہتی ہے۔ "ہاں۔ ہاں مجھکو
بھی تم سے محبت ہوگئی ہے۔ میں بھی تم کو چاہتی ہوں بھیا۔" بھیا میں بھی
آج ہی سے تمہاری پجارن ہوگئی ہوں۔ لیکن صبر سے کام لیجئے۔ ہوس کو
دخل نہ دیجئے۔"

نہیں! نہیں! سندری تو غلط سمجھ رہی ہے۔ میں محبت کا بھکاری
ہوں۔ محبت چاہتا ہوں محبت" ہری یہ کہہ کر سندری کو چپٹا لیتا ہے۔ سندری
تڑپ کر دور کھڑی ہوجاتی ہے۔ ہری دیوانہ وار محبت اس کی طرف دوڑتا ہے
"سندری تو میرے دل کی رانی بن کے رہے گی رانی" کہہ کر دور نہ ہو۔
بھیا تم ہوس کے شکار ہو۔ میری عصمت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہو۔ تم محبت
کو نہیں سمجھ سکے ہو۔ اب آگے قدم نہ بڑھانا ورنہ میری تمہاری زندگی اس تیر
ہفتے سے تباہ ہوگی" دونوں غلط مفہوم سمجھتے ہیں۔
ہری دیوانہ وار آگے بڑھتا ہے۔ ہنسیا اٹھ کر بجلی کی روشنی میں چمکتا ہے
ایک لفظ "آہ" بلند ہوتی ہے کہ اس کا ساتھ دینے کے لئے ایک دوسری "آہ"
لبیک کہتی ہوئی نکل پڑتی۔
"اے پاپی دنیا میری عصمت کی گواہ رہنا"
یہ ہلکے ہلکے الفاظ ہوا پر تیر کر گم ہوجاتے ہیں۔
بادل گرجتا ہے۔ بجلی چمکتی ہے۔ بوڑھا باپ کچھ نظارہ دیکھ کر ایک تیسری
"آہ" کو ہوا میں جذب کر دیتا ہے۔ زمانہ آج تک اس واقعہ کو سمجھنے میں
کوشاں ہے۔

نیند کے مارے ایک دوشیزہ

(از حضرت ماہر القادری)

چاند کی رنگت پھیکی سی ہے۔ رات بھی ڈھلتی جاتی ہے
شمع بھی سوز دل کے ہاتھوں رنگ بدلتی جاتی ہے
سانس کی تیزی کیا کہئے۔ تلوار سی چلتی جاتی ہے
باد صبا ٹھوکر کھا کر ہر بار سنبھلتی جاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ناز بھی ہے، غزلیں بھی ہیں اور گیت بھی ہے تقریر بھی ہے
پھول بھی ہیں، انگارے بھی ہیں، پارا ہے، اکسیر بھی ہے
موسیقی کے زیر و بم ہیں۔ اور ان میں تاثیر بھی ہے
نغمہ کے طوفانوں میں ہر سانس جھکولے کھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ماتھے کی نمناک لکیریں، نور کا مینھ برساتی ہیں
ہونٹ ہیں گویا کچی کلیاں، آنکھیں کچھ کچھ گاتی ہیں
خود ہی خود غزلوں پر غزلیں موزوں ہوتی جاتی ہیں
زلف کی بے ترتیبی رخ پر اور قیامت ڈھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ہونٹ کی لالی کو گر دیکھے، پھول کی پتی شرما جائے
آنکھ کی مستی جب چاہے، پیمانے دل کے چھلکا جائے
حسن سراپا مستی ہے۔ اور مستی کو کیا سمجھا جائے
پریم کی دھن میں مست جوانی گیت خوشی کے گاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

دیہاتی دُنیا:-

چودہری کا کھیت

چھبو چوکیدار - رام رام چودہری۔

چودہری - رام رام بھیا رام رام - آؤ چھبو کہو گھر میں سب سکھ چین ہے نا (حقہ کی آواز)

چھبو - دیا ہے آپ کی چودہری۔

چودہری - (کھانستے ہوئے) کہو رات میں ادھر کیسے بھول پڑے؟

چھبو - ذرا منگل پور جاتا ہے۔ داروغہ جی نے بلایا ہے۔ یہ چوکیداری کا کام ایسا خراب ہے چودہری کہ نہ دن چین نہ رات۔

چودہری - کیا کام پڑ گیا۔ اتنی رات گئے؟

(گیدڑوں کی آواز آتی ہے۔ ہکا ہو ہو ہوا ہکا ہو)

(چودہری ہانکتے ہیں - آ گئے ہا ہا ہا - لے لے لے)

چھبو - سنا کوئی چوری ہو گئی ہے۔

چودہری - نارائن نارائن آجکل چوری چکاری کا بڑا زور ہو رہا ہے۔

چھبو - کیا پوچھو ہو چودہری۔ میری تو جان ہلکان ہے۔

چودہری - مگر بھیا چھبو دیہات والوں کی حالت بھی بڑی خراب ہے چور کہیں باہر سے تھوڑا ہی آویں ہیں۔ بھگوان بچائے غریبی کیا کیا پاپ کراتی ہے۔

چھبو - سچ ہے۔ ہاں چودہری کہو کھیت کی رکھوالی کیسی ہو رہی ہے جانور زیادہ تو نہیں۔

چودہری - (حقہ پیتے اور کھانستے ہوئے) کیا پوچھو ہو بھیا۔ چھبو گیدڑوں کے مارے جان ہلکان ہے (چلم پیش کرتے ہوئے) ہاں یہ چلم تو پیو

چھبو - ہاں سنا چودہری تم بڑی اچھی رکھوالی کرتے ہو۔

چودہری - نا بابا میں نے بھر پایا اس سال تربوز بو کے گیدڑوں کے سامنے میری چودہراہی نہیں چلتی..................

..........(گیدڑوں کی آواز - ہو ہو ہو ہکا ہکا ہوا ہو ہو)

وہ دیکھو پھر آ گئے۔

چھبو - ٹھہرو میں ہانکے آتا ہوں۔

(ہاہا ہے ہے لے کھڑے رہو بات تمہاری کی)

چودہری - چھبو بھیا بھاگ گئے نا؟ بڑا اکل کھرا جانور ہے۔

چھبو - ہاں چودہری ایک سال میں نے بھی پھوٹ بوئی تھی۔ انہوں نے ناک میں دم کر دیا۔

چودہری - بھیا چھبو میں تو یہ بکھیڑا پالنے کے لئے تیار نہ تھا لڑکے بالوں نے تنگ کیا تو دو کھیت کر لئے۔ بڑا لڑکا شہر گیا ہے۔ اب مجھے ہی رکھوالی کرنی پڑے ہے۔ نہیں تو میری عمر گیدڑ ہانکنے کی تھوڑا ہی ہے۔

چھبو - مگر چودہری یہ گیدڑ ہوتے منچلے ہیں پکار پکار کے کھیت کھانے آویں ہیں۔

چودہری (ہنستے ہوئے) انہیں ڈکیتی کا ہنر آتا ہے للکار للکار کے منہ مارتے ہیں۔

چھبو - مگر چودہری ایک بات ہے یہ ڈرپوک بھی بڑے ہوں ہیں ادھر سے کیا ادھر بھاگے ہنادر کی طرف دیکھو نا ابھی دو آواز میں غائب ہو گئے۔

(پھر گیدڑوں کی آواز ہو ہو ہکا ہو ہو)

دونوں ایک ساتھ چیخ کر - بات تمہاری کی پھر آ گئے۔ لے لے ہے لیہا لیہا جانے نہ پاوے۔

چھبو - ایک ترکیب یاد آئی ہے چودہری انکو بھگانے کی۔

چودہری - وہ کیا؟

چھبو - میں نے پورب میں دیکھا ہے ادھر کسان کھیت میں لکڑی گاڑ کے اس پر ہانڈی اوندھا دیتے ہیں۔

چودہری - اچھا؟

چھبو - اور لکڑی کے ہاتھ بنا کر ہانڈی کے نیچے کو دو چیتھڑے لٹکا دیتے ہیں۔ اسے "اوہرٹی"...... کہتے ہیں۔

چودہری - واہ وا۔

چھبو - ہاں چودہری سنو۔ اسے دیکھ کر گیدڑ آدمی کا دھوکا کھاتے ہیں۔ اگر کھیت میں اسی طرح چار پانچ اک "جھنگٹی" کھڑی کر دو تو گیدڑ پاس نہیں پھٹکیں گے۔

چودہری - واہ چھبو بڑی اچھی ترکیب بتائی تم نے۔

چھبو اور چودہری ہنستی کرو کہ تم اپنی "دنیا" جہاں سے کہہ سکا کہ بیچ کھیت میں گاڑ دو پھر تو گیدڑ کا باپ بھی قریب نہیں آ سکے گا۔

چودہری سا جھپا اب یہی کروں گا۔

تالاب کنارے

(مصور جذبات پروفیسر سکھتر دی لاہور ساہ)

تالاب کنارے روتی تھی کل ٹبیا اک بیراگن کی — جب ظالم کاگا لے بھاگا بن بوچھے ٹکیہ صابن کی
سر ننگے پاؤں برہنہ تھی۔ او کاگا کاگا کہتی تھی — اک ہاتھ سے تھامے دامن تھی اک ہاتھ میں ٹہنی جامنکی
تھے بال بھی لت پت صابن میں، پوشاک بھی تن پر نازک سی — تھا ابر میں سورج بھی پنہاں اور تند ہوا تھی پھاگن کی
بے تاب تھی، بے کس، بے بس تھی، حیران، پریشان، سرگرداں — یوں نیر برستے جاتے تھے جوں برکھا برسے ساون کی
پر وہاں بنا بیٹھا تھا وہ اک رُکھ پر معبدؔ پوشوں میں — اس رُکھ کی ٹہنی ٹہنی پر آبادی تھی لنکا راون کی
کہتی تھی صابن دے میرا اور لے آسیس اس پاپن کی — "سکھ باس ہو تیرے بچوں کا اور خیر ہو تیری کاگن کی"
ناگاہ زمیں پہ گری ٹکیا دکھیا نے لپک کر ہاتھ میں لی — یوں خوش تھی جیسے ہاتھ لگی ہو چٹھیا بچھڑے ساجن کی

ے کوا ے آنسو ے درخت ے کالے کپڑوں والے، مراد کوّے ے دعا ے مادہ کوا (کوّی) ے خط۔

عورتوں میں :-

ذوق ظرافت

(از ریحانہ خاتون صاحبہ)

مردوں کے نزدیک اس سوال کا جواب ہے "نہیں" اور میرے نزدیک یہ جواب "غلط" ہے۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے میں اپنی ایک رشتہ کی بہن کے ہاں تھی۔ میری بہن اور ان کے شوہر کے درمیان ذرا سی بات پہ زبانی چل گئی۔ دونوں نوجوان ہیں اور دونوں کا خون گرم ہے۔ میری بہن کے شوہر نے ایسی چڑا دینی باتیں کہیں کہ بہن تقریباً رونکی ہو گئیں۔ اور جب میں نے اپنی بہن کی تائید میں کچھ کہا تو وہ مجھ پر بھی برس پڑے کہنے لگے "بس ہم عورتوں میں یہی تو ایک بات بڑی خراب ہے کہ تم ذوق ظرافت سے بہرہ ور نہیں ہوتیں۔"

میں نے کہا "ماشاءاللہ۔ مجھے میں حضور کے گوش گذار کردوں۔ دفتر سے آنے کے بعد سے ابھی تک آپ آگے سے پتلون کے بٹن کھولے پھر رہے ہیں۔ غالباً پیشاب سے پیشاب کرنے کے بعد جلدی میں آگے کے بٹنوں میں سے صرف اوپر کا بٹن لگا لیا۔ اور باقی کھلے چھوڑ دیے۔

"ہائیں" کہہ کر انہوں نے جھٹ پتلون کے آگے کے بٹن لگانے شروع کئے۔ بٹن لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "لاحول ولا قوۃ۔ اور مجھے بتایا تک نہیں گیا۔ اور میں نے اسی حالت میں ڈرائیور سے بھی باتیں کیں وہ کیا کہتا ہوگا۔ واہ! بہت برا کیا۔ دیکھ لیا تھا تو مجھے بتانا تھا۔"

میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا "ہم دونوں آپ کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ دیکھ کر مارے ہنسی کے لوٹی جاتی تھیں بتانے کی سدھ کسے تھی۔ اب فرمائیے عورتوں میں ذوق ظرافت ہوتا ہے یا نہیں"؟

وہ کچھ جھینپ سے گئے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ مرد ظرافت کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کا مذاق اڑایا جائے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ ایک دن میں اپنے خاندان میں ایک جگہ مدعو تھی۔ صاحب خانہ کی شریک حیات اپنے نئے بندے دکھا کر ان کی جدید ساخت کی تعریف کر رہی تھیں کہ اتنے ہی میں ایک خاتون بالکل ویسے ہی بندے پہنے ہوئے آگئیں۔ مرد جتنے وہاں تھے سب ہنس پڑے۔ ایلو! بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کی بات تھی۔

عورتیں چھچھوری ظرافت پسند نہیں کرتیں۔ انہیں زیادہ نفیس ظرافت بھاتی ہے۔ مرد بخیال خویش جس وقت "مصروف ظرافت" ہوتا ہے تو دوسروں کا مخول بنانے میں وہ بالکل بچوں کی طرح ہو جاتا ہے عورتیں طبعاً ظرافت کا بلند معیار پسند کرتی ہیں۔ اور وہ کبھی بھی اس معیار سے نہیں گزریں۔

عورتیں قہقہہ مار کر بہت کم ہنستی ہیں۔ مگر کیا زور زور سے چند قہقہے لگانے کا نام ہی ظرافت ہے! اگر مردوں کے چلانے چیخنے کا نام "ذوق ظرافت" رکھ دیا ہو تو اور بات ہے۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ مدرسے کے بچے اس میں ان سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

میں نے لوگوں کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ مزاح نگاری کے میدان میں عورتوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے وہ بالکل غلط کہتے ہیں ہندوستان میں بیشک مزاح نگار عورتیں نہیں ہیں مگر ہندوستان میں معقول لوازم زندگی میں سے اور کیا کیا ہے! ذرا یہ بھی معلوم ہو۔ یورپ میں دیکھو کتنی مزاح نگار عورتیں ہیں! اور ملکوں کو چھوڑ دو صرف ایک انگلستان ہی میں بہت سے نام گنا سکتی ہوں۔ ای۔ ایم ڈیلا فیلڈ جس نے ظرافت کا شاہکار "پراونشیل لیڈی" نامی کتاب لکھی ہے۔ شیلا گبنز مصنفہ "کولڈ کمفرٹ فارم"، وغیرہ وغیرہ۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کی ظرافت خشک ہوتی ہے لے سبحان اللہ! ابھی مرد ذوق ظرافت کا مطلب تو سمجھ لیں پردہ فلم پر بھی مزاح کار موقع موجود ہیں۔ یہاں بھی ہندوستان بحث سے خارج ہے۔ ہندوستان میں پردہ فلم پر مرد ہی کوئی مزاح کار ہیں۔ "ماسٹر" ہادی اور نوری اور [illegible] ہی میں نامرد مزاحیہ ایکٹر۔ اگر مردوں کو انہی پر ناز ہے تو

سخن فہمی عالم بالا معلوم شد

برخلاف ان کے یورپ اور امریکہ کے فلموں میں گریسی فیلڈز، ہوسٹن سسٹرز، سیسلی کورٹنج کو دیکھئے کہ وہ کیا کیا شاہکار پیش کر چکی ہیں۔ ہیڈ کاسٹنگ پر کیسی کیسی "ظرافت کار" عورتیں ہیں۔ جینی ڈے کا سائیں، ملیل کولنس، تاندروسس، ایلزی اور ڈورس واٹرز۔

شاید مرد یہ مان لیں کہ عورت بھی ہنس سکتی ہے مگر وہ یہ کبھی بھی نہیں مانیں گے کہ عورت مرد پر ہنس سکتی ہے۔ مرد تو عورت سے ہر حالت میں اونچا ہے۔ حقیقت میں ہو یا نہ ہو مگر مردوں کا اپنے متعلق یہی خیال۔ آتنا نہیں سوچتے کہ عورت میں ذوق ظرافت کی موجودگی کا ایک بہت بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ "مرد" جیسی مخلوق کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے۔ بس کافی ہے یا کچھ اور بھی کہنے کی ضرورت ہے۔؟

غیرت کی موت

(از جناب منشی پریم چند صاحب)

تین سو پینسٹھ دن، کئی گھنٹے اور کئی منٹ کی متواتر سعی مسلسل اور تھکا دینے والی دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر میں منزل مقصود پر دہڑسے پہونچ گیا۔ بڑے بابو کی زیارت حاصل ہوگئی۔ کرۂ خاکی نے کرۂ آتشیں کا طواف پورا کرلیا۔ اب تو آپ بھی میرے جغرافی تبحر کے قائل ہوگئے ہوں گے۔ اسے استعارہ نہ سمجھئے گا۔ بڑے بابو میں مہر نیمروز کی تابش تجلی اور حرارت تھی۔ اور میں کیا اور میری بساط کیا ایک مشت خاک۔ بڑے بابو مجھے دیکھ کر مسکرائے ہائے وہ تبسم پُر جلال۔ میرے تن نیم جاں میں رعشہ سا آگیا۔ جی میں آیا بڑے بابو کے قدموں پر نثار ہو جاؤں میں کافر نہیں۔ غالب کا مرید نہیں۔ جنت کے وجود پر مجھے یقین کامل ہے اتنا ہی کامل جتنا اپنے خانۂ تاریک پر لیکن فرشتے مجھے جنت تک لیجانے کے لئے آتے تو بھی یقیناً مجھے وہ مسرت بیکراں نہ حاصل ہوتی جو اس تبسم پُر نور سے ہوئی۔ آنکھوں میں سرسوں پھول گئی۔ سارا دل و دماغ لالہ زار بن گیا۔ تخیل نے مصری اہرام کی تعمیر شروع کردی۔ سامنے کرسیوں پر ردی اوراق کی ڈھیروں سے سجا سجایا کمرہ تھا۔ دروازہ پر سائلوں کا انبوہ کثیر۔ اور ایک جانب ایک کرسی پر شان سے بیٹھے ہوئے قسام ازل کے دنیاوی فرائض ادا کر رہے تھے نذر و نیاز کا طوفان بے تمیزی بپا تھا۔ اور میں شان استغنا سے کسی طرف آنکھ اٹھاکر نہ دیکھتا تھا۔

دفعتہً ایک شیرانہ گرج نے میرے زیر تعمیر اہرام کو متزلزل کردیا کیا کام ہے۔

ہائے تجاہل! اس پر ساری دنیا کے حسینوں کا تجاہل اور تغافل نثار اس آستانہ دولت پر جبیں سائی کرتے تین سو پینسٹھ دن کئی گھنٹے اور کئی منٹ گزر گئے۔ چوکھٹ کا پتھر زمین دوز ہوگیا۔ عید و بساطی کی دوکان کے آدھے کھلونے اور گو ردھن حلوائی کی آدھی دکان اسی آستانہ پر نذر ہوگئی اور مجھ سے آج سوال ہوتا ہے۔

"کیا کام ہے؟"

مگر نہیں یہ میری زیادتی ہے۔ سراسر ظلم ہے جو لوگ عالی، اہم ملکی و مالی و تمدنی مسائل میں شبانہ روز منہمک رہتے ہوں۔ جو دماغ ڈاکٹوں، [illegible] پروانوں، حکمناموں، نقشوں وغیرہ سے گرانبار ہو اس کے نزدیک مجھ جیسے خاک کے پتلے کی حقیقت ہی کیا، مچھر اپنے کو چاہے ہاتھی سمجھ لے پر بیل کے سینگ کو اسکی کیا خبر۔ میں نے دبی زبان میں کہا۔ حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔

بڑے بابو جی پھر گرجے "کیا کام ہے؟"

اب کی بار میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ خدا کے فضل سے لیم و شحیم آدمی ہوں جن دنوں میں کالج میں تھا، میری شجاعت و بسالت کی دھوم تھی، ہاکی ٹیم کا کپتان، فٹ بال ٹیم کا نائب کپتان اور کرکٹ ٹیم کا جنرل تھا کتنے ہی گوروں کے جسم پر اب بھی میری شجاعت کے داغ باقی ہوں گے۔ ممکن ہے دو چار اب بھی بیساکھیاں لئے چلتے یا رینگتے ہوں گے۔ بمبئی کرانیکل اور ٹائمس میں میرے گیندوں کی دھوم تھی۔ مگر اس وقت بابو صاحب کی گرج سنکر میرے جسم میں رعشہ آگیا۔ کانپتے ہوئے بولا۔ حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔

بڑے بابو نے اپنا سلیپر وار پیر میری طرف بڑھا کر کہا۔ شوق سے لیجئے یہ قدم حاضر ہے۔ جتنے بوسے چاہئے لیجئے بے حساب معاملہ ہے مجھ سے قسم لے لیجئے جو میں شمار کروں، جب تک آپ کا منہ نہ تھک جائے لئے جایئے میرے لئے اس سے بڑھکر خوش نصیبی کا کیا موقع ہوگا۔ اوروں کو جو بات بڑی ریاضت۔ بڑی چلہ کشی۔ بڑے زہد و اتقا سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ بیٹھے بٹھائے بغیر ہڑ پھٹکری لگائے حاصل ہوگئی۔ واللہ ہوں میں بھی خوش نصیب۔ آپ اپنے دوست احباب، اعزہ و اقربا کو بھی لائیں تو اور بھی بہتر۔ میرا اذن عام ہے۔

اس ستم ظریفی پر بڑے بابو شاید اپنے دل میں نازاں ہوں اور ضرور ہوں گے۔ اس شوخی تقدیر کا برا ہو۔ جو اس دروازہ کا گداگر بنائے ہوئے ہے۔ جی میں تو آیا کہ حضرت کے بڑھے ہوئے پیر کو کھینچ لوں۔ اور آپکو زندگی بھر کے لئے سبق دے دوں کہ بدنصیبوں سے دل لگی کرنے کا یہ مزہ ہے مگر بدنصیبی اگر دل پر جبر نہ کرائے۔ جذبات کا قفل نہ ہوجائے۔ ذلت کا احساس نہ پیدا کرے تو وہ بدنصیبی کیوں کہلائے میں بھی ایک زمانہ میں بڑا ستم ظریف تھا اس وقت ان بڑے بابوؤں کی میری نگاہ میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ کتنے ہی بڑے بابوؤں کو رلا کر چھوڑا۔ کوئی ایسا پروفیسر نہ تھا جس کا چہرہ میری صورت دیکھتے ہی زرد نہ ہوجاتا ہو۔ ہزار ہزار روپے پانے والے پروفیسروں کی مجھ سے کور دبتی تھی۔ ایسے کلرکوں کو میں سمجھتا ہی کیا تھا۔ لیکن اب وہ زمانہ کہاں دل میں پچھتایا کہ ناحق قدمبوسی کا لفظ زبان پر لایا۔ مگر عرض مدعا ضروری تھا

[illegible] ارادہ کر کے آیا تھا کہ اس ورسے آج کچھ لے کے ہی اٹھوں گا۔ میرے ضمیر اور بڑے بابو کے تجاہل میں ٹگ آف وار تھا۔ دبی زبان سے بولا حضور گریجویٹ ہوں۔

شکر ہے۔ ہزار شکر ہے!! بڑے بابو نے جیسے ہانڈی ابل پڑی ہو۔ وہ گرجے اور وہ گرجت آ... ارے تھی میری جبہ سائی آخر کہاں تک اثر نہ کرتی۔ شا ید اثر کو میری دعا سے دشمنی نہیں۔ میرے کان بڑی بے قراری سے کلمات روح افزا سننے کے لئے منتظر تھے۔ مگر آہ جتنی مایوسی ان کانوں کو ہوئی ہے اتنی شاید کو ہکن کو بھی نہ ہوئی ہو گی۔ وہ تبسم نہ تھا۔ خندہ تقدیر تھا۔ حضور نے فرمایا۔

بڑی خوشی کی بات ہے۔ ملک اور قوم کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا نیا امر ہو سکتا ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ ملک کا ہر ایک نوجوان گریجویٹ ہو جائے گریجویٹ زندگی کے جس شعبہ میں جائے اس شعبہ کو طرح طرح ہی پہو نچانے گا بلکہ مالی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ مذہبی غرض ہر ایک قسم کی تحریک کی بقا اور ارتقا گریجویٹوں ہی پر منحصر ہے اگر ملک میں گریجویٹوں کا یہ افسوسناک فقدان نہ ہوتا تو عدم تعاون کی تحریک کیوں اتنی جلدی مردہ ہوتی، کیوں بنے ہوئے رنگے سیار جو فروش گندم نما زر پرست لیڈروں کو ڈاکہ زنی کے ایسے موقع ملتے تبلیغ کیوں تبلیغ علیہ السلام کی ملت بنتی۔ گریجویٹ میں حق اور باطل کی تمیز نگاہ کی وسعت اور موازنہ کی قابلیت ہونا امر لازم ہے۔ میری آنکھیں تو گریجویٹوں کو دیکھ کر [illegible] درجہ تک محظوظ ہو جاتی ہیں آپ بھی خدا کے فضل سے اپنی قسم کی بہت اچھی مثال ہیں۔ بالکل اپ ٹو ڈیٹ یہ شیروانی تو برکت اینڈ کو کی دوکان کی سلی ہوئی ہو گی۔ جوتے بھی ڈاسن کے ہیں۔ کیوں نہ ہوں آپ لوگوں نے قوم کے معیار زندگی کو بہت رفیع بنا دیا ہے۔ اور اب وہ بہت جلد منزل مقصود پر پہونچے گی۔ بلیک برڈ بھی ہے۔ ویسٹ اینڈ کی رسٹ واچ بھی ہے۔ بیشک! اب قومی بیڑے کو خواجہ خضر کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ ان کا منت شناس نہ ہو گا۔

ہائے تقدیر اور وائے تقدیر۔ اگر جانتا کہ یہ شیروانی اور فاؤنٹین پن اور رسٹ واچ یوں آماجگاہ ظرافت بنے گی تو احباب کا شرمندہ احسان کیوں بنتا۔ نماز بخشوانے آیا تھا روزے گلے پڑے۔ کتابوں میں پڑھا تھا ہیئت کذائی اعلان ہے اپنی ناکامی کا۔ دعوت ہے اپنی تحقیر کی۔ تجربہ بھی مطالعہ کا شاہد تھا۔ چیتھڑے پوش بھیک منگوں کو کتنی بے دردی سے دھتکارتا ہوں۔ لیکن جب کوئی حضرت صوفی صافی بنے ہوئے گیسوئے دراز شانوں پر بکھرے ہوئے نیلا عمامہ۔ سر پریشان کج کلاہی سے باندھے۔ صندلی رنگ کا نیچی کرتہ پہنے کمر میں [illegible] ہیں تو جبراً ان کی تعظیم کرنی پڑتی ہے۔ اور ان کی پاک نفسی کے متعلق ہزاروں [illegible]ات پیدا ہونے پر بھی چھوٹی سے چھوٹی رقم جو ان کے نذر کی جاتی ہے [illegible] ورجن بھکاریوں کو دو وقت کے سامان مہیا کر دیتی ہے۔ پرانی مثل

جھ۔ جبیں سے ہی بھیک ملتی ہے۔ بہاں اس [illegible] کرم کی وہ تنبیہ یاد آئی جو اس نے چلتے وقت کی تھی۔ کیوں خواہ مخواہ [illegible] بے وقوفی کروانے جا رہے ہو۔ وہ صاف سمجھیں گے کہ یہ ملنگے تانگے کا مٹھا ٹھو لیسے رئیس ہوتے تو میرے دروازہ پر آتے ہی کیوں اس وقت میں نے اس تنبیہ کو اہلیہ کی کم نگاہی اور دقیانوسیت پر محمول کیا تھا۔ پر اب معلوم ہوا کہ محبوبین بھی کبھی سوجھ کی باتیں کہتی ہیں۔ مگر اب دست تاسف ملنا بے سود تھا۔ میں نے عاجزانہ انداز سے کہا حضور کہیں میری بھی پرورش فرمائیں۔

بڑے بابو نے میری طرف اس انداز سے دیکھا گویا میں کوئی عجیب الخلقت وجود ہوں۔ اور نہایت تشفی آمیز لہجہ میں بولے۔ آپ کی پرورش خدا کرے گا۔ وہی سب کا رازق ہے۔ ازل سے شعراء حکماء اولیا یہی تلقین کرتے آئے ہیں کہ خدا پر توکل رکھو۔ اور ہم ہیں کہ ان کی ہدایت کو فراموش کر جاتے ہیں لیکن خیر میں آپ کو صلاح نیک دینے میں بخل نہ کروں گا۔ آپ ایک اخبار نکال لیجئے۔ یقین مانئے کہ اس کے لئے علمیت یا تدبیر کی ضرورت نہیں۔ آپ تو خدا کے فضل سے گریجویٹ ہیں۔ جوب اساک اور ملذذ طلاء کے نسخے لکھیے۔ طب اکبر میں آپ کو ہزاروں نسخے ملیں گے۔ لائبریری جا کر نقل کر لیجئے۔ اور اخبار میں نئے عنوان سے شائع کیجئے۔ کوک شاستر کا تو آپ نے مطالعہ کیا ہی ہو گا اگر نہ کیا ہو تو ایک بار کر جائیے۔ اور اپنے اخبار میں لطف مواصلت کے طریقے ارقام فرمائیے۔ اعضائے شہوانی کے نام جتنے زیادہ آسکیں بہتر ہے۔ پھر دیکھئے کیسے کیسے ڈاکٹر اور پروفیسر اور ڈپٹی کلکٹر آپ کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اس کا خیال رہے کہ یہ کام حکیمانہ انداز سے کیا جائے۔ تاجرانہ اور حکیمانہ انداز میں تھوڑا فرق ہے۔ تاجر محض اپنی دواؤں کی تعریف کرتا ہے حکیم اصطلاحات اور اعضائے مخفی کی تشریح کر کے اپنے مضامین کو علمی رنگ دے دیتا ہے۔ تاجر کی تعریف سے لوگ بدظن ہو جاتے ہیں۔ حکیم کی تعریف اعتماد انگیز ہوتی ہے۔ اگر اس معاملہ میں کچھ استصواب کی ضرورت ہو تو رسالہ حاضر ہے۔ اگر اس کام میں آپ کو کچھ دقت معلوم ہوتی ہو تو سوامی شردھانند کی خدمت میں جا کر شدھی پر آمادگی ظاہر کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کی کتنی تواضع اور تکریم ہوتی ہے۔ اتنا سمجھائے دیتا ہوں کہ شدھی کے لئے فوراً تیار نہ ہو جائیگا پہلے دن۔ تو دو چار ہندو دھرم کی کتابیں مانگ لائیگا۔ ایک ہفتہ کے بعد جا کر کچھ اعتراضات کیجئے گا۔ مگر اعتراضات ایسے ہوں جن کا جواب آسانی سے نہ دیا جا سکے۔ اس سے سوامی جی کو آپ کی تحقیق اور تجسس کا یقین ہو جائے گا۔ بس اب چاندی ہے۔ آپ اس کے بعد اسلام کی مخالفت پر دو ایک مضمون یا سلسلہ مضامین کسی ہندو رسالہ میں لکھ دیں گے تو آپ کی زندگی اور معاش کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس سے بھی ایک سہل نسخہ ہے تبلیغی مشن میں شریک ہو جائیے کسی ہندو عورت خصوصاً نوجوان بیوہ پر ڈورے ڈالئے آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہو گی کہ وہ کتنی آسانی سے آپ سے

[illegible] آپ اس کی [illegible] ہوں گے
کہ بے شبہ یہ تحفے خوشی سے وصول قبول کرے گی بس اب آپ شہیدوں میں
داخل ہو گئے۔ اگر آپ ذرا احتیاط سے کام کرتے رہیں تو آپ کی زندگی بڑی فارغ
البالی سے گزرے گی۔ ایک ہی کھیوے میں دین و دنیا دونوں ہی پار ہیں۔
جناب آپ لیڈر بن جائیں گے۔ واللہ ایک ہفتہ میں آپ کا شمار معززین میں
ہونے لگے گا۔ دین کے بچے ہیں۔ ہزار ہا سیدھے سادھے مسلمان آپ کو دین
کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا ناخدا سمجھیں گے۔ پھر خدا کے سوا کسی کو خبر نہ ہو گی کہ
آپ کے ہاتھ کیا آتا ہے۔ اور وہ کہاں جاتا ہے۔ اور خدا افشائے راز نہیں
کرتا۔ یہ آپ جانتے ہی ہیں۔

تعجب ہے کہ ایسے موقعوں پر آپ کی نگاہ کیوں نہیں جاتی۔ میں تو بڈھا ہو گیا
اور اب کوئی نیا کام نہیں سیکھ سکتا۔ ورنہ اس وقت لیڈروں کا لیڈر رہتا
اس شعلہ انگیز ظرافت نے جسم میں شعلے پیدا کر دیئے۔ آنکھوں سے شرارے
نکلنے لگے تحمل کی بدولت مائل تغیر ہو گئی۔ مگر قہر درویش برجان درویش کے
مصداق سر جھکا کر کھڑا رہا۔ قیمتی دلیلیں ذہن میں کئی دنوں سے ریزہ ریزہ
کر کے رکھی تھیں صرف انبار ہو گئیں۔ بہت سوچنے پر بھی کوئی نیا پہلو ذہن
میں نہ آیا۔ یوں خدا کے فضل سے غبی یا کند ذہن نہیں ہوں۔ مگر رسا پائی ہے
اتنی فکر سے کوئی اچھی سی غزل ہو جاتی۔ پر طبیعت ہی کچھ نہ لڑی۔ اتفاق سے
جیب میں ہاتھ ڈالا تو معاً یاد آ گیا کہ سفارشی خطوط کا ایک دفتر بھی ساتھ لایا
ہوں رعب کا اوسان پر کیا اثر پڑتا ہے اس کا آج تجربہ ہو گیا۔ امید کی
شگفتگی چہرہ پر نمودار ہو گئی۔ خطوط کا پلندا ہاتھ میں لے کر بولا۔ حضور یہ چند
خطوط ہیں انہیں ملاحظہ فرمالیں۔

بڑے بابو نے بنڈل لے کر میز پر رکھ دیا اور ان پر ایک غلط انداز
نظر ڈال کر بولے۔ آپ نے اب تک ان جواہر ریزوں کو کیوں چھپا رکھا تھا؟

میرے دل میں مسرت امید کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا گویائی نے عود
کیا۔ اٹک کے بولا حضور کے جاہ و جلال نے اتنا مرعوب اور مسحور کر دیا
کہ مجھے ان خطوط کی یاد نہ رہی۔ حضور سے بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے
ان کے لئے کسی قسم کی سعی و سفارش نہیں بہم پہنچائی۔ کسی قسم کی جستجو نہیں کی

بڑے بابو نے مسکرا کر فرمایا اگر آپ ان کے لئے سعی و طلب کی انتہائی
کوشش صرف کرتے تو میں آپ کو متہم نہ کرتا۔ آپ بے شک بڑے خوش نصیب
ہیں کہ یہ نایاب جنس آپ کو بے مانگے مل گئی۔ اسے زندگی کے سفر کا پاسپورٹ
سمجھئے واہ! آپ کو خدا کے فضل سے ایک سے ایک قدردان نصیب ہوئے
آپ ذہین ہیں۔ راستباز ہیں بے لوث ہیں۔ اطاعت شعار ہیں۔ اخواہ ا
آپ کے اوصاف کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ قسم خدا کی آپ جامع کمالات
صوری و معنوی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ میں فراست، متانت، دیانت، صیانت
اصابت، نجابت، شرافت، جسارت، سبھی انسانی اور ملکوتی صفات موجود ہیں

آپ تو افلاس میں سکے جلنے کے قابل معلوم ہوتے ہیں کہ دنیا نگاہ حیرت سے
دیکھے اور دانتوں میں انگلی دبائے آج کسی بھلے کا منہ دیکھ کر اٹھا تھا کہ آپ
جیسے پاکیزہ منش شخص سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو زندگی
کے ہر ایک شعبہ میں آپ کو نام و نمود کے مدارج تک پہونچا سکتے ہیں۔ سرکار کی
ملازمت آپ جیسے باکمال اصحاب کے شایان شان نہیں۔ آپ کو یہ کب گوارا
ہو گا۔ اس دائرہ میں آتے ہی انسان حیوان مطلق بن جاتا ہے۔ بولئے آپ اسے
منظور کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ جناب ذرا ان الفاظ کی توضیح فرمائیں
انسان کے حیوان مطلق بننے سے آپ کا کیا منشا ہے۔

بڑے بابو نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ یہ تو کوئی ایسا پیچیدہ توضیح
طلب امر نہ تھا۔ جب تو مجھے اپنے حسن ظن میں کچھ ترمیم کرنی پڑے گی۔ اس دائرہ
کے عبودیت کیشوں کے لئے سب سے ضروری اور لازمی صفت فراست
ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے خیال پر یہ لفظ قادر ہے یا نہیں۔ اس کا
انگریزی مترادف ہے۔ انٹیوشن، کنایہ کے اصلی مفہوم کو سمجھنا۔ مثلاً اگر سرکار
بہادر یعنی حاکم ضلع کو شکایت ہو کہ آپ کے علاقہ میں انکم ٹیکس کم وصول
ہوتا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ اس میں اندھا دھند اضافہ کریں؟ ......
کسی آدمی کی پرواہ نہ کریں۔ آمدنی کا بڑھانا آپ کی معاملہ فہمی پر منحصر ہے۔ ایک
خفیف سی دھمکی کام کر جائے گی۔ اور انکم ٹیکس دو چند سہ چند ہو جائے گا
یقیناً آپ کو یہ ضمیر فروشی گوارا نہ ہو گی۔

میں نے سمجھ لیا کہ میرا امتحان ہو رہا ہے۔ عاشقانہ سرگرمی سے [illegible]
میں تو اسے ضمیر فروشی نہیں سمجھتا یہ تو حق نمک ہے۔ میرا ضمیر اس درجہ
نازک نہیں ہے۔

بڑے بابو نے میری طرف قدردانہ نگاہ سے دیکھ کر فرمایا۔
شاباش! مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ آپ مجھے ہونہار
معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن شاید یہ دوسری شرط آپ کو منظور نہ ہو۔ اس دائرہ
کے مریدوں کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنے کو بھول جائیں۔ کچھ آیا ذہن
شریف میں۔

میں نے دبی زبان سے کہا۔ جناب کو تکلیف تو ہو گی مگر ذرا پھر اس کی
توضیح فرما دیجئے۔

بڑے بابو نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ جناب یہ بار بار کی توضیح مجھے بری
معلوم ہوتی ہے۔ میں اس سے زیادہ آسان طریقہ پر اپنے خیال کا اظہار نہیں
کر سکتا۔ اپنے کو بھول جانا بہت ہی عام محاورہ ہے اپنی پرسنلیٹی کو زائل
کر دینا آپ کی وضع قطع سے آپ کے خطاب و کلام سے آپ کے انداز و اطوار سے
آپ کی ہندیت کی تکذیب ہو جانی چاہئے۔ آپ کے مذہبی۔ اخلاقی اور تمدنی
اثرات کا یک قلم محو ہو جانا ضروری ہے۔ مجھے آپ کے بشرہ سے معلوم ہو

ہے کہ اس توضیح پر بھی آپ میرا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سنئے آپ غالباً مسلمان ہیں۔ شاید آپ راسخ العقیدہ بھی ہوں۔ آپ نماز اور روزے کے پابند ہیں؟

میں نے انداز تفاخر سے کہا۔ جناب میں اتنا ہی راسخ العمل ہوں جتنا کوئی مولوی ہو سکتا ہے۔ میری کوئی نماز قضا نہیں ہوتی۔ الا جب میں بستر علالت پر تھا۔

بڑے بابو نے مسکرا کر کہا یہ آپ کے پسندیدہ اخلاق ہی کہے دیتے ہیں مگر اس دائرہ میں اگر آپ کو اپنے عقیدہ اور عمل میں بہت کچھ ترمیم و تنسیخ کرنی پڑے گی۔ یہاں آپ کا مذہب مذہبیت کا جامہ اختیار کرے گا۔ آپ بھول کر بھی اپنی پیشانی کو منت کش سجدہ نہ بنائیں۔ کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ کو اپنے مذہب کے نام پر فریاد کرنے کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہنا اور دوسروں کو آمادہ کرنا ہوگا۔ اگر آپ کے ضلع میں دو ڈپٹی کلکٹر ہندو ہیں اور مسلمان صرف ایک تو آپ کا فرض ہوگا کہ ہز ایکسلنسی گورنر کی خدمت میں ایک وفد بھیجنے کے لئے ہوسا۔ قوم کو آمادہ کریں۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ کسی میونسپلٹی نے قصابوں کو شہر سے باہر دوکان رکھنے کی تجویز پاس کر دی ہے تو آپ کا فرض ہوگا کہ دعاۃ قوم کو اس میونسپلٹی کی سرزنش کرنے کے لئے تحریک کریں، آپ کو سوتے جاگتے۔ اٹھتے بیٹھتے قومی قدامت کا راگ الاپنا چاہئے۔ مثلاً امتحان کے نتائج میں اگر آپ کو مسلمان طلباء کی تعداد مناسب سے کم نظر آئے تو آپ کو فوراً چانسلر کے پاس ایک گمنام خط لکھ بھیجنا ہوگا۔ کہ اس معاملہ میں ضرور [illegible] سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں اسی ایجیٹیشن والی شرط کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ آپ کو صراحتاً یا کنایۃً یہ لائحہ عمل قائم کرنے کے لئے ہدایت نہ کی جائے گی۔ سب کچھ آپ کی فراست پر مبنی ہوگا۔ آپ نے اس جوہر سے بہرہ وافی پایا ہے تو آپ ایک دن ضرور منصب اعلیٰ پر پہونچیں گے۔ آپ کو حتی الامکان انگریزی میں تحریر و تقریر کرنی ہوگی۔ اس کے بغیر حکام آپ سے خوش نہ ہوں گے۔ لیکن قومی زبان کی حمایت اور اشاعت کی صدا آپ کی زبان سے پیہم نکلتی رہنا چاہئے۔ آپ شوق سے اخبارات کا چندہ معتبر ترین مستعار کتابیں پڑھیں چاہے واپسی کے وقت کتاب کی قلب ہیئت کے باعث آپ کو معذرت ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ لیکن زبان کی حمایت بانگ دہل سے کرنی چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ آپ کو جس کا کھانا اسی کا گانا ہوگا۔ آپ کے قول سے فعل سے اور دل سے اپنے آقا کے فلاح اور استحکام میں منہمک ہونا پڑیگا اگر آپ یہ خیال کرتے ہوں کہ آقا کی خدمت کے ذریعہ قوم کی خدمت بھی کرونگا تو یہ خیال خام ہے، سودا ہے۔ جنون ہے۔ حماقت ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ فرمائیے آپ اس حد تک اپنے کو بھول سکتے ہیں۔

مجھے جواب دینے میں ذرا تامل ہوا۔ حق یہ ہے کہ میں بھی آدمی ہوں اور بیسویں صدی کا آدمی ہوں۔ میں بیدار نہ سہی۔ مگر بالکل غافل نہیں ہوں، میں بھی اپنے ملک اور قوم کو بام عروج پر دیکھنے کا متمنی ہوں میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مذہب دنیا میں صرف ایک ہے۔ اور اس کا نام ہے صرف درد۔ مذہب کی موجودہ صورت دھڑے بندی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ختنہ یا چوٹی سے کسی کی ماہیت نہیں تبدیل ہو سکتی۔ پرستش کے لئے کلیسا، مسجد، مندر کی میں بالکل ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہاں نفسانیت اور انانیت کو دبائے رکھنے کے لئے کسی عمل کی ضرورت تسلیم کرتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ اس سے مجھے جنت ملے گی یا میری مکتی ہوگی بلکہ صرف اس لئے کہ مجھے دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے اکراہ ہوگا۔ مجھ میں خودی کا خاصہ عنصر موجود ہے یوں اپنی رضا و رغبت سے کہئے آپ کی جوتیاں سیدھی کروں۔ لیکن حکومت کی برداشت نہیں۔ محکوم بننا شرمناک حقارت انگیز سمجھتا ہوں کسی غریب کو ظلم کا شکار ہوتے دیکھ کر میرے خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے کسی سے دب کر رہنے سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔ لیکن خیال حالات پر فتح نہیں پا سکتا معاش کی فکر تو مقدم ہے۔ اتنے دنوں کے بعد بڑے بابو کی نگاہ کرم کو اپنی جانب ملتفت دیکھ کر بجز سر تسلیم خم کرنے کے اور چارہ ہی کیا تھا بولا جناب میری جانب سے مطمئن رہیں۔ آقا کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں گا۔

غیرت کو فنا کر دینا ہوگا۔ "منظور"

شرافت جذبات کو بالائے طاق رکھنا پڑے گا" "منظور"

مخبری کرنی پڑے گی۔ "منظور"

تو بسم اللہ کل سے آپ کا نام امیدواروں کی فہرست میں لکھ لیا جائے گا۔

میں نے سوچا تھا کہ کل سے کوئی جگہ مل جائے گی۔ اتنی ذلت قبول کرنے کے بعد معاش کی فکر سے تو آزادی نصیب ہوگی۔ اب یہ حقیقت کھلی۔ بے اختیار منہ سے نکلا، اور جگہ کب تک ملے گی۔

بڑے بابو ہنسے، وہی دلخراش ہنسی جس میں ذم کا پہلو غالب تھا، جناب میں عالم الغیب نہیں، روشن ضمیر نہیں۔ بہتر ہو، اس سوال کا جواب آپ کسی اولیا سے پوچھیں دسترخوان بچھا دینا میرا کام ہے کھانا آنے کا اور وہ آپ کے حلق میں جائے گا۔ یہ پیشین گوئی میں نہیں کر سکتا۔

میں نے مایوسانہ انداز سے کہا، میں تو اس سے بڑی عنایت کا منتظر تھا۔ بڑے بابو کرسی سے اٹھ کر بولے۔ قسم خدا کی آپ پرلے درجے کے کوڑھ مغز آدمی ہیں۔ بالکل خشک دماغ۔ دسترخوان کا سامنے آ جانا آپ کوئی چھوٹی بات سمجھتے ہیں۔ لطف انتظار آپ کی نگاہ میں کوئی چیز نہیں حالانکہ انتظار میں انسان عمریں گزار سکتا ہے۔ آپ روزانہ کچہری میں آئیں گے غرضمندوں سے آپ کا سابقہ ہوگا۔ حکام سے آپ روشناس ہو جائیں گے۔ معاملے چکانے، سودے پٹانے کے زرین موقعے آپ کے ہاتھ آئیں گے۔ حکام

سکے گی۔ حضرت بڑا واسطے۔ اگر کوئی تعویذ موافق سکے لیجیے تو آپ کے حق میں بہت مفید ہو۔ کچھ علمی معلومات بھی بہم پہنچانے کے سلسلے پر ستارہ گردوں سے یارانہ پیدا کیجیے۔ کیونکہ آپ کو ان سے اکثر سابقہ پڑے گا۔ حکام کی مستورات آپ ہی کی معرفت اپنی نسوانی فرمائشیں پوری کرائیں گی۔ مگر ان سب ٹٹکوں سے بڑھ کر ایک اور ٹھٹھ ہے۔ اگر وہ ہنر آپ میں ہے تو یقیناً آپ کے انتظار کی مدت میں بہت کچھ تخفیف ہو سکتی ہے۔ آپ حکام عالی مقام کے لئے سامان تفریح مہیا کر سکتے ہیں۔

بڑے بابو میری طرف کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرائے۔ سامان تفریح سے ان کی کیا مراد ہے۔ یہ میں نہ سمجھ سکا۔ مگر پوچھتے ہوئے بھی خوف ہوتا تھا کہ کہیں بڑے بابو بگڑ نہ جائیں۔ اور پھر معاملہ خراب ہو جائے۔ ایک اضطراب کی حالت میں زمین کی طرف تاکنے لگا۔ بڑے بابو تاڑ گئے کہ ان کی سمجھ میں میری بات نہ آئی۔ لیکن اب کی وہ چیں بہ جبیں نہ ہوئے۔ ان کے لہجہ میں ہمدردی کی جھلک تھی۔ فرمایا یہ تو غیر ممکن ہے کہ آپ نے بازار کی سیر نہ کی ہو۔

میں نے شرماتے ہوئے کہا۔ نہیں حضور بندہ اس کوچہ سے نا آشنا ہے

بڑے بابو۔ تو اب آپ کو اس کوچہ کی خاک چھاننی پڑے گی۔ حکام بھی باصرہ اور سامعہ رکھتے ہیں۔ دن بھر کی دماغی تکان کے بعد فطرتاً شب کو ان کی طبیعت تفریح کی جانب مائل ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کے لئے حسن باصرہ فروز اور نغمہ سامعہ نواز کا انتظام سستے داموں کر سکتے ہیں یا کر سکیں تو......

میں نے کسی قدر تیز ہو کر کہا آپ کا منشا یہ ہے کہ مجھے بازار حسن کی دلالی کرنی پڑے گی؟ بڑے بابو تو آپ تیز کیوں ہوتے ہیں۔ اگر اب تک اتنی موٹی سی بات آپ نہیں سمجھے تو یہ میرا قصور ہے یا آپ کی کوتاہ فہمی کا؟

میرے جسم میں آگ لگ گئی۔ جی میں آیا کہ بڑے بابو جی کو جھٹکے کے دو چار ہاتھ دکھا دوں۔ مگر گھر کی بے سروسامانی کا خیال آگیا۔ بیوی کی منتظر آنکھیں اور بچوں کی گرسنہ صورتیں یاد آگئیں۔ ذلت کا ایک دریا حلق کے نیچے دھکیلتے ہوئے بولا جی نہیں۔ میں تیز نہیں ہوا تھا۔ ایسی بے ادبی مجھ سے نہیں ہو سکتی (آنکھوں میں آنسو بھر کر) ضرورت نے میری غیرت کو فنا کر دیا ہے۔ آپ میرا نام امیدواروں میں درج کر دیں۔ حالات مجھ سے جو کچھ کرائیں گے وہ سب کروں گا اور تادم آخر آپ کا ممنون رہوں گا۔

جو کی روٹی ۔ مٹی کا پیالہ

(خان بہادر میاں عبدالعزیز صاحب)

تاریخی واقعہ صرف اس قدر ہے کہ جب ایران سے شہنشاہ ہمایوں ازسرِ نو قسمت آزمائی کے خیال سے روانہ ہونے کو تھے تو کسی غیر معمولی قلبی کشش سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنی پھوپھی زاد بہن کو فرمانہ خط لکھا کہ آپ میرے ہمراہ ہندوستان چلیں۔ خانم جہاں اس خط کے پہنچتے ہی مع اپنی کمسن لڑکی کے ایران کی سرحد پر آ پہنچی۔ تیموری آداب کا تقاضا یہ تھا کہ ہمایوں خود ہمشیرہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ ایرانی جاہ پرستوں کا مشورہ یہ تھا کہ خانم جہاں محل میں حاضر ہو کر درباداری کریں مگر تیموری غیرت غالب آئی اور ہمایوں ایک سعادتمند چغتائی کی حیثیت سے خانم جہاں کے خیمہ میں حاضر ہوا۔ ترکی بھولی تو نہ تھی مگر ایران میں دس سال کی آرام طلبی نے کچھ کچھ ترکی طرزِ تکلم سے نا آشنا سا کر دیا تھا۔ خانم جہاں مسکرائی اور بھائی کی پیشانی پر خواہرانہ اظہارِ الفت کر کے بولی۔

خانم جہاں: "مرزا! زبان گئی تو کہیں چغتائی تلوار نہ لڑکھڑانے!"

ہمایوں: "آتا۔ آپ ہمراہ ہوں گی تو بجلی کی طرح چمکے گی۔ افغان کھوپری کو کدو کی طرح کاٹے گی۔"

خانم جہاں: "انشاء اللہ مرزا! میرے پاس یہ مٹی کا پیالہ ہے جو کی روٹی ہے۔ چنگیز اور تیمور کے گھرانے کی لڑکیاں بھائی کی اس سے بڑھ کر خدمت نہیں کر سکتیں کہ سمرقند کا پانی سمرقند کی مٹی میں پیش کریں۔ پانی پیو جو کی سوکھی روٹی کھاؤ اور یہاں سے کم از کم دس کوس پر جا کر دم لو۔ اگر ہندوستان فتح کرنا ہے تو رات کو دن کر دو۔"

خانم جہاں کے الفاظ ہمایوں کی تیموری رگوں میں برقی اثر پیدا کر گئے۔ یا تو کچھ دن آرام کا خیال تھا یا فوراً حکم دیا:۔

"دم نہ لو۔ بڑھو۔ اڑ دو۔"

یہ حکم ترکی میں تھا۔"

(۲)

ہندوستان فتح ہو گیا۔ ہمایوں جمنا کے کنارے ہند کی گود میں جا لیٹا۔ خانم جہاں خواب و خیال ہو گئی۔ اس کی کمسن لڑکی جس کی شادی خالص چغتائی خاندان میں ہوئی تھی۔ کافی عمر پا کر سمرقند کی مٹی میں مٹی ہو گئی۔

(۳)

شہنشاہ جہانگیر ایک دن نور جہاں سے کچھ ناراض سے تھے۔ اس خفگی میں تیموری خون کا جو نصف حصہ باقی تھا وہ کچھ کھولا اور اسی پھوپھی زاد بہن کا مٹی کا پیالہ، جو کی روٹی یاد آئی۔ ترکی ابھی بھولی نہ تھی ترکی میں مراسلہ لکھا اور حکم دیا کہ مع تحائف خانم جہاں کی نواسی کی خدمت میں سمرقند جا کر پیش کرو۔

مراسلہ نہ تھا، روحانی تڑپ کا مرقع تھا۔ یعنی جہانگیر کا رواں رواں دہائی دے رہا تھا کہ "اے میرے آبائی وطن میری فریاد سن سپاہی زادہ ہو کر قفسِ عیش میں بند ہوں مجھے رہا کر دے۔ راحت کے بعد تو پھر شمشیر زن کر دے۔ میں تجھ تک پہنچ نہیں سکتا تو مجھ تک کسی صورت میں آ جا۔ اے کاش کہ کوئی تو میرا اپنا ہو" گویا خط نہ تھا قلبی کشمکش کی بولتی ہوئی تصویر تھی اور کیوں نہ ہوتی! خون کو خون پکار رہا تھا۔

(۴)

خانم جہاں کی نواسی رشید جہاں خط دیکھ کر حیران ہوئی۔ مگر تیموری فہم اتیموری عزم دونوں برقرار تھے۔ سمجھ گئی اور جہانگیر کے تحائف سمرقند میں تقسیم کر کے ایک گھوڑے پر آپ دوسرے پر ایک چنگیزی جاں نثار سمرقند سے چل پڑی۔ لاہور عین اس وقت پہنچی جب شہنشاہ جہانگیر کشمیر کے سفر کی تیاری میں تھے۔ شہنشاہ کو بھول ہی چکا تھا کہ کسی کو بلوایا ہے نور جہاں سے جو عارضی ملال ہوا تھا مدت سے مٹ چکا تھا۔ اطلاع ہوئی کہ رشید جہاں سمرقند سے آ پہنچی۔ نور جہاں کو اشارہ کیا کہ ہماری آپا ہے تم جا کر لو الاؤ۔

وزیر بولا:۔

"جہاں پناہ! جان بخشی ہو تو عرض کروں"

شاہنشاہ: "ہاں کیا ہے"

وزیر: "شاہزادی رشید جہاں کا پیغام ہے کہ تیموری آداب کے مطابق مرزا خود ہماری خدمت میں حاضر ہو"

شاہنشاہ: "ٹھیک فرماتی ہیں۔ شاہنشاہ اگر میں ہوں تو ہندوستان کے لئے ہوں۔ ان کے لئے تو واقعی صرف مرزا ہوں۔ کہلا بھیجو کہ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

آقا شامی ایران سے آئے تھے... بادشاہ سلامت کے ارجمان دیکھتے ہی نور جہاں نے اشارہ کیا۔ سونے چاندی کے ظروف، اطلس کمخواب کے تھان، اشرفیوں کی تھیلیاں، پالکیاں، فرش فروش، خیمے، غلام لونڈیاں، خواجہ سرا، دار وغہ، فوج کا دستہ، رشید جہاں کے مختصر خیمہ کے سامنے آن کی آن میں موجود ہوگئے۔ ملکہ نور جہاں کی اس شاندار پیشکش نے شاہزادی رشید جہاں کے دل پر خاص اثر کیا۔ مگر ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے۔

رشید جہاں: "مرزا! نانی مرحومہ کی وصیت تھی کہ وہ مٹی کا پیالہ جس میں ہمایوں نے پانی پیا تھا محفوظ رہے۔ وہی لائی ہوں۔ لو سمرقند کا پانی پیو۔ سمرقند کے چوکھا دُ اور دس کوس پر جا کر دم لو۔"

جہانگیر: "زہے قسمت کہ دادا جان کے استعمال شدہ پیالے میں سمرقند کا پانی نصیب ہو۔ لائیے۔"

رشید جہاں: "بسم اللہ مگر یہ نہ بھولے کہ دس کوس پر دم لینا ہوگا۔"

جہانگیر: "نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

پانی پیتے ہی ترکی میں حکم ہوا:-

"دم نہ لو۔ بڑھو۔ اڑ دو۔"

(۵)

رشید جہاں نے چار مہینے دربار داری میں کشمیر میں کاٹے شاہنشاہی جشن شبانہ عیشِ جاودانہ سے خوگر نہ ہوئی۔ موقع پاتی تو اپنے چنگیزی جاں نثار کو ہمراہ لے کر کشمیر کے کوہستانی علاقوں میں کبھی سوار کبھی پیادہ خنجر آزمائی کرتی رہتی۔ تیندوا، ریچھ، شیر۔ جو مل جائے منہ نہ موڑتی۔ ایک شیر نے زخمی بھی کیا مگر تیموری رگ و ریشہ زخم کی کیا پروا کرتا؟ تنہائی زخموں سے اچھا ہونے کے لئے تھا۔ جہاں پناہ نے دو ایک دفعہ دبی زبان میں جرأت کی داد بھی دی۔ مگر ڈرتے ڈرتے اس لئے کہ تیموری اولاد کے لئے مرد ہو یا عورت جرأت کوئی فخر نہ تھا۔ اشارۃً یہ بھی کہا کہ "تنہا شیر کا مقابلہ ہو جانے تو مضائقہ بھی نہیں۔ مگر ہو شوقیہ نہیں۔" اس پر رشید جہاں نے یہ کہہ کر ٹال دیا "شکار کروں کہ ان جنگلوں میں ہاتھی نہیں۔"

لذید گشاکر
تمام لذائذ کو

(۶)

دربار ابھی کشمیر ہی میں تھا کہ افواہ پھیلی کہ شاہزادی رشید جہاں شاید جلدی سمرقند واپس جانا چاہتی ہیں۔ افواہ پھیلانے والوں کا خیال یہ تھا شاید ملکۂ عالم ملکہ نور جہاں یہ خبر سن کر خوش ہوں بلکہ دراصل چند رموز شناس درباریوں نے سازش کر کے یہ افواہ پھیلائی تھی۔ یہ مفسد درباری دربار کے لئے معمولی شغل تھا۔ نور جہاں سن کر مسکرائی، پھر ہنسی اور یہ کہہ کر کہ "خوب ہی شناسم" سیدھی جہاں پناہ کے حضور میں دست بستہ اکڑی ہوئی۔ خلیہ ہو گیا۔

نور جہاں: "جہاں پناہ خطا معاف ہو تو کچھ عرض کروں۔"

جہانگیر: "جانِ من! کیسی خطا کیسی معافی! تم حکم کرو۔"

نور جہاں۔ "جہاں پناہ یہ معاملہ حکم کا نہیں۔ محض ایک التجا ہے۔"

جہانگیر: "آخر کچھ کہو تو سمجھ میں آئے۔"

نور جہاں: "کیا جہاں پناہ کا خیال ہے کہ چغتائی شہزادی رشید جہاں سے مجھے کچھ کد ہے؟"

جہانگیر: "ہرگز نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ سارے ہندوستان میں تم ایک اس کی سچی قدرداں ہو۔"

نور جہاں: "ظل الٰہی کا یہ ارشاد القاء ربانی سے کم نہیں۔ میں دل سے چاہتی ہوں کہ جہاں پناہ اُسے محلسرا میں داخل کریں۔ میں آپ کی اور اُس کی کنیز بن کر رہوں گی۔"

جہانگیر: "تم بہت دانا ہو مگر اس معاملہ میں تم قطعی بے خبر ہو۔ آنجہانی دادا جان کی وصیت تھی کہ میری اولاد کو جب کوئی مصیبت ہو تو خانم جہاں کی اولاد سے مشورہ لیا جائے۔ خانم جہاں کی اولاد چغتائیوں کی محافظ ہے۔ ان کو بھی خانم جہاں کی پشت در پشت وصیت ہے کہ ظہیر الدین بابر کی اولاد کے کام آسکو تو دریغ نہ کرنا۔"

نور جہاں: "اس سے بہتر وہ کیا مدد کر سکتی ہیں کہ محل میں داخل ہوں۔"

جہانگیر: "اصل چغتائی کے لئے محل قید ہے۔ مگر چونکہ تم آکا کی قدرداں ہو تم خود اُن سے مل کر گفتگو کر لو۔ تمہارا اطمینان ہو جائے گا کہ میری رائے صحیح ہے۔"

(۷)

نور جہاں جب آکا کے خیمہ کی طرف بے تکلف بلا اطلاع کراتے اور بلا کسی شاہانہ جاہ و حشم کے روانہ ہوئیں تو دربار انگشت بدنداں تھا کہ ملکۂ عالم اور اس سادگی سے ایک سمرقندی اجنبی کی طرف جا رہی ہیں۔ دونوں بیگمات ملیں قہوہ اور میوہ پیش ہوا۔ پھر تخلیہ۔

نور جہاں: "آکا میں آپ کی خدمت میں ایک خاص التجا لے کر آئی تھی۔ لیکن مجھے پہلے یہ کہنا ہے کہ گو میں بھی حسین ہوں مگر آپ کے قد کی رعنائی غضب ہے اور آنکھوں والے تو تمہیں بے انتہا حسین تصور کرتے ہوں گے۔"

رشید جہاں: "بیگم خفا نہ ہوں تو عرض کروں کہ خدا نہ کرے کہ میں حسین ہوں۔"

نور جہاں: "ایں۔ یہ کیا کہا؟"

رشید جہاں: "حسین ہو تو تم سا ہو ورنہ سادہ رو ہونا ہی اچھا ہے اور قدرت کے کھیلوں میں یہ سب سے عجیب کھیل ہے کہ حسین عورت آج تک جب سے آسمان نے زمین کو ڈھانکا ہے کبھی اولاد کی طرف سے مطمئن نہیں ہوتی

ہے سمرقند واپس جانا چاہتی ہوں تو میں ہمیشہ دل سے سردار کو میرا انتظار رہتا ہے اس کے چاروں بھائی مر چکے ہیں۔ اس کے بیٹا اور پوتوں کو پالوں گی۔ بیس تیس پشت کے بعد پھر شاید ہم سے کوئی تیمور دوبارہ پیدا ہو۔ فی الحال تو ہندوستان نے ہماری ایک شاخ کو چٹ کر لیا ہے۔ بیگم تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو کہ میں تمہارے شاندار دربار کو کس نظر سے دیکھتی ہوں۔ بارہا تعجب ہوا کہ یہی وہ تیموری گھرانے کے دربار ہیں۔ شاعر اور شہد سے بہت اور سپاہی اور سر فروش کم۔ حیران ہوتی رہتی ہوں کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ جہاں مردوں کو دیکھو کمر میں تلوار اندر دگلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ جہاں مرد زیور پہنتے ہیں وہاں عورتیں تو ضرور ننگی رہتی ہوں گی۔ کیا ان عیش کے بندوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ مرد کا زیور زخم ہیں نہ کہ موتی جیسیوں دفعہ دربار میں غور سے دیکھا۔ امرا سے کانف میں سونے اور موتیوں کے ڈھیر پیش کئے گمان نکموں میں سوائے چند افراد کے کبھی کسی نے مرزا کو مفتوح دشمنوں کی تلواریں اور ڈھالیں نذر نہ کیں۔ آخر یہ سب کے سب نام کے مرد روز و شب ماہ و سال دربار میں کرتے کیا ہیں؟ ہمارے ہاں تو فتح کے بعد جشن ہوتے ہیں۔ کامیاب شکار کے بعد جام چلتا ہے اور یہاں روز جشن اور صبح و شام و صباح کے جام ہیں تو ہندوستان کی فضولیات سے اکتا گئی۔ اتنا البتہ ضرور کہوں گی کہ چغتائی نہ سہی لیکن اگر کوئی سپاہ رنگین ہے تو چند چھوٹے گھرانوں کے راجپوت۔ وہی کچھ تلوار کے دھنی بھی ہیں۔ ورنہ یہ جو کی روٹی کھاتے پھریں گے۔"

نورجہاں: "اچھا آپ ٹھیک فرماتی ہیں۔ اس ملک کے مسلمانوں میں بے انتہا آرام طلبی ہے۔ خود تو ایران دیکھا نہیں مگر سنتی ہوں کہ وہاں سے بھی یہاں کہیں زیادہ عیش پرستی ہے۔ یہاں تاتاری جرأت کی، تیموری ترکتازی کی تلاش عبث ہے۔"

رشید جہاں بیگم۔ مجھے انتظار تھا کہ کبھی آپ بے تکلف تشریف لائیں تو آپ سے درخواست کروں کہ آپ میرے ناچیز تحفہ کو قبول فرمائیں۔ یہ لیجئے ایک سادہ دست بند۔ آپ کے لئے سمرقند سے لائی تھی۔ (نورجہاں بیگم اس دست بند کو آنکھوں سے لگاتی ہے) یہ ہے بھی اس قابل۔ شاہنشاہ بابر نے اپنی ہمشیرہ کو دیا تھا۔ حق بحق دار رسید۔"

نورجہاں: "میں آپ کی دریا دلی دیکھ کر تعجب کرتی ہوں جہاں نے آپ کو تحائف دئے۔ وہ آپ نے سب بانٹ دئے۔ اپنے لئے نہ رکھا۔"

رشید جہاں: "سنو بیگم۔ تیمور کی اولاد دنیا میں اپنے آپ کو لٹوانے آئی ہے۔ جب ہم میں سے کوئی حساب کر کر کے جمع کرنے والا پیدا ہوگا تو یقیناً یہ قوم مٹ جائے گی۔ ہم لوگوں کی سب سے بڑی دولت ہمارا خالص خون ہے۔ ہم اس کے بہانے اور لٹوانے میں دریغ نہیں کرتے تو اور کسی چیز کو کیا رکھیں گے؟"

نورجہاں: "خدا کے لئے آپ مجھے اپنا سمجھیں اور کوئی ارشاد کریں جو میں پورا کر سکوں۔"

رشید جہاں: "مرزا سے مجھے سمرقند واپس جانے کی اجازت لے دیجئے۔ میں نانی مرحومہ کی وصیت کی پابندی میں چلی آئی۔ جو امانت لائی تھی۔ وہ دے چلی۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ خانم جہاں کی اولاد کے ذمہ آئندہ اب شاید ہی کوئی خدمت ان ہندی مرزاؤں کی طرف سے تفویض ہو۔

(۸)

جہانگیر: "کہو جان من! تم کچھ متفکر سی ہو: خیر تو ہے؟"

نورجہاں: "جہاں پناہ! دیکھئے یہ دست بند مجھے اتکہ نے دیا۔ فرماتی تھیں کہ شاہنشاہ بابر نے اپنی ہمشیرہ کو دیا تھا اور مجھے رشید جہاں نے یہ کہہ کر دیا کہ "حق بحقدار رسید"

"جہانگیر: اور کیا باتیں ہوئیں؟"

نورجہاں: "جہاں پناہ وہ بات تو میں زبان پر بھی نہ لا سکی۔ رشید جہاں کو ہمارے دربار سے اپنے جنگلی خیمہ و خرگاہ زیادہ مرغوب ہیں۔ کس قدر اس چغتائی شہزادی کو اپنے صحیح النسب چغتائی ہونے پر فخر ہے۔ میں تو اس کے سامنے محجوب ہو گئی۔"

جہانگیر: "وہ سچی ہے مگر ہند کا بھی ہم پر حق ہے۔ محمود غزنوی یہاں کی دولت لے گیا مگر اپنا ایاز یہاں چھوڑ گیا۔ موت کے اس ایک حملہ نے محمود کے سترہ حملوں کا کافی جواب دیدیا۔ ہم لوگ اب یہاں کے ہو چکے۔ سمرقند کا پانی یہاں خون بن کر رہا۔ تب جا کر یہ سلطنت نصیب ہوئی۔ مگر یہ بھی چند پشت کی بات ہے۔ تم کچھ خیال نہ کرو۔ قبلہ مرحوم کا شعر کہہ گیا ہے ؎

جام مے در دست گیر و پا بگلشن نہ بناز

با دوست افشاں در آمد آب با کوبان رسید

لاؤ تم بھی ایک جام مے دو۔ پہلو میں بیٹھو اور سمرقند کو بھول جاؤ۔"

جہاں پناہ نے ایک آدھ جام پی کر افکار سلطنت سے اک گونہ آزاد ہوئے تو نہایت التفات سے اپنی محبوبہ دلنواز سے فرمانے لگے۔

جہانگیر: "جان من میں اس تمہارے کھیل کو کہ تم مجھے مشورہ دو کہ رشید جہاں کو ملک پناہ! جاؤں کیا سمجھوں؟ کیا تم میری وفا کا امتحان لے رہی تھیں یا کچھ اور مد نظر تھا؟"

نورجہاں: "جہاں پناہ۔ عورت یعنی کوئی معمولی عورت کبھی اپنے شوہر سے اس قسم کی التجا نہ کرتی۔ مگر میں معمولی عورت نہیں میں ملکہ ہوں اور آپ کے دل کی ملکہ ہوں مگر اس سے بھی بڑھ کر مجھے فخر یہ ہے کہ آپ کی جان نثار رہوں۔ آپ میرے ہیں میں آپ کی ہوں مگر سلطنت چغتائی ہے اور میں باوجود ایرانی ہونے کے دل سے چاہتی ہوں کہ

[illegible] میری خوشی، میری شان، میری [illegible] سب قربان ہو جائیں تو بھی کچھ پروا نہیں۔ جو مجھ پر بیتی تھی وہ محض اس نیت سے تھی۔ ورنہ کون عورت ہے جو تاج و تخت میں کسی دوسرے کو شریک ہوتے دیکھ سکے۔ اگر اس شاہزادی کو آپ محل میں داخل کر لیتے تو ممکن تھا کہ سمرقند و بخارا سے بنگالہ اور دکن تک صرف آپ کا سکہ چلتا"

جہانگیر: "خدا جانے تم باور کرو یا نہ کرو مگر جو بادشاہ ہوتے ہیں چاہے وہ مجھ جیسے گنہگار ہی کیوں نہ ہوں کسی حد تک غیب داں ہوتے ہیں۔ مجھے ایک صدی کے بعد چغتائی چراغ گل ہوتا نظر آتا ہے"

[illegible] قربات قوم [illegible] زبان سے [illegible]

جہانگیر: "اب تو نکل گئی۔ لاؤ ایک پیالہ اور"

نورجہاں: "میری سنیں تو میں یہی کہوں کہ شیرازی انگور سے سمرقند کے جو اچھے"

(۹)

کہتے ہیں کہ شاہنشاہ فرخ سیر نے پنجاب کی ایک کٹھن مہم کے وقت ترکی میں خط لکھوا کر سمرقند قاصد روانہ کیا۔ تو قاصد یہ جواب لایا:۔

"مرزا!
وہ جو سوکھ گئے۔ وہ پانی بہ گیا۔ وہ پیالہ ٹوٹ گیا"

اشعارِ رنگا رنگ

(از جناب اشفاق مرزا صاحب دہلوی)

کیا مزے کی بات ہے دل چھین لو بوسہ نہ دو — حسن بریلوی — دل تو اچھا ہے مگر دل کی خوشی اچھی نہیں

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن — عزیز — بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام — حالی — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر — غالب — ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

اپنی قسمت کا گلہ اے دل ناشاد نہ کر — جلیل — وہ تجھے بھول گیا تو بھی اسے یاد نہ کر

جلتے ہیں کہ صدا خون جگر پینا ہے — اکبر — پھر خوشی کیا کہ ابھی ہم کو بہت جینا ہے

کبھی داغ توبہ کی ہے کبھی پھر شراب پی ہے — داغ — نہ عذاب ہی ملے گا نہ ہمیں ثواب ہرگز

زمانہ بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی — اقبال — سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے راز داں تک ہے

سیکھ دنیا ہی میں زاہد حور سے ملنے کے ڈھنگ — حفیظ جالندھری — ورنہ رو دیگا کہ جنت میں بھی رسوائی ہوئی

تو نے عریاں ہی رکھا مجھ کو فلک خوب کیا — رند — میں بھی پھیلاتا ترے آگے جو دامن ہوتا

مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی — امیر — انہیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا

جب یاد کیا اس کو تب جانبہ بن آئی — حامد علی خاں — یا اسکو بھلا دوں گا یا جان سے جاؤں گا

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ — نظام — مجھ کو جو دیکھا چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ

دنیائے محبت میں یا رب مجھ سا بھی کوئی ناکام نہ ہو — نشتر — دریا سے کہا آغوش میں لے۔ آئی یہ صدا پایاب ہیں ہم

غم مجھے کھانے کو دو اور خون دل پینے کو دو — ظفر — اے طبیبو نے غذا کا نئے دوا کا نام لو

عشر میں زیست کے حالات سناؤں کیونکر — قمر بدایونی — یاد رہتا ہے کہیں خواب پریشاں کوئی؟

مجھ مجھ سے پیار تمکو جو ہو تم سے پیار مجھ کو — نیرنگ — نظر آئے خار ہستی گل نو بہار مجھ کو

فرسٹ پرائز

(از سید ابن الحسن صاحب فکر ایم اے)

(۱)

اودے بہاری نے چوٹ کا معائنہ ختم کرتے ہوئے کہا" تو مجھ پیارے اب تم دو ایک دن میں بالکل اچھے ہو جاؤ گے"

رام پیارے نے چوٹ لگی ہوئی ٹانگ کو دیکھا جو موٹر کے حادثے کی چوٹ سے اچھی ہو چلی تھی اور پھر اپنے دوست، اودے بہاری پر ایک نظر ڈالی۔ جو اس کا کلاس فیلو تھا اور اس وقت سنٹرل ہوسپٹل میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے اپنے مریض دوست سے گفتگو کر رہا تھا" کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اتنی جلدی یہاں سے چلا جاؤں گا؟"

بہاری نے کہا" نہ جانے کی وجہ؟ ٹانگ تو اچھی ہو ہی جائے گی پھر یہاں رہ کر کیا کرو گے؟"

پیارے بولا" تو بھی یونہی ہے یار سارے ہسپتال کی صاف ستھری فضاء ایک نفیس اور پاکیزہ کمرہ، آرام دہ پلنگ اور سرہانے ایک گھنٹی جب بھی چاہا گھنٹی دی اور ایک "قتالہ" نرس کو بلا لیا۔ جس کی ایک مسکراہٹ سے ساری دنیا جگمگا اٹھتی ہے۔ ایسی حالت میں اچھے ہونے کی جلدی کس مردود کو ہے؟"

بہاری نے طنزاً کہا" مگر جناب یہ فراموش کر رہے ہیں کہ یہاں رہنے والوں کو کمرہ کا روزانہ کرایہ دینا پڑتا ہے"

پیارے بولا" ارے یار تو چونک بھی کرائے کو۔ وہ ایسی کونسی لمبی چوڑی رقم ہو گی"

بہاری نے کہا" تو پھر شوق سے ٹھیرے رہو۔ خوراک تو ٹھیک مل رہی ہے نا؟"

پیارے" ہاں سب ٹھیک ہے"

بہاری" فروٹ بھی ملتے ہیں؟"

پیارے" ہاں وہ بھی ملتے ہیں بس کمی تو ایک ہی چیز کی ہے"

بہاری" وہ کیا؟"

پیارے" نرسوں کی آمد و رفت میں زیادتی"

بہاری" وہ تو تمہارے گھنٹی بجانے اور بہانے تراشنے کی طاقت پر منحصر ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں"

پیارے نے کہا" گڈ بائی۔ اور اس کا ہاتھ گھنٹی پر پہنچ گیا"

(۲)

ڈاکٹر رام بہاری جنرل وارڈ کی طرف نکل گیا۔ اکثر طالبات جا چکی تھیں مگر نرملا ابھی تک موجود تھی۔ ڈاکٹری میں وہ ڈاکٹر بہاری کی شاگرد تھی مگر دل میں...... زبان سے اکثر و بیشتر دونوں میں دوائیوں اور ان کے استعمال پر گفتگو ہوتی تھی مگر دونوں کی آنکھیں خاموشی کی زبان سے کچھ اور کہا سنا کرتی تھیں۔ نرملا بڑی ذہین تھی۔ اس لئے ڈاکٹر بہاری کی بتائی ہوئی سبھی باتیں جو ڈاکٹری سے متعلق تھیں ذہن نشین کر لی تھیں اور جو کچھ بہاری کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا وہ بھی اس کے دلنشین تھا ڈاکٹری پر استاد کے سوالوں کے جوابات وہ ہمیشہ ٹھیک ٹھیک دیا کرتی تھی۔ اسی طرح اس کی نظریں جو کچھ پوچھتی تھیں اس کا جواب بھی نرملا اپنی آنکھوں سے دیدیا کرتی تھی۔

جب بہاری قریب آیا تو نرملا نے کہا" ڈاکٹر صاحب اس کیس کے متعلق کچھ بتایئے۔ میں کافی دیر سے آپکا انتظار کر رہی ہوں"

بہاری نے کہا" مس نرملا یہ کیس نوبار نمونیا کا ہے" اور اس کے بعد مرض کے آثار، اس کے بڑھنے کی تشخیص اور علاج پر گفتگو کرتا رہا۔ زبان مرض کے تذکرے میں مصروف تھی اور آنکھیں نرملا کے عارض سے سیراب ہو رہی تھیں غالباً نرملا بہاری کی زبان اور آنکھوں دونوں کے اشغال پر مطمئن تھی کیونکہ وہ ایک طرف تو بہاری کی گفتگو کو بڑی توجہ سے سن رہی تھی اور دوسری طرف اس کے عارض پر حجاب کی سرخیاں جھلک رہی تھیں۔

بہاری نے مرض پر گفتگو کرتے ہوئے کہا" نمونئے میں ہمیں سب سے پہلے دل کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ معالج کو اس اہم نکتہ پر بہت زیادہ توجہ کرنی چاہئے"

نرملا کا دل بہاری کی نظروں سے ہمدردی ظاہر کر رہا تھا۔ مسکرا کر بولی جی ہاں دل کا ضرور خیال کرنا چاہئے۔ دل ہی تو جسم کو غذا مہیا کرتا ہے نمونیا کی طاقت کا اندازہ اس کی دھڑکن سے لگانا چاہئے" اور یہ کہتے ہوئے بہاری نے اپنے ایک ہاتھ کو سینے پر رکھا۔ اور بولا" محسوس ہوتا ہے کہ زور سے دھڑک رہا ہے۔ یہ دیکھو۔ دیکھو تم بھی"

نرملا نے ہلکی سی جھجکاہٹ کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاتھ کے قریب اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔

بہاری نے کہا "مجھے ہے نا وہ کون ؟ کیوں ؟ یہاں نہیں اوہر (؟)

اچھا یہ یہاں"

گفتگو کرتے کرتے وقتاً اس کے دل کو احساس نے چھیڑ دیا۔ بہاری نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے نرملا کو دیکھا۔ ایک لمحے تک دونوں کی نگاہیں ملی رہیں۔ پھر بہاری نے کہا۔

"کیوں ؟ ...کہ رہا ہے ؟"

نرملا بولی "جی ہاں"

ابھی اس سلسلہ میں مزید گفتگو ممکن تھی کہ بہاری نے ایک اور موضوع چھیڑا۔ بولا "نئے آلات آنے والے ہیں۔ ...دیکھے۔ نئے مس نرملا"

نرملا میں عورت کی فطرت نے گدگدی کی۔ بولی "جی نہیں" گو صبح آتے ہی اس نے نئے آلات دیکھ لئے تھے۔

آلات کے ذخیرے کے کمرے میں جہاں شاگرد اور استاد دونوں اضافۂ معلومات کے لئے گئے تھے۔ ان کی معلومات میں شاید اضافہ یہ بھی ہوا کہ ان کے آغوش اور لب ایک دوسرے کے لئے بیقرار ہیں اور۔۔۔۔۔۔

(۳)

نرملا اور شانتا دونوں ایک ساتھ پڑھی تھیں۔ نرملا کھاتے پیتے ماں باپ کی لڑکی تھی وہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے لگی۔ شانتا غریب والدین کی بیٹی تھی۔ وہ نرس بن گئی۔ امیدواری کا زمانہ ختم کرنے کے بعد اسٹاف نرس مقرر ہوئی ہی تھی کہ نرملا نے تین برس کا ابتدائی کورس ختم کیا اور وارڈ میں داخل ہوئی۔ دونوں کا بہناپا پھر تازہ ہو گیا۔ حیثیتوں کا فرق درمیان میں سدِ راہ نہ بن سکا۔ اور وہ پھر سہیلیاں بن گئیں۔

(۴)

نرس روم میں گھنٹی بجی۔ شانتا نے گھنٹی کے بکس کی طرف دیکھا۔ روم نمبر ۹۔ مسکرا کر اس نے زیرِ مطالعہ کتاب میز پر رکھ دی اور ایک موجِ آب کی طرح وارڈ کی طرف بڑھی۔

پیارے "شانتا اب شاید بہت جلد میں ہسپتال سے چلا جاؤں وعدہ کرو کہ تم مجھے کبھی نہ بھولو گی۔"

شانتا۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں مگر ہم کب۔۔۔

پیارے: بہت جلد میری شانتا۔

شانتا۔ کیا تم نے اپنے والدین سے ذکر کر دیا ہے ؟

پیارے۔ وہ تو میں کر دوں گا۔

شانتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پیارے۔ آؤ۔ ذرا۔ ادہر تو۔ ۔ آؤ۔ ۔ شانتا۔

شانتا۔ موہن جی۔ میں ڈیوٹی پر ہوں، رہا کیجیے اس وقت نہیں مگر پیارے ہاتھ پھیلائے ہوئے پلنگ سے اٹھ چکا تھا۔۔۔

...دیکھا دونوں ... بعد ... (؟)

"اب مجھے جانے دو۔ سرجن گشت پر ہوگا"

(۵)

نرملا کو کمرہ نمبر ۹ کے مریض مسٹر پیارے موہن کے مرض کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے سرجن کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے۔ تاکہ اس کے تجربہ میں اضافہ ہو۔ وہ تقریباً ایک ہفتہ سے دو تین گھنٹے روز مریض کے پاس جا کر بیٹھتی ہے اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد لکھتی جاتی ہے کہ دورانِ علاج اس نے کیا محسوس کیا لیکن یہ گفتگو اور اس کی کیفیت تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات اور امور و موضوع بھی زیرِ بحث آ جاتے ہیں اور نرملا اور پیارے موہن میں کئی کئی گھنٹے تک تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا ہے۔

آج اس قسم کے قریبی تعلق کی عمر پندرہ دن کی ہو گئی ہے۔ پیارے موہن۔ کیوں مس نرملا۔ ڈاکٹرنی بننا ہے تو بہت دلچسپ ؟

نرملا۔ مگر مسٹر موہن۔ کام بھی بڑی محنت سے کرنا پڑتا ہے۔

پیارے۔ "دلچسپیاں بہت ہی کم ہوتی ہیں، ہیں ؟"

نرملا۔ نہیں، ہوتی ہیں۔ ہوتی کیوں نہیں۔

پیارے "جیسے ؟

نرملا: "جیسے ٹینس پنگ پونگ"

پیارے۔ "اور سینما ؟"

نرملا: "کبھی کبھی"

پیارے: "تو چلئے نا ہمارے ساتھ ؟"

نرملا: "میں صرف تین بجے والے شو میں جا سکتی ہوں"

پیارے: "ہاں۔ ہاں اسی میں چلے چلیں گے۔ میں ٹکٹ کا بندوبست کروں گا۔

ہفتے کو مس نرملا اور پیارے موہن دونوں سینما دیکھنے گئے دوران گفتگو میں پیارے موہن نے کہا: "اب میں بہت جلد ہسپتال چھوڑ دوں گا تم نے میرے ساتھ بڑی مہربانی کی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا بدلہ کیسے ادا کروں گا"

نرملا بولی: "آپ فکر نہ کیجئے۔ جو چیز آپ نے لی ہی نہیں اس کا بدلہ کیا"

پیارے بولا: "اوکھلا دیکھا ہے تم نے ؟"

نرملا بولی: "میں تو کبھی وہاں گئی نہیں سنتی ہوں تفریح کی جگہ اچھی ہے"

پیارے نے کہا: "ہاں خوب جگہ ہے۔ چلو نا پھر کسی دن ؟"

نرملا نے جواب دیا: "چلنے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے مگر۔ ۔ ۔"

پیارے نے کہا: "اجی چھوڑو اگر مگر۔ ۔ ۔ ۔ ...نے (؟)

ہیں۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ میں شاید پرسوں ہسپتال چھوڑ دوں گا۔ اتوار کو صبح چلیں گے میں دس بجے موٹر لے کر آجاؤں گا۔ کہاں سے لیلوں تمہیں؟ مینا کنج کے نکڑ پر میں موٹر ٹھیراؤں گا تم وہاں کھڑی ملنا یا آجانا"

نرملا بولی: "اچھا"

(۶)

ٹھیک اسی وقت جب یہ عہد و پیمان ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر بہاری وارڈ میں مصروف تھا۔ ایک نیا سپرنٹنڈنٹ ہسپتال میں آگیا تھا۔ نظام اوقات میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر بہاری کی مصروفیات میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ شانتا نے ڈاکٹر کو شربت کا گلاس لا کر دیا۔

بہاری نے شانتا کا شکریہ ادا کیا۔ شانتا نے کہا: "اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ افسر ہیں ہم ماتحت ہیں"

بہاری نے کہا: "شانتا! تم یہ باتیں کر کے مجھے مایوس سا کر دیا کرتی ہو"

شانتا نے جواب دیا: "آپ جیسے دل کا آدمی اور مایوس ہو جائے کچھ یقین نہیں آتا"

بہاری: "میں تمہارے فلسفے کو سمجھنے کا اہل نہیں ہوں، اچھا آج سینما چلو گی؟"

شانتا نے پیشکش منظور کر لی۔ شام کو دونوں سینما پہنچے۔ جب سینما دیکھنے کے بعد بہاری شانتا کو موٹر میں بٹھائے واپس ہو رہا تھا تو اس نے شانتا سے پوچھا: "کسی دن کہیں آؤٹنگ کو چلیں"

شانتا نے کہا: "ہاں چاہیئے تو ادھر آپ مصروف رہے ہیں"

بہاری: "اچھا۔ تو پھر کہاں؟ مقام تجویز کرو"

شانتا بولی: "اوکھلا"

بہاری نے کہا: "ہاں۔ آج کیا ہے؟ جمعہ، اتوار کو رکھو۔ میں تمہیں علی الصباح لیلوں گا"

شانتا: "مجھے؟"

بہاری: "تو کیا میں اکیلا ہی جاؤں گا؟"

شانتا: "میں تو یہی سمجھی تھی"

بہاری: "تم بالکل غلط کہیں میں تم کو لے کر جاؤں گا"

شانتا: "میں کیسے جا سکوں گی"

بہاری: "یہ سب میں نہیں جانتا تم کو چلنا ہوگا۔ بہت جلد ... ہو جائیں گے"

بہاری: "اگر مگر کچھ نہیں۔ میں انکار نہیں سننا چاہتا اس میں بگڑتا ہی کیا ہے۔ اچھا تو بھولنا نہیں۔ اتوار کو ٹھیک دس بجے صبح"

(۷)

اتوار کو چھٹی تھی۔ نرسوں کو بہت تھوڑا کام کرنا تھا جلد ختم ہوگیا طالبات کو اس روز ہسپتال آنا ہی نہیں ہوتا۔ شانتا نرملا کے ہاں مہمان تھی۔ کوٹھی کے صحن میں دونوں نے چائے پی۔ اور باتیں بناتیں کرتی رہیں رخصت ہوتے وقت شانتا نے کہا: "نرمے تمہاری شادی کب ہو رہی ہے"

نرملا نے جواب دیا: "جب بھی وہ چاہیں اور تمہاری؟"

شانتا بولی: "میری شادی کس سے ہوگی؟"

نرملا نے کہا: "پیارے موہن سے"

شانتا کے جواب دینے سے قبل نرملا کی والدہ آن نکلیں موضوع گفتگو بدل گیا۔ تھوڑی دیر تک اور باتیں کرنے کے بعد شانتا اپنے گھر لوٹ آئی۔

(۸)

اتوار کا دن۔ دس بجے کا وقت، پیارے موہن نے دریا گنج کے موڑ سے نرملا کو موٹر میں بٹھایا اوکھلے کو چل پڑا۔

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر بہاری شانتا کو موٹر میں بٹھا کر اوکھلے کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ دونوں موٹروں کی رفتار میں فرق تھا۔ اس لئے گو پیارے موہن کی موٹر آگے تھی مگر ڈاکٹر بہاری کی تیز رفتار موٹر نے راستے میں اسے جا لیا۔ جب موٹر قریب سے گذری تو نرملا نے گھبرا کر پیارے موہن سے کہا: "کون تھا۔ شانتا؟"

ادھر آگے جانے والی موٹر میں شانتا بہاری سے کہہ رہی تھی "معلوم تو نرمے ہی ہوتی ہے"!

دونوں مرد بھی اپنی اپنی جگہ حیرانی و پریشانی میں مبتلا تھے۔ اوکھلے پہنچ کر ڈاکٹر نے گاڑی ایک کھیت میں اتار دی اس طرح

دہ لفٹ سے داخل ہوگئی اور دونوں ہنستے ہوئے وہ نکل گئے۔ زملا اور پیارے نے لاری سڑک پر کھڑی کر دی اور قریب ہی بستر کرکے بیٹھ گئے اور کھانے پینے کا سامان ہونے لگا۔

(۹)

دفعتاً دریا کے رخ سے چیخ پکار کی آوازیں آنے لگیں، سوتا ہوا ڈاکٹر بہاری گھبرا کر اٹھا اور کنارے کی طرف چلا۔ اس نے دیکھا کہ پیارے موہن بھی دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ کنارے کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کنارے سے بہت دور دریا کے وسط میں شانتا اور زملا باہم دست و گریبان ہیں۔

ایک لمحے میں دونوں مرد پانی میں تھے۔ ڈاکٹر بہاری لمبے لمبے ہاتھ مارتا ہوا دریا کے وسط کی طرف بڑھا اس نے شانتا کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ڈوبتی ہوئی زملا کو گرفت میں لیا اور تیرتا ہوا کنارے کی طرف چلا۔

اسی طرح پیارے موہن نے بھی شانتا کو سنبھالا۔ وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ اسے اپنے بازوؤں میں لے کر پیارے کنارے پر آیا۔ کنارے پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔

بہاری نے کہا: "اچھا ہوا کہ تم قریب تھے"

پیارے نے جواب دیا: "خیر گزری کہ تم دور نہیں تھے"

بہاری نے کہا: "چاہو تو میری موٹر استعمال کر سکتے ہو"

پیارے بولا: "میں بھی لاری کا خود ہی [illegible] آیا ہوں"

(۱۰)

دونوں کی شادی ہو چکی ہے۔ شادیوں کے موقع پر دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کے نام چاندی کے کپ بھیجے جیسے مقابلے والے کھلاڑیوں کو دیے جاتے ہیں۔

شانتا کی طرف سے زملا کو جو کپ بھیجا گیا اس پر لکھا ہوا تھا۔

"تیراکی کا فرسٹ پرائز"

زملا

۱۹۳۶ء

زملا کی طرف سے شانتا کو بھیجے ہوئے کپ پر تحریر تھا۔

"تیراکی کا فرسٹ پرائز"

شانتا

۱۹۳۶ء

"انہوں نے تم کو کپ بھیجا تو اس پر فرسٹ پرائز تمہارے نام ہے اور تم نے انہیں فرسٹ پرائز۔ یہ کیا؟"

"آپ نہیں سمجھے؟" "نہیں"

"دونوں کو انکا اپنا مقصود اصلی حاصل ہوگیا۔ بس یہی فرسٹ پرائز ہے"

ڈاک بابو

(از جناب محمد اظہر علی صاحب فاروقی پروفیسر)

بابو کو پہلی نوکری اعلاد پور کے ڈاک خانہ میں ملی۔ اگرچہ گانوں کچھ چھوٹا تھا۔ تاہم نیل کے کارخانہ کے ایک انگریز مالک کی سعی و کوشش سے ڈاک خانہ کھل گیا تھا۔

ڈاک بابو کا وطن مالوف کلکتہ تھا۔ اس دورو دراز گانوں میں بابو کا دل اچاٹ رہتا۔ اس کا دفتر اور رہنے کا کمرہ پھوس کے ایک تاریک چھپر کے نیچے تھا۔ جس کے قریب ہی گھنی جھاڑیوں اور درختوں سے گھرا ہوا گندے پانی کا تالاب تھا جس پر کائی جمی ہوئی تھی۔

نیل کے کارخانہ کے مزدوروں کو دن بھر کام سے فرصت نہ ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی سوسائٹی میں تعلیم یافتہ طبقہ کے واسطے کوئی دلچسپی نہیں۔ اور یوں بھی باشندگان کلکتہ دوسروں سے ربط وضبط پیدا کرنے میں زیادہ ماہر نہیں ہوتے اور غیروں کی نظروں میں وہ یا تو متکبر اور یا سادہ لوح ٹھہرتے ہیں۔ باوجودیکہ ڈاک بابو کے پاس کام کچھ زیادہ نہ تھا۔ تاہم اس کا میل جول گانوں میں کسی سے نہ تھا۔

دل بہلانے کے لئے وہ کبھی کبھی شعر کہنے میں اپنا وقت گذارتا تھا اکثر وہ ایسے جذبات ادا کرتا تھا کہ زندگی کو شیریں اور پُرکیف بنانے کے لئے درختوں کے ہرے ہرے پتوں کی ہلکی ہلکی جنبش اور نیلگوں آسمان پرست بادلوں کا خرام ناز ہی کافی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر الف لیلہ کی کہانیوں کا کوئی دیو ایک رات میں تمام درختوں اور پتوں کو اڑا کر لے جاتا۔ اور ان کی جگہ پتھروں کی ایک سڑک چھوڑ کر عالیشان عمارتوں کی دو رویہ قطاروں کو بادلوں کے نظارہ میں حائل کر دیتا تو یہ بے چارہ اس انقلاب کو اسی طرح ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتا گویا اس کو دوبارہ زندگی عطا ہو گئی ہے۔

ڈاک بابو کی تنخواہ کم تھی اس لئے وہ اپنا کھانا خود پکایا کرتا تھا۔ کھانے میں اسی گانوں کی ایک یتیم لڑکی۔ رتن بھی شریک ہو جاتی جو بابو کا کچھ کام کر دیا کرتی تھی۔

شام کے وقت جب گوالوں کے گھروں سے دھواں اٹھتا دکھائی دیتا اور جھاڑیوں میں جھینگر شور مچانے لگتے۔ جب باؤل فرقہ کے گداگر بلند گانے کی آواز ... اپنے جھونپڑوں میں گونجنے لگتی۔ اور جب بانس کے پودوں کے کسی گھنے جھنڈ میں بیٹھ کر پتوں کی جنبش کا مشاہدہ کرنے والا شاعر اپنی روح میں ایک پُر اسرار جنبش محسوس کرتا۔ ڈاک بابو اپنا چراغ جلاتا اور پکار کر کہتا۔ "رتن"

رتن باہر بیٹھی ہوئی اس آواز کا بے چینی سے انتظار کیا کرتی تھی وہ اندر داخل ہونے سے پہلے پوچھتی "آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

ڈاک بابو کہتا "ہاں تم کیا کر رہی ہو؟" رتن جواب دیتی "میں چولہے میں آگ سلگانے جا رہی ہوں"

ڈاک بابو نے کہا "اچھا آگ سلگانے کو رہنے دو۔ پہلے حقہ بھر دو" رتن کوئلوں کو دہکانے کے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے گالوں سے پھونکیں مارتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس طرح ڈاک بابو سے بات چیت کرنے کا موقع مل جاتا۔ غالباً "پھر سکوت کو بابو اس طرح توڑتا تھا، اچھا رتن! بتاؤ تم کو اپنی ماں کی کوئی بات یاد ہے؟"

رتن کو کچھ باتیں یاد تھیں اور کچھ وہ بھول چکی تھی۔ وہ ماں سے زیادہ باپ کی لاڈلی تھی۔ اس لئے باپ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ وہ دن بھر کے کام کے بعد تھکا ماندہ شام کو گھر آیا کرتا تھا۔ اور ایک آدھ شام کا منظر تو اس کی نظروں کے سامنے پھرتا تھا۔ رتن ڈاک بابو کے پاس بیٹھ جاتی، اس وقت اسے پرانی باتیں خوب یاد آنے لگتی تھیں، اس کا ایک ننھا بھائی یاد آتا تھا، جس کے ساتھ مل کر اس نے ایک ابر آلود دن کو تالاب کے کنارے مچھلیاں پکڑنے کا شکار کھیلا تھا۔ اہم واقعات کے بجائے اسے زیادہ تر اسی طرح کی معمولی معمولی باتیں یاد تھیں۔ باتوں باتوں میں کافی وقت گذر جاتا، اور ڈاک بابو کا کھانا پکانے کو دل نہ چاہتا۔ تب رتن اٹھ کر جلدی سے آگ جلاتی۔ اور دن کی بچی ہوئی روٹی اور سالن گرم کر لیتی جو ان کے رات کے کھانے کے لئے کافی ہوتا۔

کسی وقت ڈاک بابو بھی اس وسیع خالی چھپر کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا۔ جہاں اس کی چھوٹی سی میز پر پڑی ہوتی اپنے گھر والوں کے تصور میں محو ہو جاتا تھا۔ اس کی بہن اور دوسرے احباب جن کے لئے اس جبری جدائی میں اس کا قلب مضطرب رہتا تھا، باری باری اسے یاد آتے۔ ہر وقت ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی لیکن وہاں بجز کارخانہ کے مزدوروں کے کوئی نہ تھا جس سے وہ

اپنے حالات کہتا، اور اس کو وہ خودداری کے خلاف سمجھتا تھا، البتہ گاؤں کی بھولی بھالی لڑکی رتن کے سامنے وہ بیباکانہ اپنے جذبات کا اظہار کرتا تھا۔ چند روز بعد نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی بھی اس کے سارے گھر والوں کے حالات اس طرح جان گئی جیسے ان سے واقف ہو۔ بیان کرتی گویا برسوں ان کے ساتھ رہ چکی ہے اور حقیقت یہ تھی کہ رتن نے اپنے ذہن میں ان میں سے ہر ایک کا ایک الگ تشخص قائم کر لیا تھا۔

برسات کا زمانہ تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت بادل برس کر کھل چکا تھا ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی۔ دھوپ میں نم گھاس اور بھیگی پتیوں سے جو خوشبو دار بخارات اٹھ رہے تھے، ان سے یہ اس طرح محسوس ہوتا گویا تھکی ماندی زمین کی گرم سانس ہے۔ قریب ہی ایک جھاڑی میں ایک پرند بیٹھا تھا جس کا نغمہ اتنی مدت سے ہوا میں شام تک پیہم گونجتی رہی۔ غالباً وہ قدرت کے دربار میں کوئی شکوہ کر رہا تھا۔

ڈاک بابو کو کام سے بالکل فرصت تھی۔ درختوں کے پتے غبار دھل جانے کے سبب صاف و شفاف نکل آئے تھے۔ بادلوں کے چھوٹے چھوٹے پسماندہ ٹکڑے فلک نیلگوں پر چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ ڈاک بابو کی نگاہ اس خوبصورت سین پر جمی تھی۔ اور وہ دل ہی دل میں اس طرح خیالی پلاؤ پکا رہا تھا: "کاش اس وقت میرا کوئی ہمجنس ہوتا۔ کوئی دردِ محبت کا مارا انسان میرے سامنے ہوتا کاش میں بھی کسی سے ہم کنار ہو سکتا۔" وہ اسی طرح باتیں کر رہا تھا اور سوچتا تھا کہ شاید یہ پرندہ بھی یہی باتیں کہنا چاہتا ہے۔ اور غالباً یہ پتے بھی سرگوشیوں میں انہیں جذبات کے اظہار کی سعی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات کون جانتا ہے۔ اور اس کا یقین کس کو ہو سکتا ہے کہ ایک کم تنخواہ پانے والے دیہاتی ڈاک بابو کا دل بھی اپنے خشک اور دماغی احساسات کو مفلوج کرنے والے کاروبار کے درمیانی وقفہ میں اس قسم کے جذبات کا مرکز بنا سکتا ہے۔

ڈاک بابو نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پکارا، رتن! رتن!
اس وقت رتن امرود کے درخت کے سایہ میں بیٹھی ہوئی کچے امرود کے کھانے میں مشغول تھی۔ اپنے آقا کی آواز سنتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کہتی ہوئی بھاگی: "بھیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟" ڈاک بابو نے کہا "ہاں میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں کچھ پڑھنا لکھنا سکھا دوں۔" چنانچہ سہ پہر کا بقیہ حصہ اس نے رتن کو ابجد سکھانے میں گزارا۔ اس طرح تھوڑے دنوں میں رتن کچھ شدبد پڑھ گئی۔ بارش کی کثرت سے جل تھل ایک ہو رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب کی برسات کا خاتمہ ہی نہ ہوگا۔ کالے کالے بادلوں کی فوج آسمان پر کوچ کر رہی تھی، گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا گڑھے، کھائیاں، خندقیں سب پانی سے بھری تھیں۔ رات دن مینہ کی تڑا تڑ اور مینڈکوں کی ٹرا ٹر سنائی دیتی تھی۔ گاؤں کی سڑکیں آمد و رفت کے قابل نہ رہی تھیں سفر [illegible] ذریعہ ہو رہا تھا۔

ایک رات جب گھنگھور گھٹا چھائی تھی۔ کالے کالے بادل چھائے تھے۔ ہر طرف تاریکی چھا رہی تھی۔ ڈاک بابو کی کمسن شاگرد دیر تک باہر اس کی آواز کی منتظر رہی۔ اور جب خلاف معمول بہت دیر تک بابو نے اس کو نہ بلایا تو اپنی چھوٹی کتاب لے کر آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی لیکن آقا کو پلنگ پر لیٹا دیکھ کر وہ الٹے پاؤں واپس آنا چاہتی تھی کہ اس نے دفعتاً اپنا نام سنا "رتن"۔ وہ فوراً واپس آئی اور کہنے لگی: "بھیا! آپ سو رہے تھے؟" ڈاک بابو نے خفیف آواز میں جواب دیا: "میرا جی اچھا نہیں ہے۔ میری پیشانی چھو کر دیکھو کتنی گرم ہے۔؟"

غربت اور تنہائی میں ایسے تیمارداری کے واسطے کسی محبت والے ہاتھ کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اپنی ماں اپنی بہنوں کو اپنے پاس موجود خیال کرنے اور اپنے آپ کو محبت آمیز فضا میں بچھنے کے لئے (جو عورت ذات ہی پیدا کر سکتی ہے) تصور کرتا۔ اپنی پیشانی پر کھنکھناتی ہوئی چوڑیوں والے نرم و نازک ہاتھوں سے چھونے کا تصور کرتا۔ اس غریب الوطن کی یہ سعی رائگاں نہ ہوئی۔ رتن جو محض ایک کمسن لڑکی تھی۔ فوراً ایک ماں کے فرائض ادا کرنے کے لئے مستعد ہو گئی۔ اس نے گاؤں کے وید کو بلایا۔ اور اس کی دی ہوئی گولیاں مریض کو مناسب اوقات پر دیتی رہی وہ ڈاک بابو کے لئے دلیا پکاتی۔ تمام شب اس کے سرہانے بیٹھے بیٹھے گزار دیتی اور اس سے بار بار پوچھتی۔ بھیا اب آپ پہلے سے کچھ اچھے ہیں؟

کچھ عرصہ بعد بابو اپنے بستر مرض سے اٹھا۔ لیکن وہ بہت لاغر اور کمزور ہو گیا تھا۔ اب اس نے اپنے دل میں یہاں سے تبادلہ کرانے کا تہیہ کر لیا اور کلکتہ کے دفتر میں اس مضمون کی درخواست بھیج دی کہ یہ مقام میری صحت کے ناموافق ہے اس واسطے مجھ کو کسی دوسری جگہ بھیج دیا جاوے۔

رتن تیمارداری کے فرائض سے سبکدوش ہو کر پھر باہر بیٹھا کرتی تھی، لیکن ڈاک بابو نے اب اس کو بلانا چھوڑ دیا۔ بعض اوقات وہ کھڑکی سے اندر جھانکتی اور وہ اس کو کبھی کرسی پر بیٹھا ہوا اور کبھی اپنے بستر پر دراز پاتی۔ بے چاری لڑکی اپنا آموختہ بار بار دہراتی تاکہ ڈاک بابو کو فر فر سنا سکے۔ آخر ایک ہفتہ انتظار کے بعد اس کو وہی آواز سنائی دی "رتن" لڑکی کا دل خوشی سے اچھلنے لگا، اور وہ حسب عادت چلاتی ہوئی بھاگی
"بھیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟"
ڈاک بابو نے کہا: "ہاں میں کل جا رہا ہوں"
رتن نے پوچھا: "بھیا کہاں جا رہے ہو؟" "میں اپنے مکان جا رہا ہوں"

اس کے بعد رتن نے کوئی سوال نہیں کیا۔ ڈاک بابو نے خود ہی بتایا کہ تبادلہ کی درخواست منظور نہیں ہوئی اس لئے وہ ملازمت چھوڑ کر جا رہا ہے۔

بہت دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ چراغ کی لو دھیمی پڑ گئی۔ اور ایک کونہ میں . . . . چھت کے ایک سوراخ میں سے پانی کے قطرے ٹپک ٹپک کے نیچے کے مٹی کے برتن میں جمع ہو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد رتن کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے اٹھ کر باہر چلی گئی لیکن اب اس کے چلنے پھرنے میں وہ پہلی سی پھرتی مفقود تھی۔ اس کے ننھے سے دماغ میں کئی نئے خطرات پیدا ہو گئے۔ جب بابو کھانا کھا چکا تو لڑکی نے اچانک اس سے کہا۔ "بھیّا! آپ مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں گے؟"

ڈاک بابو نے ہنس کر کہا "واہ! کیا انوکھا خیال ہے" لیکن اس نے لڑکی کو یہ سمجھانا ضروری نہ سمجھا کہ اس میں کیا قباحت ہے۔

تمام شب سوتے جاگتے بابو کا مضحکہ خیز جواب لڑکی کے دماغ میں پھرتا رہا "واہ! کیا انوکھا خیال ہے؟"

صبح جب بابو بیدار ہوا تو اس کے واسطے نہانے کے لئے پانی موجود تھا وہ گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح دریا پر نہانے نہ جاتا تھا، بلکہ یہاں حسب دستور کلکتہ گھڑوں میں پانی لے کر نہاتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں۔ رتن اس کی روانگی کا وقت دریافت نہ کر سکی۔ اس لئے وہ علی الصباح دریا پر جا کر پانی لے آئی تاکہ جس وقت اسے ضرورت پڑے پانی تیار رہے۔ نہانے کے بعد ڈاک بابو نے رتن کو آواز دی۔ وہ چپ چاپ اندر داخل ہوئی اور اپنے آقا کا حکم سننے کے واسطے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ بابو نے کہا۔ "رتن! میرے جانے کے بعد تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نئے آدمی سے تمہاری خبر گیری کی تاکید کرتا جاؤں گا" بیشک یہ الفاظ کچھ تسلی بخش تھے۔

لیکن افسوس، عورت کے دلی جذبات کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔

ڈاک بابو نے رتن کو کئی بار سخت ملامت کی تھی۔ لیکن اس کی زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔ آج یہ محبت آمیز الفاظ اس کی برداشت سے باہر تھے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے روتے ہوئے کہا۔

"نہیں! میرے متعلق کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔"

ڈاک بابو گھبرا کر چپ ہو گیا۔ اس نے رتن کی کبھی یہ حالت نہ دیکھی تھی۔

نیا بابو وقت پر آ موجود ہوا۔ ڈاک بابو نے کام اس کے سپرد کر کے رخصت ہونے کی تیاری کی۔ روانگی کے وقت اس نے رتن کو بلایا اور کہا۔ "لو! شاید کچھ دنوں تک تمہارے کام آسکے" یہ کہکر اس نے اپنی جیب

[illegible] دیجیے۔ آپ میرے واسطے کسی قسم کی زحمت نہ فرمائیں" یہ کہہ کر وہاں سے اٹھی اور کہیں چلی گئی۔

ڈاک بابو نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اپنا بیگ اٹھایا۔ چھتری شانے پر رکھی اور ایکتلی کے ساتھ جو اس کا ٹین کا چھپر لگا صندوق سر پر رکھے تھا کشتی پر سوار ہونے کے لئے آہستہ آہستہ چل دیا، جب وہ سوار ہو چکا اور کشتی چلنے لگی تو برسات کے چڑھے ہوئے دریا کا پانی جو زمین سے کسی غمزدہ کے آنسوؤں کی طرح ابل رہا تھا کشتی کی پیشانی کے ساتھ ٹکراتا اور آہیں بھرتا نظر آتا۔ اس وقت ڈاک بابو کا دل بھر آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا خود گاؤں کی اس غمزدہ لڑکی کے غم میں شریک ہو کر آنسو بہا رہی ہے ایک لمحہ کے لئے اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ واپس جا کر اس بدنصیب لاوارث لڑکی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ لیکن ہوا بادبانوں میں بھر چکی تھی۔ اور تیز رو موجیں کشتی کو کنارے سے بہا کر دریا کے وسط میں پہنچا چکی تھیں۔ گاؤں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اور اب صرف مرگھٹ کا بیرونی منظر اس کے سامنے تھا۔

مسافر بہتی ہوئی موجوں کے سینہ پر سوار اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے دنیا کی بے شمار ملاقاتوں اور جدائیوں اور سب سے زیادہ موت پر (جس کے بعد واپسی محال ہے) فلسفیانہ غور و خوض کرتا جا رہا تھا، لیکن رتن منطق و فلسفہ سے انجان تھی وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے ڈاکخانہ کے گرد چکر لگاتی اور سوچتی تھی ممکن ہے کہ اس کا بھیّا پھر واپس آ جائے اس لئے وہ اس جگہ کو نہ چھوڑ سکتی تھی۔ "ٹیگور"

فریبِ ہستی

(از جناب پروفیسر اکبر خاں حیدری)

محبت دوستی اخلاص ہمدردی نکوکاری یہ دولت لے کے میں آیا تھا انسانوں کی بستی میں
سمجھتا تھا کہ یہ چیزیں ہیں دنیا کو بہت پیاری بہت کچھ ان کی قدر و منزلت ہے بزمِ ہستی میں

یہاں حق دوستی کے سینکڑوں ارمان رہتے ہیں
یہ انسانوں کی دنیا ہے یہاں انسان رہتے ہیں

بہل جاتے ہیں غمگینوں کے دل دنیا نے ہستی میں مصائب میں یہاں انسان کو ہمدرد ملتے ہیں
خلوصِ دل نظر آتا ہے انسانوں کی بستی میں جوانمردی کو جن پر ناز ہے وہ مرد ملتے ہیں

مرقع دلبری کا دوستی تیار کرتی ہے
محبت بے تکلف رات دن ایثار کرتی ہے

مگر افسوس میرا تجربہ کچھ اور ہی نکلا غلط فہمی پہ اپنی کس قدر اب میں پشیماں ہوں
میں کیا سمجھا تھا اس دنیا کو کیا نکلی ہے یہ دنیا میں اس دنیا کے جلوے دیکھتا ہوں اور حیراں ہوں

نکوکاری کے پردے میں گنہگاری کے جلوے ہیں
مقدس بارگاہوں میں ریاکاری کے جلوے ہیں

محبت نام ہے دنیا میں جسمانی تعلق کا خلوصِ دل کے پردے میں ضرورت کارفرما ہے
غرض کا نام اربابِ غرض نے دوستی رکھا یہ ہمدردی حقیقت میں بہت رنگین دھوکا ہے

یہ وہ دھوکا ہے جس پر اہلِ باطل خوب ہنستے ہیں
یہ وہ دھوکا ہے جس میں ہم سے سادہ لوح پھنستے ہیں

سبق آموز افسانہ

(از نواب زادہ جناب راحت سعید خاں صاحب خلف الرشید عالیجناب نواب سر حافظ احمد سعید خاں صاحب بہادر سابق گورنر یوپی)

(۱)

شاہی محل میں ولی عہد سلطنت کی شادی کی طیاریاں ہو رہی ہیں گلاسوں اور جاموں کے جھناکے اور زرہ پوش سپاہیوں کی زرہ بکتروں کے کھٹاکے سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

(۲) ———

(شاہی کمرہ جس میں رسم نکاح ادا ہونے والی ہے) ایک کرسی پر اپنا ڈھیلا ڈھالا جبہ پہنے ہوئے مقدس باپ بیٹھا ہے۔ رعب و جلال اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا ہے۔ اس کے برابر بادشاہ بیٹھا ہوا ہے بادشاہ کے پاس والی کرسی ابھی تک خالی ہے۔ مارکس بادشاہ کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہوا پھول سونگھ رہا ہے۔ لیکن کچھ متفکر ہے ——؟

شہزادی اوکٹیویا شادی کے کپڑوں میں ملبوس داخل ہوتی ہے اس کے سیمیں ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے۔ اس کی نرگسیں آنکھوں سے —— آنکھوں سے جو مست بھی ہیں اور چالاک بھی، شوخی ٹپکی پڑ رہی ہے —— وہ کرسی کے قریب آگئی۔ بادشاہ اپنی بہو کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ وہ زیر لب مسکرا رہا ہے۔ اوکٹیویا نے مسکراہٹ کا جواب ایک ہامیا جاں سوز تبسم سے دیا۔ بادشاہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اوکٹیویا بیٹھ گئی۔ بادشاہ بھی بیٹھ گیا۔ مقدس باپ نے (جو اب تک کرسی سے کمر لگائے خاموش بیٹھا تھا) کن انکھیوں سے اوکٹیویا کو دیکھا ایک لمبا سانس لیا اور اپنے جبہ کے دامن کو سنبھالتے ہوئے پھر کسی گہرے خیال میں مستغرق ہوگیا۔ مارکس کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

(۳) ———

خاموشی۔ سکوت۔ سناٹا...... کھٹاک کھٹاک کھٹاک...

...... (ایک زرہ پوش سپاہی کمرہ میں داخل ہوتا اور جھکتے ہوئے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر شاہی تعظیم بجالایا)

سپاہی۔ دولت و اقبال شاہنشاہ پائندہ باد۔ "عذرا یہودی شرف قدمبوسی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(شہزادہ مارکس خاموشی سے مقدس باپ کی کرسی کے برابر آکر کھڑا ہوگیا)

بادشاہ۔ آنے دو۔

(سپاہی چلا جاتا ہے اور عذرا ہلتا کانپتا وحشیانہ مسکراہٹ کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

عذرا تھوڑا سا جھکتا ہے لیکن ہاتھ آگے بڑھا کر تعظیم نہیں دیتا سیدھا مسند شاہی تک پہونچتا ہے اور ایک انگوٹھی پیش کرتا ہے۔ بادشاہ انگوٹھی لے لیتا ہے اور الٹے قدم واپس جا کر آدمیوں کے اس جھرمٹ میں مل جاتا ہے جو اب شاہی کمرہ میں جمع ہوگیا ہے۔

بادشاہ۔ مقدس باپ!! (ذرا جوش کے ساتھ) لیجئے اب آپ نکاح کی رسم ادا کیجئے اور انہیں (ہاتھ سے اوکٹیویا کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آنکھ سے مارکس کی طرف) برکت دیجئے۔

مقدس باپ۔ "ہوں" (کھڑا ہو جاتا ہے) سیدھے ہاتھ میں دلہن کا ہاتھ پکڑتا ہے اور الٹے میں نوشہ کا ——

—— !! ——!؟

"چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ چھوڑ دو" بے تابانہ ہاتھوں کو جھٹکتی ہوئی اور مجمع کو چیرتی پھاڑتی ایک دوشیزہ داخل ہوتی ہے۔ اور سیدھی بادشاہ کے پاس تک چلی آتی ہے۔ دو زرہ پوش سپاہی اس کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ مقدس باپ نے نکاح کی رسم پوری نہیں کی اور دولہا دلہن کے ہاتھ چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کے شاعرانہ دراز گیسو، صندلی رخسار۔ صدفی آنکھیں، مرمریں رنگ، بلوریں سینہ اور گداز بدن نے مجمع کو اس کی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہ ایک یہودن تھی اور اس کا نام ہنا تھا۔

———

"عالی جاہ" اس نے چیختے ہوئے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا "میرا انصاف! آپ کو جلیبیز کا واسطہ میرا انصاف کیجئے۔

بادشاہ (چیں بہ جبیں ہو کر) "مگر اے دیوانہ لڑکی تجھے انصاف کے لئے شادی کے بعد آنا چاہئے تھا"

"عالم پناہ" (اس نے تیز سانس لیتے ہوئے کہا) اگر یہ موقع گزر جاتا تو شاید پھر تمام عمر میری شنوائی نہ ہوتی"...... "چھوڑ دو ارے چھوڑ دو" اس نے ہاتھوں کو جھٹکا دیا مگر سپاہیوں کے آہنی شکنجوں سے اس کی سفید اور نازک کلائیاں چھٹکارا نہ پا سکیں بادشاہ

... عذرا یہی ہناکو چھوڑ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

بادشاہ۔ ذرا اگر غلطی سے، اچھا کہہ گیا یا ہے۔

(مقدس گھبرائی ہوئی آواز میں) عالی وقار، اگر کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرنے کا وعدہ کرے اور پھر اس کے سوا کسی دوسری عورت سے شادی کرے تو جہاں پناہ روشن قانون اس کے لئے کیا سزا مقرر کرتا ہے؟

بادشاہ۔ موت۔ بیشک موت۔

"مگر وہ شخص کون ہے ذرا کہہ۔۔۔ ہے؟"

مقدس باپ نے باوقار لہجہ میں داڑھی سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہے اور کہاں ہے"؟ لڑکی نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"شہزادے صاحب اور لئے" (اس کے صدقے جام شراب انتقام سے لبریز تھے) اس نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھ سے محبت کرتے تھے (اس نے رک رک کر کہنا شروع کیا) انہوں نے اپنی مردانہ قوتوں سے میری سوئی ہوئی آرزوں کو جگا دیا۔۔۔۔۔۔ یہ مجھ سے شادی کا وعدہ کر چکے تھے۔۔۔۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ انہیں مجھ سے محبت ہے۔۔۔۔۔۔ انہوں نے میرے ساتھ دغا کی۔۔۔۔۔۔ دھوکا کیا۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔ اور اب۔ اور اب۔۔۔۔۔۔!!" بولے شہزادہ۔۔۔!!

(اس سے بولا گیا وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی)

(شہزادہ کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا تھا، آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، اور وہ سکتہ کے عالم میں تھا)

بادشاہ۔ "مگر تم۔۔۔"

عذرا (مجمع سے نکل کر) شاہ عالی وقار یہ سچ ہے۔ ہنا میری بچی ہے۔ ولی عہد سلطنت یہودیوں کے لباس میں ہمارے گھر آتے تھے میرے سامنے۔۔۔۔۔۔ ہاں جب میں دریچہ میں بیٹھا ہوتا ان کی محبت آمیز باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔۔۔ مگر ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔۔۔۔۔۔ شہزادہ نے ہنا سے شادی کا وعدہ کر لیا تھا (آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں اور آواز بھرا جاتی ہے) شہزادہ نے اس کے جذبات کو زخمی کر دیا ہے۔۔۔ اسے مردوں سے بیزار کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔ (آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے) یہ پہروں رویا کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ ہنا میری بچی۔۔۔۔۔۔ میری معصوم بچی!!!"

بادشاہ (اضطراب کی کیفیت میں) "مارکس کو حراست میں لیلو یہ مقدمہ کل صبح طے ہوگا۔ (شادی ملتوی ہو گئی)

اوکٹیویا نے ہنا کو محل سرائے میں بلا کر کچھ کہا۔ دوسرے دن ہنا نے اپنا دعوے واپس لے لیا۔ جیوری نے شہزادہ پر اتہام لگانے کی سزا میں ہنا اور عذرا کو زندہ جلانے کا حکم سنا دیا۔

اوکٹیویا۔ "چچا آپ کو زیئس کا واسطہ ہنا کو بچا لیجئے"

بادشاہ۔ "مگر بیٹی اگر ہم اس کی زندگی بخش دیں تو ۔۔۔ نہیں۔۔۔"

اوکٹیویا (روتے ہوئے) اس لئے کہ مارکس اب بھی اسے چاہتا ہے ہنا کی موت مارکس کی موت کا باعث ہو گی اور پھر مارکس کے بعد میں بھی دنیا میں نہیں رہنا چاہتی" (بیٹھ جاتی ہے اور زور زور سے رونے لگتی ہے)

(بادشاہ اوکٹیویا کو لے کر مقتل کی جانب چل دیتا ہے)

(مقتل میں بیباکانہ قہقہہ لگا کر) ہاہاہا! معاف کر دوں! ایتھ ایتھ رحم کر دوں! ایک غریب یہودی کے پاس رحم کہاں؟"

پاپائے روم "عذرا دیکھ آخری بار کہتا ہوں اپ کی مرتبہ بتا دے ورنہ وہ ظلم کروں گا کہ جس سے زمین و آسمان لرز اٹھیں گے"

عذرا "تو پھر دیر کیا ہے۔۔۔ کیوں نہیں کرتا؟"

پاپائے روم "عذرا میں نے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تجھے تیرے موسیٰ کا واسطہ"

عذرا "اچھا سن۔۔۔۔۔۔ مگر ایک شرط ہے" پاپائے روم "منظور بخوشی منظور"

عذرا "اپنے آدمیوں کو حکم دے کہ میری بات ختم۔۔۔ (اوکٹیویا مارکس اور بادشاہ داخل ہوتے ہیں) ہم ہوتے ہی وہ بغیر تیرے دوسرے حکم کا انتظار کئے ہوئے ہم دونوں کو اس کڑھاؤ میں (کڑھاؤ کی طرف اشارہ کر کے جس میں ان کے جلانے کے لئے تیل ابل رہا ہے) جلا کر خاک کر دیں" پاپائے روم "اچھا"

عذرا "پندرہ برس ہوئے کہ تو نے میرے یامین کو۔۔۔۔۔۔ معصوم یامین کو شیر سے پھڑوا دیا تھا۔ میرا وفادار غلام الیاس بے گناہ یامین کا تجھ سے بدلہ لینا چاہتا تھا کہ تیری لڑکی کے خون سے انتقام کی آگ کو بجھائے مگر میں نے روک دیا اسے اپنی بچی کی طرح پالا اور اس کا نام ہنا رکھا"

(عذرا کڑھاؤ کی طرف بھاگتا ہے مگر پکڑ لیا جاتا ہے شاہی قصر کے نیچے سے ایک فقیر کی صدا سنائی دیتی ہے۔ جو جہاں ہے وہیں دم بخود ہو جاتا ہے)

"اپنے دل کو جلا دے۔۔۔۔۔۔ خاک کر دے۔۔۔۔۔۔ اور گناہوں سے پاک کر دے!

اے پیارے محبت ایک غیر فانی شے کا نام ہے۔۔۔۔۔۔!!!

ہنا کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں۔ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ جا رہی ہے (مارکس بہت غور سے ہنا کو دیکھ رہا ہے)

(وہ سیڑھیوں پر سے آہستہ آہستہ اتر رہی ہے۔۔۔۔۔۔ فقیر کے پاس پہنچ گئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، فقیر نے اسے اٹھا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا فقیر نے یہ گانا شروع کر دیا۔ ہنا بھی گا رہی ہے اور خوش ہے اس کے چہرہ سے اطمینان ظاہر ہو رہا ہے)۔ دنیا تجھے جنگلوں میں ڈھونڈھتی ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی تجھے مسجد میں تلاش کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی تجھے مندر میں دیکھتا ہے! میں نے تجھے اپنے دل میں پا لیا ہے میں تیرے لئے جوگن بنی ہوں۔!!

یہ میں نے زیور پہننے چھوڑ دئے۔۔۔۔۔۔ کفنی پہن لی ہے۔۔۔ پیارے میں تیری جوگن بنی ہوں"!!

دونوں گاتے ہوئے چل دئے اور رات کی سیاہی میں غائب ہو گئے۔

بزمِ محشرِ خیال

جب سے ترا محیطِ کرم روبہ جوش ہے
ہر رند تا بہ شیخ نذرِ بادہ نوش ہے

پھر دل میں یاس و حسرت و حرماں کا جوش ہے
پھر دل کی آرزو ہے کہ گم کردہ ہوش ہے

اللہ رے! بہار رخِ گل فشانِ دوست
داماں ہر نظر سبدِ گل فروش ہے

اے ندرتِ سوال! بتا کیا جواب دوں
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو کیوں خموش ہے

بے موت ہوکے جامِ غمِ عشق نوش کر
ناداں یہ نیش نیش نہیں بلکہ نوش ہے

یہ جلوۂ جمال، یہ موسیقیٔ مقال
القصہ وقتِ فیصلۂ چشم و گوش ہے

حالِ تلاطمِ غمِ الفت نہ پوچھئے
اک بحر ہے کہ آٹھ پہر گرم جوش ہے

جو دل کہے، ہمیشہ اُسے گوشِ دل سے سن
غافل! صدائے دل بھی صدائے سروش ہے

وہ دن گئے کہ معتکفِ خانقاہ تھے
اب ہم ہیں اور سنگِ درِ میفروش ہے

آزاد اور فکرِ کم و بیش، سب غلط
آزاد فارغِ غمِ فردا و دوش ہے

تو ہی کچھ سمجھا کہ کیا ہیں، اے دلِ دیوانہ ہم
کارواں در کارواں، افسانہ در افسانہ ہم

کیوں کہیں، کیوں ہیں گدائے ساقیٔ میخانہ ہم
جانتے بھی ہیں مآل، لغزشِ رندانہ ہم

اللہ اللہ جذبۂ پابندیٔ شرطِ وفا
دیر تک دیکھا کئے خاکسترِ پروانہ ہم

یاد ہے وہ بھی ہمیں، ساقی کی شانِ التفات
دیکھنے بھی جب نہ پاتے تھے خطِ پیمانہ ہم

وہ تھے، ہم تھے، چاندنی راتیں تھیں صحنِ باغ تھا
رودرخ صد پیمانہ وہ تھے، جراتِ رندانہ ہم

لب پہ کچھ بے ربط سی باتیں، نگاہیں بے قرار
کچھ نہ کہنے پر کہے جاتے ہیں اک افسانہ ہم

یوں نہ انسان سے لرزتی ہو جہاں انسانیت
اپنی اک دنیا بسائیں اے دلِ دیوانہ ہم

اشک بھی کیا ترجمانِ حالتِ دل ہیں ادیب
آنکھوں آنکھوں ہی میں اُن سے کہہ گئے افسانہ ہم

آپ کی بزم کا بہار زیبہ ساماں دیکھا
شمع کی لو پہ پتنگوں کو غزل خواں دیکھا

تم نے آئینہ میں اپنا رخِ تاباں دیکھا
یعنی آئینہ بآئینہ حیراں دیکھا

مصحفِ رخ پہ تیری زلف کا ایماں دیکھا
ہم نے اس گبر کو پڑھتے ہوئے قرآں دیکھا

نقدِ جاں دیکے خریدی ہے زمینِ مدفن
حوصلہ تو نے میرا گورِ غریباں دیکھا

آج معلوم ہوئی سعیِ مسیحا بیکار
تیرے بیمار کو ناقابلِ درماں دیکھا!

میری آشفتگیاں ہوگئیں تم کو معلوم
یا کبھی تم نے کوئی خواب پریشاں دیکھا!

ماجرا کیا تھا خدا جانے تری محفل میں
شمع خاموش تھی آئینہ حیراں دیکھا

مصحفِ رخ پہ ہوئے کاکل پیچاں سیدھے
آج ہوتے ہوئے کافر کو مسلماں دیکھا

دل کو ... تیری نظروں نے ... بالکل
بس تو تجھ ہی خود تیر کا خواہاں دیکھا

... تاب محبت ...
مگر اے دل تجھے گردیدۂ حرماں دیکھا

شمع تربت کے سوا اور بھی کوئی عصمت
تم نے برباد محبت کا نگہباں دیکھا

دکھا کر ... مشتاقِ احساں کر دیا تم نے
دریٔ چشم تمنا کو درخشاں کر دیا تم نے

دکھا کر ... عالی بہار ... فطرت کی
چمن اہلِ چمن کو گل بداماں کر دیا تم نے

کتاب زندگی میری سلامت رہ نہیں سکتی
مرے اجزائے ہستی کو پریشاں کر دیا تم نے

... جب تم آئے ...
خس و خاشاک سے خالی بیاباں کر دیا تم نے

بہاریں ساتھ ... کے پھول برساتے ہوئے آئے
مرے ویرانۂ دل کو گلستاں کر دیا تم نے

میں صدقے عنبریں زلفوں کے اس ... کے
زمینِ آرزو کو سنبلستاں کر دیا تم نے

... آئینہ حسنِ ازل باہر نکل آئے
ہزاروں دیکھنے والوں کو حیراں کر دیا تم نے

محبت ... تڑپنے کا مزا لیتے رہے برسوں
دہانِ زخم کو وقفِ نمکداں کر دیا تم نے

رہے ... فنا بھی قبر میں یہ داغ دل روشن
ضیائے حسن سے شمع فروزاں کر دیا تم نے

گلستانِ جہاں کی جس قدر لب بستہ کلیاں تھیں
نسیم لطف سے گلہائے خنداں کر دیا تم نے

لب بام آتے ہی اپنے خم ابرو کو چمکا کر
تعجب ہے ہلالِ عید قرباں کر دیا تم نے

ہمارے ساز ہستی کے ترانے کیوں نہ ہوں دلکش
ترنم ریز ہر تار رگ جاں کر دیا تم نے

نمائش گاہِ عالم کی بڑھا کر گرم بازاری
نمائش گاہ عالم کو نمایاں کر دیا تم نے

تمہاری جلوہ ریزی نے زمیں کے ذرے چمکائے
ستاروں کی طرح روشن چراغاں کر دیا تم نے

نہ ہونے والی راہ عشق کی طے ہو گئی منزل
جو مشکل کام تھا راغب کا آساں کر دیا تم نے

آرزو ہے خانۂ دل میں مکیں رہنے بھی دے
اے فریب دوست ان کو ہم نشیں رہنے بھی دے

سر خمیدہ آستانے پر جبیں رہنے بھی دے
یہ ہمارا سجدۂ بے جا نہیں .... رہنے بھی دے

جب نظر آیا نہ منظر اس کی جلوہ گاہ کا
دور بینی اے نگاہِ دور بیں، رہنے بھی دے

تجھ سے کھنچ سکتی نہیں اس فتنہ زا کی شوخیاں
تیری یہ صنعت گری نقاشِ چیں رہنے بھی دے

ہوں گے تیرے در پہ رنگیں آئینہ نقش و نگار
اپنے در پر خونچکاں میری جبیں رہنے بھی دے

ہے بلندی پست آنکھوں میں وہ ہوں عالی نظر
رفعتوں کو اپنی اے عرش بریں رہنے بھی دے

اس کے دم سے محفل ہستی میں ہیں سب شورشیں
دل میں دردِ عشق کو پہلو نشیں رہنے بھی دے

جان دی میں نے محبت میں یہ میرا فرض تھا
میرے حق میں کلمۂ صد آفریں رہنے بھی دے

ایک بیمارِ محبت کو الم سے دے نجات
اے قضا تجھ سے یہ کیا ممکن نہیں رہنے بھی دے

دل کی بے تابی کہیں تارے نہ توڑیں ظلمت کے
میری آنکھوں پر شب غم آستیں رہنے بھی دے

محرم رازِ حقیقت ہے جو دیوانہ جمیل!
اس کو اپنے در پہ اے پردہ نشیں رہنے بھی دے

ایک منظر:-

انارکلی

(مشہور ڈرامہ نگار جناب سید امتیاز علی صاحب تاج بی۔ اے)

سین:- قلعہ لاہور میں سفید پتھر سے بنا ہوا ایک بلند مگر نہایت سادہ اور دل کش ایوان جس کو دیکھنے سے دل و دماغ پر ایک فرحت افزا خاموشی اور خنکی کا سا اثر ہوتا ہے ـــــ شہنشاہ اکبر ایک مسند پر آنکھیں بند کئے اور پیشانی پر ہاتھ رکھے چپ چاپ لیٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سخت ذہنی محنت کے بعد اس کا دماغ تھک گیا ہے۔ اور وہ اب بالکل خالی الذہن ہو کر اپنے مضمحل اعصاب کو آرام پہنچانا چاہتا ہے۔ رانی پاس بیٹھی ہے۔ سامنے کنیزیں رقص کر رہی ہیں۔ رانی ٹھوڑی ہاتھ پر رکھے کچھ سوچ رہی ہے اور اس کی آنکھوں میں ایک تو حش ہے۔ اکبر ایک دو مرتبہ آنکھیں کھول کر یوں کنیزوں کی طرف دیکھتا ہے۔ گویا ان کا رقص اس کو تکلیف دے رہا ہے۔ آخر وہ اپنا ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور کنیزیں جہاں ہیں وہیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ رانی خاموشی سے چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے۔

رانی۔ ـــــ مہاراج؟

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے کنیزوں سے) جاؤ۔

(کنیزیں رخصت ہو جاتی ہیں)

رانی۔ کیوں مہاراج؟

اکبر۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) راحت نہیں۔ ان کے رقص کے قدم میرے تھکے ہوئے دماغ کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔

رانی۔ پھر اتنی محنت کیوں کیا کرتے ہیں مہاراج؟

اکبر۔ (نیم وا آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے) شہنشاہ ہوں رانی۔

رانی۔ ـــــ اور پھر بھی؟

اکبر۔ (پرمعنی انداز میں۔۔۔) کس کا قیاس جرأت کر سکتا ہے کیا چاہتا ہوں

رانی۔ سیوک جو تعمیل ارشاد کو موجود ہیں۔

اکبر۔ (حقارت کے ایک خفیف سے تبسم سے) سیوکوں نے کتنے بادشاہوں کو اکبر اعظم بنا دیا۔

رانی۔ نورتن اتنا بے حقیقت ہے؟

اکبر۔ (سادگی سے) اگر اس کو اکبر کے خواب ہدایت نہ دیں۔

رانی۔ خواب!

اکبر۔ (خواب آلود نگاہوں سے سامنے کہیں دور تکتے ہوئے) میری فوجیں میری سیاست۔ میرے نورتن سب میرے خوابوں کے پیچھے آوارہ ہیں۔ کون میری طرح ناممکن کے خواب دیکھ سکتا ہے؟ کون میری طرح اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ سکتا ہے۔۔۔ میری عظمت میرے خواب ہیں رانی۔

رانی۔ آپ کی عظمت!

اکبر۔ اور ابھی تک۔۔۔۔۔ ہندوستان ایک مسکین کتے کی طرح میرے تلوے چاٹ رہا ہے۔۔۔ تاہم ابھی تک میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ان دیکھا پڑا ہے۔ اور میں اسے جنم دینے کا عزم اپنے میں نہیں پاتا۔

رانی۔ خواب کا جنم! کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟

اکبر۔ انسان کے جسم سے بہت زیادہ عزم چاہتا ہے رانی ـــــ اور میں بہت تھک گیا ہوں، اور اکیلا ہوں۔۔۔۔ اگر سلیم۔ کاش اگر سلیم۔

رانی۔ (اکبر کا منہ تکتے ہوئے) سلیم؟

اکبر۔ اپنے اجداد سے مختلف نہ ہوتا۔ نو رانی۔۔۔۔ مغل۔۔۔۔۔

رانی۔ مغل کیا؟

اکبر۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جانتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے (کس قدر رنج کا) مغلوں میں کوئی خواب دیکھنے والا نہ تھا۔ انہیں اکبر مل گیا۔ اگر اکبر کے جانشینوں میں تیمور کی طوفانی روح۔ بابر کی حیرت انگیز صلاحیت اور ہمایوں کا آہنی استقلال ہوا۔۔۔۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جانتا ہے سلیم۔۔۔۔ (کڑک کر) ہا! زمین سر پٹخ کر رہ جائے اور قرن اور صدیاں اس کے سینے سے مغل علم کو نہ اکھاڑ سکیں۔

رانی۔ (مناسب جواب کی کوشش میں) سلیم آپ کا موزوں جانشین ہوگا۔

اکبر۔ (گرم ہو کر) اگر اس کا یقین ہو جاتا۔ تو میں اپنے دماغ کا آخری ذرہ تک خواب میں تبدیل کر دیتا۔ لیکن میری تمام امیدوں سے وہ اتنا بے اعتنا ہے۔ اتنا بے نیاز ہے کہ میں۔۔۔۔۔ (سوچتے ہوئے) لیکن ابھی کیا معلوم۔۔۔۔۔۔

رانی۔ ابھی بچہ ہی تو ہے۔

اکبر۔ (فہمائش آمیز متانت سے) ہماری محبت دیوانی نہیں، کہ اس کا سن و سال بھول جائے۔ اور ہم چاہتے ہیں تم بھی اسے یقین دلاؤ، کہ فی الحال وہ ایک احمق نوجوان کے سوا اور کچھ نہیں۔

رانی۔ مگر وہ اپنے ہم عمروں سے کچھ بہت زیادہ تیز ہے

اکبر (بیاختہ فروختہ ہو کر) یہ تم کہہ رہی ہو؟ اکبر سے؟ جو اس عمر میں ایک سلطنت کا بوجھ اپنے کم سن کندھوں پر اٹھا چکا تھا۔ جس نے دنیا کی بے اماں لہروں کو طوفان سے بچا لیا تھا جو اس عمر میں فتح ہند کو تمدن بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہاں جو اس عمر میں خواب تک دیکھتا تھا اور وہ ادا ہوتا ہے ہم یہاں جو صرف ہاں۔

(پیر اچانک ...)

رانی۔ آپ بہت تھک چکے ہیں ابھی آرام فرمایئے۔

اکبر۔ کوئی رقص لاؤ کوئی موسیقی بزم ... خوش آئند (بیٹھ جاتا ہے) انار کلی کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک پہنچا جاتی ہے۔

رانی۔ انار کلی بیمار ہے۔ بہر حال اور اس کی ماں چاہتی ہے آپ کی اجازت ہو تو اسے تھوڑے عرصے کو تبدیل آب و ہوا کیلئے کہیں بھیج دیا جائے۔

اکبر (غم زدہ ہوتے ہوئے) حکیم نے اس کو دیکھا؟

رانی۔ کچھ تشخیص نہ کر سکا لیکن موڈ انار کلی کا بگڑ گیا ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی اسکے لئے مفید ہوگی

اکبر۔ (بے پروائی سے) حکیم کو اعتراض نہیں تو اس کو اجازت ہے۔

رانی۔ لیکن جشن سالگرہ میں تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔ اور انار کلی کے بنا جشن سونا رہ جائے گا۔

اکبر۔ (کروٹ لیتے ہوئے) پھر مت جانے دو۔

رانی۔ وہ بادشاہ اتنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اکبر۔ زبردستی کیوں ظاہر ہو جشن تک اُس کو علاج کے بہانے سے ٹھہرا لیا جائے اور جشن میں شامل کرنے کے بعد رخصت دیدی جائے۔

رانی۔ لیکن وہ جشن کی تیاریاں کیسے کر سکے گی؟

اکبر۔ صرف رقص و سرود .... انتظام کسی دوسرے کے سپرد ہو۔

رانی۔ دلارام۔!

اکبر۔ ہاں کہاں ہے وہ اس کو بلاؤ۔ اس کا گیت میرے دماغ کو تازگی بخشے گا۔

(رانی تالی بجاتی ہے۔ ایک کنیز حاضر ہو کر دست بستہ کھڑی ہو جاتی ہے)

رانی۔ دلارام!

(کنیز رخصت ہو جاتی ہے۔)

جشن کے متعلق کوئی ہدایت؟

اکبر۔ (کسی قدر چڑ کر) میر تو زرتن کو ہدایات دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رانی۔ جشن میں شطرنج کھیلیں گے آپ؟

اکبر۔ کون کھیلے گا ہم سے؟

رانی۔ میں سلیم سے کہوں گی۔

اکبر۔ اور اگر وہ جیت گیا تو ہم کو خوشی ہوگی۔

(دلارام حاضر ہو کر مجرا بجا لاتی ہے)

رانی۔ دلارام دوسرے کے برے ... کہا ہے

دلارام۔ بسر و چشم۔

رانی۔ اور انار کلی صرف رقص و سرود ہی کے لئے شریک ہوگی۔

دلارام۔ بہت بہتر۔

رانی۔ تو جانتی ہے جشن کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا؟

دلارام۔ حضور میں پہلے کئی جشنوں کا اہتمام کر چکی ہوں۔

رانی۔ اور دیکھ ظل الٰہی سلیم سے شطرنج کھیلیں گے۔

دلارام۔ (کسی قدر چونک کر) صاحب عالم سے!

رانی۔ ہاں!

(دلارام کا دماغ انار کلی اور سلیم کے خفیہ تعلقات سے اس قدر بھرا ہوا ہے کہ وہ یہ سن کر ایک سوچ میں کھو جاتی ہے)

رانی۔ جشن شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی ——— تو سن رہی ہے؟

دلارام (چونک کر) شہزادہ سلیم!

رانی۔ پگلی! کیا شہزادہ سلیم؟

(اکبر آنکھ کھول کر دلارام کی طرف دیکھتا ہے)

دلارام۔ صاحب عالم علیل تھے سرکار۔

اکبر۔ نہیں وہ شریک ہوگا۔

رانی۔ سنا جشن شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی ———

اکبر۔ اب بس پہلے کوئی گیت۔ سیدھا سادا اور میٹھا۔ مگر آواز دھیمی اور نرم گرم اور زخمی دماغ کو ایک ٹھنڈا مرہم چاہئے۔ رقص ہلکا پھلکا گھنگھرو کا شور نہ ہو۔ بہت چکر نہ ہوں۔ پاؤں آہستہ آہستہ زمین پر پڑیں جیسے پھول برس رہے ہیں۔ برف کے گالے زمین پر اتر رہے ہیں۔ لیکن خمار نہ ہو نیند نہ آئے۔ ہمیں پھر مصروف ہونا ہے۔

(دلارام رقص شروع کرتی ہے۔ مگر رقص کے دوران میں بھی وہ سوچ میں ہے اور ذہنی مصروفیت کے باعث اس کے رقص میں نقص نظر آرہے ہیں۔ اکبر اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

اکبر۔ کچھ نہیں۔ کسی کو نہیں آتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اور انار کلی علیل ہے۔

(اکبر دریچے، پیچھے پیچھے رانی جاتی ہے۔ دلارام سوچ میں جیسے سن کھڑی رہ جاتی ہے)

دلارام۔ انار کلی ہوگی.... سلیم ہوگا.... اور اکبر بھی.... کاش اگر اکبر دیکھ سکتا.... کاش اگر میں اکبر کو اُس کی آنکھوں سے دکھا سکتی۔

آہ!.... پر یہ ضرور ہوگا۔ اور جشن ہی کے روز.... دو تارے .... وہی دو تارے .... اور کون جانے؟.........

(آہستہ سے زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا کر ایک گہری سوچ میں کھو جاتی ہے)

بواسیر کا علاج چار روپے میں

دعوے اور علی الاعلان دعوے ہے کہ بواسیر کا علاج صرف چار روپے میں ہو سکتا ہے۔ جو شخص بواسیر کے مرض سے عاجز آگیا ہو سینکڑوں ہزاروں روپے اس علاج میں تباہ کر چکا ہو اس سے کہہ دیجئے۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ کہہ دیجئے کہ صرف چار روپے خرچ کر کے اس موذی مرض سے نجات حاصل کرے کیمیاوی اصول پر تیار کردہ دوا انکول تھنی جلدی تندرست کر دے گی یہ اُسے چند ہی روز میں معلوم ہو جائے گا۔ ہر قسم کی بواسیر کے لئے دوا "انکول" مکمل علاج ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ دوا ہر مریض پر اثر کرتی ہے یعنی سو فی صدی کامیاب دوا ہے۔ بڑے بڑے پرانے بواسیر کے مریضوں کو اس دوا سے تندرستی ملی اور اب وہ اس دوا کا زندہ ثبوت موجود ہیں۔ انکول کی شیشی کے ساتھ ایک شیشی دوا "پائیلین" مفت دی جاتی ہے انکول کھانے کی دوا ہے اور "پائیلین" بیرونی استعمال کی ہے۔ جب ان دونوں دواؤں کا ایک ساتھ عمل شروع ہوتا ہے تو بواسیر اس طرح غائب ہو جاتی ہے۔ گویا کبھی یہ مرض تھا ہی نہیں۔ ایک شیشی انکول کی قیمت چار روپے ہے اس کے ساتھ پائیلین کی ایک شیشی مفت ملے گی۔ اور عام فائدہ کے خیال سے محصول ڈاک بھی معاف ہے۔

جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔پی پارسل منگا لیجئے۔ صرف چار روپے کا وی۔پی کیا جائے گا۔ کیونکہ محصول ڈاک بھی معاف ہے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے ــــــ مرجاتا ہے

مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔ یعنی جن عورتوں کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں۔ ہو کر مر جاتے ہوں۔ یا قبل از وقت پیدا ہو جاتے ہوں یا مردہ پیدا ہوتے ہوں یا دو چار مہینے سے زیادہ نہ جیتے ہوں وہ عورتیں اگر چاہیں تو ان کی یہ تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد ان کے بچے خدا کے فضل سے تندرست پیدا ہوں گے اور کسی مرض کا شکار نہیں ہو سکیں گے۔ اس مرض کو بعض عورتیں "مرت بیاہی" کا مرض کہتی ہیں۔ اور یہ عورت کی ایک بیماری کے سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ایسی عورتیں اس خاص بیماری کو دور کر دیں تو پھر ان کی اولاد تندرست پیدا ہو۔ اور اپنی پوری عمر تک جئے۔

ایسی عورتیں جن کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو۔ دو چار مہینے یا سال دو سال کی ہو کر مر جاتی ہو۔ یا مردہ یا کمزور پیدا ہوتی ہو انہیں تاکید کی جاتی ہے کہ وہ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ ۳۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر ریکو دوا کی ایک شیشی بذریعہ وی۔پی پارسل منگا لیں۔ اس دوا کو اگر ایسی عورت استعمال کرے جس کے بچے نہ جیتے ہوں (مرت بیاہی کا مرض ہو) اور بچے ہو ہو کر مر جاتے ہوں تو پھر اس دوا کے استعمال کے بعد وہ اندرونی خرابی دور ہو جائے گی جس کی وجہ سے اولاد ہو کر مر جاتی تھی۔ اور پھر زندہ رہنے کے لئے اولاد پیدا ہو گی۔ ایک شیشی "ریکو" کی قیمت صرف تین روپے سات آنے ہے۔ ایک شیشی ایک مہینہ کے لئے کافی ہوتی ہے ہندوستانی عورتوں سے اگر کسی بہن کو اس دوا کی ضرورت ہو تو وہ بے تکلف منگالے۔ پارسل پر صرف سات آنے محصول لگے گا۔

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

جو لوگ اولاد سے مایوس ہو چکے ہیں اور جو لوگ اولاد کی تمنا میں سارے جتن کر چکے ہیں ان کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ سنئے زمانہ کی سائنس نے اس مشکل کو بھی آسان کر دیا ہے۔ اور اب ایک ایسا مرکب تیار ہو گیا ہے۔ جو عورت کو حمل قائم کرنے میں حیرت انگیز کام کرتا ہے ایک دوا ہے جس کا نام محافظ اولاد ہے۔ اس دوا کو مسلسل سات رات عورت استعمال کرتی ہے اور ان ایام میں اسے مرد سے بالکل علیحدہ رہنا پڑتا ہے ٹھیک آٹھویں رات جو عورت...... اس پرہیز کو توڑتی ہے (یعنی مرد کے پاس جاتی ہے) تو اسی شب حمل رہ جاتا ہے یا نا تعجب خیز تجربہ ہوا ہے کہ خود ڈاکٹر بھی حیران ہیں کہ محافظ اولاد کی مسلسل سات خوراک دوا استعمال کرنے کے بعد عورت کا اندرونی جسم بالکل قدرتی حالت میں آ جاتا ہے اور جب آٹھویں رات میاں بیوی.... ہوتے ہیں تو اسی رات یقیناً حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اس پرچہ کے ناظرین میں سے بھی سینکڑوں نے اس دوا کا تجربہ کیا اور بعض جگہ تو ایسی ایسی عورتوں کے ہاں اولاد ہونی شروع ہو گئی جن کی شادی کو بیس سال ہو چکے تھے آج دوا محافظ اولاد کی بدولت سینکڑوں بے اولاد عورتوں کی گود میں بچے کھیل رہے ہیں اور وہ اس دوا کی ہر جگہ تعریف کرتی رہتی ہیں۔ اگر آپ میں سے بھی کوئی صاحب اولاد سے محروم ہوں۔ یا شادی کو عرصہ گزر چکا ہو اور حمل نہ ٹھہرتا ہو یا حمل گر جاتا ہو تو آپ کو چاہئے کہ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھ دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے اس شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) اور پارسل پر صرف سات آنے خرچ ہوتے ہیں۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے سے یا اور کسی بیماری یا بے احتیاطی سے بعض اوقات عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت نرم اور ڈھیلے پڑ کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں اور اس طرح عورت کی ظاہری جوانی ختم ہو جاتی ہے۔ عورت کے ظاہری حسن کے لئے اس کے سینہ کو بھی جوان ہونا ضروری ہے۔ اگر نرم اور نیچے کو ڈھلکے ہوئے پستان پر مشہور دوا "برسٹین" کا استعمال کیا جائے تو یہ ثمر شباب (یعنی پستان) پھر از سر نو گول اور سخت ہو جاتے ہیں اور عورت پھر نوجوان لڑکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر گود میں بچہ ہو اور وہ دودھ پیتا ہو تب بھی کوئی حرج نہیں دوا نقصان نہیں کرتی اس زمانہ میں بھی دوا "برسٹین" استعمال ہو سکتی ہے۔ پستان کو دوبارہ سخت اور گول کرنے کے لئے یہ دوا سالہا سال سے مشہور ہے۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (۴/۱۵) محصولڈاک سات آنے (۷/)

منگانے کا پتہ۔ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی

ماہواری ایام کی خرابیاں

عورت ذات کو ماہواری ایام کا باقاعدہ آنا نہایت ضروری ہے اگر کسی باعث ایام کم آتے ہوں یا درد اور تکلیف دے کر آتے ہوں یا بند ہو گئے ہوں یا مہینہ میں دو بار یا رک رک کر آتے ہوں یا ایام ماہواری کی اور کوئی خرابی ہو، دورے وغیرہ پڑتے ہوں تو یقین کیجئے کہ ماہواری ایام کو درست اور باقاعدہ اور ہر ماہ وقت مقررہ پر لانے کے لئے سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مریضہ کو ایک شیشی دوا "کورس" استعمال کرا دی جائے۔ دوا کورس کا حیرت انگیز اثر دیکھ کر ہر شخص خوش ہو جاتا ہے۔ اس دوا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے اور پھر بغیر تکلیف کے ہر ماہ ایام ماہواری آتے ہیں اور پھر ایام کے دنوں میں درد وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بڑی معرکہ کی دوا ہے اور سالہا سال سے ہندوستان میں شہرت حاصل کر رہی ہے۔ ایک شیشی کورس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور سات آنے محصول پارسل پڑتے ہیں آج ہی لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔

"[illegible]"

(از جناب سید نقی حیدر صاحب بلگرامی نکوی)

میرے جیون کے آدھار...... میری نیا کے کھیون ہار ایک بار تو آنکھیں کھولدو ...... منہ سے ایک بول تو بولدو...... تمہاری داسی تمہارے چرنوں میں کب سے پڑی ہے...... کیا اب بھی نہ بولوگے ...... میرے ارادہ کو ٹھکرا نہ ناتھ...... ہے پربھو اب تو مجھ سے بولتے ہی نہیں...... دین دیالو...... میرے پر دیا کرو...... میرے آشاؤں کے دیا کو زہریلی داتو سے بچالو۔ بھگوان! بھگوان!! کیا تو سے ہردے میں ذرا بھی دیا نہیں آخر تو اس قدر کٹھور کیوں ہو گیا ہے! بھگوان ہا

گاؤں سیتاپور کے ایک کونے پر ایک چھوٹا سا پھوس کا جھونپڑا تھا جھک کر خمیدہ ہونے کے باعث اچھا خاصا گور کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ زندگی کو دھوکہ دینے کے لئے ایک آڑ تھی...... جھونپڑے کے ارد گرد گنے کے کھیت تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا مکین پاسا ہے جھونپڑی کے اندر کونے میں ایک چراغ ان غربت زدہ مکینوں پر آنسو بہا رہا تھا۔ بیچ میں ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی تھی جسکے بان تک ثابت نہ تھے اس کے بیچ میں ایک نوجوان گٹھڑی بنا ہوا پڑا تھا پٹی سے لگی ہوئی ایک دوشیزہ رو رہی تھی۔ اس کے الفاظ کان میں تیر کی طرح پیوست ہو رہے تھے اس کے ایک ایک لفظ میں درد کوٹ کر بھرا تھا۔ اپنی بوسیدہ ساڑی سے بار بار نوجوان کے چہرے کو محبت و پیار سے صاف کر رہی تھی...... اس کی معصوم نگاہیں کبھی جھونپڑے کا جائزہ لیتیں کبھی نوجوان کے چہرے پر گڑ جاتیں۔ جھونپڑی میں مکمل سکوت تھا۔ یکایک برسات کی وجہ سے بارش کے آثار شروع ہوگئے۔ بجلی کی چمک اور بادو کی گرج ایک خوفناک بھوت کے مانند ڈرا رہے تھے...... ہوا کا تیز تند شریر جھونکا قہقہہ لگاتا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا...... دوشیزہ نے گھبرا کر ارہر کی ڈنڈیوں سے بنے ہوئے کواڑ کو بھیڑ دیا۔

اب چراغ بھی خاموش ہو چکا تھا اور جھونپڑی میں بھیانک تاریکی کا دورہ تھا۔

یکایک دوشیزہ کے جسم میں زندگی دوڑی اور بولی...... پران ناتھ! ہے پربھو! مجھ سے ناراض کیوں ہوئے ناتھ...... تم نے مجھے [illegible] کیا تھا اب منہ موڑتے ہو......

دیکھو مرتو کے بھوت مجھے اکیلا پاکر کھانے کو دوڑے چلے آتے ہیں مانو آج جمدوت کا راج ہو گیا ہے...... مجھے بچاؤ۔ پران ناتھ...... میں نراش ہوتی جا رہی ہوں...... مری آشا کو توڑ کر کہاں جاؤ گے سوامی...... مجھے اس سنسار میں کس پر چھوڑ کر جاتے ہو...... میرے کھیون ہار...... مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل...... میں تیری سیوا کروں گی" کہتے کہتے دوشیزہ کی آنکھوں سے ندی کی دھارا بہ نکلی اور وہ نوجوان کے سینہ پر نیم بیہوشی کی حالت میں گر پڑی نوجوان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے اس کی آنکھیں بے نور ہو رہی تھیں دفعتاً اس نے کروٹ بدلی۔ دوشیزہ چونک پڑی۔ دوشیزہ کے زرد رخساروں پر امید کی ایک ہلکی سی شعاع پھیل گئی نوجوان نے پانی مانگا...... دوشیزہ نے فوراً پانی دیا نوجوان ایک ہی گھونٹ میں سب پی گیا۔ اور بولا......

کملا......

پران ناتھ......

میں تمہیں سکھ نہ پہنچا سکا...... کملا۔

یہ دیو! اب ایسا نہ کہیں میں بہت سکھی ہوں۔ مجھے چھما کرنا دیوی!...... میری ایک اچھا پوری کروگی کملا......

کیوں نہیں...... جیون آدھار۔ دوشیزہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

نہیں! نہیں میں نہ کہوں گا...... آہ میں بھی کتنا مورکھ ہوں۔

کہو ناتھ...... اپنا ہردے میلا نہ کرو

میں تمہیں کشٹ دینا نہیں چاہتا پیاری۔

مرے دکھت ہردے کو اور نہ دکھاؤ۔ پرمیشور میں تمہاری سیوا کے لئے آئی ہوں...... میں تو آپ کی داسی ہوں۔

مجھے ایک انار چاہئے کملا...... میرا ہردے اگنی سے پھنکا جا رہا ہے...... سنا ہے کہ انار ہردے کی اگنی کو شانت کرتا ہے......

دوشیزہ کے چہرے پر تفکرات کی لہر دوڑ گئی مگر اس نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے کہا...... "ابھی لائی"

بارش ختم ہو چکی تھی مگر بادل اب بھی ہولناک گڑگڑاہٹ پیدا کئے ہوئے تھے۔ راستہ کی تاریکی بادلوں کی تاریکی میں پوشیدہ [illegible]

شب کی تھی چاندنی طرف پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا دوشیزہ نے مریض کو تسلی دی اور خود کو ایک صاف چادر میں ملبوس کر کے دروازے کے باہر چلی گئی ...... کسان لوگ اپنے اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے ...... کملا تیز تیز قدم بڑھاتی گاؤں کی طرف جا رہی تھی اس کا دل تفکرات کا آماجگاہ بنا ہوا تھا ...... اس کو اس وقت بچپن کا ساتھی رمیش یاد آ رہا تھا ...... جو ایک بہت ہی مالدار زمیندار کا لڑکا تھا ...... اس کے کانوں میں رمیش کے الفاظ گونج رہے تھے "بہن کملا مجھے وعدہ ہے میں تمہاری ہر بیکار سے سیوا کروں گا۔"

دوشیزہ کے قدم اور تیز ہو گئے۔ اس نے چند لمحات میں تین میل کا فاصلہ طے کر لیا ...... اب وہ ایک شاندار مکان کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ نسوانی شرم و حیا اس کا دامن تھام رہی تھی مگر شوہر کی محبت اس کو مکان کے اندر دھکیل رہی تھی ...... جب وہ بچی تھی نادان تھی مگر اب نوجوان ہے وہ یہ رہزن صبر و سکون ...... یہ واضح ہے قرینی ...... جذباتی کشمکش میں محبت غالب آ گئی۔

اس نے کواڑ کھٹکھٹایا اندر سے ایک بوڑھا ملازم دوڑا ہوا آیا دوشیزہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بھیا رمیش ہیں؟"

"باہر ہی ہیں" بوڑھے نے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے کہا۔

"ذرا ان کو بھیج دینا"

تھوڑی دیر کے بعد ایک شکیل نوجوان باہر آیا اس نے دوشیزہ کو دیکھ کر کہا۔

"اوہو کملا وتی؟"

ہاں رمیش۔

کہو کیسے آنا ہوا آج تو بہت دنوں کے بعد درشن دئے میں تو تمہارے درشنوں کے لئے تڑپ رہا تھا کہو اچھی تو ہو ......

ہاں بھیا اچھی ہوں ...... پرماتما کی دیا ہے۔

کملا وتی! تم نے بھیا کہہ کر میرے زخموں کو ہرا کر دیا میں کیا کروں بھیا یہ پرماتما کی لیلا ہے اس میں منش کا کیا ادھیکار ...... اور اب میں چاہتا ہوں تم مجھ کو بھول جاؤ اور اپنی بہن سمان مجھے دیکھو۔

آؤ اندر آ جاؤ کملا۔ تم نے میرے گھر کو سورگ بنا دیا ہے میں تمہاری سیوا کروں گا۔

میں آرام کرنے نہیں آئی ہوں رمیش! میں تو تم کو ایک کشٹ دینے آئی تھی کیا تم میری سہایتا کرو گے؟

کملا تم بہت گھبرا رہی ہو اپنا کارن تو پرگٹ کرو میں تمہاری سہایتا کروں گا۔

میرے پتی سخت بیمار ہیں ...... ان کو انار کی (ضرورت) ہے مگر مجھ ابھاگن کے پاس اتنے دام کہاں کہ انار خرید سکوں۔

بس اسی قدر ...... کچھ ڈر نہیں آؤ پدھارو میں تمہارے لئے ابھی انار منگائے دیتا ہوں۔

رمیش نے کملا کے ہاتھ پکڑ لئے اور اس کو ایک کمرے میں لے گیا اور بولا۔

کملا تم ایک روگی کے لئے اپنے جیون کا کیوں ناش کر رہی ہو ...... دیکھو ...... میری طرف دیکھو۔ میں تمہارا پجاری ہوں ...... مجھے اپنی سیوا کرنے کا اوسر دو موقع دو۔

تم کیسی باتیں کر رہے ہو رمیش ...... میں اب جاتی ہوں ...... مجھے تمہاری سیوا کی کوئی ضرورت نہیں ...... آہ! میرے سوامی نہ معلوم کس حالت میں ہوں گے۔

بس اتنا مورکھ نہیں ہوں کملا جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ میں گھر آئی ہوئی لکشمی کو کیونکر چھوڑ دوں ...... کنواں پاس ہوتے ہوئے پھر اپنی پیاس نہ بجھاؤں۔

رمیش! رمیش!! تم کیسی باتیں کر رہے ہو! میں تم کو ایسا پاپی نہ سمجھتی تھی ...... تم بھیڑ کے لباس میں بھیڑئے نکلے۔

آہ کملا ...... یہ نخرے ...... یہ مد بھرے نین اور یہ بھرے ہوئے بازو ...... میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک بار تو ان ہونٹوں کو چوم لینے دو۔

ڈشٹ ...... پاپی مجھے چھوڑ ...... چنڈال میں تری منتی کرتی ہوں ...... چھوڑ دے پاپی مجھے چھوڑ دے۔ آہ ایک کمزور دوشیزہ ایک طاقتور مکروہ انسان کے ہاتھوں میں مقید تھی۔

(ہے پرماتما ایسے لوگوں کا سرب ستیا ناش کر)

چند منٹ بعد شیشہ عصمت چکنا چور تھا ...... کملا کے ہاتھوں میں انار تھا ...... اور وہ تیزی سے اپنے جھونپڑے کی طرف جا رہی تھی۔ اس وقت اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ ممکن ہے عصمت کی بھینٹ چڑھانے پر وہ اپنے پتی دیو کو بچا لے ...... وہ کانپتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے میں داخل ہوئی ...... اس کو ایک آخری ہچکی کی آواز سنائی دی ...... کملا دوڑی مگر اس کے پہنچتے پہنچتے نوجوان دم توڑ چکا تھا ......

یکایک آسمان پر ایک کالی آندھی اٹھی اور جھونپڑے کو اڑاتی ہوئی چلی گئی ...... گاؤں والوں نے دو لاشوں کو آپس میں لپٹا ہوا پایا۔ رمیش اپنی آج کی کامیابی پر مسکرا رہا تھا۔

میں سنیما کیوں جاتا ہوں؟

(از جناب ابوالقلم دبیر صاحب)

کاروباری آدمی جس دن میرا کاروبار اچھا ہوتا ہے اس دن میں سنیما ضرور دیکھتا ہوں۔ میرے ذہن میں خود بخود سنیما دیکھنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور قدم سنیما ہاؤس کی جانب اٹھنے لگتے ہیں۔ میں اس لئے نہیں جاتا کہ آج مجھے زیادہ نفع ہو گیا ہے۔ اور میں بہت خوش ہوں۔ بلکہ اس دن مجھے اطمینان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے میں صرف اچھے قسم کے گانے سننا چاہتا ہوں۔ میں ایک تجارتی آدمی ہوں اس وجہ سے ہر چیز کو روپیہ آنہ پائی کی طرح شمار کرتا ہوں۔ اسی طرح گانے کو بھی پرکھتا رہتا ہوں۔ میں صرف ہندوستانی فلم دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اس میں گانے میرے فہم اور ذوق کے مطابق ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ بیرونی تصاویر فنی اعتبار سے اچھی ہوتی ہیں لیکن میں نہیں دیکھنا چاہتا کیونکہ ان میں گانے پسندیدہ نہیں ہوتے۔

کلرک جب مجھے کچھ بالائی آمدنی ہو جاتی ہے۔ تو میں سنیما ضرور دیکھتا ہوں اور صرف یہ سمجھنے کے لئے کہ میری حیثیت کا انسان کس طرح محبت کر کے کامیاب ہو سکتا ہے۔ میں تصویر کے ہیرو کی حیثیت کا موازنہ کرتا رہتا ہوں لیکن بدقسمتی سے اپنے جیسا عاشق دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ حال ہی میں صرف ایک تصویر ایسی دیکھی ہے۔ جس میں ایک کلرک نے اپنے آقا کی بیٹی سے محبت کی اور انجام یہ ہوا کہ دونوں کی شادی ہو گئی۔ لیکن جب میں نے اس پر عمل کیا تو بدقسمتی سے میری نوکری ہی ہاتھ سے گئی۔ اور بڑی ذلت کے ساتھ نکالا گیا پھر بھی میں مایوس نہیں ہوتا ہوں اور یقین کرلیتا ہوں کہ ایک دن صحیح راستہ پانے میں ضرور کامیاب ہو کر رہوں گا۔

منچلا شہری میں شہر کا ایک تندرست اور قوی الجثہ نوجوان ہوں میری شادی نہیں ہوئی ہے مجھے اس کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں کہ فلم ایکٹرسیں مجھ میں ایک مقناطیسی قوت پیدا کر دیتی ہیں میں صرف ان کے حسین و جمیل چہروں اور تقوی شکن شباب کی زیارت کے لئے سنیما دیکھتا ہوں۔ ان کے دلربایانہ انداز میری روح اور قلب کو گدگدا دیتے ہیں۔

ایڈیٹر میں سنیما متعدد وجوہ سے دیکھتا ہوں اول تو مجھے یہ سہولت حاصل ہے کہ عام طور پر مجھے فری پاس مل جاتا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف خود بلکہ اپنے احباب کو بھی سنیما دکھا سکتا ہوں اور اگر پاس نہ ملے تو بھی مجھو دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ میں خاص طور پر تصویر کے عیوب پر نظر ڈالتا ہوں۔ اور جس قدر غلطیاں محسوس کرتا ہوں انہیں اپنے اخبار میں چھاپ کر فلمساز کی خبر لیتا ہوں۔

شوہر جب میری بیوی کا پارہ حرارت چڑھ جاتا ہے اور وہ نا ملائم الفاظ استعمال کرنے لگتی ہے تو میں ایسے نازک وقت میں طرح دیکر چلا جاتا ہوں۔ اور فلم بینی میں ہی سکون دماغی محسوس کرتا ہوں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ فلم کس قسم کا دیکھ رہا ہوں۔ مذہبی، معاشرتی یا بنگالی میں تو صرف اسے سکون خاطر کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہوں۔

بیوی جب میں گھریلو جھگڑوں اور روزانہ کے پکانے ریندھنے اور ایسے ہی غیر دلچسپ بکھیڑوں سے اکتا جاتی ہوں اور میرا سکون دماغی غارت ہو جاتا ہے تو میں اپنے شوہر سے سنیما جانے کی خواہش کرتی ہوں فلم کے واقعات محبت میرے لئے سامان محبت ہوتے ہیں۔ کیونکہ شادی کے ابتدائی دور میں ایسے چند پرکیف اور حیات آفریں دنوں سے مجھے بھی سابقہ پڑ چکا ہے

طالب علم میرے والدین مجھے سنیما دیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ فلم نوجوانوں کی زندگی تباہ کر دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس "تباہی" کا کیا مفہوم ہے۔ میں صرف اسی کو سمجھنے کے لئے فلم دیکھتا ہوں۔

آوارہ گرد میری نظر میں سنیما بینی کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ مجھے تو ہر وقت ایک تازہ ہنگامہ درکار ہے۔ لہذا جیسے قہوہ خانہ یا نائی کی دوکان پر چلے گئے ایسے ہی سنیما چلا جاتا ہوں۔ ہاں یہاں اتنا ضرور ہے کہ اچھی صورتیں۔ گانا۔ اور جھگڑوں کے واقعات دیکھنے میں آجاتے ہیں۔ میں صرف ایسا فلم پسند کرتا ہوں۔ جس میں اغوا کے واقعات سر پھٹول اور لڑائی جھگڑے کے مناظر ہوں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو مجھے زیادہ لطف نہیں آتا پھر بھی میں سنیما کو بہت پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اس کے ذریعہ سے بہت سی نئی نئی باتیں یاد ہو جاتی ہیں۔

عاشق مزاج محبت کو استوار اور کامیاب بنانے کے بہت سے عملی سبق میں سنیما دیکھ کر ہی حاصل کرتا ہوں۔ فلم کا مکالمہ مجھے ان الفاظ اور انداز سے آشنا کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعے میں اپنے محبوب کو خوش کر سکوں۔ فلمی گانے محبوب کی توجہات حاصل کرنے کا کامیاب ذریعہ ہے۔ میری نظر میں سنیما ہال "اسکول کا کمرہ" ہے۔

دفتری ملازم تمام دن مثلوں میں سر کھپانے مراسلات اور ڈاک وغیرہ تیار کرنے۔ افسروں کی تیز و تند برداشت کرنے۔ شام کو بیوی بچوں کا دکھ درد۔ شکوہ شکایت اور گھریلو انتظامات کے بعد پھر دوسرے دن کے لئے دماغ کو یکسو اور پرسکون بنانے کا ذریعہ سوائے فلم بینی کے اور کیا ہو سکتا ہے مجھے ڈرامے اور سکون بخش۔ رومانی تصاویر پسند ہیں۔ لڑائی جھگڑے کی تصویروں کو میں پسند نہیں کرتا۔

بیروزگار میرے پاس سینما دیکھنے کے لئے پیسے نہیں مگر میرے قلب میں اسے دیکھنے کی شدید آرزو ہے۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ اسی چیز کے حصول کی خواہش کرتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی۔ میں اپنے فلمی ذوق کو اسی نظریہ سے منسوب کرتا ہوں۔

ہم آپ کو ایمان اور ہر طرح کی تسلی دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اگر واقعی یہ بنڈل قابل تعریف اور فائدہ مند ہوں تو آپ کا اول فرض ہوگا کہ آپ اپنے دوستوں بزرگوں۔ دوستوں میں ان سپیشل بنڈلوں کی سفارش کریں۔ اگر یہ خوبیاں نہ ہوں تو خوشی سے واپس کر کے اپنی قیمت منگوا لیں اس سے زیادہ تحریر کرنا فضول ہے۔ سینکڑوں بیروزگار یہ بنڈل منگوا کر معقول آمدنی پیدا کر رہے ہیں۔ یہ بنڈل گھریلو ضروریات اور ہر امیر و غریب خاصکر تجارت پیشہ اصحاب کیلئے بہت فائدہ مند ہیں۔ جس شہر میں یہ بنڈل جاتے ہیں۔ بار بار آرڈر آنے شروع ہو جاتے ہیں اور مستورات میں خاصکر فروخت کر کے کافی منافع پیدا کر سکتے ہیں۔ بہت عمدہ چیز ہے۔ فوراً آزمائش کریں۔ ہمارے اس وعدے کی تصدیق ایک بار مال منگوانے سے ثابت ہو سکتی ہے۔

اکسٹرا سپیشل بنڈل نمبر ۲ اس میں تمام خاص کوالٹی کے سلکی اور ریشمی کٹ پیس کے بڑے بڑے صاف ٹکڑے ساڑھیوں کے علاوہ فینسی کپڑے جو کہ بیاہ شادیوں اور تحفہ جات کے لئے ہوتے ہیں۔ مثلاً پلیس۔ کریپ۔ جارجٹ موراکین۔ دل کی پیاس۔ بوسکی۔ امریکن پاپلین۔ وغیرہ وغیرہ۔ تمام اکسٹرا کوالٹی کا مال ہوگا۔ لمبائی ½ ۱ گز سے ۴ گز تک قیمت چالیس پونڈ ایک سو آٹھ روپے۔ بیس پونڈ پچپن روپے۔ دس پونڈ اٹھائیس روپیہ۔

فیملی سپیشل خاص بنڈل نمبر ۲ اس میں بھی اوپر کا مال ہے۔ گھریلو ضروریات کے لئے ایک تحفہ ہے صرف کوالٹی میں معمولی فرق ہوگا۔ لمبائی ½ ۱ گز سے ۴ گز تک۔ قیمت چالیس پونڈ ۸۸ روپے بیس پونڈ پینتالیس روپے۔ دس پونڈ تئیس روپے۔

تجارتی سپیشل بنڈل ۵۵۵ اس گانٹھ میں تمام قسم کا مال اور ہر ایک کوالٹی کا کپڑا پیک کیا جاتا ہے۔ تمام ٹکڑے عمدہ بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ یہ گانٹھ منگوانے سے آپ کی دوکان سے کوئی گاہک واپس نہیں جا سکتا۔ مثلاً موراکین جارجٹ دل کی پیاس۔ ملائی۔ ساٹن۔ بوسکی۔ پاپلین۔ وائل۔ امریکن جالی۔ چھینٹ۔ امریکن ظفر۔ لٹھا وغیرہ وغیرہ۔ قیمت دو سو پونڈ تین سو آٹھ روپے۔ سو پونڈ ایک سو اٹھاون روپیہ۔ پچاس پونڈ اسی روپے۔ بیس پونڈ بتیس روپے۔ دس پونڈ سترہ روپیہ۔

ضروری نوٹ۔ آرڈر کے ہمراہ چوتھائی ¼ قیمت پیشگی آنی ضروری اور لازمی ہے۔ کل قیمت پیشگی آنے پر پیکنگ۔ مزدوری وغیرہ کا خرچ معاف ہر آرڈر کی تعمیل فوراً کی جائے گی۔ تمام بنڈلوں میں نیو ڈیزائن اور خاص کوالٹی کا کپڑا ہوگا۔

منیجر دی امریکن کٹ پیس امپورٹ کمپنی نمبر B.۱ نیو کلاتھ مارکیٹ کراچی نمبر

محبوب آپ کے قدموں میں

یہ خوشبودار جو آج تک نہ دیکھی نہ سنی گئی ہو ایک قسم کا روغن ہے۔ جس کو اگر کوئی عورت سونگھ لے تو مست ہو جائے۔ کسی کو اپنا بنانا چاہو تو اس خوشبو کو لگا کر اس کے پاس سے گزر جاؤ۔ وہ تمہارا ہو جائے گا۔ تمہاری تلاش میں رات دن ایک کر دے گا۔ خوشبو میں ایسی تاثیر رکھی گئی ہے کہ سنگدل سے سنگدل عورت جو اس خوشبو کو سونگھ لے بے چین ہو جائے اور بغیر پاس بجھائے چین نہ پڑے اسکو محبت کا جادو۔ تسخیر کا طلسم اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی دو روپے

ٹیسٹوجین

جرمنی کے مشہور ڈاکٹر ہینگ فارمر کی ٹیکنالوجی کے جوہر سے تیار کی ہوئی طاقت اور امساک کی خاص دوا جس کو شہنشاہ رومانیہ نے خود استعمال کر کے سارٹیفکیٹ دیا ہے۔ بوڑھوں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بنانے میں ان گولیوں سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ لاکھوں انسان ان گولیوں کو استعمال کر کے سفید و سرخ بن گئے جھریاں اور بڑھاپے کے آثار ختم ہو گئے۔ سفید بال سیاہ ہونے لگے لطف کی زندگی۔ اور جوانی کو قائم رکھ کر پُر کیف خوشی چاہتے ہو تو ان گولیوں کو ضرور استعمال کرو۔ ان گولیوں کا استعمال ایک مرد کیلئے کافی ہے قیمت چالیس گولیوں کا پیکٹ چھ روپے۔ اسی گولیوں کا دس روپے ڈاک خرچ ۸ ر

ماہواری کی بیلٹ

یہ پیٹی عورتوں کے لئے ایجاد ہوئی ہے کیونکہ انکو ہر ماہ چار پانچ روز ضرور گندہ رہنا پڑتا ہے۔ اس پیٹی کے ذریعہ تمام خون آلودہ روئی وغیرہ قابو میں رہتی ہے چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے میں کسی قسم کا ہرج واقعہ نہیں ہوتا۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ (عہ) ڈاک خرچ علاوہ۔

ولایتی آلہ مانع حمل

یہ آلہ بوقت خاص کام دیتا ہے جو عورتیں کمزور ہوں اور حمل کو برداشت نہ کر سکتی ہوں یا جن کے بچے ہوتے ہوں تندرستی خراب اور حسن و جوانی برباد ہو چکی ہو یہ آلہ تندرستی کا پیغام دیتا ہے۔ حمل سے روکنے سے ان کی خانگی زندگی سدھر جاتی ہے وہ اپنی موجودہ اولاد کی پرورش اچھی طرح سے کر سکتی ہیں۔ ترکیب استعمال بہت آسان کہ جب ضرورت ہو لگا کر کام میں لاؤ اور فارغ ہونے کے بعد بحفاظت رکھو۔ برسوں کام دیتا ہے۔ مضبوطی کی گارنٹی ساتھ دی جاتی ہے۔ قیمت فی عدد دو روپے چار آنے (عمار) محصول ڈاک ۸ ر علاوہ

مردانہ طاقت لینے والا آلہ

اس آلہ کو ایجاد کرنے والا ایک یورپین سائنسدان ہے۔ چند سکنڈ میں وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جس کے لئے ہزاروں بدنصیب لوگوں کی دوائیں حرام ہوئی پڑی ہیں کسی دوائی کی کوئی ضرورت نہیں نامردسے نامرد بھی کیوں نہ ہو اس کے استعمال سے جوانمرد بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہو جائیں گے اور زندگی بھر کبھی شرمسار نہ ہوں گے طاقت کا ایک عظیم اور کبھی ختم نہ ہونے والا خزانہ ہاتھ آ جائے گا۔ یورپ میں اس کی مہربانی سے ہزاروں اور لاکھوں انسان جن کی امنگوں پر پانی پھر چکا تھا اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور جوانی کو پھر حاصل کر کے زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ اگر آپ بچپن کی غلط کاریوں، جوانی کی زیادتیوں یا عضو خاص کے کمزور ڈھیلا۔ پتلا اور ٹیڑھا ہو جانے کی وجہ سے خالی ہاتھ ہو گئے ہوں تو آپ کو چاہیے کہ اس آلہ سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں قیمت پندرہ روپے۔ محصولڈاک ایک روپیہ تین آنے (یہ آلہ بالکل اصلی ہے اس کی قیمت پہلے پچاس روپے تھی)
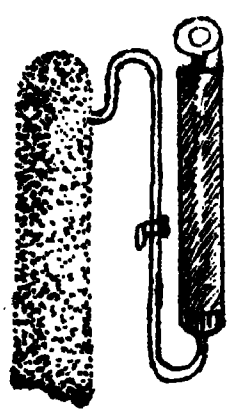
آلہ تسخیر محبوب

یہ ربڑ کا آلہ عجیب و غریب خواص رکھتا ہے بے حد لذیذ اور ممسک ہے۔ محبوب کو تسخیر کرنے اور بیوی کو غلام بنانے کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔ فرط لذت سے عورت مدہوش ہونے لگتی ہے۔ امساک کی فراوانی سے طرفین آفریں کے نعرے بلند کرنے لگتے ہیں ولایت میں اس آلہ کو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ قیمت فی عدد تین روپے (ایک آلہ مدت تک کام دیتا ہے) ڈاک خرچ علاوہ۔

زنانہ ورزشی جانگیا

بہت خوبصورت بنے ہوئے عورتوں کے جسم پر بالکل فٹ آتے ہیں۔ ورزش کرنے اور غسل کرنے کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں۔ جاپان خاص طور پر اس نرم و نازک جانگیا کو بنا کر بھیجا ہے بڑی ضروری چیز ہے اور یہ ماہواری کے دنوں میں بھی بڑا کام دیتا ہے۔ قیمت فی عدد ڈیڑھ روپیہ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

ان تمام چیزوں کے ملنے کا پتہ۔ سول ایجنٹ :- جرمنی ٹریڈ ایجنسی وصیا گنج دہلی

بگڑی ہوئی قسمت کیونکر بن سکتی ہے

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

ملک میں بہت سے خوش رو اور تندرست نوجوان آپ کو ایسے ملیں گے جن کی زبان پر یا تو قسمت کی ناسازگاری کی شکایت ہوگی یا کسی رشتہ دار یا دوست کی بے پروائی اور بے مہری کی۔ بارہا لوگوں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ ہم نے تو کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ قسمت ہی ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ انہوں نے کوشش بھی کی تھی اور محنت بھی، لیکن کھیتوں میں اگر صرف ہل چلا کر چھوڑ دیا جائے اور بیج نہ بویا جائے تو غلہ پیدا ہونے کی توقع کسی احمق ہی کو ہو سکتی ہے۔ اپنی قسمت کو گالیاں دینے اور اپنے نصیبوں کو اس طرح کوسنے والے فی الحقیقت آدھی کوشش اور ادھوری محنت کیا کرتے ہیں اور وقت سے پہلے دل برداشتہ ہو کر بیٹھ رہتے ہیں، ان کا عمل جوش سے اور ان کے دل طلب سے خالی ہوتے ہیں۔ وہ کام کرتے ہیں لیکن صرف اس لئے کہ ان پر نکمے اور سست ہونے کا الزام عائد نہ ہو وہ محنت کرتے ہیں لیکن صرف قطع محبت کے طور پر۔ انہیں اپنے مقصد سے سچی محبت نہیں ہوتی اور جو کام بھی کرتے ہیں صرف ہاتھ پیروں سے کرتے ہیں، دل سے کبھی نہیں کرتے۔

کامیابی صرف انہیں لوگوں کا حصہ ہے کہ جنہیں اپنے مقصد سے عشق ہو، اور جو اس دھن میں کچھ اس طرح محو ہو جائیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہ رہے۔ شیکسپیر کا مقولہ ہے کہ "جس محنت سے ہمیں مسرت حاصل ہو وہ دکھ درد سب کھو دیتی ہے" اور ایسی محنت صرف وہی ہو سکتی ہے کہ جو دل سے کی جائے۔ پیرس کی "گالیری دے بوزارت" (فنون لطیفہ کا عجائب خانہ) میں ایک نہایت حسین مجسمہ رکھا ہوا ہے۔ اس مجسمہ کا بنانے والا ایک بہت ہی غریب سنگتراش تھا جسے رہنے کے لئے گھر تک میسر نہ تھا اس نے کھریا مٹی کا مجسمہ بنایا تھا اور جب وہ تقریباً مکمل ہو چکا تو ایک رات پیرس میں سخت برفباری ہوئی۔ اس غریب سنگتراش کو اندیشہ ہوا کہ اگر کہیں مٹی کی درزوں میں پانی جم گیا تو مجسمہ کے حسین خد و خال سب بگڑ جائیں گے، اس نے اپنے اوڑھنے اور بچھانے کے تمام کمبل اپنی اس عزیز اور گرانبہا صنعت پر لپیٹ دیئے۔ اور خود تمام شب اپنے معمولی کپڑوں میں گزاری، اور صبح ہونے سے پہلے اپنے مقصد کی دیوی پر قربان ہو گیا لیکن چونکہ اس کا خیال اس مجسمہ میں ظاہر ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کے مرنے کے بعد دوسرے صناعوں نے اسے سنگ مرمر سے بنا کر مکمل کر دیا۔

ہنری کلے کہا کرتا تھا کہ "مجھے دوسروں کا حال تو معلوم نہیں کہ ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ لیکن میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب میں کسی اہم مسئلہ پر تقریر کرتا ہوں تو مجھے مطلقاً اپنا ہوش نہیں رہتا اور اس مضمون میں اس درجہ منہمک اور مستغرق ہو جاتا ہوں کہ نہ وقت کی خبر رہتی ہے، نہ گرد و پیش کی چیزوں کی، اور نہ خود اپنی۔" ہنری کلے کے ایسے جوش عمل اور طلب صادق نے اسے شہرت کے آسمان پر بٹھا دیا اور اسے اپنی عمر میں ایک مرتبہ بھی "ناسازی بخت" کی شکایت کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ہمارے ملک کی مائیں اکثر اپنی نوجوان لڑکیوں کو کسی کام کی تعلیم دیتے وقت کہا کرتی ہیں کہ "کام میں دیدہ تو لگتا ہی نہیں، کام ٹھیک کیسے ہو" یہ بالکل صحیح ہے۔ کوئی کام درستی کے ساتھ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں "دیدہ نہ لگے" آنکھیں اس کے سوا کسی اور چیز کو نہ دیکھیں کان اس کے سوا کوئی اور آواز نہ سنیں، اور دل میں اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال نہ آئے، اور یہ سرگرمی اور یہ جوش اس وقت تک برابر قائم رہے کہ جب تک کام پورا نہ ہو جائے۔

ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا مقولہ ہے کہ "بینک ہرگز اس وقت تک کامیاب نہیں ہوا کرتا جب تک بینک کا منیجر بینک کو اپنے ہمراہ اپنے بستر پر نہ لیجانے لگے" یعنی اس کے خیال میں اس درجہ منہمک نہ ہو جائے کہ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے اس کے دماغ میں ہر وقت بینک ہی کا خیال ہو۔ اس قدر شغف اور انہماک سے انسان کو کبھی تکلیف نہیں پہنچا کرتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک لذت اور ایک مسرت محسوس ہوا کرتی ہے اور ایسے کام بھی جو بالکل غیر دلچسپ اور خشک ہیں اچھے خاصے دلکش اور دلاویز بن جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر انشاء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تیرہ چودہ برس کا ایک لڑکا ان کے پاس گیا۔ اور ان سے بڑی لجاجت کے ساتھ کہنے لگا "میرا جی شعر کہنے کو بہت چاہتا ہے آپ مجھے شعر کہنا سکھا دیجئے۔"

انشا مسکرائے اور بولے کہ "صاحبزادے ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ ابھی سے شعر کہنے کی ایسی کیا جلدی ہے۔ جب بڑے ہو جاؤ گے

کر .... طرح دوسروں سے شعر لکھ کر چھپا
لیں پھر ...... میرے دل کو شعر سے عشق تھا اور جب تک میں شعر
کہنا .... ہم چھپنا نہیں چاہتا تھا۔"

الشاعر ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور ان کے اشعار
پڑھ کر بڑے سخن فہم وجد کرتے ہیں۔ لیکن ان صاحبزادے نے شاید
کبھی ایک شعر بھی نہ کہا، یا اگر دو چار غزلیں کہی ہوں تو وہ اس قابل
نہ تھیں کہ کوئی ان کی طرف توجہ کرتا۔ حالانکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ
جوان ہو کر ان صاحبزادے نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے دوستوں
کے سامنے یہ کہا ہو کہ "ہم نے تو بڑی بڑی کوششیں کیں، اور
...... جیسے استاد کی خدمت میں بھی گئے مگر شاعری ہمارے نصیب
ہی میں نہ تھی"۔

انگلستان کے مشہور وزیر اعظم مسٹر گلیڈ اسٹون نے ایک مرتبہ کہا
تھا کہ "حقیقتاً جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بچے میں جو کام کرنے کی
روح ہے اسے بیدار کر دیا جائے۔ ہر بچہ میں کسی نہ کسی حد تک یہ مادہ
موجود ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں کوئی بھلا کام کرے، اور اگر ان کی نیت بخیر

...... ان میں ...... مستقل مزاجی بھی پیدا ہو
جائے تو ان کی ناکامیاں ان کی قوت ارادی سے مغلوب ہو کر
دور ہو جائیں گی"۔

شاہجہانپور میں ایک خاں صاحب شطرنج کے اس قدر
شائق تھے کہ اکثر صبح کے وقت وہ اپنے گھر سے روزمرہ کا سودا خریدنے
کے لئے نکلتے، اور اگر اتفاق سے اُن لالہ صاحب کی دکان کی
طرف جا نکلے کہ جن کے ساتھ ان کی شطرنج ہوا کرتی تھی تو گوشت
ترکاری سب کچھ رومال میں لپٹا ہوا ان کے پاس رکھا رہتا
ان کی بیوی بچے گھر پر بھوکے پڑے رہتے، اور وہ تمام دن اور
تقریباً نصف شب شطرنج میں گزار کر رات کے بارہ بجے گھر پہنچتے۔ ان
کا یہ انہماک ایک لغو اور فضول کام میں تھا۔ لیکن اگر انہیں صحیح راستہ
پر ڈالا جا سکتا تو مفید اور اچھے کام بھی وہ اسی قدر گرمجوشی کے ساتھ
کرتے۔ ہم اس وقت تک کسی کام میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک
اسے پورا کرنے کیلئے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے
پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اور یہ عزم نہ کر لیں کہ یا تو کامیاب ہوں گے
یا اپنی جان تک دے دیں گے۔

حیرت انگیز واقعات

بادشاہوں کی تاریخ میں صرف ایک مثال اس قسم کی ملتی ہے جس میں ایک بادشاہ کی رسم تاج پوشی اس کی پیدائش سے پہلے ادا کی گئی ہو۔ ایران کے شاہ شاہپور ثانی جس نے ۳۱۰ء سے ۳۷۹ء تک حکومت کی اس کے باپ شاہپور اول نے انتقال کیا۔ تو ملک میں اس کے جانشین کی تخت نشینی کا مطالبہ اس زور سے ہوا۔ کہ وزراء نے اس کے بیٹے کی تاج پوشی کی رسم اس کی پیدائش سے تین دن پہلے ادا کر دی۔ اس غرض سے تاج کو اس کے پنگوڑے کے سرہانے رکھ دیا۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کرہ ارض کو معرض وجود میں آئے ۱۲ گھنٹے گزرے ہیں۔ تو اس حساب سے انسانی زندگی کی ساری تاریخ جس میں اس کی وحشت و جاہلیت اور تہذیب و ترقی کے مراحل شامل ہیں۔ ۵ سکنڈ کی مدت میں سما جائے گی۔

Malleus Maleficarum "سحر نامہ"

ایک لاطینی کتاب کا عنوان ہے۔ جو ۱۵۰۶ء میں اس غرض سے مرتب کی گئی۔ کہ اس کے مندرجہ قواعد و ضوابط کے مطابق ان عورتوں کو سزائیں دی جائیں۔ جن کے خلاف سحر یا جادوگری کا جرم پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ اس کی رو سے ۱۲ لاکھ بے گناہ عورتوں کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔

اٹلی کے ظالم تاجدار نیرو نے اپنے دشمنوں کا خاتمہ کرنے کی غرض سے لوستا نامی ایک عورت کو سرکاری طور پر ملازم رکھ چھوڑا تھا۔ جس کا یہ کام تھا کہ وہ مختلف قسم کے زہر تیار رکھے۔ اور بادشاہ کی ہدایت کے مطابق انہیں کھانے یا شراب میں ملا کر مہمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس عورت نے اپنی تجربہ گاہ میں مختلف اقسام کے زہروں کی تیزی اور اثر پرکھنے کے لئے بطور تجربہ دس ہزار غلاموں کو ہلاک کر دیا۔

زار نکولس اول گاڑی پر سیر کرنے کے بعد سینٹ پیٹرز برگ میں اپنے شاہی محل کے دروازہ پر آیا۔ جہاں اس کی ایک رجمنٹ فوجی سلامی دینے کی غرض سے صف آرا تھی۔ زار نے دیوانگی کے عالم میں سپاہیوں کو حکم دیکر ان کا رخ سائبیریا کی جانب پھیر دیا۔ اور "فوراً مارچ" یعنی کوچ کرنے کا حکم دے کر محل کے اندر داخل ہو گیا۔ شاہی حکم کو کون واپس لے سکتا تھا۔ فوجی افسران سپاہیوں کو کوچ کراتا ہوا سائبیریا تک لے گیا۔ جہاں یہ سب کے سب سردی سے اکڑ کر ہلاک ہو گئے۔

زمانہ قریب کا ذکر ہے۔ کہ شانگھائی میں مشہور چینی فلم سٹار رنگ یو نے اس بنا پر خودکشی کر لی کہ اس کے خاوند نے اسے ایک غیر مرد ٹامنگ نامی چینی سوداگر کے ساتھ اظہار محبت کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس چینی ایکٹرس کے ساتھ ایک اور ایکٹرس مس پی سان متبادل اداکار کے طور پر کام کیا کرتی تھی۔ اس نے جب لنگ یو کی موت کی خبر سنی۔ اپنی کلائیوں کی رگوں کو استرے سے کاٹ ڈالا۔ اور ہلاک ہو گئی۔ ایک سن رسیدہ عورت مسز سی چانس گھر سے دوڑتی ہوئی لنگ یو کے ماتمی جلوس میں شریک ہو گئی اور گھر واپس آ کر اس نے زہر پی لیا اور جان دے دی۔ ایک نوجوان چینی لڑکی فلم میں خادمہ کی حیثیت میں کام کرتی تھی۔ اس نے زہر پی کر ایک رقعہ لکھ دیا۔ کہ میں بھی تالین کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ایک درجن آدمیوں نے خود کو ہلاک کر دیا۔ خودکشی کی یہ وبا ہانگ کانگ تک جا پہنچی۔ جہاں پانچ مزدور لڑکوں نے کئی ہفتوں تک ایک ایک دو دو پیسے جمع کر کے اتنی رقم بنائی تھی۔ کہ وہ لنگ یو کی تازہ ترین فلم دیکھ سکیں انہوں نے اس فلم کو دیکھا اور یہ بھی سنا کہ اس کی ہیروئن لنگ یو نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ تماشہ دیکھنے کے بعد چیختے ہوئے سینما ہال سے باہر نکلے۔ اور شہر کے باہر دریا میں کود پڑے۔ اور ڈوب گئے۔

صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں فرانس اور جرمنی کے پچاس ہزار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شہروں اور دیہات سے نکل کر اس ارادہ سے جمع ہو گئیں کہ ہم یروشلم پہنچ کر حضرت یسوع مسیح کے مقبرہ کو سلاسانی حکمرانوں کے پنجے سے چھڑائیں گے حیرانی کی بات ہے کہ بچے ہاتھوں میں چھڑیاں اور جھنڈے لئے بغیر کسی زاد راہ کے حضرت عیسیٰ ہماری مقدس صلیب ہمیں واپس دے دو کے نعرے بلند کرتے ہوئے اس دور دراز سفر کو چل پڑے اور انہیں کسی بزرگ یا حاکم نے نہ ٹوکا راستہ کی مصیبتوں اور بھوک پیاس کی شدت سے ان میں اکثر تو ہلاک ہو گئے اور [illegible]

[illegible] میں فروخت ہو گئے۔ ۱۲۱۲ء کا واقعہ ہے۔

سنہری موتی

سرچشمۂ ہلاکت۔ تین چیزیں ہلاکت کا سرچشمہ ہیں۔ بخل، ہوائے نفس، اور خود بینی۔

عاقل و جاہل۔ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ملامت کرے، اور عبادت میں مشغول ہو۔ جاہل وہ ہے جو ہوائے نفس کا اسیر ہو اور جھوٹی امید رکھے۔

علم و عمل۔ علم سے دین و دنیا کی خوبیاں وابستہ ہیں، اور جہل سے دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔

حکمت۔ حکمت سے شرافت بڑھتی اور شاہانہ عزت حاصل ہوتی ہے۔

علم و دولت۔ بدترین عالم وہ ہے جو دولت مند کا محتاج ہو، اور بہترین امیر وہ ہے جو عالم کا خواستگار ہو۔

حیا۔ حیا ایمان کا شعبہ ہے۔

حسد۔ حسد نیکیوں کو اس طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

غصہ۔ غصہ سے ایمان اس طرح خراب ہوتا ہے۔ جیسے ایلوے سے شہد۔ سب سے بڑا اولاد وہ ہے جو غضب کی حالت میں اپنے نفس پر غالب ہو۔ غصہ میں فیصلہ کرنا نہ چاہئے۔

منافق۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جھوٹ۔ بے وفائی۔ خیانت۔

بہت ہنسنا۔ بہت ہنسنا دلوں کو مردہ کرتا ہے۔

شراب۔ شراب تمام برائیوں کی ماں ہے۔

والدین۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔ تاکہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ بھلائی کرے۔ والدین کی رضا خدا کی رضا ہے۔

ماں کا درجہ۔ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

شکر گزاری۔ جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا۔ خدا کا شکر نہیں کرتا۔

مہربانی۔ جو مہربانی نہیں کرتا، مہربانی نہیں کیا جاتا۔

دق وسل کے مریضوں کو مژدہ صحت

آج کل ہندوستان میں دق اور سل جیسی خطرناک بیماریاں بہت کثرت سے پھیلی ہوئی ہیں ہزاروں قیمتی جانیں اس جان لیوا مرض کی نذر ہو جاتی ہیں ۔ سینکڑوں خوش وخرم گھرانے اس کی وجہ سے ماتم کدہ بنے ہوئے ہیں۔ اطباء کرام کا فرض ہے کہ ایسے متعدی اور مہلک امراض کے معالجہ کی تحقیقات کریں اور اپنی تحقیق وتدقیق کے نتائج دنیا کے سامنے پیش کرکے پیام صحت پہونچائیں مشکل یہ ہے کہ اطباء کو امساک کی گولیوں کی تحقیق اور مقوی باہ طلاؤں کی تحقیقات سے فرصت نہیں "ہمدرد دواخانہ" میں جو خدمت خلق وفن میں امتیاز خصوصی رکھتا ہے۔ اور اپنی اسی ہمدردی اور خدمت ہی کی وجہ سے آج دنیا میں طب یونانی کا سب سے بڑا کامیاب اور منظم دواخانہ ہے۔ اس مرض کے متعلق ایک عرصہ سے تجربات کئے جا رہے تھے اور شافی علاج کی جستجو جاری تھی الحمد للہ ان مبارک کوششوں میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ

اب ہم اس قابل ہوئے کہ دق، سل اور پرانے بخار وغیرہ کے مریضوں کو مژدہ صحت سنائیں تاکہ وہ ان جان لیوا امراض کے چنگل سے رہائی حاصل کریں۔ اگر آپ بھی خدانخواستہ ان امراض میں مبتلا ہوں تو ہمدرد دواخانہ دہلی کے تیار شدہ دو لاثانی وصحت بخش مجربات خصوصی

یعنی
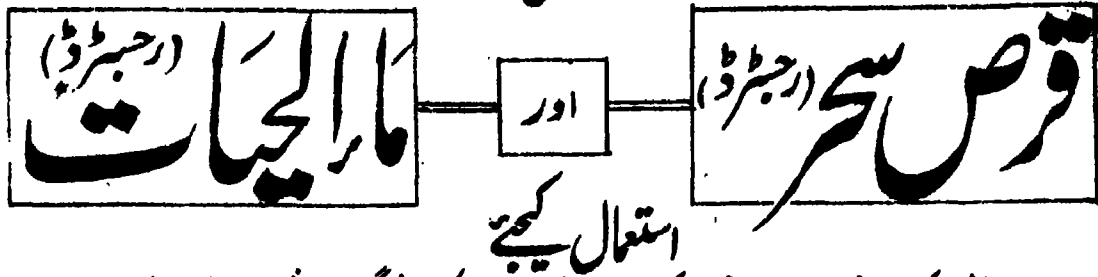
استعمال کیجئے

اور قدرت کا تماشہ دیکھئے ۹۵ فی صدی ایسے مریض جن کی دق اور سل تیسرے درجہ تک پہونچ گئی تھی جراثیم مرض کا غلبہ انتہا پر تھا اور وہ محض پوست واستخواں کا ایک مجموعہ تھے ان دو عجیب وغریب دواؤں کے استعمال سے تندرست وتوانا ہوگئے۔ جراثیم مرض کا قلع قمع ہوگیا مریض کی قوت جو ضعف کے انتہائی درجہ طے کر رہی تھی سنبھل گئی اور اپنے اہل وعیال کیلئے سرمایہ عیش ومسرت ہوگئے ان ادویہ کے استعمال کی مدت مرض کے درجات پر موقوف ہے۔ لیکن انتہائی درجات میں بھی چالیس روز میں صحت کلی ہو جاتی ہے۔

ترکیب استعمال وہدایات

بالکل آسان وسادہ ہیں۔ صبح کو "قرص سحر" ایک عدد منہ میں ڈال کر اوپر سے "ماء الحیات" پانچ تولہ پی لیجئے اور ترش وثقیل چیزوں سے پرہیز کیجئے۔ فواکہات میں انار، انگور، سنگترہ۔ استعمال کیجئے۔ غذا نرم اور زود ہضم کھائیں۔ آش جو۔ ساگودانہ وغیرہ ہو تو زیادہ مناسب ہے۔

قرص سحر (رجسٹرڈ) قیمت فی قرص دو آنہ " ماء الحیات " (رجسٹرڈ) قیمت فی بوتل جو بارہ روز کے لئے ہے صرف دو روپے (عہ) زیادہ وزن کا پارسل ریلوے سے منگانے میں کفایت ہے ریلوے پارسل کے لئے چہارم قیمت پیشگی روانہ کرنی چاہیئے۔

ٹیلیفون ۵۰۰ ۵ چہلی — **منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی** — تار کا پتہ "ہمدرد" دہلی

جواہرات سے تولنے کے قابل چند خاص مجربات

پھیلی ہوئی منیف ہے کہ بازاری دوا فروشوں نے اخبارات میں عجیب و غریب اشتہارات دے رکھے ہیں مگر بہت سے اشتہارات دیکر تجارت کو بدنام کر دیا ہے اور جو لوگ حقیقت میں پبلک کی کچھ خدمت کرکے ایمانداری سے روزی کما سکتے ہیں وہ بھی چنے کے ساتھ گھن کی طرح پس رہے ہیں لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں اگر آپ مایوس ہوتے ہوتے بیزار ہو گئے ہیں اور ضرور ... ہونے کے باوجود اشتہاری ادویات خریدنے کا عہد کر لیا ہے تو خدا پر بھروسہ کرکے آخری مرتبہ ذیل کی ادویات طلب کیجئے ان میں سے ہر دوا کے اکسیر اور تیر بہدف ہونے کا دعویٰ ... دوائیں وہ ہیں جو سلاطین کے خزانوں میں جواہرات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں ہر دوا گنتی اور اعجاز نما اثر رکھتی ہے مبالغہ و اشتہاری لفاظی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ وہی لکھا گیا ہے جو ہزاروں بار تجربہ اور مشاہدہ میں آچکا ہے۔ منگائیے اور دائمی فائدہ اٹھائیے۔ خط و کتابت کے وقت اپنا نام و پتہ صاف تحریر کریں ایک دوا کا بھی محصول ڈاک ... آنے ہوگا اور تمام ادویات پر ...

جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے یا خلاف فطرت فعل یا عیاشی اور کثرت جماع سے اپنی جوانی برباد کر لی ہے جس سے سستی نامردی کمزوری کجی اور لاغری کی شکایت ہو گئی ہے دنیا کی مسرتوں سے بے بہرہ محض بیکار اور زندگی سے لاچار انسان ہیں ان کے لئے "سیکسول طلا" سے بہتر طلا دنیا کے پردہ پر نہیں ملیگا صرف ایک ہفتہ کے استعمال سے رگوں پٹھوں میں نئی زندگی اور غضب کی سختی اور ناقابل برداشت تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس کے اظہار سے تہذیب مانع ہے نہ آبلہ کرتا ہے نہ سوزش ہوتی ہے نہ پان باندھنے کی ضرورت نہ بیج کی نہ موسم کی پابندی نہ عمر کی قید سب کے لئے اعجاز کا کام دیتا ہے۔ قیمت ایک ڈرام والی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنے۔ دو ڈرام والی شیشی دو روپے آٹھ آنے علاوہ محصول۔

سیکسول ٹانک پلز

اگر آپ کے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور تندرستی خراب ہو رہی ہے مرغن غذا ہضم نہیں ہوتی یا پیرانہ سالی یا متواتر عیاشی کی وجہ سے جوانی برباد کر بیٹھے ہیں تو آخری مرتبہ سیکسول ٹانک پلز ضرور استعمال کیجئے جو چہرہ کو سرخ سفید عضلات اور پٹھوں کو مضبوط اور دماغ اور خلیہ کو قوی کرکے مردہ جسم میں جوانی کی لہر اور نئی زندگی پیدا کر دیں گی ساٹھ سال کے تیس سالہ جوان اور جوان تو بالکل نوجوان بن جاتے ہیں قیمت سولہ گولی کی شیشی دو روپے تیس گولی والی شیشی تین روپے بارہ آنے علاوہ محصول

سیکسول ریٹینو پلز

یہ گولیاں امساک کے لئے نایاب ہیں وقت پریشانی سے بچا لیتی ہیں سرعت کی شکایت بالکل نہیں ہوتی مغرور محبوبہ اپنے احساسات کو چھپا نہیں سکتی اور بے خودی میں چور ہو کر دارفتہ ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے غلام بے دام بن جاتی ہے۔ اس سے بہتر امساک کی گولیاں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ قیمت بارہ گولی والی شیشی ایک روپیہ بارہ آنے چوبیس گولی والی شیشی تین روپے چار آنے (تین روپے) علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:- ویسٹرن میڈیکل اسٹور انگریزی دوا فروشان اردو بازار جامع مسجد دہلی

محشر خیال
علمی، ادبی، سیاسی، تاریخی مضامین، روح پرور نظمیں اور افسانے

جادو کی گھڑی خرید لیجئے

یہ وہ گھڑی ہے جو ہندوستان میں بکثرت فروخت ہو رہی ہے

اس گھڑی کا کیس بجد چمکدار ہے جو رنگ نہیں بدلتا۔ شیپ نہایت خوبصورت اور اپٹوڈیٹ ہے مشین کے پرزے اس قسم کے فولادی دھات کے لگائے گئے ہیں کہ باوجود گر جانے کے بھی کوئی صدمہ نہیں پہونچتا اور برابر چلتی رہتی ہے۔ شیشہ اتنا مضبوط ہے کہ ایک دو مرتبہ ضرب لگنے سے بال برابر نقصان نہیں آتا۔ اس گھڑی کے کاریگر نے پرزے اس قسم کی سائنٹفک دھات کے بنائے ہیں کہ نہ تو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ بند ہونے کا نام لیتی ہے اس لئے کمپنی کی طرف سے دس سال کی گارنٹی گھڑی پر دیجاتی ہے تمام کی اتنی اچھی اور دو سو روپے کی گھڑی بھی کیا مقابلہ کرے گی۔ جن حضرات کو خوبصورت مردانہ کلائی کی مذکورہ صفات کی گھڑی کی ضرورت ہو وہ بالکل بھروسے کے ساتھ آج ہی آرڈر دیدیں کیونکہ اب بہت ہی تھوڑی تعداد میں باقی ہیں جو ہاتھوں ہاتھ نکل جانے کے بعد نہ مل سکیں گی۔ اس گھڑی کا نام سنئے لیو۔ پیشوا جیبی ہے قیمت ایک عدد پانچ روپے چار آنے تین عدد منگانے پر ڈاک خرچ نہیں لیا جاتا۔ ایک گھڑی پر دس آنے ڈاک خرچ ہوگا۔

ہر قسم کی گھڑیوں کے مشہور فروخت کنندہ

لی کے برادرس اینڈ کو فولاد خاں اسٹریٹ دہلی

ایک قطرہ کا کرشمہ

امریکن ڈاکٹر کی حیرت انگیز ایجاد زبونینگ آئل"

یہ وہ حیرت انگیز ایجاد ہے جس کے ایک قطرہ میں مردی طاقت پوشیدہ ہے۔ نہ پان باندھنے کی ضرورت اور نہ کپڑا لپیٹنے کی حاجت۔ صرف ایک قطرہ لگائیے اور فوراً اثر دیکھئے دنیا کے کمزوروں کو یہ دوا آب حیات ثابت ہو رہی ہے۔ امریکن ڈاکٹر نے کئی سال میں یہ دوا تیار کی اس کے بعد عام اعلان کیا گیا ہے۔ ایک شیشی میں ۲۴ بار کے لئے دوا ہوتی ہے۔ قیمت فی شیشی دو روپے سات آنے۔ محصولڈاک پر سات آنے خرچ ہوں گے۔

خوش کرو ——— خوش رہو!

اساک کی ایسی دوا جو حقیقتاً بے ضرر ہو اور فائدہ میں زود اثر ہو بڑی مدت کے بعد ہم کو حاصل ہوئی ہے اسمیں مضرت صحت یا منشی جز ذرہ برابر نہیں ہے صرف دواؤں اور کیمیائی ترکیب کو اس کے تیار کرنے میں دخل ہے۔ اب دنیا میں امساک کی یہ ایسی اکسیری دوا تقسیم کر دی گئی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ایک گولی سے اس وقت تک اثر رہتا ہے جب تک نمک یا ترشی کا استعمال نہ کیا جائے۔ سرعت کی شکایت کو دور کرنے اور شرمندگی سے بچانے میں خوشخوتی نے یہ ایجاد ہے۔ قیمت فی شیشی ایک درجن دو روپے۔

کس کو سناؤں غم کی کہانی

میری حسرت نصیب زندگی کا دکھڑا بڑا دردناک ہے۔ جب کبھی خیال آجاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے یہ سب کچھ سنانا چاہتا ہوں جو میری طرح زندگی کو برباد کر چکے ہوں!

اب دو سال پہلے کی بات ہے کہ میں بُری صحبتوں میں رہ کر عادت بد کا مرتکب ہوا اور اس عادت میں ایسا لطف محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بھر کی لذتیں اس کام کے سامنے ہیچ معلوم دینے لگیں۔ چنانچہ دن رات میں جس کسی وقت بھی فرصت مل جاتی میں اپنے ہاتھوں سے جوانی کے جوہر کو برباد کرنے میں تامل نہ کرتا۔ یہ عادت مجھ میں دو سال تک رہی۔ ایک سال ہی میں میری صحت گرنے لگی۔ مگر میں نے اس کی پرواہ نہ کی دوسرے سال میں جب چہرہ کی رونق جاتی رہی اور ہاتھ پیروں نے جواب دینا شروع کر دیا تو میری اس حالت کو دیکھ کر گھر کے لوگوں نے مجھ سے تعجب سے پوچھنا شروع کیا کہ آخر یہ حالت کیوں ہو گئی۔ میں حالت کو بتلاتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا۔ آخر ایک دوست کے ذریعہ میری اس دردناک کیفیت کا راز معلوم ہوا تو سب نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا۔ آخر ڈاکٹروں اور حکیموں کے ذریعہ میری اس حرکت کا راز افشا ہوا۔ بہتیرے علاج ہوئے مگر گئی جوانی کہاں مل سکتی تھی۔ میں ان زر پرستوں کے ہاتھوں کافی دولت لٹا بیٹھا۔ خدا شاہد ہے۔ میری صحت اور گرنے لگی آخر تھک گیا اور جی اکتا گیا کہ اب کسی علاج سے آرام نہیں ہوگا۔ اپنی زندگی کا خاتمہ کرنا ہی بہترین کام ہے نہ یہ جان ہوگی اور نہ ناکامی اور شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اور دنیا میں ذلیل و رسوا ہونے سے بچ جاؤں گا۔

خدا بھلا کرے ایک ہمدرد انسان کا جس نے میری یہ حالت دیکھ کر نیک مشورہ دیا۔ کہنے لگے میاں صاحبزادے تمہاری زندگی سنبھل جائے گی گھبراؤ نہیں اور میرے کہنے پر عمل کرو تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے۔ میں نے ان بزرگ کی تسلی اور مشورہ دینے پر **اکسیری دواخانہ کلاں محل دہلی** کے طبیب خاص کی ایجادات "جیند" اور "طلائے خاص" سے علاج کیا۔ یہ علاج چالیس یوم کا ہے۔ مگر خدا طبیب مذکور کو ہر آفت ارضی و سماوی سے بچائے کہ ایسی دوائیں ایجاد کر کے مجھ جیسے حرماں نصیبوں کے لئے صحت کا دروازہ کھول دیا اور میں پورے چالیس روز میں بالکل ویسا ہی نیا جوش اور جذبات کا مالک بن گیا جیسا کہ نوخیز جوانی میں ہوتی ہے۔ یہ دوائیں تھیں یا برقی لہریں کہ جتنے دن گزرتے گئے عجیب کیفیت پیدا ہوتی گئی۔

نصیحت } میری ایسے نوجوانوں کو بصد ادب نصیحت ہے کہ وہ جلق جیسے برے فعل سے توبہ کر لیں اور اپنا صحیح علاج **اکسیری دواخانہ کلاں محل دہلی** کے طبیب کی ایجادات سے کریں جنہوں نے جلق زدہ مریضوں کا ایسا علاج دریافت کیا ہے جو یقیناً بے خطا ہے۔ اور اس علاج سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ہزارہا بد عادت کے مبتلاؤں کو نئی زندگی دی ہے۔ اس چالیس روز کے کورس کی قیمت صرف دواؤں کی لاگت پر رکھی گئی ہے۔ یعنی صرف پانچ روپے چار آنے ہے۔ ڈاک کے خرچ پر آٹھ آنے لگیں گے۔ آرڈر کے ساتھ مرض کی کیفیت ضرور لکھیں تاکہ غور کرنے کے بعد دوائیں بھیجی جائیں ——— راقم "ایک ہمدرد"

جنوری
۲
پستول چلاؤ — ڈالو — بھگاؤ
چھ فیر والا امریکن پستول ہر شخص اپنے پاس رکھ سکتا ہے
امریکہ والے بھی ایسے غضب کے بنے ہوئے ہیں کہ سائنس کی ایجادات کے مقابلے میں دوسرے ملکوں کا مقابلہ بڑی دیر تک کرتے ہیں۔ چنانچہ شیونز کمپنی ریوالور
یو۔ایس۔اے نے نیا طریقہ سے آج اس حیرت خیز ایجاد سے تمام دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یعنی اس فیکٹری نے ایک ایسا پستول ایجاد کیا ہے۔ جو بالکل اصلی کی مانند ہے اور اصلی پستول
کی طرح اس میں بھی چھ خانے بنے ہیں اور چھ کارتوس ایک دفعہ بھر لئے جاتے ہیں اور کھٹکا دبانے سے ہر خانہ گھوڑے کے سامنے آتا جاتا ہے۔ اور اس پر گھوڑے کی ضرب
سے دباؤ پڑتا ہے۔ اور یکدم اس زور سے چھوٹنے کی آواز آتی ہے کہ اصلی پستول کی آواز بھی اس کے سامنے کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ ایسی کارآمد چیز ہے کہ ہر شخص اسکو اپنے پاس رکھنے
پر مجبور ہو رہا ہے۔ سفر میں سیر و شکار میں جنگل کے ڈاکوؤں، چوروں، بدمعاشوں اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کیلئے اسکو اپنے پاس رکھنا بہت ضروری ہے۔ مال کی حفاظت جان
کے بچاؤ کے لئے اگر آپ اس پستول کو چند روپے میں خرید لیں گے تو بڑے فائدہ میں رہیں گے۔ ایسی کارآمد چیز بار بار نہیں ملا کرتی۔ کیا خبر ہے کہ آئندہ یہ پستول نہ مل سکیں اور آپ
اس چیز سے محروم رہ جائیں۔ اس پستول کا وزن ۱۲ اونس ہے جیب میں آسانی سے رکھ لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ پچیس کارتوس مفت دئے جاتے ہیں۔ ایک
پستول کی قیمت چار روپے آٹھ آنے (عہ) محصولڈاک گیارہ آنے علاوہ
علیحدہ کارتوس ایک روپیہ (عہ) سیکڑہ کے حساب سے ملتے ہیں۔
ملنے کا پتہ: بی کے برادرس اینڈ کمپنی فولادخاں اسٹریٹ ۵ دہلی
نئی شادی کا لطف اٹھائیے
لذتین: وقت سے پہلے ذرا سی دوا لگانے سے لذت سے بیتاب کر دیتی ہے کیسی ہی مغرور عورت ہو۔ اس کے استعمال کے بعد گرویدہ ہو جاتی ہے اور اس کو تاب نہیں رہتی اس دوا کو لذت کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔
کیف پرور: امساک کی لاجواب گولیاں۔ ایک گولی کھانی اور مقصود کار ہو گئے اور خوب داد عیش دی امساک کا پورا لطف ان گولیوں میں ہے قیمت ایک شیشی ایک درجن گولی۔
پرکیف: دوشیزگی کا صحیح لطف اٹھانے کیلئے وقت سے دو منٹ پہلے ذرا سی دوا اندر رکھی جاتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نئی شادی کا کیف حاصل ہو رہا ہے۔
سہاگ: یہ خاص قسم کی خوشبو ہے۔ وقت خاص پر اسکی ذرا سی بو بیخود کرتی اور انبساط و عیش کیلئے روح کو فرحت دیتی ہے ایک قطرہ سے ہی کم محبوبہ کے نازک جسم پر مل دینے سے سرور ہی سرور پیدا ہو جاتا ہے۔
مذکورہ چاروں دواؤں کا بکس صرف شادی شدہ حضرات کے لئے کارآمد ہے۔ محبوب کو مسخر اور امساک و لطف و سرور کا سماں باندھنے کیلئے ان چاروں دواؤں کا بکس تیار کیا گیا ہے۔ علیحدہ علیحدہ قیمت کے حساب سے دس روپے قیمت ہوتی ہے یکجائی بکس "کیف انگیز" کی قیمت پانچ روپے (عہ) ہے ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔
دکھیں ایک بھی دوا ناکام ثابت ہو تو پوری قیمت مع محصول ڈاک واپس کی جائے گی
منگانے کا پتہ: سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل نمبر ۵ دہلی
سوزاک برباد
"بالمون" سوزاک کے مریضوں کی صداؤں کو سنتی ہے اور ان کی رہبری کرتی ہے۔ سوزاک کے تڑپتے ہوئے مریض تندرست ہو جاتے ہیں اور ان کی آہ و زاری خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ "بالمون" دوا سوزاک کے لئے اکسیر ہے۔ مریض کو خاک میں ملا دینے والی دوا ہے بیس روز میں سوزاک کو دفن کر دیتی ہے کیسی ہی پرانی ہو پہلی خوراک سے صحت کی علامت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ ایک شیشی میں بیس خوراک دوا ہوتی ہے قیمت فی شیشی دو روپے دس آنے (عہ) محصول ڈاک آٹھ آنے (عہ)
منگانے کا پتہ: اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی

اُردو زبان کا سب سے ارزاں و بہترین

محشرِ خیال دہلی

ادارۂ تحریر:- عبداللہ فاروقی۔ وحشی آروی۔
پروپرائٹر:- محمد عبدالحق فاروقی

چندہ سالانہ ہندوستان سے بذریعہ منی آرڈر ایک روپیہ بذریعہ وی پی چھ آنہ برابر ہے۔ ذریعہ منی آرڈر سوا روپیہ ذریعہ وی۔ پی ڈیڑھ روپیہ غیر ممالک سے چار شلنگ۔

جلد ۱۱ جنوری سنہ ۱۹[illegible]ء نمبر ۲

فہرست مضامین

ایک روپیہ سالانہ میں خریداروں کو علاوہ عام پرچوں کے تین نمبر دو خصوصی نمبر سالنامہ افسانہ نمبر مفت دئے جاتے ہیں

خریداران محشرِ خیال کو بالکل مفت دیا جائیگا

سالنامہ محشرِ خیال

مارچ ۱۹۴۰ء میں بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوگا

اس نمبر میں ہاف ٹون بلاک کی ایک درجن تصاویر ہوں گی۔ جذبات انگیز نظمیں اور شاعرانِ باکمال کی چیدہ چیدہ غزلیں شائع ہوں گی تاریخی و اصلاحی افسانے اور مضامین درج ہوں گے۔ غرضیکہ اس نمبر میں ہندوستان کے تمام بلند پایہ مضمون نگار حضرات حصہ لیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی خوبیاں گزشتہ تمام نمبروں سے بالاتر ہوں گی اور آپ اس نمبر کو پڑھکر داد دیے بغیر نہ رہیں گے۔

اردو ادب کا ہیجان انگیز شاہکار

خواتین کے لئے دلپسند مضامین خود انہی کے قلم سے آپ اس نمبر میں دیکھیں گے

آپ اگر رسالہ کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ روانہ کر کے خریدار بنجائیے تاکہ سالنامہ آپ حاصل کر سکیں۔

اگر آپ پہلے سے خریدار ہیں تو سلسلہ خریداری بند نہ کیجئے۔ اس طرح سالنامہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ محشرِ خیال مقبول عام اور کثیر الاشاعت رسالہ ہے۔ مشتہرین اور ایجنٹ صاحبان خط و کتابت سے معاملہ طے کر لیں۔

منیجر رسالہ محشرِ خیال کلاں محل دہلی

خیالات

(از ادارہ)

مسٹر عبداللہ فاروقی کثرتِ کار و قلتِ اوقات کے باعث رسالہ محشر خیال کے ادارۂ تحریر کی نگرانی پوری توجہ اور ذمہ داری کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے فقیر کو اپنا ہم شریک کر لیا ہے۔ جب میں اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ امید نظر نہیں آتی کہ میں قارئین کرام کی خاطر خواہ خدمت کر سکوں گا۔ زیر نظر پرچہ نہایت عجلت میں میرے کمزور ہاتھوں سے مرتب ہوا ہے۔ اس لئے میں خود بھی اس جدید طریقہ ترتیب سے مطمئن نہیں ہو سکا ہوں۔ لیکن اگر آپ اس پرچہ کے تمام مضامین پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے تو آپ کو یہ یقین کرنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ میں محشر خیال کو کس بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ موجودہ پرچہ میں جو خامیاں یا خوبیاں نظر آ رہی ہوں اس سے مطلع فرمایئے تاکہ اصلاحات کی کوشش کی جائے۔ (وحشی آروی)

تعارف

رسالہ محشر خیال ہندوستانی خواتین میں نہایت ذوق کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس اشاعت میں بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق جو مقالہ شائع کیا جا رہا ہے وہ اپنی جگہ پر ایک قیمتی چیز ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ ماؤں بہنوں کے لئے اسی قسم کے کارآمد مضامین فراہم کئے جائیں۔

یہ پرچہ جسے آپ مطالعہ کر رہے ہیں ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کا پرچہ ہے اس لئے مضمون "سالِ نو" خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ "سالِ نو" سے متعلق جناب سید ضیاء الحسن صاحب خنجر آروی کا ایک افسانہ "بھول نہ جانا" بھی شریکِ اشاعت ہے۔ صحت و تندرستی کے زیر تحت ایک مضمون "حفظ الحسن" کے عنوان سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون کی مصنفہ محترمہ حور بانو صاحبہ دہلوی ہیں۔ انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو حتی الامکان جاری رکھنے کی کوشش فرمائیں گی۔ مزاحیہ مضمون "خبط" پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مطالعہ کے بعد آپ خود فیصلہ کر سکیں گے کہ مزاحیہ رنگ میں جس موضوع کو سامنے لایا گیا ہے وہ قوم کے غیر مقبول لیڈروں کے لئے شمع ہدایت ہے۔ اس ماہ سے بچوں کے لئے ایک صفحہ مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی نپولین بوناپارٹ کے روپ میں آپ کے سامنے ہے۔ سیاسیات عالم کی صورت حالات لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے کسی سیاسی مقالہ کو ایک ماہ تک تازہ رکھنے کی توقع بے سود ہے۔ علمی مقالہ "سماج اور شادی" ہماری معاشرتی زندگی سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ افسانہ "محبت" ایک ایسی چیز ہے جسے پڑھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم محترمہ حلیم النساء صاحبہ عظیم آبادی کے ممنون ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے افکار عالیہ سے محشر خیال کو سرفراز فرماتی رہیں گی — "ہولناک رات" اور "فریب رنگین" بھی اچھے قسم کے افسانے ہیں۔ خطرناک زہر، "غازی اعظم کے دستخط" "دنیا کا عجائب خانہ" "فلم اور سوشل اصلاحات" وغیرہ بھی دلچسپ اور کارآمد مضامین ہیں۔ نظموں میں "اقبال" اور "محبت" اچھی نظمیں ہیں۔

مضمون نگار اصحاب سے

ہم ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ محشر خیال کا معیار آپ کے ذوقِ مطالعہ کے مطابق ہو۔ لیکن ایسی حالت میں اہلِ قلم حضرات کا بھی فرض ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں اور کارآمد مقالے اور دلچسپ افسانے بھیجیں تاکہ ہم محشر خیال کو صحیح معنوں میں محشر خیال بنا سکیں۔ بچوں کے بھیجے ہوئے چھوٹے چھوٹے نصیحت آمیز مضامین کو عزت و احترام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ اس کے لئے جگہ مخصوص کر دی گئی ہے۔ ہندوستانی خواتین کو بھی چاہئے کہ وہ مضمون لکھتے وقت اصلاحی جذبہ کو نظر انداز نہ کریں۔ نظموں کے لئے ہم بہت تھوڑی گنجائش نکال سکیں گے۔ اس لئے اگر نو مشق اور غیر مستند شعراء کو نا امیدی ہو تو ہمیں قطعی معذور سمجھنا چاہئے۔ ہمارے بعض مضمون نگار اصحاب ایڈیٹر کو لال بجھکڑ سمجھتے ہوئے مضمون پر اپنا نام درج نہیں کرتے اور اچھا خاصہ مضمون بیکار ہو جاتا ہے۔ ایسے مضمون نگار اصحاب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنا اسم گرامی درج نہیں فرمائیں گے تو وہ مضمون ضائع کر دیا جائے گا۔ مضمون کے عنوان کے اوپر یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ یہ مضمون کس موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً فلمی مضمون کے اوپر فلمی مقالہ اور علمی مضمون کے اوپر علمی مقالہ

ریویو

معارف جمیل

مصنف :- حضرت حکیم آزاد انصاری

ضخامت ۔ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات سائز ۲۰×۲۶ کاغذ نہایت عمدہ ۔ کتابت وطباعت اچھی ۔ قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ ملنے کا پتہ ۔ محمد تراب علی خاں پاتر ۔ بازار جمالنی حیدرآباد (دکن)

تلامذۂ حضرت حکیم آزاد انصاری نظام الدین نے مندرجہ بالا نام سے اپنے نظام با معرفت کلام کا مجموعہ شائع کیا ہے ۔ دنیائے شاعری میں حکیم صاحب مسلم خصوصیت کے مالک ہیں ۔ اُن کے کلام میں جو سادگی اور ترتیب الفاظ میں جو خوبی ہوتی ہے وہ موجودہ زمانہ کے کسی شاعر کو میسر نہیں ہوئی ہے ۔ اس کتاب کی ابتدا میں تقریباً ۹۲ صفحات پر آپ نے اپنی شاعرانہ زندگی کے احوال تحریر فرمائے ہیں جن سے اردو زبان کے کچھ مشکل مسائل پر بھی خاطرخواہ روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے بعد ۲۵۴ صفحات پر آپ نے رشحات عالیہ چھاپے ہوئے ہیں ۔ شاعری سے متعلق بعض ضروری نکات کو واضح کرنے کے لئے کہیں کہیں فٹ نوٹ سے بھی کام لیا گیا ہے ۔ حکیم عمر خیام نیشاپوری کی چند رباعیات کا منظوم ترجمہ بھی اس مجموعہ کی زینت ہے ۔ جسے فارسی شاعری کا عکس جمیل کہا جا سکتا ہے ۔ ہم اردو شاعری سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے پرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس بہترین مجموعۂ کلام سے استفادہ حاصل کریں ۔ (وحشی اردی)

دوشیزہ نمبر

میں ان نوجوان لڑکیوں کی کہانیاں اور سچے واقعات ہیں جن کی شادی نہیں ہوئی ۔ حسن وعشق کی منہ بولتی تصویریں ، دوشیزہ شباب ۔ دوشیزہ میں تمام دنیا کے ہر خطہ کی شباب کی منہ بولتی تصویروں کی جذبات انگیز کہانیاں ، افسانے اور مضامین آپ کو بے چین کردیں گے ۔ محشر خیال کے دوشیزہ نمبر میں پھڑکا دینے والی نظمیں اور جذبات میں ڈوبی ہوئی غزلیں شائع کی گئی ہیں ۔ یہ نمبر ایسے عجیب وغریب مضامین کا شاہکار ہے جس کو پڑھ کر شباب کی رعنائیاں ۔ دوشیزہ کی رنگین اداؤں میں اٹھکیلیاں کرتی ہوئی نظر آئیں گی ۔ اس نمبر کی ضخامت سو صفحات ہے ۔ جو لوگ اس نمبر کو مفت حاصل کرنا چاہیں وہ ایک روپیہ ذریعہ منی آرڈر بھیجکر محشر خیال ایک سال کے لئے جاری کرالیں ۔ ایک روپیہ وصول ہونے پر ایک سال کے لئے رسالہ محشر خیال جاری کردیا جائے گا ۔ اور دوشیزہ نمبر مفت بھیج دیا جائے گا ۔ وی ۔ پی منگانے میں ایک روپیہ چھ آنے ادا کرنے پڑیں گے ۔ لہٰذا منی آرڈر بھیجئے اگر صرف دوشیزہ نمبر منگانا ہو تو پانچ آنے کے ٹکٹ بھیجدیں ٹکٹ وصول ہونے پر صرف دوشیزہ نمبر ہم اپنے پاس سے محصول لگا کر آپ کو بھیجدیں گے ۔

منیجر رسالہ محشر خیال کلاں محل دہلی

ضرورت رشتہ

ایک نیک طینت اور برسرِ روزگار شریف خاندان لڑکے کے لئے خوشرو خوش سلیقہ ۔ تعلیم یافتہ لڑکی جس کی عمر ۱۶ یا ۱۸ سال سے زائد نہ ہو ۔ کنواری ہو ۔ کی ضرورت ہے ۔

لڑکے کی آمدنی دو سو روپے ماہوار ہے اور باعزت روزگار کا مالک ہے ۔ لڑکی کم از کم انٹرنس پاس ہو ۔ اور گھر کے تمام کاموں میں سلیقہ رکھتی ہو ۔ جواب کے لئے جوابی لفافہ یا ٹکٹ آنا لازمی ہے ۔ تمام خط وکتابت صیغہ راز میں رہے گی ۔

ف ۔ معرفت منیجر رسالہ محشر خیال کلاں محل دہلی

ضرورت

ایک لڑکی کے لئے گریجویٹ لڑکے کی ضرورت ہے ۔ لڑکی کی ذاتی جائداد بھی ہے ۔ وہ تعلیم یافتہ بھی ہے ۔ سلیقہ شعار اور ہنرمند ہے ۔ لڑکا شیخ یا سید ہو ۔ عمر زیادہ نہ ہو ۔ برسرِ روزگار ہو ۔ خاندان سے اچھا ہو ۔ پہلی شادی نہ ہوئی ہو ۔ یو ۔ پی کے رہنے والوں کو ترجیح دی جائے گی ۔ دیگر حالات چال چلن کی معلومات کے لئے دہلی کے قرب وجوار میں خاندانی تعلقات یا رشتہ داروں کا پتہ ضرور لکھیں ۔ جواب کے لئے جوابی لفافہ یا ٹکٹ آنا لازمی ہے ۔

م ۔ معرفت منیجر رسالہ محشر خیال کلاں محل دہلی

کچھ اپنے متعلق

دوشیزہ نمبر دوشیزہ نمبر کے متعلق بہت سے تعریفی خطوط بھی موصول ہوئے اور بعض خریداروں نے اس امر کی شکایت بھی کی کہ مضامین بہت عریاں ہیں۔ تاہم اس کی احتیاط رکھی جاوے گی کہ آئندہ مضامین ایسے گرے ہوئے نہ ہوں۔ لیکن محض تعریفوں سے کیا ہوتا ہے براہ کرم نئے خریدار تو پیدا کیجئے۔ میں نے دوشیزہ نمبر بہت زیادہ چھپوایا تھا۔ اسی لئے کچھ کاپیاں ابھی باقی ہیں جو جدید خریداروں کو مفت دی جاویں گی۔

ایک روپیہ سالانہ چندہ میں عام پرچوں کے علاوہ دوشیزہ نمبر سالنامہ اور افسانہ نمبر مفت دئے جائیں گے۔ دوشیزہ نمبر تو تیار ہے سالنامہ مارچ میں شائع ہوگا۔ اور افسانہ نمبر مئی میں شائع ہوگا۔

سالنامہ اس پرچہ میں آپ نے سالنامہ کا اشتہار ملاحظہ کیا ہوگا۔ مارچ میں یہ ضخیم نمبر شائع ہوگا۔ اب فروری کا پرچہ آپکے پاس اور آئے گا۔ اور اس کے بعد سالنامہ پہونچے گا۔ سالنامہ تمام خریداروں کو مفت دیا جائے گا۔ سالنامہ کی لاگت تقریباً دو ہزار روپے ہوگی آپ سب اگر کوشش کریں تو کوئی بڑا خرچ نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو زائد سے زائد خریدار بنانے چاہئیں۔ یقین جانئے کہ اگر آپنے اس سلسلہ میں لاپرواہی نہ کی اور میرا ہاتھ بٹایا تو سالنامہ ایسا شاندار نکالا جائے گا کہ جس کا اندازہ قبل از وقت مشکل ہے۔ لیکن اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس نمبر کا ہر مضمون آپ بغیر پڑھے نہیں رہیں گے۔

دلی ہمدردی کاغذ کی گرانی کا دکھڑا کہاں تک رویا جائے یہ گرانی تو ابھی دور ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ ابھی ختم نہ ہوگی اس لئے اس گرانی کے بار کو کم کرنے کے لئے ہی ہر خریدار سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس وقت چار چار آنے خواہ بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ ٹکٹ امداد کریں۔ ٹکٹ ریاستوں برما عدن اور سیلون کے نہ بھیجنے چاہئیں کیونکہ ہندوستان میں یہ ٹکٹ نہیں چلتے۔ محشر خیال کے خریداروں کی اس ادنیٰ امداد سے جسکو میں بڑی امداد تصور کرتا ہوں کافی بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ جو حضرات اس وقت حصہ لیں گے ان کا شکریہ ادا کیا جائے گا۔

وی۔ پی آرہے ہیں جن حضرات کے چندے گزشتہ ماہ میں ختم ہو گئے تھے ان کو ایک خط بھی بھیجا گیا تھا کہ آپ کا چندہ ختم ہو گیا۔ ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیجئے۔ مگر تا حال دفتر میں ان کی رقم موصول نہیں ہوئی۔ لہذا اب اُن کے نام ایک ایک روپیہ کا وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے جو سال آئندہ کی خریداری کے لئے ہے۔ اس وی۔ پی کو مہربانی فرما کر وصول فرمالیں ممنون ہوں گا۔

معذرت جن حالات کو سامنے رکھ کر میں نے آپ حضرات سے گزارش کی ہے مجھے امید ہے کہ اس پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔ اور گزشتہ سال جو کچھ محشر خیال کی طرف سے لغزشیں سرزد ہوئی ہوں ان کو درگذر کردیں گے۔ میری آئندہ سال کی کوششیں یہی ہوں گی۔ کہ آپ کو کسی قسم کی شکایت محشر خیال کی طرف سے نہ ہونے پائے۔

کتابوں کی فروخت گزشتہ چند مہینوں سے کتابوں کی فروخت میں بھی بہت کمی ہو رہی ہے اس وجہ سے مجھ کو خریدار بڑھانے کی اپیل بار بار کرنی پڑی۔ کتابوں کی خرید کے وقت اگر دفتر محشر خیال کو نہ بھلائیں تو بڑا احسان ہو کیونکہ محشر خیال کتابوں کی فروخت پر ہی زندہ ہے۔ اگر کتابوں کی فروخت ہوتی رہے تو جو کچھ خسارہ ہو رہا ہے سب پورا ہو جائے۔ پس آپ کو چاہئے کہ دفتر محشر خیال سے اپنی حسب پسند کتابیں طلب فرمائیں جن کی مختصر فہرست محشر خیال کے اسی پرچہ میں ملے گی۔ اگر کوئی کتاب کسی اور جگہ کی ہو تو اس کا آرڈر بھی دفتر محشر خیال ہی کو دیں۔ کیونکہ پہلا حقدار صرف محشر خیال ہے۔

نیازمند۔ محمد عبدالحق فاروقی

پبلشر پرنٹر رسالہ محشر خیال دہلی

آپ کی غلطی جس وقت آپ کو رسالہ کا پتہ تبدیل کرانا ہو یا چندہ روانہ کرنا ہو تو اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو حضرات ایسا نہیں کرتے۔ ان کے پتہ کی تبدیلی ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور نام کے اندراج میں دقت واقع ہوتی ہے۔

منیجر رسالہ محشر خیال کلاں محل دہلی

تجلیات

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

لے لیا دل اک ہوش ربا نے　　کانِ شوخی،　　جانِ حیا نے
آفتِ جاں نے فتنۂ شہرے　　جانِ جہانے،　　روحِ روانے
موجِ تبسم کے دامن میں　　برق کی رَو،　　بجلی کے خزانے
وقتِ خرامِ ناز جلو میں　　صبحِ چمن کے　　تازہ ترانے
بکھری اُلجھی زلفِ سیہ میں　　شامِ طرب کے،　　لاکھ فسانے
جنبشِ لعلِ عہد شکن میں　　کتنے حیلے،　　کتنے بہانے
رقصاں تابِ چشمِ سیہ میں،　　کیف کے دن　　شورش کے زمانے
رُخ پر کافر زلف کی لہریں　　جیسے لمحے　　شب کے سہانے
گاہ بہ لب صد چشمۂ نوشیں　　گاہ بہ گردن　　تیغ روانے
گاہ بہ خلوت سازِ خموشی!　　گاہ بہ جلوت　　شعلہ زبانے
گاہ بہ گفتار آیۂ رحمت　　گاہ بہ رفتار　　آبِ روانے
گہ بہ تلطف نرم نسیمے!　　گہ بہ تحکم　　سخت کمانے
گاہ بہ شوخی مستِ غزالے　　گاہ بہ مستی　　خوابِ گرانے
گاہ بہ نورِ صبح "یقینے"　　گاہ بہ ابرِ شام　　"گمانے"
گاہ بہ مسند "گفتہ حدیثے"　　گاہ بہ پہلو　　"رازِ نہانے"
شکر کہ بختِ جوش کے عقدے　　کھول دیئے پھر　　زُلفِ رسا نے

ایک پُر از معلومات مقالہ

سالِ نو

(از ادارہ)

شمالی ہندوستان اور گجرات میں عام طور پر سنہ بکرمی رائج ہے ہندوؤں نے اس سنہ کو خاص طور پر مذہبی اہمیت دیدی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض انگریز مورخین کا بیان ہے کہ اس سنہ کے موجد راجہ بکرماجیت کا وجود بالکل بے حقیقت اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی تاریخ میں بادشاہ آرتھر کو ایک فرضی انسان تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن راجہ بکرماجیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں قدیم ہندو لٹریچر کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مہاتما رسکن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "تجھے سمجھنے کے لئے اوپر اٹھو۔ میں تمہیں سمجھنے کے لئے نہیں جھکوں گا" یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا آدمی آج تک ٹھیک طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔

سنہ بکرمی ۵۸ ق۔م۔ سے رائج ہے اور یہ اتنا طویل عرصہ نہیں ہے کہ بکرماجیت کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جائے۔ آئندہ پھاگن کے مہینے سے سنہ بکرمی کا ۱۹۹۲ واں سال شروع ہو جائے گا۔ عام سنوں کی طرح بکرمی سال بھی بارہ مہینے کا ہوتا ہے اور ہر مہینے میں چار ہفتے ہوتے ہیں۔ اس کا پورا سال ۳۶۵ دن ۱۵ گھڑی ۳۰ پل اور ۲۲/۱۱ وپل کا ہوتا ہے۔ حساب کو مکمل رکھنے کے لئے اس سنہ میں دن مہینے اور یہاں تک کہ سال گھٹا بڑھا دئے جاتے ہیں۔ جیسے ہندی میں "لون ورش" کہا جاتا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں جو سنہ رائج ہے اس کا نام "شاکے" ہے اسے مہاراجہ شالی واہن نے ایجاد کیا تھا۔ یہ سنہ حضرت مسیح سے ۷۸ سال بعد وجود میں آیا تھا۔ انگریز مفکروں کے خیال کے مطابق کل جگی سنہ ۳۱۰۲ ق۔م سے شروع ہوا تھا۔

بنگال میں دو طرح کے سنہ مستعمل ہیں۔ ایک وہ جو نصف بنگال میں رائج ہے اور اسے سنہ بنگالی کہا جاتا ہے۔ یہ ۱۵۵۶ء سے شروع ہوا تھا اس سنہ کے متعلق مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسے شہنشاہ اکبر نے ایجاد کیا تھا کیونکہ اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ دوسرا بنگالی سنہ حضرت مسیح سے ۵۹۵ سال بعد شروع ہوا تھا۔ شاید انگریزی کا موجودہ سال بنگالی سنہ کا ۱۳۴۵واں سال ہے۔ یہ سال بیساکھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مہاراشٹر کا سنہ ۲۰ جون ۱۳۴۲ء کو شروع ہوا تھا۔ پرشورام کے سنہ کا نام شمالی ہندوستان کے رہنے والوں نے شاید ہی سنا ہو۔ منگلور سے کیپ کیمرن تک یہ سنہ مستعمل ہے۔ اس کا چوتھا جگ ایک ہزار سال کا ستمبر ۱۸۲۵ء سے شروع ہوا تھا۔ پرشورام کے سنہ کے متعلق اس سے زیادہ معلوم نہیں ہے۔

یہودیوں کے سنہ کا شاید یہ ۵۶۹۰ واں سال ہے۔ ان کا سال یکم اکتوبر کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے۔ ان کے اوقات کی ترتیب مسلمانوں کے سنہ ہجری کے اصول پر قائم ہے۔

پارسیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کا موجودہ جگ سنہ عیسوی کے ۶۳۲ سال بعد ۱۶ جون کو شروع ہوا تھا۔ ان کے سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ سال کے آخر میں جو پانچ دن بچ رہتے ہیں انہیں آخری مہینے میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ ان ایام کو یہ لوگ اپنی زبان میں "گاتھا" کہتے ہیں۔ ان کے ہر دن کا نام کسی دیوتا کے نام پر ہوتا ہے۔ انگریزی مہینے کی طرح ان کے مہینے ہفتوں میں منقسم نہیں ہوتے۔ پارسیوں کا ایک اور فرقہ اول الذکر فرقہ سے اپنا سال ایک مہینہ پیچھے شروع کرتا ہے۔ پہلے فرقہ کا سال سنہ فارسی کے مطابق چلتا ہے۔

برما میں دو طرح کے سنہ رائج ہیں۔ ایک وہ جسے سنہ عیسوی کے ۶۳۹ سال بعد پپا چنراہن (Pappachanrahan) نے قائم کیا تھا۔ دوسرے کو وہ لوگ "پنیت" سال کہتے ہیں۔ اس کے حساب سے یہ نیا سال ان کا ایک سو گیارہواں سال ہے۔ ان کے مہینے مسلمانوں کے قمری مہینے کے قاعدے پر متعین ہیں۔

اڑیسہ کا سال ۹ ستمبر ۱۵۵۹ء کو شروع ہوا تھا۔ یہ سال سنہ بکرمی کے اصول پر قائم ہے۔

مسلمانوں کا سال ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کو شروع ہوا تھا۔ اسے سنہ ہجری کہا جاتا ہے۔ اس سنہ کا حساب چاند سے لگایا جاتا ہے۔ قمری مہینہ ساڑھے انتیس دن کا ہوتا ہے۔ لیکن حساب کو صاف رکھنے کے لئے کوئی مہینہ انتیس اور کوئی تیس کا مانا جاتا ہے۔ ان کا سال ۳۵۴ دن چار گھنٹے اور

۴۴ منٹ کا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہر تیسرے سال ایک مہینہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور ۳۳ سال کے بعد پورے ۳۵۴ دن پیچھے سرک جاتے ہیں۔ یہ سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں ایک اور سنہ بھی رائج ہے جسے سنہ فصلی کہا جاتا ہے۔ اسے شہنشاہ اکبر کے وزیر مالیات راجہ ٹوڈرمل نے ایجاد کیا تھا۔ جنوبی ہند میں یہ سنہ ۶۳۹ء سے مستعمل ہے۔

ہندوؤں کا دن کبھی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور کبھی آفتاب طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے بعض فرقے دن کا شمار بارہ بجے دن سے کرتے ہیں۔ مسلمانوں اور یہودیوں کا دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ انگریز اپنے دن کا شمار بارہ بجے رات سے کرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کودنے والے سال (Leap year) کے متعلق قدیم زمانے میں کیا خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جولیس سیزر نے پنچانگ (ترتیب اوقات) میں ترمیم کی تھی اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ سنہ عیسوی کے پہلے کا ۴۴واں سال "کودنے والا سال" ہوگا۔ کودنے والے سال سے دو سال پہلے سیزر کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد پتہ چلا کہ سیزر کے حساب میں خامی تھی کیونکہ اس کے حساب سے کودنے والا سال ہر تیسرے سال آتا تھا اور قاعدے کی رو سے ہر چوتھے سال آتا ہے۔ سنہ عیسوی سے آٹھ سال قبل سیزر کے جانشین آگسٹس نے اس خامی کو دور کیا تھا۔ پہلے سال ۳۶۵ دن کا سمجھا جاتا تھا۔ سیزر کے حساب سے ۳۶۵ ½ دن کا ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ خامی بہت معمولی ہے لیکن ایک صدی میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ سیزر کے بہت عرصے بعد پھر حساب لگایا گیا۔ اور معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کے دنوں کے حساب غلط ہیں۔ سال میں ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۹٫۷ سکنڈ ہوتے ہیں۔ ۱۵۸۲ء میں سولہویں پوپ گری گوری نے ترتیب اوقات میں پھر ترمیم کی اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ سال جن کا شمار سینکڑوں کے اعداد سے ہوتا ہے (مثلاً اٹھارہ سو۔ انیس سو۔ بیس سو وغیرہ) اگر چار کے عدد سے ٹھیک منقسم ہو جائیں تو وہ کودنے والا سال ہوگا۔ اگرچہ سنہ ۱۹۰۰ء چار کے عدد سے منقسم ہو جاتا ہے۔ لیکن چار سو کے عدد سے منقسم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ سال کودنے والا سال نہیں تھا۔ اس کے بعد یہ پتہ چلا کہ گری گوری کے حساب میں بھی خامی ہے۔ اس سے سال میں ۲۶ سکنڈ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور ۳۵۰۰ سال میں ایک دن کم ہو جاتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۵٫۹۸ سکنڈ کا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر ایک صدی میں سال نصف سکنڈ کے قریب کم ہو جاتا ہے۔

جولیس سیزر کے حکم سے فروری کا مہینہ ۲۹ دنوں کا ہوتا تھا اور کودنے والے سال میں تیس کا ہو جاتا تھا۔ جولیس سیزر نے جولائی کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ اس کا جانشین آگسٹس پیچھے کیوں رہ جاتا۔ اس نے اگست کا مہینہ اپنے نام پر رکھ دیا۔ لیکن اس میں ایک بات کی کمی تھی۔ جولائی ۳۱ دن کا ہوتا تھا۔ اور اگست تیس دن کا۔ چنانچہ فروری کا ایک دن نکال کر اگست میں شامل کر لیا گیا اور فروری کا مہینہ ۲۸ دن کا رہ گیا۔ کودنے والے سال میں ۲۹ دن کا ہو جاتا ہے۔ گری گوری سے قبل بہت گڑبڑی رہا کرتی تھی۔ اس نے ۱۵۸۲ء میں یہ حکم نافذ کیا کہ ۵ اکتوبر کو ۱۵ اکتوبر سمجھا جائے ۱۷۵۲ء تک برطانیہ نے یہ نیا طریقہ تسلیم نہیں کیا۔ لیکن اس سال تین ستمبر کو ۱۴ ستمبر مان لیا گیا اور سولہ دنوں کی تفریق مٹ گئی۔

امریکہ میں ۲۸ دن کا مہینہ اور ۱۳ مہینے کا سال بنایا گیا ہے۔ سال میں ایک دن جو بچ رہتا ہے اس کا نام "یوم راحت" رکھا گیا ہے۔ لیکن اس میں تقریباً ۵ ½ گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور اسے دور کرنے کے لئے کودنے والے سال کی ضرورت پڑے گی۔

اکثر اقوام عالم میں یہ بھی متعین نہیں تھا کہ نیا سال کب سے تسلیم کیا جائے۔ گری گوری کے پنچانگ کے مطابق نیا سال جولین کے حساب سے ۱۱ دن پہلے شروع ہوتا تھا۔ اس طرح انگریزوں کا نیا سال ۱۳ جنوری کو شروع ہوتا تھا۔ قدیم مصر اور فارس والے ۱۲ ستمبر سے اپنے نئے سال کی ابتدا سمجھتے تھے۔ باشندگان یونان سنہ عیسوی سے پانچ صدی پہلے ۲۱ دسمبر سے نیا سال مانتے تھے۔ جولین کے پنچانگ کو سیزر نے تسلیم کر لیا تھا۔ اور یہ حکم جاری کیا تھا کہ نیا سال یکم جنوری سے مانا جائے۔ یہودیوں کا معمولی سال ستمبر یا اکتوبر سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ان کا مذہبی سال ۲۱ مارچ کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے۔ بہت پرانے زمانے میں عیسائی اپنے سال کی ابتداء ۲۵ مارچ سے سمجھتے تھے۔ اینگلوسکسن انگلستان میں ۲۵ دسمبر کو نئے سال کا پہلا دن سمجھا جاتا تھا۔ جب نارمن نے انگلستان پر فتح حاصل کی تو ولیم (فاتح) نے حکم دیا کہ یکم جنوری سے نئے سال کا شمار کیا جائے۔ اسی روز اس کی تاجپوشی کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر انگلستان نے وہی ۲۵ دسمبر والا پرانا قاعدہ جاری رکھا۔ گری گوری نے یکم جنوری کو نئے سال کا پہلا دن تسلیم کیا اور ۱۷۰۰ء کے قریب جرمنی، ڈنمارک اور سویڈن نے اس بات کو مان لیا لیکن انگلستان نے ۱۷۵۲ء میں یہ تجویز تسلیم کی۔ اب تو تمام یورپ اور اکثر برطانوی مقبوضات میں یکم جنوری ہی کو سال کا پہلا دن مانا جاتا ہے۔

چین میں نیا سال ایک ہی دن اور مہینے سے شروع نہیں ہوتا۔ ترتیب اوقات کے مطابق کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ (سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹)

افسانہ

تم بڑے ویسے ہو

(از دختی آردی)

مجھے پٹنہ سے کانپور جانا تھا۔ اسٹیشن پر تاخیر سے پہونچا تھا اس لئے دہلی ایکسپریس پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی مل گئی۔ میں اور میرے پیچھے قلی دوڑے ایک سکنڈ کلاس کے سامنے رکے۔ جلدی جلدی سامان کو دھکیل کر اندر چڑھ آیا گارڈ نے سیٹی دیدی اور انجن بھک بھک کرتا ہوا چلنے لگا۔ میں نے قلی کی اجرت ادا کرنے کے بعد کمپارٹمنٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ ایک نوجوان خاتون سامنے والی برتھ پر لیٹی ہوئی تھی اور ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا میری طرف بار بار دیکھتے ہوئے اس خاتون سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شاید میرے ہی متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ لیکن یہ میری بالکل غیر شریفانہ اور نازیبا حرکت ہوتی اگر میں ان کی گفتگو میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنی برتھ پر بیٹھ جاؤں۔

دل کو بار بار سمجھانے کے باوجود بھی میں اپنی نظر کی عملی بغاوت پر قابو نہیں پاسکا۔ اور میں ہی کیا ایسے موقع پر فرشتے بھی انسان بننے کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ سبز جارجیٹ کی ساڑی اور اسی رنگ کا جمپر اس کے حسن میں گوناگوں اضافہ کر رہا تھا سونے کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ پر شباب کی رنگینیاں اس طرح چھائی ہوئی تھیں جیسے مصور فطرت نے چمپئی رنگ کی تختی پر سرخ موقلم پھیر دیا ہو۔

میری نظریں تو باغی ہو ہی چکی تھیں لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس خاتون کی نظریں بھی ڈگمگا رہی ہیں۔ وہ لڑکا اکثر دورانِ گفتگو میں خاتون کو دیدی کہہ دیا کرتا تھا اس لئے مجھے یہ سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوئی کہ یہ دونوں بھائی بہن ہیں اور ان کی بات چیت پر ذرا توجہ کے ساتھ کان دھرنے پر یہ بھی آسانی کے ساتھ واضح ہوگیا کہ یہ پنجابی ہیں اور یقینی یہ لوگ کلکتہ سے پنجاب کا سفر کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد میں برتھ پر لیٹ کر اخبار مطالعہ کرنے لگا۔ یکایک اس کا بھائی میرے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ میں اخبار کو ایک طرف رکھ کر یہ جاننے کے لئے اس کی طرف دیکھنے لگا کہ وہ کس غرض سے میرے سامنے آکر بیٹھا ہے۔ اس نے بہت گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"یہ میری دیدی ہیں۔ انہیں بہت زور کا بخار آگیا ہے۔"

اس خاتون سے قربت حاصل کرنے کا اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا تھا؟ میں جھٹ اٹھ بیٹھا۔

"یہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوڑہ سے گاڑی کھلنے کے بعد ہی بخار آگیا تھا۔ مگر اب بہت تیز ہوگیا ہے۔"

"ایسی حالت میں انہیں کسی بڑے اسٹیشن پر سفر منقطع کر دینا چاہئے"

خاتون نے لیٹے ہوئے ہی آہستہ سے انگریزی میں جواب دیا۔

"لیکن یہ ناممکن ہے۔"

اب میری اور اس کی براہ راست گفتگو کی ابتدا ہو گئی تھی۔ میں اپنی سیٹ پر اٹھ کر اس خاتون کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیا آپ کے ساتھ کوئی بڑا آدمی سفر نہیں کر رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔؟"

"آپ کہاں تشریف لے جائیں گی؟"

"لاہور؟"

"لاہور ایکسپریس سے سفر کیوں نہیں کیا؟"

"دہلی میں دو چار دن ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔"

"دہلی میں آپ کا کون رہتا ہے؟"

"میرے ماما۔"

"آپ کا اسم گرامی؟"

"رام لو بھائی۔"

"یہ لڑکا آپ کا کون ہے؟"

"بھائی۔"

"کلکتہ میں آپ کیا کرتی ہیں؟"

"وہاں پڑھتی ہوں۔"

"کسی عزیز کے ساتھ رہتی ہیں یا تنہا؟"

"میں اپنے چچا کے ساتھ رہتی ہوں۔"

"آپ کے چچا کیا کرتے ہیں؟"

"ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک ہیں"

"لاہور میں آپ کس کے ہاں جائیں گی؟"

"میں اپنے والد کے پاس گرمیوں کی چھٹیاں منانے جا رہی ہوں"

"آپ کے والد کا اسم گرامی؟"

"مسٹر ... ج"

"وہ کیا کرتے ہیں؟"

"لاہور ہائی کورٹ میں جج ہیں"

"آپ کس کلاس میں پڑھتی ہیں؟"

"اس سال ایف۔ اے پاس کیا ہے"

"آپ کا بھائی کس کلاس میں پڑھتا ہے؟"

"اس سال نویں جماعت میں ہو گیا ہے"

میں ایسے سوال کئے جلدی جلدی کرتا گیا اور وہ نہایت حلیمی کے ساتھ جواب دیتی رہی۔ میں نے کہا۔

"میرا نیک مشورہ یہی ہے کہ آپ الہ آباد میں اتر جائیے۔ میں آپ کے لئے طبی امداد کا بہت اچھا انتظام کر دوں گا"

اس نے مزید جنبش دیگر معذوری ظاہر کی۔ اور مجھ سے بولی:

"جناب کا اسم گرامی؟"

"سنتوش کمار"

"آپ کہاں تک شریک سفر رہیں گے؟"

"کانپور تک"

"کانپور میں آپ کا کون ہے؟"

"میرے پتاجی"

"آپ کے پتاجی کیا کرتے ہیں؟"

"ایک کلاتھ مل کے منیجنگ ڈائرکٹر ہیں"

میرے متعلق وہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی میں نے سب بتا دیا۔ اب باتوں کو آگے بڑھانے کے لئے کوئی موضوع نہیں رہ گیا تھا۔ بہت سوچ کر میں نے کہا۔

"مجھ سے جو کچھ امداد ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے میں تیار ہوں"

"شکریہ" کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا بخار تیز ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن میں اس کی نبض پر ہاتھ رکھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے بہت نحیف آواز میں اپنے بھائی سے کہا۔

"کرپا! مجھے چادر اڑھا دو"

میں نے اپنے بستر سے چادر کھینچ کر اس کے بدن پر ڈال دی۔ اس نے آنکھیں کھول کر متشکرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر اس پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کا بھائی کرپارام بہت گھبرا گیا تھا۔ بار بار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے۔ میں نے اسے تسلیاں دیں اور اس بات کا یقین دلایا کہ اس کی بہن خطرہ سے بالکل محفوظ ہے۔

آرہ اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو میں نے تھوڑے سے سنترے خرید لئے۔ بہن کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد کرپارام کی گھبراہٹ دور ہو گئی تھی۔ وہ بہن کے پائنتیں بیٹھا ہوا اونگھنے لگا۔ میں نے نہایت جرات سے کام لیتے ہوئے رام لو بھائی کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

"اب تو بخار کم ہو رہا ہے" اس نے پنجابی زبان میں کہا۔

"کچھ کھائیے گا" میں نے اسی کی زبان میں پوچھا۔

"شکریہ۔ مجھے بھوک نہیں ہے"

"کم از کم سنترے تو کھائیے" کہہ کر میں نے ایک سنترہ چھیلا اور اس کی ایک پھانک اچھی طرح صاف کر کے اس کے منہ میں ڈالنے لگا۔ اس نے مدافعت کرتے ہوئے کہا۔

"دیجئے نا! میں اپنے ہاتھ سے کھا لوں گی"

"کیا مضائقہ ہے۔ میرے ہی ہاتھ سے کھا لیجئے" یہ میری دوسری جرات تھی۔

وہ کچھ شرما گئی۔ اور مزید مدافعت کے بغیر اس نے منہ کھول دیا۔ اس طرح میں اسے سنترہ کھلانے لگا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر تبسم کا نہایت خوبصورت نشان کھنچ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ عورت بیمار پڑنے پر بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ میری بات کا نہایت معصومانہ انداز میں جواب دیا جا رہا تھا۔

"آپ بھی کھائیے نا" اس نے کہا۔

"کھانے کے لئے تو خریدے ہی ہیں۔ کسی کو کھانا چاہئے"

"آپ میرے ساتھ جس خلوص اور ہمدردی سے پیش آ رہے ہیں اس کا بدلہ میں اس زندگی میں چکا ہی نہیں سکتی"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ گورو نانک نے کہا ہے کہ نیکی کر اور بھول جاؤ"

"آپ بہت اچھے آدمی ہیں"

"شکریہ"

یکایک گاڑی ایک چھوٹے اسٹیشن پر رکی۔ کرپارام اونگھنا بند کر کے بہن سے بولا:۔

"آپ طبیعت کیسی ہے دیدی؟"

"اچھی ہے"

میں نے کرپارام کی طرف چند سنترے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تو تم بھی کھاؤ"

شکریہ ادا کر کے اس نے سنترے لینے سے انکار کر دیا۔ میں بار بار اصرار کرتا رہا۔ بہن کا اشارہ پا کر اس نے سنترے قبول کر لئے۔

"کرپا! تم رات بھر جاگے ہو۔ تمہیں نیند آ رہی ہوگی" رام لو بھائی نے کہا۔

"نہیں تو"

میں نے کہا:- اگر نیند آ رہی ہے تو آپ آرام کیجئے"

وہ بولی:- ارے! کرپا نے کچھ کھایا نہیں ہے۔ اگلے اسٹیشن پر آپ اس کے لئے کھانے کا انتظام کر دیجئے گا۔ بڑا احسان ہوگا"

بکسر اسٹیشن پر گاڑی رکتے ہی میں اسٹوران کار میں کھانے کے لئے کہہ آیا۔ تھوڑی دیر میں کرپارام کا کھانا آ گیا۔ اگرچہ میں کھانا کھا کر ریل پر بیٹھا تھا۔ لیکن رام لو بھائی اور کرپارام کے اصرار سے مجھے بھی کھانے میں شرکت کرنی پڑی۔ کھانے سے اطمینان ہو جانے کے بعد کرپارام سو گیا۔ میں نے رام لو بھائی سے پوچھا۔

"بخار تو آپ کا اتر رہا ہے۔ اب طبیعت کیسی ہے؟"

"اچھی ہے"

"اگر آپ کہیں تو مغل سرائے میں اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو اطلاع دیکر آپ کے لئے ریلوے ہسپتال سے طبی امداد کا انتظام کر دیا جائے"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی ہمدردیاں ہی میرے لئے علاج بن گئی ہیں"

"شکریہ"

وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے کہا:-

"آپ لیٹی رہیے۔ جسم میں حرکت ہونے سے بخار تیز ہو جانے کا احتمال ہے"

"لیٹے لیٹے جی گھبرا گیا ہے"

میں نے تکیہ کا سہارا لگا کر اسے بٹھا دیا۔ اور پاس ہی بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ رام لو بھائی بنگالی اور اردو بہت اچھی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔

مغل سرائے کے اسٹیشن پر رسٹوران کا بل آیا۔ رام لو بھائی نے اپنا ہینڈ بیگ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کھانے کی قیمت ادا کر دیجئے"

میں نے ہینڈ بیگ واپس کر کے جواب دیا۔

"آپ نے مجھے اس قدر چھوٹے دل کا آدمی سمجھا ہے"

ہینڈ بیگ میری طرف بڑھا کر شاید اس نے بہت بھاری غلطی کی جو وہ کچھ محجوب سی ہو گئی اور آگے کچھ نہیں بولی۔ کھانے کی قیمت میں نے اپنے پاس سے ادا کر دی۔

"آپ بڑے ویسے ہیں"

"کیوں؟"

"میری تو کوئی بات چلنے ہی نہیں دیتے"

"آپ بات کو کہہ رہی ہیں۔ آپ کی تو حکومت چل رہی ہے"

وہ ہنس پڑی۔ میں بھی ہنس دیا۔

الہ آباد تک کرپارام سویا ہوا آیا۔ اور مجھے رام لو بھائی سے باتیں کرنے کا بہت اچھا موقع مل گیا۔ اب وہ مجھ سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی اور یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ میں پنجابی زبان جانتا ہوں وہ رسمی گفتگو کے فرسودہ طریقہ کو ترک کر چکی تھی۔

الہ آباد میں کرپارام بیدار ہوا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد رسٹوران سے چائے آئی۔ ہم سب چائے پینے بیٹھ گئے۔ میں نے رام لو بھائی سے کہا۔

"اب شاید آپ دہلی میں نہیں اتریں گی"

"نہیں"

"آپ کے پتا ذات پات کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟"

"وہ اسے نہیں مانتے۔ میرے بڑے بھائی کی شادی اس بھید بھاؤ کو توڑ کر ہوئی ہے"

چائے سے فارغ ہو کر رام لو بھائی نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ تاش کھیلتے ہیں؟"

"کھیلتا تو نہیں ہوں لیکن انکار بھی نہیں کر سکتا"

میری طرف سے رضامندی کا اظہار ہو جانے کے بعد اس نے بھائی کو تاش نکالنے کے لئے کہا۔

"مسٹر سنتوش! آپ پنجابی چانئیس کھیل سکیں گے؟" اس نے پوچھا

"کھیل لوں گا" میں نے جواب دیا۔

پتیاں تقسیم کر دی گئیں اور ہم چانئیس کھیلنے بیٹھ گئے۔ پنجابی چانئیس سے زیادہ واقفیت نہ ہونے کے باعث میں بار بار ہار رہا تھا۔ اور میرے ہارنے سے رام لو بھائی کو اتنی خوشی ہو رہی تھی جیسے وہ نازی ازم کے خلاف جنگ کرنے میں کامیاب ہو رہی ہو۔ میں نے دیکھا یہ خوشی رام لو بھائی کی صحت

کو بحال کرنے میں مدد ثابت ہو رہی ہے اسی لئے میں نے بار بار کچھ فخر سا محسوس کرنے لگا تھا۔

تاش کھیلنے میں وقت اس قدر جلدی جلدی گزر رہا تھا کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ کانپور کا اسٹیشن آ گیا ہے۔ گاڑی رکنے پر یکایک میں چونک گیا۔

"اچھا رام لو بھائی! اب میرا سفر ختم ہو گیا۔ مجھے تمہاری دوستی سے جو لطف حاصل ہوا ہے اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گا" کہتے ہوئے میں نے وہ کتابیں کا چھپا ہوا تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"مت جاؤ"

"تمہارا کہنا میں کبھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ لیکن مجھے بہت کام ہے۔ پتا جی انتظار کر رہے ہوں گے"

"اچھا تو چلے جاؤ" اس نے مایوسی کے ساتھ میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے ملنے کبھی لاہور آؤں گا"

میرے جواب پر اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ خاموش اور چپ چاپ میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں اپنا سامان ٹھیک کرنے میں لگا ہوا تھا۔ قلی کو بلا کر جب میں نے سامان پلیٹ فارم پر رکھوایا تو یکایک کرپارام نے میرے سامنے آ کر مضطرب لہجے میں کہا:۔

"دیدی کو پھر بخار چڑھ گیا ہے"

اب میرے لئے کانپور میں اترنا ناممکن ہو گیا۔ میں نے سامان کو پھر کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا۔ اور رام لو بھائی کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ٹمپریچر کا اندازہ کیا۔ واقعی اسے پھر بخار آ گیا تھا۔

"رام لو بھائی! اچھا ہوتا اگر تم کانپور میں ایک دو روز ہمارے ہاں ٹھہر جاتیں۔ تمہارے پتا جی کو تار دے کر بلا لیا جائے گا"

"نہیں! اب تو لاہور کے راستے میں ہی مرنا جینا ہو گا"

"اتنی مایوسی سے بھری ہوئی باتیں نہ کرو رام لو بھائی!"

"تم جس قدر نیک ہو اسی قدر ظالم بھی ہو۔ ایک بیمار لڑکی کو منجدھار میں چھوڑ کر چلے جانے میں ہی تم مردانہ وقار کی فتح سمجھتے ہو۔ کیوں یہی نا؟"

"نہیں رام لو بھائی! یہ بات نہیں ہے۔ انسان کی خدمت ہی خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ لیکن مجبوری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے"

"ایسے نازک موقعوں پر مجبوریوں کو بھلایا بھی جا سکتا ہے۔ تمہارے متعلق میں نے غلط خیال قائم کیا تھا کہ تم اچھے آدمی ہو"

"میں بہت برا آدمی ہوں۔ بس تسلی ہو گئی نا؟"

"ہاں! تو تم چلے جاؤ"

"اچھا! میں چلا جاؤں گا"

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"اب بھلا میں جانے دوں گی تم کو۔ بیماری کے بعد بھی احتیاطاً علاج جاری رکھنا پڑتا ہے"

کرپارام میری اور رام لو بھائی کی باتیں نہایت تعجب کے ساتھ سن رہا تھا۔ لیکن وہ اس گفتگو کے پس منظر کو نہیں سمجھ سکا۔

"اچھی بات ہے۔ میں غیر ضروری سامان اسٹیشن ماسٹر کے حوالے کر دوں۔ اور ٹکٹ لیتا آؤں"

"لاہور کا ٹکٹ لینا۔ سمجھے؟"

"جو حکم" کہہ کر میں نے غیر ضروری سامان قلی کے سر پر رکھا۔ سامنے ہی اسٹیشن ماسٹر کا آفس تھا۔ وہاں سامان ان کے حوالے کر کے رسید لی اور ٹکٹ گھر کی کھڑکی کی طرف چلا۔ رام لو بھائی کے حکم کے خلاف میں نے دہلی تک کا ٹکٹ خریدا کیونکہ میں رام لو بھائی کے ساتھ لاہور تک بلا مقصد سفر کرنے میں اپنی تذلیل سمجھ رہا تھا۔ اس عرصہ میں رام لو بھائی نے رسٹوران کے آدمی کو بلا کر کھانے کا انتظام کر لیا تھا۔ اس نے اپنے لئے دودھ اور سوڈا ہی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا تھا۔ گاڑی پر بیٹھتے ہی گارڈ نے سیٹی دے دی۔ اور ہم نے کھانا شروع کر دیا۔

چمچے سے سوپ پیتے ہوئے میں بولا:۔

"عورت کی ذمہ داریاں صرف کھانے ہی تک محدود ہوتی ہیں"

جواب ملا:۔ "دنیا کا نظام میوچل کوپریشن (مساوی تعاون) پر قائم ہے"

ہم دونوں ہنس پڑے۔ کرپارام کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ پھر بھی وہ ہنسنے میں شریک ہو گیا۔ رام لو بھائی اپنا مختصر کھانا جلد ہی ختم کر کے برتھ پر لیٹ گئی۔ کرپارام اور میں دیر تک آہستہ آہستہ کھاتے رہے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بات چیت شروع ہوئی۔ رام لو بھائی کا بخار بالکل اتر چکا تھا۔

اس وقت رات کے بارہ بجے تھے۔ کرپارام اپنی برتھ پر بے خبر سو رہا تھا۔ رام لو بھائی میرے سامنے لیٹی ہوئی مجھے نیم باز آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اور میں بیٹھا ہوا طرح طرح کی خیال آرائیاں کر رہا تھا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں"

"تم بھی سو جاؤ نا۔ ابھی کل شام تک سفر کرنا ہے"

"تمہیں نیند آ رہی ہے کیا؟"

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ

ایک علمی مقالہ

سماج اور شادی

(از مسٹر سنہا)

انسان خواہشاتِ نفسانی میں حیوانات سے مختلف نہیں تھا۔ لیکن اس نے عقل کو متحرک کرکے زیادہ سے زیادہ افراد کی نجات کو پیشِ نظر رکھ کر نفس پرستی اور خود غرضی میں اعتدال پیدا کر دیا۔ اور اس طرح وہ بہت اوپر اٹھ گیا۔ کہیں کہیں تو اسی خصوصیت کے باعث وہ انسانیت کی حدود سے باہر نکل کر خدا کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔

حیوانات میں جو خواہشات نفسانی بقائے نسل کا باعث ہیں انسان نے اس کے ذریعہ عورت اور مرد کو شارعِ عالم میں مرتے دم تک کا ساتھی بنا دیا تاکہ وہ خواہشات نفسانی کی خدمت نہ رہنے پر بھی رنج و راحت اور زندگی کی تمام مشکلات میں ایک دوسرے کے لئے بڑے سے بڑا ایثار کرنے اور اس جسمانی تعلق کو دل کی مقدس آواز کے ماتحت کارآمد بنانے کے لئے ہر وقت تیار رہ سکیں۔

دنیا کی تمام مہذب اور غیر مہذب اقوام میں پائے جانے والے رسم و رواج میں شادی کی رسم سب سے زیادہ پرانی ہے۔ شادی نے انسانی سماج کو جانوروں کے جھنڈ سے علیحدہ کرکے سوشیل ارتقا کی بنیاد ڈالی۔ بغیر اس تعلق کے نہ سوسائٹی کی کوئی حیثیت قائم ہو سکتی تھی نہ ان خصوصیتوں میں ارتقائی تیز رفتاری کی امید کی جا سکتی تھی۔ جن کی موجودگی نے اسے متمدن یا مہذب کہلانے کے استحقاقِ تخلیقی سے سرفراز فرمایا۔

جیسے جیسے انسانی سماج شعوری کیفیات سے مالا مال ہوتا گیا ویسے ہی ویسے عورت اور مرد کے اس اختلاطِ باہمی کا مطمح بھی بلند و بالا ہوتا گیا۔ غیر مہذب اقوام میں عورت صرف ایک "چیز یا شے" کی حیثیت رکھتی تھی جسے خواہش کے مطابق رکھا یا پھینکا جا سکتا تھا۔ لیکن تہذیب کی ارتقا کے ساتھ ساتھ شادی کی اہمیت اور ازدواجی رشتہ کے استحکام میں بھی تبدیلیاں ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ مہذب اقوام میں سب سے زیادہ پاکیزہ۔ اہم اور غیر فانی تعلق شادی کو سمجھا جانے لگا۔ اور میاں بیوی زندگی بھر کے معاون تسلیم کئے جانے لگے۔ ہر ملک کی مہذب قوم میں "گھر" انسانیت کا مندر اور شادی فرض و ایثار کے نقطۂ نظر سے ایک پاکیزہ رشتہ سمجھا گیا۔

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ ترقی یافتہ قوموں نے ازدواجی مطمح کو اس قدر بلند کیوں رکھا ہے۔ انسانی اقلیت کی فطری خواہشات کو اگر تشنہ کام لذت رہنے دیا جاتا تو اس طرح ایک دوسرے کے فرائض کو سمجھنے کی قوت پیدا نہیں ہوتی۔ جنسی افتراق بیچ میں بری طرح حائل ہو جاتا اور انفرادی طور پر میاں بیوی کے دل میں قربانی کا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ جنسی اتصال سے مربوط۔ شعوری بیداری کی برکت ہے کہ آج ہم ماں کو ماں اور بہن کو بہن سمجھتے ہیں اگر شادی کو صرف "کاروباری" شکل دیدی جاتی تو میاں بیوی کا تعلق ذاتی مفاد سے وابستہ ہو جاتا۔ اور کسی کو کسی کے نقصان سے کوئی تکلیف نہیں پہونچتی اس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا عورت اولاد کی پرورش سے متعلق ذمہ داریاں اپنے سر لینے سے انکار کر دیتی۔ چنانچہ اس لئے شادی کو ایسا اہم رشتہ تسلیم کیا گیا جس میں جسم کے ساتھ روح کو بھی خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس مطمح میں سوسائٹی اپنی ضرورت اور وقت کے مطابق رد و بدل کرتی گئی۔ یہاں تک کہ اب یہ صرف دنیائے تخیل کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو اس کی تبدیلی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ اکثر افراد شادی کی ضرورت ہی پر شبہ کرنے لگے ہیں مستقبل میں شادی کے رواج کی کیا شکل ہوگی؟ اس کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ سوسائٹی صرف اس کی کاروباری شکل کو قائم رکھے گی۔

مغربی ممالک میں کاروباری زاویۂ نگاہ کے باعث ازدواجی تعلق کی جس طرح تخریب کی جا رہی ہے اسے دیکھ کر ہمیں بہت بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ وہاں عورت اور مرد کا رشتہ فرطِ محبت میں قائم ہوا اور کسی وجہ سے لیکن چونکہ سوسائٹی نے شادی کو کاروباری نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک بھی اپنا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔

یہ حقیقت ہے کہ عورت اور مرد میں ایک محدود درجہ تک ایسی دل کشی رہتی ہے۔ جسے مکمل اور مستحکم طور پر ذہنی اختلاط کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس محبت کے سیلاب میں جن کی زندگی کی آبشاریں مخلوط یا مشترکہ طور پر بہنے لگتی ہیں وہ سیلاب کے ختم ہونے کے بعد بھی علیحدہ نہ ہو کر سکون کامل رفتار کے ساتھ سماج کے ناتجربہ کار افراد کو فیضیاب کرتی ہوئی لامحدود وسعتوں تک بہتی چلی جاتی ہیں۔ ہمیں اگر زندگی کی سب سے خوبصورت تصویر دیکھنی ہو تو ایسے جوڑے کو دیکھنا چاہیے" جو زندگی کے ناہموار کارزار میں ایک دوسرے

کو سہارا دیتے ہوئے اپنی روحانی تقاضوں سے دنیا کو متفیض کرنے کے علاوہ اپنی زندگی کی شاہراہ میں سوسائٹی پر تقدس میں محبت کی بارش کر رہے ہوں۔ جن کی تہذیب میں زندگی کی شاہراہ تک محدود ہونے یا محسوس کرنے کی کوشش میں بڑا ناکام ہوتا ہے وہ ازدواجی زندگی کی اس رحمت آفرینی کا خیال بھی نہیں کر سکتے جس میں مرد عورت کے پیروں کو کانٹے سے دور رکھنے کے لئے زندگی بھر اپنا دامن پھیلائے رہتا ہے اور عورت اس کے ہونٹوں پر ہنسی دیکھنے اور اس کے مشکل ترین راستہ کو آسان اور سہل بنانے کے لئے اپنی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہاتی رہتی ہے۔ اس اعتبار سے جذبہ کو [illegible] کوئی تعلق [illegible] نہیں سکتا۔ ازدواجی تعلق [illegible] صرف [illegible] انفرادی [illegible] بھی فریق کو مطمئن کر سکتا ہے اور نہ اس رشتہ کو مستقل بنا سکتا ہے۔

عورت بچہ پیدا کرنے اور اس کی پرورش کرنے کے زمانہ میں کسی بھی سوشل تحریک میں عملی حصہ نہیں لے سکتی۔ لیکن صرف یہی خامی اسے کمزور و ناتواں ثابت نہیں کرتی۔ بچے پیدا کرنا ہی قوم اور سوسائٹی کی اجتماعی زندگی کو مضبوط بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں عورت کا درجہ مرد سے کسی قدر اونچا ہو جاتا ہے۔ اگر سوسائٹی کو انتہائی عروج پر پہونچانے کے لئے عورتوں کے دل میں بچوں کی لامحدود محبت نہیں ہوتی تو وہ بچوں کو پال پوس کر اس طرح بھول جاتیں جس طرح حیوانات بھول جایا کرتے ہیں۔ پھر سوسائٹی کی جو حالت ہوتی وہ ظاہر ہے۔

اقبال

(از حضرت ماہر القادری)

(یہ نظم حیدرآباد دکن کے عظیم الشان جلسہ منعقدہ "زمرد محل" میں نعرہ ہائے تحسین و مسرت کے درمیان پڑھی گئی تھی)

گرتوں کو اٹھاتا ہے، سوتوں کو جگاتا ہے ۔۔۔ اقبالؒ ترا نغمہ مُردوں کو جلاتا ہے

تو بانگِ درا بن کر جب دہر پہ چھاتا ہے ۔۔۔ سوتے ہوئے ذرّوں کو بیدار بناتا ہے

تو جرأت و بے باکی دنیا کو سکھاتا ہے ۔۔۔ کمزور ممولوں کو شاہیں سے لڑاتا ہے

تو شعر کے پردے میں تکبیر سناتا ہے ۔۔۔ تو پھول کی پتّی کو تلوار بناتا ہے

جو تیغ کہ چمکی تھی یرموک کے میداں میں ۔۔۔ اُس تیغ کے جوہر کو شعروں میں دکھاتا ہے

قرآن ترا ایماں، قرآن تری دنیا ۔۔۔ تو شعر نہیں کہتا، الہام سناتا ہے

جس نقش کو مغرب کے ہاتھوں نے ابھارا تھا
اس نقش کو مشرق کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے

اقبال محمدؐ کا پیغام سناتا ہے ۔۔۔ مرنا بھی سکھاتا ہے جینا بھی سکھاتا ہے

ایمان کی دولت کو غیروں میں لٹاتا ہے ۔۔۔ گنگا کی وہ موجوں کو زمزم سے ملاتا ہے

ٹوٹے ہوئے تاروں کو بکھرے ہوئے پھولوں کو ۔۔۔ اقبالؒ محبت کے ہاتھوں سے اٹھاتا ہے

جو شعر کہ دنیا کو کرتا ہے تہ و بالا ۔۔۔ اُس شعر کے جوہر کو وہ کام میں لاتا ہے

ہر جبر کی قوت کو، ہر ظلم کی طاقت کو ۔۔۔ فاروقؓ کی سطوت کا آئینہ دکھاتا ہے

مغرور امیروں کو معلوم نہیں شاید ۔۔۔ اقبالؒ امارت کی بنیاد ہلاتا ہے

جس مے نے کیا زندہ، عطار کو رومی کو ۔۔۔ اقبال اسی مے کے پیمانے پلاتا ہے

تہذیبِ فرنگی پر آتی ہے ہنسی اُس کو ۔۔۔ اسپین کے کھنڈروں پر آنسو بھی بہاتا ہے

پیغامِ حیات تو دیتا ہے غریبوں کو ۔۔۔ دولت کی غلامی سے دنیا کو چھڑاتا ہے

یہ مکر بھری دنیا رہنے کے نہیں قابل
ماہر تجھے جنت میں اقبال بلاتا ہے

تخیلات

بات کل کی ہے مگر معلوم ہوتا ہے جیسے
عمر یں گذری ہیں تیری بزم سے چھوٹے ہوئے

جی چاہتا ہے تمہارے قدموں کو چوم کر معافی چاہوں۔ مگر وہ مبارک قدم کہاں۔ اور وہ مبارک زمین کہاں جو تمہارے مبارک قدموں کے بوسے لیتی ہے۔

یقین جانئے اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ گھر کی دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روتا ہوں اور یاس بھری نگاہیں غیر ارادی طریقہ سے آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ بڑی بڑی دیر بعد سکوت و جمود کی دنیا میں سسکیاں ہلچل ڈالتی ہیں۔ دن میں خیال آیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔ طبیعت نڈھال جب ہوگئی تو اٹھا۔ آئینہ میں قمیص کا بٹن لگاتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھا .... دیکھا......... کھڑے کھڑے پیر تن۔ آنکھوں میں درد۔ پپوٹے سوجے ہوئے۔ ایک آہ بھری۔ ہاتھ باندھے۔ گردن نیہوڑائے دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ کبھی سرد ہوا کے جھونکوں میں سرد رخساروں پر گرم گرم آنسو ٹپکتے ہیں۔ کبھی باغ میں اداس۔ سوکھے ہوئے درخت کی شاخ کو سنبھالے۔ دوپہر کی تیز دھوپ۔ گھر کی صاف انگنائی۔ درخت کی چھاؤں میں عہد ماضی کو یاد کرتا ہوں۔ ذرے عہد ماضی اور مستقبل کی تصویریں پیش کرتے ہیں۔ اور دل کے گوشہ سے صدا نکلتی ہے کہ .... اللہ ...... کبھی .... اور کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے ملوں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بڑی بڑی دیر ستاروں سے جی بہلاتا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اسی ستارے کی دنیا میں بسی ہوئی ہو۔ خواب میں آئیں۔ بیدار ہوا .... خفقان ...... دل گھبرایا ...... وحشت .... ٹہلنے لگا .... بیٹھا .... اٹھا .... سمجھا کہ روح پرواز ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دل کو ہتھیلیوں سے مسل رہا ہے خود بخود دل کی جگہ تکیہ لگا کر درد کو مٹانے کی بے سود کوشش کرتا ہوں یہ شعر مجھ بدنصیب کی حالت کا آئینہ معلوم ہوتا ہے ؎

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا پیدا ہوتا ہے
میں چپکے چپکے روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

چاندنی میں چمکتی ریت مستقبل کا ستارہ نظر آتی ہے۔ دل کو ویرانے بھاتے ہیں۔ جاتا ہوں۔ گاتے گاتے .... رونے لگا۔ تھک گیا سو گیا .... اٹھا ...... سر میں درد۔ عجیب حالت ...... مرجھایا ہوا غنچہ ...... ہیجان ...... پریشان ...... عالم وا ہو میں نعرہ لاہوتی بلند کرتا ...... وارفتہ ...... جھومتا ...... جگہ جگہ رکتا .... یاس ...... آس ...... کہاں تھا۔ کہاں نہیں ...... نئی دنیا۔ معلوم ہوا رات آئی ...... طویل سفر ...... جس میں منزلوں پانی نہیں سوائے آنسوؤں کے۔

نہیں کیا معلوم کہ کوئی صبح سے شام۔ شام سے صبح کر دیتا ہے رات کاٹتا جب کہ تمام عالم سوتا ہے۔ البتہ مہر سکوت کو کبھی جھینگر اور کتے کے بھونکنے کی آوازیں توڑتی ہیں اور ہوا کی سائیں سائیں درختوں میں ہلچل ڈالتی ہے۔

سوچا کرتا تھا کہ خدایا میرا وجود کس لئے ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ہم رونے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ شاعری میں جب کبھی کوئی چیز ایسی دیکھی کڑھیں ہونے لگی۔ بجلی گر پڑی۔ سمجھتا تھا کہ سب جھوٹ موٹ بکتے ہیں۔ ساز کے ان تاروں کو چھیڑا ہی نہ تھا۔ مگر اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر تار پُر درد نغمہ لئے ہوئے ہے۔

کہاں تک دوہرائے گا۔ بھول جاؤں گا ...... یاد آئے گا۔ بہتر ہے کہ ساتھ لیجئے۔ امید تو یہ ہے کہ اب کوئی معاف کر دے گا ...... شکریہ .... شاکر .... نیاز .... تو ناز .... نواز ...... قادر .... جو جی چاہے کر ...... فرض تھا ادا کیا۔ پھر کہنا ہمیں خبر ہوئی۔

محمد عبد القیوم انجم (حیدر آبادی)

مفت

بکا س پتے لکھے پڑھے آدمیوں کے مختلف مقامات کے دفتر رسالہ محشر خیال دہلی کو بھیجیں۔
پتے خوشخط اور صاف ہوں اس کے عوض میں ہم آپ کو ایک کتاب "افسانہ غم" اپنے پاس سے محصول ڈاک لگا کر مفت بھیجیں گے۔

مزاحیہ

خبط

(ایک ہونہار لیڈر کے قلم سے)

آج کل سوسائٹی، انجمن، کانفرنس وغیرہ کا اتنا زور ہے کہ جس طرف نظر اٹھائیے اسی طرف کسی نہ کسی انجمن یا کمیٹی کا پوسٹر نظر آئے گا حتیٰ کہ میونسپلٹی کے ٹٹی گھر بھی اشتہار بازوں کی عنایات سے خالی نظر نہیں آئیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان پوسٹروں کے پڑھنے کے لئے خوردبین قسم کے چشموں کی ضرورت پڑتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بغیر انجمن کے لوگوں کی زندگی دو اور دو کے برابر ہے۔ جو آدمی کسی سوسائٹی یا سبھا کا ممبر نہیں ہوتا اس کی کوئی آواز ہی نہیں ہوتی۔ اسکولوں کے لڑکے تک اپنی انجمن بنا کر ماسٹروں کے سر پر ٹھینگا جمائے رکھنا چاہتے ہیں۔ ماسٹر بے چارے آج کل کے طلبار سے اس لئے تھر تھر کانپتے ہیں کہ کہیں کسی بات پر یہ لوگ ہڑتال نہ کر دیں کیونکہ ہڑتال کرنی اس بیسویں صدی میں دال بھات کے برابر ہو گئی ہے۔ انجمن سے یہی تو فائدہ ہے کہ جب جی چاہے ہڑتال کر دیجئے۔ لیڈروں کی کچھ قلت تو ہے ہی نہیں۔ جتنے بے روزگار لوگ ہیں وہ لیڈر بننے کی خواہش میں کمر کس کر گھومتے پھرتے ہیں۔ یہی ایک ایسا محکمہ ہے جس میں "نو ویکینسی" کا سوال نہیں اٹھتا بعض خود ساختہ لیڈر تو خود ہی کسی انجمن کی بنیاد رکھ کر اپنے لئے کھانے کپڑے کا سامان کر لیتے ہیں۔ جہاں انہوں نے ایک تقریر کی اور "ظلم" بے انصافی اور شٹلرازم کے خلاف آواز بلند کی اور اس سلسلہ میں منظم ہو جانے کی ضرورت پر روشنی ڈالی بس انجمن کی بنیاد پڑ گئی۔ لیڈر کو کام بھی مل گیا اور انجمن کے ممبروں کو ہڑتال کرنے کا سرٹیفکٹ بھی حاصل ہو گیا۔ لیڈر بننے کا ایسا تیر بہدف نسخہ جس میں جیل وغیرہ جیسی کڑوی چیزوں کی فی الحال گنجائش نہ ہو دیکھ کر نہ جانے کتنے معصوم امیدوار بے میاں جھنڈا باندھ کر گھومتے پھرتے ہیں ــــ ایک دن مابدولت ایک اخبار کے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ معاً ایک ہونہار لیڈر صاحب مسکراتا ہوا عید کارڈ بنے ہوئے داخل دفتر ہوئے اور ایک کرسی کھینچ کر نہایت بے تکلفی کے ساتھ ڈٹ گئے۔ ایڈیٹر سے تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنی جیب سے ایک لمبا چوڑا مسودہ نکال کر ایڈیٹر کی طرف بڑھا دیا اور کہنے لگے۔

"براہ نوازش اس بیان کو آئندہ اشاعت میں جگہ دیدیجئے"

ایڈیٹر صاحب نے مسودہ کو دیکھ کر منہ بنایا اور کہا۔

"اسے کچھ چھوٹا کیجئے۔ بہت بڑا ہے"

ایڈیٹر صاحب نے اسی وقت بات کی بات میں کانٹ چھانٹ شروع کر دی۔ اور تقریباً بیس پچیس سطروں پر سیدھی لکیریں پھیر دینے کے بعد مسودہ کو ایڈیٹر کے حوالہ کر دیا۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ لیڈر لوگ اپنے بیان میں کانٹ چھانٹ کی کافی سے زیادہ گنجائش رکھتے ہیں اور ایسا بھی ممکن ہے کہ پورے مسودہ پر صلیبی شکل کا نشان کھینچ دیا جا سکتا ہے۔ ہونہار لیڈر کے چلے جانے کے بعد ایڈیٹر صاحب بولے:۔

یہ لوگ ناک میں دم کئے رہتے ہیں۔ کبھی بیان سلے کھڑے ہیں کبھی خود ہی آ کر انٹرویو دے جاتے ہیں۔

میں نے پوچھا:۔ خود ہی آ کر انٹرویو کس طرح دیا جاتا ہے؟

ایڈیٹر صاحب بولے:۔ بڑے لوگوں کے پاس پہونچ کر نمائندہ پریس انٹرویو کرتا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اسے لکھ لاتا ہے۔ جن کے پاس نمائندہ پریس نہیں پہونچتا۔ وہ خود ہی اخبار کے دفتر میں انٹرویو دے جاتے ہیں۔ بعض لیڈری کے امیدوار حضرات تو پریس رپورٹر سے یارانہ گانٹھ لیتے ہیں"

"اور آپ ان کے بیانات چھاپ دیتے ہیں؟"

"اس میں میرا کیا بگڑتا ہے۔ اس طرح ان کے دل میں قومی خدمت کا جذبہ تو کارفرما رہتا ہے۔ اتنا البتہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کوئی خبر غلط تو نہیں چھپ رہی ہے"

مابدولت نے دل میں سوچا لیڈر بننے کا یہ طریقہ نہایت ہی عمدہ ہے چنانچہ اخبار کے دفتر سے واپس آنے کے بعد میرے سر پر لیڈر بننے کا سنیچر سوار ہو گیا۔ اور میں نے پوری شدومد کے ساتھ پریس رپورٹر کی تلاش شروع کر دی حسن اتفاق سے ایک دن حضرت رپورٹر کا دیدار نصیب ہو ہی گیا۔ میں نے بڑھ کر پوچھا۔

کہئے حضرت! مزاج تو اچھے ہیں؟ آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں"

وہ بولے:۔ میں آپ کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ جناب کا اسم گرامی شاید نجم نگری ہے۔

ارے یار! اب تو تم پورے رپورٹر ہو۔ ہر بات کی خبر رکھتے ہو

آؤ چلتے ہو؟"

"کہاں؟"

"آؤ چلو پان وان کھائیں۔ یہاں پہ کوئی خاص کام تو ہوگا نہیں"

"سر دست تو کوئی کام نہیں ہے"

"تو پھر آؤ"

ہم دونوں چلے۔ بازار میں عابد دولت نے پوچھا۔

"مٹھائی کھاؤ گے؟"

رپورٹر صاحب عابد دولت کو سر سے پیر تک دیکھ کر بولے۔

"کیا بات ہے بڑے صاحب۔ آتنی مہربانی کیوں؟"

"مہربانی کی کیا بات ہے۔ مجھے تم سے کچھ محبت سی ہوگئی ہے۔ لہٰذا صورت دیکھتے ہی دل میں ایک دم یہ بات پیدا ہوئی کہ اس آدمی سے ضرور دوستی پیدا کرنی چاہئے"

یہ سن کر رپورٹر صاحب ریشہ خطمی ہوگئے۔ مسکرا کر بولے۔

"یہ آپ کی نوازش اور خوش فہمی ہے"

"مجھ میں آدمی کو پہچاننے کی زبردست عادت ہے۔ صورت دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں کہ یہ آدمی اس قماش کا ہے"

"یہ خصوصیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے"

"بے شک۔ ہاں تو اب ہمارے گھر ہی چلو نا۔ کچھ ناشتہ کرنا۔ تھوڑی دیر گپ شپ رہے گی"

رپورٹر صاحب راضی ہوگئے۔ عابد دولت انہیں گھر لے آئے مٹھائی کھلائی، پان کھلایا۔ سگریٹ پلایا۔ رپورٹر صاحب نہایت خلوص کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ چلتے وقت دوبارہ ملنے کا وعدہ کر گئے۔

کچھ عرصہ بعد رپورٹر صاحب بہت تکلف ہوگئے۔ جب دیکھئے تب موجود ہیں۔ آتے ہی فرمائش کرتے "آج تو کوئی تر مال کھلاؤ" عابد دولت ان سے دریافت کرکے ان کی خواہش کے مطابق خاطر مدارات کرتے۔ ایک دن ان ہی کے باعث ننھے کی اماں سے کہا سنی ہوگئی۔ وہ بگڑ کر بولیں:۔

"یہ کون ہے؟ جب دیکھو تب کھڑا رہتا ہے یہ کھلاؤ۔ وہ منگاؤ بڑا بے شرم آدمی ہے"

میں نے کہا۔ "تم کیا جانو ان باتوں کو"

"آخر ہے کون کل موا؟"

"یہ وہ آدمی ہے کہ اس کے ذریعہ جو کہو وہی چھپ سکتا ہے"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"تم بیوقوف ہو۔ بے وقوف کا دوسرا نام عورت ہے۔ ایسی باتیں سمجھنے کے لئے عابد دولت جیسا دماغ چاہئے۔ یہ وہ آدمی ہے کہ رائی کو پہاڑ بنا کر اخبار میں چھپوا سکتا ہے"

"تو گویا ایڈیٹر ہے"

"اجی ایڈیٹر کی کیا حقیقت ہے۔ ایڈیٹر تو اس کا پانی بھرتا ہے۔ خبروں کا بادشاہ ہے۔ بادشاہ"

"تو اس کی دوستی سے تمہیں کیا فائدہ؟"

"فائدہ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ تم تو صرف بیگن اور بھنڈی کے فائدے جان سکتی ہو"

"ذرا سمجھا دونا"

"میں سمجھا بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ میں خود ذرا دیر میں سمجھنے کا عادی ہوں۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تم جو چاہو ڈنکے کی چوٹ یعنی بیچ کھیت چھپوا سکتی ہو"

"اچھا میں سمجھ گئی۔ تب ایک خبر چھپوا دونا"

"تم خبر کہہ کے بیٹھی ہو۔ میں بڑے بڑے بیان چھپوا سکتا ہوں"

"اچھا تو یہ چھپوا دو کہ ہماری کالی بلی نے چار بچے دیئے ہیں"

"بس اتنی سی بات؟ کل ہی لو"

دوسرے دن عابد دولت نے رپورٹر صاحب سے فرمایا۔

"یار! ایک خبر چھپوانی ہے"

"ہاں ہاں! بولو یا لکھ کر دیدو"

عابد دولت نے اس طرح خبر لکھی۔ "ہمارا نامہ نگار خصوصی اطلاع دیتا ہے کہ حضرت مولانا نجم فکری صاحب کی اہل خانہ کی گربہ سیاہ نے ایک جھول میں مبلغ چار عدد بچے پیدا کئے ہیں۔ دفتر اخبار..... کی طرف سے مولانا کی اہل خانہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا جاتا ہے"

رپورٹر صاحب خبر کو دیکھ کر تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر بولے۔

"یہ خبر مت چھپواؤ"

"کیوں؟"

"اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے"

"خاص بات ہو یا عام بات۔ یہ ضرور چھپے گی"

"سن تو لو"

"میں کچھ نہیں سنتا"

"اس خبر کے چھپنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا"

"تو یہ جتنی خبریں چھپتی ہیں ان سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸)

مجبور

(از محترمہ حلیم النساء صاحبہ عظیم آبادی کوئٹہ بلوچستان)

اس نے کہا۔

"سنتی ہو نیرو؟"

"ہاں"

"محبت برقرار رکھو گی نا؟"

"کیسے کہوں"

"کیوں؟"

"نہ جانے شوہر کے ساتھ مجھے کس دیس میں رہنا پڑے"

"تو اس سے کیا ہوا"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ایشور جانے ان کا مزاج کیسا ہوگا"

"خط لکھو گی نا؟"

"ضرور ضرور"

ریل چھک چھک کرتی ہوئی پلیٹ فارم سے باہر نکل گئی۔ میں اپنی برتھ پر بیٹھ کر سوچنے لگی "عورت کا دل کس قدر نرم و نازک ہوتا ہے دو میٹھی میٹھی بول ہی تو اس کی سوکھی ہوئی زندگی میں شگفتگی پیدا کر دیتی ہے" یہ سوچکر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے محسوس کیا کہ واقعی میرے دل میں اس کے لئے حد سے زیادہ محبت موجود ہے۔

میری اور اس کی دوستی اس وقت ہوئی تھی جب میں گرمیوں کی تعطیل میں اپنے چچا کے یہاں شملہ گئی تھی۔ اس کے باپ حکومت ہند کے محکمہ صحت عامہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے اور میرے چچا محکمہ زراعت کے افسر۔ نزدیک نزدیک مکان ہونے کے باعث دونوں خاندانوں میں بڑا میل ملاپ ہو گیا تھا۔ اس لئے شملہ میں میرا اور اس کا چوبیس گھنٹے کا ساتھ رہنے لگا۔ صرف ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصہ میں دو روحیں اتنی قربت حاصل کر لیں گی! یہ بات میں ریل پر بیٹھنے کے بعد سمجھ سکی تھی چنانچہ اسی لئے مجھے اپنے جذبات و احساسات کا صحیح اندازہ لگانے میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوئی۔ اور اس وقت تو میرا کلیجہ بیٹھنے لگا تھا جب ریل پر سوار ہوتے ہوئے میں نے اس کے اداس اور غمگین چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے اور اس نے مرتعش لہجے میں مندرجہ بالا گفتگو کی تھی۔

الہ آباد پہنچتے ہی میں نے حسب وعدہ اسے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا

"میں خیریت کے ساتھ الہ آباد پہنچ گئی ہوں۔ میرا خیال ہے تمہیں میری جدائی بڑی شاق گذر رہی ہوگی۔ تمہارے لئے میں بھی بہت بے قرار ہوں۔ تم اپنی نیرو بہا کے لئے دل کو بھاری مت کرنا۔ میں اب کے جاڑوں میں دہلی آؤں گی اور تمہاری خواہش کے مطابق تمہارے ہی کوارٹر میں قیام کروں گی خط و کتابت جاری رکھنا تاکہ دلوں کی قربت جوں کی توں قائم رہے۔ ماں جی کو میری طرف سے پرنام کہہ دینا۔ آج چاچا جی کو بھی خط لکھ رہی ہوں۔ باقی سب خیریت ہے"

اس کے جواب میں اس نے لکھا تھا۔

نیرو بہا دیوی۔ نمستے

تمہارا خط پڑھکر دل کو بڑی تسلی ہوئی اور اس امر کا یقین ہوا کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تم جب تک میرے ساتھ رہیں دکھ میرے پاس پھٹکنے نہیں پایا اور اب جب کہ تم مجھ سے دور ہو گئی ہو میری دنیا تاریک نظر آتی ہے۔ میں نے ہنسنا بولنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ خواہ تم اسے حماقت ہی کیوں نہ سمجھو لیکن یہ ہے حقیقت تم دہلی ضرور آنا۔ اکتوبر کی یکم تاریخ کو ہم لوگ دہلی پہنچ جائینگے اور تمہاری آمد کا شدید انتظار رہے گا۔ ماں جی تمہیں آشرباد دیتی ہیں۔ خط کا جواب جلدی جلدی دیا کرنا۔

میں نے اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں دہلی پہنچ جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن اسکول کے سالانہ جلسہ کے باعث میں اپنے ارادہ پر عمل نہیں کر سکی نتیجہ کے طور پر میں نے دو ہفتہ کے لئے اسے مزید انتظار میں ڈال دیا۔ اس عرصہ میں اس کے کئی خطوط آئے لیکن میں انتہائی مصروفیت کے باعث ایک کا بھی جواب نہیں دے سکی۔ بہرحال میں اکتوبر کے آخری ہفتہ میں دہلی کے لئے روانہ ہوئی میں نے اپنی روانگی کی خبر اس لئے اسے نہیں دی تاکہ میں اس کی محبت کا صحیح اندازہ کر سکوں البتہ اپنے چچا کو میں نے ایک کارڈ کے ذریعہ اطلاع دیدی تھی

اور اس میں لکھ دیا تھا کہ اس مرتبہ میرا قیام بابو سید دھیش چندر داس کے باپ کا نام اسکے گھر میں ہوگا۔

جب میرا تانگہ اس کے دروازہ پہ پہنچا تو اس کے ایک ملازم نے مجھے دیکھ کر یہ مسرت افزا پیغام اندر پہنچا دیا۔ پھر تو ہر طرف سے آواز آنے لگی "نیرد آئی ہے۔ نیرو آئی ہے"۔

اس نے فرط محبت میں دوڑ کر مجھے گلے لگا لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر میرے سلک کے جمپر کو تر کرنے لگے۔ وہ ہم دونوں کا کتنا خوبصورت ملاپ تھا۔

"تم آگئیں نیرو!"۔ اس نے بہت مشکل سے اتنا کہا۔

"میں ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہتی ہوں"۔ میں نے جواب دیا اور اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے اس کے آنسو پوچھے۔

اس کے ماں باپ سامنے ہی کھڑے تھے۔ میں نے نہایت ادب کے ساتھ انہیں پرنام کہا۔ اتنی دیر میں نوکر میرا سامان اندر پہنچا آیا تھا۔ تانگہ والے کو اس نے اپنے پاس سے پیسے دیکر رخصت کر دیا۔ اور میں اس کے ساتھ کمرے میں آئی اس کی ماں نے پوچھا:۔

"الہ آباد میں سب کوشل منگل ہے نا؟"

"جی ہاں! آپ کی دیا سے سب لوگ اچھے ہیں"

معمولی بات چیت کے بعد اس کی ماں میرے ناشتہ کا انتظام کرنے کے لئے رسوئی گھر میں چلی گئیں۔ اس نے گفتگو شروع کی:۔

"تم نے آنے کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ کیوں؟"

"اس طرح تمہیں جو خوشی ہوئی وہ خوشی خط بھیج کر آنے سے نہیں ہوتی"

"تم بہت انتظار کراتی ہو"

"کیا کرتی مجبور تھی"

"بہت دبلی ہو گئی ہو"

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے ہی چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے"

"نہیں تو" یہ کہہ کر اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے نشان کھنچ گئے۔

"تمہیں ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہئے" میں نے کہا

"آج کل سناٹوجن میرے استعمال میں ہے"

نوکر نے سامنے آکر کہا:۔

"نیرو بائی! اشنان کے لئے پانی تیار ہے"

"اچھا آتی ہوں۔ ہاں دیکھ میری اٹیچی سے کپڑے نکال کر ٹھیک کردو"

اس نے کہا:۔

"تم نہانا تو شروع کرو کپڑے درست ہو جائیں گے"

یہ کہہ کر اس نے مجھے حمام کے دروازے تک پہنچا دیا۔ جب میں غسل کر کے واپس آئی تو چائے تیار تھی۔ میں چائے پینے بیٹھ گئی اور اس نے میری پیٹھ پر پھیلے ہوئے بالوں کو سنوارنا شروع کر دیا۔ چائے سے فارغ ہو کر میں لباس پہننے لگی۔ اس نے لباس پہننے میں میری مدد کی اور میرے جمپر کا بٹن لگاتے ہوئے کہا:۔

"اب تمہیں شادی کر لینی چاہئے نیرو!"

"دت" میں نے کہا

"کیوں"؟

"جلدی ہی کیا ہے"

"کیوں اب کیا بڑھاپے میں شادی کرو گی؟"

"تو پھر اپنے ہی ساتھ کر لونا"

"چھی"

"کیوں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ زندگی بھر تمہارے ساتھ رہوں گی"

"ایسا ہوتا تو......" کہتے کہتے اس کے ہونٹوں پر تبسم رقص کرنے لگا۔

"ہیرابولی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قدیم مصر میں ایسا ہوا کرتا تھا"

یکایک اس کی ماتا جی نے کمرے میں آکر پوچھا:۔

"ترکاری کیا بناؤں نیرو بیٹی؟"

"اس طرح تنگ کیجئے گا تو میں چلی جاؤں گی" میں نے کہا۔

"مگر رسوئی تو تیرے ہی پسند سے بنے گی"

"ماں جی! یہ سب میں نہیں جانتی۔ آپ کا جو جی چاہے پکا لیجئے"

اور فوراً ہی میں اس سے مخاطب ہو گئی:۔

"ہاں دیکھنا! نوکر کو بھیج کر اسٹینڈ سے تانگہ منگا دو۔ ذرا چاچی سے ملاقات کر آؤں"

نوکر کو بلا کر اس نے تانگہ لانے کے لئے کہہ دیا۔ اور مجھ سے کہا:۔

"بھوجن کے وقت ضرور آ جانا۔ ساتھ ہی کھانا کھائیں گے"

تھوڑی دیر میں تانگہ آ گیا اور میں کھانے کے وقت واپس آ جانے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

الغرض میں دو ہفتہ تک اس کے ساتھ رہی یہاں میری جتنی خاطر و مدارات ہوئی شاید اتنی خاطر کسی امیر گھرانے کی لڑکی کی بھی اپنی سسرال میں نہیں ہوا کرتی ہوگی۔ نوکر چاکر سبھی میرے حکم کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ اور اس نے تو مجھے پا کر شاید سب کچھ پا لیا ہو۔ یہ میری زندگی کے نہایت خوشگوار ایام تھے۔ الہ آباد واپس آنے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ پورے شد و مد کے ساتھ جاری رہا۔

میٹرک پاس کرتے ہی اپنے والدین کو میں بارگراں سی معلوم ہونے لگی انہیں میری شادی کی اتنی جلدی پڑ گئی کہ میں اس موضوع پر کچھ سوچ بھی نہیں سکی۔ ادھر ادھر رشتہ کا چرچا ہونے لگا۔ اور میری رائے کے بغیر ہی میرا رشتہ ایک سوداگر کے لڑکے سے قرار پا گیا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کے نام بھی دعوت نامہ جاری کر دیا تھا۔ شادی کے بعد جب میری رخصتی ہونے لگی تو اس نے میرے شوہر سے کہا تھا "آج تم ایک انمول رتن مجھ سے چھین کر لئے جا رہے ہو۔ دیکھنا میری نیرو پما کو دکھ نہ دینا" اس وقت میرے شوہر نے آہستہ سے جواب دیا تھا "میں اس رتن کو اپنے مکٹ میں جڑ دوں گا۔ تاکہ میرے گھر میں کبھی روشنی کی قلت نہ ہو" اس وقت میں نے گھونگھٹ کے اندر سے جھانک کر دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے میرے کندھے پر سر رکھ کر کہا تھا "تمہیں پتی کا پیار مل گیا ہے۔ نیرو! لیکن مجھے بھول نہ جانا" اس کی آواز میں کتنا درد تھا۔ یہ محسوس کرتے ہی میں بھی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ الغرض میں بادیدہ تر اپنی سسرال کے لئے رخصت ہوئی۔

چند ماہ کے بعد مجھے شوہر کے ساتھ کلکتہ جانا پڑا کیونکہ وہاں میرے خسر کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ اور اس کاروبار کی نگرانی کے لئے میری اور میرے شوہر کی ضرورت تھی۔ کلکتہ میں اس کے خطوط کثرت کے ساتھ آیا کرتے تھے۔ لیکن میں کلکتہ کی دلچسپیوں اور پتی دیو کی محبت میں مسرور ہو کر رفتہ رفتہ اسے بھولتی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ ایک سال کے بعد میں ایک ننھے سے بالک کی ماں بن گئی اور دن رات اسی کی دیکھ بھال میں رہنے لگی۔

دو سال بعد اس کی بھی شادی ہو گئی اور انبالہ کے قریب اس نے ایک قصبہ میں اپنا گھر بسا لیا۔ یہ تمام باتیں مجھے اس کے خطوط سے معلوم ہوئی تھیں۔

اس طرح میری زندگی کے چار سال نہایت لطف و انبساط کے ساتھ گزر گئے۔ ایک دن یکایک انبالہ سے ایک تار موصول ہوا جس میں لکھا تھا "شدید سخت بیمار ہے۔ دیکھنا چاہتی ہو تو جلدی آؤ"۔

تار پڑھ کر میرے ہوش و حواس اڑ گئے۔ میری ہی غفلت کے باعث ایک قابل قدر زندگی کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ اب کلکتہ میں میری دلچسپی کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی۔ شوہر سے اجازت لے کر میں پہلی گاڑی سے انبالہ رخصت ہو گئی۔ دو دن تک مسلسل سفر کرنے کے بعد میں انبالہ پہونچی اس کے گھر میں اداسی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے اس گھر سے کوئی بہت بڑی چیز باہر نکل گئی ہو۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا آخری سنسکار ہو چکا ہے اور راکھ کے ڈھیر سے ہڈیاں چن کر ہردوار بھیجی جا چکی ہیں۔ جیسے مجھ پر بجلی گر پڑی ہو۔ میں اس کے درشن بھی نہیں کر سکی۔ اس نے میرے لئے دو چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک شیر خوار بچی اور ایک خط۔ یہ خط اس نے مرنے سے پہلے ایک نرس کے ذریعہ لکھوایا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

پیاری نیرو پما دیوی! آخری پرنام

بہت انتظار کرنے کے بعد بھی تم نہیں آئیں۔ مجھے موت کا خوف نہیں ہے لیکن میرے دل میں اس لئے جینے کی تمنا پیدا ہو رہی ہے۔ تاکہ ایک بار تمہیں دیکھ لوں تم جانتی ہو نیرو پما! میری زندگی اسی وقت تمہاری ہو چکی تھی جب شملہ میں پہلی مرتبہ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ افسوس کہ تم نے اپنی چیز کی بھی قدر نہیں کی۔ اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔ صرف ایک ہچکی کا انتظار ہے۔ میں اپنی لڑکی تمہارے سپرد کر رہی ہوں۔ اس کی شادی اپنے لڑکے کے ساتھ کر دینا اس طرح شاید میری آتما کو شانتی حاصل ہو سکے گی۔

تمہاری شالنی دیوی

اس واقعہ کو پندرہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کل میرے لڑکے جگدیش اور شالنی کی لڑکی پریاسی کی شادی ہے۔ یہ شادی ذات پات کی بندشوں کو توڑ کر ہو رہی ہے اور میں دل کھول کر حوصلہ نکال رہی ہوں کیونکہ پریاسی کو میں ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھتی رہی ہوں اور کل سے وہ بہو بن کر میرے گھر بار کی واحد مالک بنے گی۔ (سہیل)

تلاش سکون

(از جناب مختار احمد خاں صاحب رشیدی۔ ٹونکی)

مجھے دلی سکون کی آرزو اور تشفی۔ راحت کی تمنا تھی۔ میں نے اسے ان جگمگاتے ایوانوں میں جن کے در و دیوار زر و جواہر کے مرہون منت ہیں۔ جن کی فضا ہر وقت میرے لئے نغمہ ہائے شیریں سے گونج اٹھتی ہے۔ تلاش کیا۔ میں نے اسے "اوپرا" بلقہ نور اور مہذب طبقہ میں چھان مارا، نغموں کے ترنم میں پیانو کی موسیقی میں، اور سامعین کے شور و تحسین میں تلاش کیا۔ مگر میری جستجو لا حاصل رہی اور تجسس ناکام

تب میں نے بستی سے باہر قدم نکالا، اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، مجھے حقیقی راحت و دلی سکون مل گئے۔ کہاں......؟ بستی کے اس پار۔ شور و شغب سے دور، بہت دور۔ عالیشان و سر بفلک عمارات سے پرے ایک سنسان ویرانہ ہے۔ جس کے گرداگرد ایک نیم شکستہ، بوسیدہ دقیانوسی دیوار ہے ــــ جنگلوں کی پُرخار پگڈنڈیاں اس کی شکستہ دیوار اور منڈیروں کے نیچے آستاں بوسی کو جھک جاتی ہیں۔ یہاں کوئی شور و شغب نہیں...... البتہ گاہے گاہے دور چرنے والے مویشیوں کے گلے کی گھنٹیاں بج اٹھتی ہیں ــــ اس محو کے عالم میں فطرت ٹھنڈے سانس بھرتی ہے۔ ہوا ریت اڑاتی، سائیں سائیں کرتی نکل جاتی ہے۔

یہاں انسان آخری استراحت کے لئے آتے ہیں۔ نہیں لائے جاتے ہیں۔ آپ لوگ اسے شوق سے قبرستان کہیں۔ مگر میں تو اسے کتب خانۂ قدرت کہوں گا ــ کیا یہ قبریں بند کتابوں کی طرح نہیں ہیں؟ کیا ان کے کتبے کتابوں کے سرورق سے مشابہت نہیں رکھتے؟ یہ ہری ہری دُوب، آپ نے سنا کیا سبق دے رہی ہے! آہ! یہ سرسبز انگلیاں ہیں، اور اشارہ سے بتا رہی ہیں کہ "یہاں انسان خوشی اور سکون کے درمیان ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان میں تونگر بھی ہیں، مفلس بھی، عالم بھی، جاہل بھی، بچے بھی اور بوڑھے بھی، یہ نصیحت کا مقام اور عبرت کا گہوارہ ہے۔" یہ ہے جو کچھ میں اور یہ چند دیمک خوردہ درخت یہ پریشان صورت پاسبان سر بکف کلمے سن رہے ہیں۔ مجھے دلی سکون یہیں ملا۔ فقط

سپاہی کا خواب

(مترجمہ محمد یونس احمر کلکتہ)

بگل بجنے کی آواز میرے کان تک آئی۔ رات اپنی سیاہ چادر کائنات عالم پر پھیلا رہی ہے۔ ستارے اپنے شباب کی لطافت خوبی کے ساتھ آسمان کے سنتری بنکر تمام موجوداتِ عالم کو غرق تنویر کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جو خستہ و مضمحل تھے خواب استراحت کی چادر تان لی ہیں۔ اور وہ لوگ جو زخمی تھے ہچکیاں لیکر دم توڑ رہے ہیں ــــ اسی شب کو جب میں سو رہا تھا اور زخم کے درد سے چونک اٹھتا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں جنگ کے خوفناک میدان سے بھاگ کر کسی نامعلوم راستے میں چلا جا رہا ہوں۔ موسم خزاں کا وقت تھا۔ سورج کی زرین کرنیں میرے چہرے کو سرخ کر رہی تھیں۔ اسی پیچ و تاب میں میں اپنے باپ کے مکان پر پہونچا، جنہوں نے میری واپسی پر خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد میں ایک کسان کے کھیت میں گیا۔ جہاں میں اپنی جوانی میں برابر جایا کرتا تھا۔ میں نے اپنی بکریوں کی آوازیں سنیں اور کسان کی موسیقی پر کان دھرا۔ اس کے بعد میں نے شراب کے دو جرعے چڑھا لئے اور اپنے گھر والوں سے قسم کھا کر کہا کہ اب کبھی میں جدا نہیں ہونگا۔ میرے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں نے ہزاروں دفعہ مجھے بوسے دئے۔ میری پیاری بیوی نے خوشی کا مظاہرہ کر کہا ــ "اب ہم لوگوں کے ساتھ امن و اماں کی زندگی گذارو ــ تم بہت ہی مضمحل اور پریشان ہوگئے ہو ــ اب تم میں طاقت باقی نہ رہی ــ لیکن ہوا ہو شہنشاہ خاور کی لطافت کا جس نے میرے جسم کو گدگدایا۔ اور جنگ کے بگل کی آواز نے میری آنکھیں کھول دیں۔

(ترسیل)

عورتوں کیلئے

بچوں کی تعلیم و تربیت

(ایک ماہر نفسیات کے قلم سے)

بچوں کی تعلیم کا سوال ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن عموماً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ معمولی حروف شناسی اور حساب و کتاب کو لوگوں نے بچوں کی تعلیم سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے جب بچے پانچ یا چھ سال کے ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک ارزاں ترین ماسٹر رکھ دیا جاتا ہے۔ اور والدین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ حالانکہ ان کے فرائض کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ بچے جوان ہو کر اعلیٰ اخلاق کا صحیح معیار نہ پیش کر دیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان ماسٹروں میں زیادہ تر اسکول اور کالج کے طلبا ر ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں بچے جو کچھ سیکھتے اور پڑھتے ہیں وہ ان کے لئے انتہائی مایوس کن ثابت ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی کی قیمت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ پھر کیوں نہ چھ سات سال کی عمر تک بچوں کو ایسے ماحول میں رکھا جائے۔ جہاں ان کے دماغ کی نشو و نما بہترین طریقہ پر ہوتی رہے۔ ایسا ماحول صرف گھر کے اندر ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ باہر کی دنیا اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اگر ماں باپ کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں وقت صرف کرنے کی فرصت نہ ہو تو ان رشتہ دار عورت یا مرد کے ذریعہ بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہئے جو بچوں کے نفسیات کے اچھے ماہر ہوں اور ان کے دل میں بچوں کے لئے اتنی ہی ہمدردی اور پیار ہو جتنا والدین کے دلوں میں ہوا کرتا ہے۔

یہ بالکل مسلمہ حقیقت ہے کہ بچے کی تعلیم ماں کی گود سے شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زندگی کے ابتدائی ایام وہ ماں کے ساتھ ہی بسر کرتا ہے۔ اور اس وقت کی سکھائی ہوئی باتیں اس کی عادات و اطوار کا مرکز بن جاتی ہیں اور اس کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہیں امور کو مد نظر رکھ کر ماں کو آچاریہ یا استاد کہا گیا ہے۔

جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے بچوں کے خصائل طفولیت کے سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں سب سے بڑی خامی ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں میں دکھائی دیتی ہے۔ وہ شروع ہی سے بچوں کو ڈرانا شروع کر دیتے ہیں بلکہ اکثر ناتجربہ کار لوگ بچوں کو ڈرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو بچے کسی سے نہیں ڈرتے وہ آگے چل کر آوارہ مزاج اور خود سر ہو جاتے ہیں۔ اس خیال و عقیدے کی تائید کرنے والے حضرات کا یہ بھی بیان ہے کہ اگر شروع سے ہی بچوں میں خوف اور ڈر کا مادہ نہ پیدا کیا جائے تو بڑی عمر کے ہو کر وہ اپنے دل میں بڑوں کی عزت اور فرمانبرداری کا جذبہ متحرک نہیں کر سکتے۔ اور اس کے بغیر سوسائٹی کے نظام میں زبردست گڑبڑی ہو جائے گی۔

ایسے لوگ جو بچوں کے متعلق اس قسم کا خیال رکھتے ہیں۔ یا تو وہ نرے جاہل ہوتے ہیں یا انہیں بچوں کے نفسیات کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ایک بہت بڑے ماہر نے کہا ہے :-

"اگر آپ کا بچہ نڈر رہے تو اسے باغی یا نافرمان سمجھنا درست نہیں ایسے بچے دوستی کا احترام کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ بے شمار چیزوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ چالاک ہوتے ہیں۔ اور زندگی کے نشیب و فراز کو جلدی سمجھ جاتے ہیں۔ آپ کا بچہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہنسنے کو تیار رہے گا۔ عقلمندی اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرے گا۔ اور اسے خطرناک خندق کو عبور کرنا نہیں پڑے گا۔ جو اکثر ماں باپ اور بچوں کے درمیان حائل ہوتا ہے۔

دوسری خامی یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ بڑی عمر کے اصحاب بچوں کے نقطۂ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اس کے اعمال کی تشکیل اپنے نقطۂ نگاہ سے کرتے ہیں۔ وہ بچوں کے نقطۂ نگاہ کو سمجھ کر اس کی باتوں کو تسلیم کرنا خود بھی بچہ بن جانا اور اسے خراب کر دینا سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کے دماغ میں ماں باپ کے خلاف منافرت کا بیج جم جاتا ہے۔ جسے وہ ابتدا میں تو ڈر کے باعث ظاہر نہیں کرتا لیکن بڑا ہونے پر جب اسے ماں باپ کی امداد کی ضرورت نہیں رہتی۔ تو وہ اعلانیہ اس امر کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں والدین بچوں ہی کو برا بھلا سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ انہی کے عمل کا نتیجہ ہے۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں شروع ہی سے ان کے دماغ میں جدوجہد کا مادہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ جو لوگ اپنے بچوں کو بہت محفوظ اور ہر قسم کی مشکلات سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو زندگی

کی دوڑ میں اپنا ناکارہ بنا بیٹھتے ہیں جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر [illegible] سینما ہاؤس یا آرائش خانے کے پودوں پر نظر [illegible] میں رہتے ہیں ان کی تر و تازگی دوسروں کو خوش کرتی [illegible] تو خار بن [illegible] ہی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنے بچوں کو [illegible] ہاؤس کا پودا نہ بنائیے۔ بلکہ ان کے اندر [illegible] برداشت کرنے کی طاقت پیدا کیجئے تاکہ ان کا مستقبل درخشندہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک انگریز مصنف نے نہایت موثر الفاظ میں [illegible]

میں تمام ماں باپ کو [illegible] اپنے بچوں کو زیادہ [illegible] زندگی کے [illegible] غلط [illegible] کی طرح [illegible] کے ساتھ زبردست [illegible] رہتا ہے۔ جو کچھ مقابلہ میں آئے بچوں کو اسی کا [illegible]

[illegible] ہے کہ بچوں کے ساتھ سختی اور بیرحمی [illegible] کیا جائے۔ اور انہیں زندگی کی تمام دلچسپیوں سے دور رکھ کر [illegible] بچوں کو زیادہ پابندیوں میں بھی [illegible] بالکل فطری امر ہے کہ انسان کو جس بات سے جبراً روکا جاتا ہے وہ اسی طرف جھکنے کی کوشش کرتا ہے ہم نے ان تعلیمی اداروں کے طلبا کو بھی دیکھا ہے جنہیں بہت سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ فارغ التحصیل ہو کر وہاں سے نکلتے ہیں تو ان میں سے اکثر شوقین مزاج ہو جاتے ہیں۔ اور عیش وعشرت میں زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے ہندوستان کے ایک بہت بڑے گروکل [illegible] ایک برہمچاری سے ملنے کا اتفاق ہوا [illegible] اس برہمچاری کا کمرہ فلم ایکٹرسوں کی تصاویر سے آراستہ تھا [illegible] گھر میں قید و بند میں رہنے کی مشق کرائی جا رہی تھی۔ دنیا کی تمام دلچسپیوں اور کھیل کود سے اس لڑکے کو محروم کر دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میٹرک میں مسلسل تین سال تک فیل ہوتا رہا۔ آخر ایک مرتبہ لڑکے نے خود آزادی کی قیمت کو محسوس کیا اور وہاں سے فرار ہو کر کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک پاس ہو گیا۔ اس وقت والدین کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ بچے کو جس طرح انسان بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی وہ کوئی اچھا طریقہ نہیں تھا۔ میں خود اس لڑکے سے کئی مرتبہ ملا ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ جب وہ محلے کی گلیوں میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتا تھا تو اس کے دل میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ اور والدین کے خلاف ایک زبردست جذبۂ منافرت ابھر آتا تھا میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ لڑکا زیادہ نہیں پڑھ سکا کیونکہ اسے کلکتہ جیسے عظیم الشان شہر کی ہوا لگ گئی تھی۔ اور وہ گناہ کی طرف جھک گیا تھا۔

ایک صاحب ایک ماہر نفسیات کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"میرا خیال ہے کہ میری اولاد نے میرے خاندان کو رسوا کر دیا ہے۔ اس کی عمر اس وقت سترہ سال کی ہے اور ہم نے بہت کوشش کر کے ایک حساب کتاب کے دفتر میں اسے ملازمت دلا دی تھی۔ تقریباً دو ہفتہ ہوا کہ اسے کچھ رقم چوری کرنے کے جرم میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ دفتر جانے کے لئے اسے روزانہ سات میل ریل کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ دوران سفر میں تاش کا جوا کھیلتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جوا کیوں کھیلنے لگا۔ حالانکہ میں نے اسے بری صحبتوں سے بچانے کی بہت کوشش کی تھی اور اسی مقصد کے پیش نظر گھر میں کبھی تاش نہیں آیا تھا"

اس قسم کے ماں باپ ان لوگوں میں سے ہوتے ہیں جنہیں بچے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو لوگ بچوں کو کھیل کود میں مشغول دیکھ کر محظوظ نہیں ہو سکتے وہ ہمیشہ نیک خصائل کے نام پر بچوں کے جذبات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب لڑکے کو گھر پر دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ملتا تو وہ باہر جا کر دلچسپی کی ایسی صورت بھی نکال لیتا ہے جو آگے چل کر اس کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا مراسلہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مراسلہ نویس نے اس لڑکے کو بچپن میں تاش کھیلنے دیا ہوتا۔ تو وہ تاش کو کبھی جوا کا ذریعہ نہیں بناتا۔ چنانچہ یہ بات بالکل ضروری ہے کہ ماں بننے والی عورتوں کو تعلیم کے ساتھ بچوں کے نفسیات کے متعلق بھی سمجھایا جائے تاکہ وہ قوم کے مستقبل کو چمکیلا بنا سکیں۔

بعض بچوں میں فطرتاً کچھ ایسی عادتیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر وقت شور و غل یا لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہیں ایسے موقع پر انہیں فوراً مارنے پیٹنے یا دھمکانے کے بجائے اچھی طرح غور و خوض کرنا چاہئے۔ اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان بری عادتوں کی اصلی وجہ ہی کی بیخ کنی کر دی جائے۔ عموماً بچوں میں جب عقل کم ہوتی ہے یا طاقت زیادہ ہوتی ہے تو وہ اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے دور سے گزرنے لگتے ہیں جہاں ان کی توجہ کھیل کود۔ مار پیٹ۔ دوسروں کو چھیڑنا کسی کی کوئی چیز چھین لینی۔ نقل اتارنی یا اس قسم کی دوسری حرکتوں کی طرف منعطف ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں بعض بچے گھر کی چیزوں کو یا کھلونوں کو توڑنے پھوڑنے میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اس کی اصلی وجہ ان چیزوں کے متعلق

معلومات حاصل کرنی ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض بچے تتلیاں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو مارنے یا دکھ پہنچانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھا دینے سے وہ ان عادتوں کو آسانی سے ترک کر سکتے ہیں۔

بچوں میں یہ عادتیں چاہے فطری ہوں یا جسمانی کمزوری کے باعث ماحول کے مطابق وہ کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر بیکار رہنے والے بچے، ان بچوں کی بہ نسبت زیادہ چڑچڑے اور بدمزاج ہوتے ہیں جو ہمیشہ کسی نہ کسی کھیل میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر کے اندر رہنے والے بچے باہر رہنے والے بچوں کی بہ نسبت بہت کم چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کی عادات و اطوار پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے جو دوسرے بچے کی زبانی اپنی طاقت اور ہوشیاری کی تعریفیں سنتے ہیں۔

یہ تمام امور ایسے ہیں جن کی تخم ریزی بچوں کے دماغ میں بہت چھوٹی عمر میں ہونے لگتی ہے۔ اور عمر میں اضافہ کے ساتھ بچے اپنی دلچسپیوں میں بھی اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت بچوں کی بری عادتیں چھڑانے کی سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ ان کے سامنے کچھ ایسے کام رکھے جائیں جنمیں وہ ہمیشہ مصروف رہیں۔ بری عادتوں کی برائیاں سامنے رکھکر بچوں کی عادات پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اور یہ طریقہ بہتر بھی نہیں ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر ہمارے ملک میں بھی بوائے اسکاؤٹ اور ینگ مین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان اداروں کو اگر اچھے آدمیوں کے ذریعہ چلایا جائے تو ملک کے نونہالوں کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مضمون کافی لمبا ہو گیا۔ اس لئے میں صرف یہ کہکر قلمدان بڑھا رہا ہوں کہ اگر کسی کے خاندان میں صرف ایک ہی بچہ ہو تو اس کی تربیت بہتر طریق پر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے ہمیشہ باہر کی بری صحبتوں کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ گھر میں جب تک دو چار بچے (لڑکے یا لڑکیاں) نہ ہوں کسی ایک لڑکے کی تربیت کا بہتر انتظام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بچے آپس میں رائے مشورے کے ذریعہ بھی بہت سی باتیں سیکھتے ہیں۔ آٹھ سال کی عمر کے بعد لڑکے اور لڑکیوں کے میل جول پر نگرانی کرنی چاہیئے لیکن دونوں کو علیحدہ کرنے کا خیال ذہن میں نہیں لانا چاہیئے آگے چل کر وہ خود ہی (فطری طور پر) علیحدگی محسوس کرنے لگیں گے۔ (تنویر)

بزمِ خیال

گناہ کے بعد

دلِ خراب حسینوں سے رسم و راہ کے بعد
خجل ہے جیسے پشیماں کوئی گناہ کے بعد

ہزار حسنِ عبادت، گناہ سے پہلے
اور ایک لطفِ عبادت، مگر گناہ کے بعد

مرے نصیب کی برگشتگی سہی، لیکن
پھرا ہے مجھ سے زمانہ تری نگاہ کے بعد

پھر اس کے بعد جزا بھی ہے اک وبالِ گناہ
جب انفعال کا احساس ہو گناہ کے بعد

زہے وہ فرصتِ دیدار و لذتِ دیدار
تری نگاہ سے پہلے مری نگاہ کے بعد

مشیت اس سے بھی پہلے مری موافق ہے
مرے خلاف شریعت ہے جس گناہ کے بعد

رہا سہا یہی اک زعمِ عشق باقی ہے
کہیں یہ بات بھی جاتی رہے نہ آہ کے بعد

پھر اس گناہ کا عینِ نشاط کیا کہیئے
نفس نفس میں ہو اک خلد جس گناہ کے بعد

گزر تو جائے کوئی جلوہ گاہ سے پہلے
حریمِ ناز تو بستی ہے جلوہ گاہ کے بعد

(از حضرت بسمل سعیدی ہاشمی)

خیالاتِ رفیق

ہر چند مبتلائے غمِ دو جہاں رہے
ہم اپنے حال پر رہے قانع جہاں رہے

ہم بے نوا ازل سے تہِ آسماں رہے
تھے پاس جان و دل سو وہ نذرِ بتاں رہے

رنگینِ حسن و عشق کی اک داستاں رہے
کچھ تو نشانِ دردِ دلِ ناتواں رہے

دنیا میں گر قرار ہے تو انقلاب کو
قائم نہ فصلِ گل ہی نہ دورِ خزاں رہے

ہر ہر قدم پہ کام کو ناکامیوں سے ہے
دل کا یہ ہے تقاضا تمنا جواں رہے

یہ دورِ انقلاب ہے لا ساقیا شراب
ہشیار وہ نہیں جو نہ آتش بجاں رہے

ہر لحظہ مجھ سے کہتا ہے یہ دل بصد زباں
جو عمر صرفِ عشق نہ ہو رائیگاں رہے

اللہ رے عشق میں میری یہ بدگمانیاں
وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے

خوب

(از جناب چودہری فتح محمد صاحب رفیق بی۔ اے)

وجدانیات

نہ پوچھو شوخیاں وارفتگیٔ ذوقِ کامل کی
مرے مشقِ تصور سے حدیں کھنچی ہیں منزل کی

میں جب چاہوں کروں طے مد و جزرِ بحرِ الفت کو
مرے ذوقِ فنائیت پہ بنیادیں ہیں ساحل کی

یہ تاریکی، یہ پچھلی رات کا عالم، یہ سناٹا
صدا یہ دے رہا ہے کون ناکامِ ازل دل کی

غرورِ تیر اندازی ذرا اتنی اجازت دے
کہ دیکھیں اک نظر مٹتی ہے دنیا کس طرح دل کی

نہیں آتی ہیں اب زنداں سے زنجیروں کی آوازیں
کہانی ختم ہے شاید گرفتارِ سلاسل کی

سرِ راہِ محبت گوش بر آواز بیٹھا ہوں
کہیں سے کان میں آ جائے صدا ٹوٹے ہوئے دل کی

نوید اسرارِ منزل سے جو واقف ہوں تو آتا ہوں
سرِ منزل پہنچ کر پوچھتا ہوں راہ منزل کی

(از جناب قطب الدین صاحب نوید)

افسانہ

بھول نہ جانا

(از جناب سید ضیاء الحسن صاحب مجبر آروی)

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں میں میٹرک میں تعلیم حاصل کر رہا تھا ہمارے مکان کے قریب باہر سے آیا ہوا ایک خاندان سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں آباد تھا۔ اور ہمارے یہاں سے کچھ اس طرح کے تعلقات ہو گئے تھے جیسے یہ دونوں خاندان ایک ہی ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ ذات کے کھتری تھے اور ہم لوگ برہمن لیکن معاشرتی میل ملاپ کے باعث کوئی نیا آدمی یہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ دونوں خاندان کے تمام افراد دو ذاتوں پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میرے اوقات کا زیادہ حصہ اپنے پڑوسی مسٹر منوہر لال کے ہاں بسر ہوتا تھا۔ ادھر اسکول سے چھٹی ملی اور سیدھا وہیں پہونچا۔ کبھی کبھی چائے اور کھانے میں بھی مسٹر منوہر لال کے ہاں ڈٹا رہتا تھا۔ ان تمام قسم کی معاشرتی قربت کے باوجود وہاں میری دلچسپی کا ایک اور سامان تھا وہ تھی مسٹر منوہر لال کی لڑکی کنول کماری۔ چنانچہ اس وجہ سے بھی میری آمد و رفت اس گھر میں ہمارے خاندان کے دیگر افراد سے زیادہ تھی۔

کنول کماری نہایت معصوم اور چنچل لڑکی تھی۔ وہ ہر وقت کنول کی طرح کھلی رہتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر رس اور شراب تھی جیسے عمر خیام کی مدھوشالہ کو وہ گھول کر پی گئی ہے۔ یہ زمانہ میرے اور کنول کماری کے شباب کا زمانہ تھا۔ قدم قدم پر لغزشوں کا خطرہ لگا رہتا۔ لیکن پھر بھی ہماری بے تکلفی کی ملاقاتوں میں کوئی حائل نہیں ہوتا تھا۔ میں جب چاہتا اور جس وقت چاہتا آزادی کے ساتھ اس سے ملتا۔ اور طرح طرح کی باتیں کرتا۔ میں کنول کماری کے دل کی گہرائیوں تک پہونچ چکا تھا اور وہ بھی مجھے اچھی طرح پہچاننے لگی تھی۔ مگر اب تک ہم دونوں میں سے کسی ایک نے بھی اظہار تمنا کی بے شرمی کو قریب نہ آنے دیا تھا۔

ایک دن کی بات ہے دسمبر کی آخری تاریخ تھی۔ دن کے کوئی نو بجے تھے کنول کماری امرود کے درخت کے نیچے دھوپ میں بیٹھی ہوئی رومال پر بیل بوٹے کاڑھ رہی تھی اور آفتاب کی سنہری کرنیں اس کے رنگین ہونٹوں پر ناچ رہی تھیں۔ اتنے میں میں اس کے پاس پہونچا اور قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا:-

"پڑھتے پڑھتے تھک گیا۔ بڑے دن کی تعطیل بھی بات کی بات میں گذر گئی"

کنول کماری نے قدرے منہ کو ٹیڑھا کر کے کہا:-

"ابھی کیا ہوا ہے پنڈت جی۔ پڑھائی تو انٹرنس پاس کرنے کے بعد شروع ہوگی۔" پھر وہ مسکرا کر اپنے کام میں لگ گئی۔

"پڑھ لیگا کوئی پنڈت۔ مجھے تو جوتشی بننا ہے۔ جوتشی۔"

"جوتشی بن کر کیا پاپڑ بیلو گے؟"

"پاپڑ کیوں بیلوں گا۔ مستقبل کا حال بتاؤں گا۔ مستقبل کا۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔ میں نے دیکھا ہے بہت سے جوتشیوں کو۔"

"تم نے جوتشیوں کو تو دیکھا ہے مگر کسی گرافولوجر کو نہیں دیکھا ہوگا۔"

"گرافولوجر!۔ گرافولوجر کس جانور کا نام ہے؟"

"جانور کا نام نہیں ہے۔ یہ آدمی کا نام ہے۔"

"گرافولوجر کیا ہوتا ہے بھلا؟"

"تمہیں کیا سمجھاؤں۔ تم گریس (یونانی زبان) تو جانتی نہیں ہو اور خواہ مخواہ بحث کرتی ہو۔"

"گریس!۔ تو کیا گرافولوجی کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے گریس سے واقف ہونا ضروری ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

"تب رہنے دو اپنی گرافولوجی۔ میں سمجھنا نہیں چاہتی۔"

اتنا کہہ کر کنول کماری نے مزید توجہ کے ساتھ رومال پر کشیدہ کاری کرنی شروع کر دی۔ میں نے اپنی کرسی ذرا اس کے قریب کھینچتے ہوئے کہا۔

"خفا ہو گئیں کیا؟"

"میں کسی گرافولوجر سے باتیں کرنا نہیں چاہتی۔"

"اچھا تو گرافولوجی کا مطلب سمجھنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔"

"بس اتنی سی بات۔ اچھا کاغذ پر کچھ لکھو۔ میں تمہاری تحریر کو دیکھ کر تمہارے مستقبل کا حال بتا دوں گا۔"

"یہی!۔ اب تمہاری گرافولوجی سمجھ میں آ گئی۔"

"کیا سمجھ میں آ گئی؟ خاک۔ ابھی کچھ لکھا ہی نہیں۔ کچھ لکھو تو دکھاؤں

میں تمہیں اپنا جیون کار۔

"یہ لو۔ یہ اچھا لاؤ کا غذ اور پنسل۔"

میں نے جیب سے پنسل اور کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے نہ جانے کیا الٹا سیدھا لکھ کر مجھے کاغذ واپس کر دیا۔ میں نے ایک ماہر جوتشی کی تمثیل کرتے ہوئے کہا:-

"گریس الفا کے مطابق حرف ایچ (H) سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مستقبل بہت درخشندہ ہے۔ اور ان کے چند حرفوں سے میں سمجھتا ہوں کہ تم کسی سے ...."

"غلط۔ بالکل غلط۔"

"غلط۔ غلط کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

"سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی؟"

"یہ کیا بات ہوئی۔ سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی؟"

"یعنی تم جو کچھ خیال کرتے ہو وہ نہیں ہے۔"

"میں کیا خیال کرتا ہوں۔ یہ تم کیا جانو؟"

"سب کچھ جانتی ہوں۔ میں تم سے بڑی جوتشی ہوں۔"

"اوہو! بڑی جوتشی ہو تم۔ اچھا میرا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ تو میرا حال۔"

"ہاتھ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو آنکھیں دیکھ کر دل کا حال بتا دیتی ہوں۔"

"آنکھیں دیکھ کر اچھا بتا دو تو بھلا!"

"تمہارے ماتھے پر لکھا ہوا ہے کہ ...."

"یعنی۔ یعنی؟"

اس کے جواب میں کنول کماری نے میری طرف دیکھا اور شرم سے اس کی گردن جھک گئی۔

دوسرے دن جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ کنول کماری نہ سے کوئی چیز چھپا رہی ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مٹھی میں دبی ہوئی چیز چھین لی۔ یہ ایک خوبصورت رومال تھا۔ اس پر ایک گلاب کے پھول کے درمیان میرے نام ہرشی کا پہلا حرف ایچ (H) لکھا ہوا تھا۔ اور اس کے نیچے انگریزی رسم الخط میں (Forget me not !) یعنی مجھے بھول نہ جانا نہایت خوبصورت بیل بوٹے سے کڑھا ہوا تھا۔ سب سے آخر میں اس نے اپنا پورا نام کنول کماری کاڑھ دیا تھا۔ وہ "ہاں ہاں" کرتی رہی اور میں نے اس رومال کو جیب میں رکھ لیا۔

"لاؤ میرا رومال۔ یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔"

"تب کس کے لئے ہے؟"

"ہے ایک آدمی کے لئے۔"

"میں اس آدمی کو جانتا ہوں۔ میرے پاس رہنے دو۔ اسے دیدوں گا"

"ہاں ہاں میں تو انجان۔ کہدو نا کہ جانتا ہی ہے؟"

"اب تو چاہے گلا کاٹ دو مگر یہ رومال واپس نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ میرے ہی لئے تو بنایا گیا ہے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ تمہارے ہی لئے ہے؟"

"میں جو گرافولوجی جانتا ہوں گریس الفا کے حرف ایچ (H) کے مطابق ...."

"رہنے دو اپنا گریس الفا۔"

"تب رہنے دو اپنا رومال میرے پاس۔"

کنول کماری کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:-

"یہ رومال تمہارے ہی لئے بنایا تھا۔ جانتے نہیں آج سال کا پہلا دن ہے۔"

"ہاں سال کا پہلا دن ہے۔ لیکن ......"

"لیکن کیا؟"

"کاش یہ سال ——"

کہتے کہتے میں رک گیا۔ کنول کماری سوچ میں پڑ گئی۔ بہت دیر کی خاموشی کے بعد اس نے مرتعش لہجے میں کہا:-

"ہرشی! میں بہت بے وقوف عورت ہوں۔ میں اپنے آپ کو بھول گئی تھی۔ مجھے معاف کر دینا میرے ہرشی!" اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

"تم سے زیادہ میں بے وقوف ہوں کنول! میں آج تک ایک رنگین خواب دیکھتا رہا تھا۔"

"خواب کو خواب ہی کی طرح سمجھنا چاہئے۔ تم سب کچھ بھول جاؤ ہرشی! میں تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی۔ تمہاری گرافولوجی بالکل غلط ہے۔"

"ہاں! اب میں نے سمجھا کہ میری گرافولوجی کی طرح تمہارا بھی جوتش غلط ہے۔"

"غلط ہی ہونا اچھا ہے۔ کاش میں بھی ہرشی ......" اس سے زیادہ وہ نہیں بول سکی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ (سلسلے کے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷۸)

غازی اعظم کے دستخط

(از مسٹر حبیب احمد ایاز زید پوری)

مالوارڈو رائخوچ دستخط حاصل کرنے والوں کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک دفعہ اس نے حضرت غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے دستخط حاصل کرنے کے لئے بڑی کوشش کے بعد اُن سے ملاقات کی۔ غازی موصوف کے دستخط حاصل کرنے کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ اس کے لئے اُسے بڑا لمبا سفر کرنے کے علاوہ اپنا قیمتی قلم بھی نذر کرنا پڑا۔ میں نے ایک انگریزی رسالہ "ونڈسر" لندن سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور قائد ملت کے دستخط بھی بڑی کوشش کے بعد نقل کر دئے ہیں۔

حبیب احمد ایاز

میں نے بڑی بڑی شخصیتوں کے تیس ہزار دستخط حاصل کئے اور یہ عزت دو بڑی ہستیوں کی مرہون منت ہے (۱) قائد ملت غازی مصطفیٰ کمال پاشا جمہوریہ ترکیہ کے اعلیٰ ڈکٹیٹر (۲) پیدائشی پہلوان شاہ گستیو حکمران سویڈن۔

مصطفیٰ کمال انقرہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر اپنے محل میں سکونت پذیر ہیں۔ اور وہیں سے وہ ترکی پر حکومت کرتے ہیں۔ ہر درجہ کے سفیر۔ مدبران سلطنت اور دیگر حکام قافلہ کی صورت میں کمال کے محل میں پہنچتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے قلعہ سے شاذ و نادر ہی کبھی باہر نکلتے ہیں۔ اس جگہ وہ محافظ کے حلقہ میں اس طرح رہتے ہیں۔ کہ کوئی اجنبی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

انقرہ میں کمال کے متعلق ایک دستخط حاصل کرنے والے سے ملنے کا روتیہ ایسا دلچسپ سنا کر کچھ دیر کے لئے میں اپنے اس طویل سفر پر پچھتایا ہوا۔ جسے میں نے صرف ایک دستخط کے حصول کے لئے طے کیا تھا۔

خوش قسمتی سے انقرہ میں میرے چند مخلص دوست موجود تھے جن کی بدولت مصطفیٰ کمال سے ملاقات کرنے کا ایک ٹکٹ مل گیا۔ میں بڑی مستعدی سے وہاں پہنچا جہاں کمال بڑے بڑے افسروں کے حلقہ میں کھڑے تھے۔

دوستوں نے مجھے ترغیب دی تھی کہ وہاں پہنچتے ہی قبل اس کے کہ کوئی افسر ڈکٹیٹر کو ایک دستی تحریر کے اہم دستخط کرنے سے متعلق کوئی رائے قائم کرے میں نہایت ہمت و جرارت کے ساتھ اپنا البم غازی کمال کے حضور میں پیش کرتے ہوئے دستخط کرنے کی درخواست کروں لیکن وہاں پہنچ کر میری ہمت و جرارت صرف ظاہری رہ گئی۔ کیونکہ غازی اعظم کے کمرے میں داخل ہونے سے قبل میں نے دیکھا کہ صرف میں ہی ایک اجنبی تھا۔

یہ معلوم کرنے کے بعد بھی مجھ پر خوف و رعب طاری تھا۔ کیونکہ میں کمال کی خدمت میں پیش کیا جا چکا تھا۔ اور اعلیٰ ڈکٹیٹر کی جہاں بین آنکھیں مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ حضرت کمال نے میرا البم ملاحظہ فرمایا اور اس وقت میں نے اطمینان کا سانس لیا جب انہوں نے اپنی وضع بدل کر مجھ سے بلغاریہ کی زبان میں گفتگو کرنا شروع کی۔ ہم چند منٹ گفتگو کرتے رہے اور اس کے بعد میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ ہم بجائے زبان بلغاریہ کے جرمن میں ہم کلام ہیں۔ بات چیت کرتے ہوئے ایک زبان سے دوسری زبان میں اس قدر جلد منتقل ہو جانا مصطفیٰ کمال پاشا کی ایک خاص صفت ہے۔ دنیا کے اکثر و بیشتر ماہرین ہفت زبان سے میں نے ملاقات کی مگر بلاشبہ مصطفیٰ کمال ان کے شہنشاہ ہیں ــــ اور اس سلسلہ میں تم کتنے عرصہ تک سفر کرنا چاہتے ہو؟ کمال پاشا نے قلم کی نب البم پر رکھتے ہوئے استفسار فرمایا۔

"اعلیٰحضرت میں پندرہ سال سے اپنی کتاب پُر کرنے کی غرض سے سفر کر رہا ہوں"

[illegible] ... رسینگے۔ مگر انہوں نے اس جذبہ کو باطل ظاہر [illegible]

غازی اعظم نے اتنے زور سے دستخط کئے کہ میرے قلم کا خاتمہ ہو گیا

محبت

(از جناب صاحبزادہ محمد مصطفیٰ خاں صاحب جوہر تلمیذ حضرت بسمل سعیدی ہاشمی)

جو ہیں ناواقفِ دردِ محبت اُن سے کہتا ہوں ۔۔۔ جو ہیں ناآشنائے سوزِ الفت اُن سے کہتا ہوں
نہیں جن کے کلیجے کیوپڈ کے تیر سے زخمی ۔۔۔ میں اپنی لذتِ دردِ جراحت اُن سے کہتا ہوں
جنہیں چشمِ بصیرت کا نہ سمجھا اہل قدرت نے ۔۔۔ نہیں جو واقفِ رازِ حقیقت اُن سے کہتا ہوں
مسلط جن کی ذہنیات پر ہیں جہل و تاریکی ۔۔۔ جو ہیں گم گشتگانِ راہِ ظلمت اُن سے کہتا ہوں
جنونِ عقل و حکمت نے جنہیں کھویا ہے دنیا سے ۔۔۔ کہ جو ہیں ناشناسِ حسنِ فطرت اُن سے کہتا ہوں

مرے وردِ زباں رہتی ہیں تفسیریں محبت کی
مرے دل کے مرقع میں ہیں تصویریں محبت کی

محبت ظلم و بدعت فطرتِ انسان سے کھوتی ہے ۔۔۔ محبت گردِ نخوت سینۂ انسان سے دھوتی ہے
نہ جس میں کوئی آقا ہو نہ جس میں کوئی بندہ ہو ۔۔۔ محبت ہی کی دنیا میں فقط یہ شان ہوتی ہے
محبت قید خانہ میں رلاتی ہے کبھی برسوں ۔۔۔ محبت ہی کبھی دریائے آتش میں ڈبوتی ہے
نہیں ہے کارزارِ زمانی کو غفلت سے کوئی نسبت ۔۔۔ محبت جاگتی رہتی ہے دنیا جب کہ سوتی ہے
کرا دراکِ محبت کیلئے ذوقِ جنوں پیدا ۔۔۔ کہ عقل اس کو سمجھنے سے بہت مجبور ہوتی ہے

اسی سے روشنی انسان کو حاصل ہے زمانے میں
محبت صیقلِ آئینۂ دل ہے زمانے میں

محبت حسن بنکر جب نگاہوں میں سماتی ہے ۔۔۔ تو ہر جانب نظر اک حسن کی تصویر آتی ہے
محبت کے بھڑک اٹھتے ہیں جب شعلے طبیعت میں ۔۔۔ نظر سے نبضِ ہستی میں حرارت دوڑ جاتی ہے
زمانہ انقلابِ نو کی جب کروٹ بدلتا ہے ۔۔۔ ہوس آنسو بہاتی ہے محبت مسکراتی ہے
یقیناً حشر تک وابستۂ دامن محبت ہے ۔۔۔ محبت دل میں پیدا ہو کے پھر کیا دل سے جاتی ہے
محبت سرمدی نغمہ ہے وہ دورِ اُس بزمِ فانی سے ۔۔۔ فضا جس میں ہر ایک لحظہ فنا کے گیت گاتی ہے

کبھی جذبہ محبت کا جدا ہو ہی نہیں سکتا
محبت کے سوا کوئی خدا ہو ہی نہیں سکتا

(از جناب عبدالواحد خاں کوئنس کالج بنارس)

یاد تو ہوگا نجمہ! آج سے دو سال قبل بھائی جان کی شادی کے سلسلہ میں سارا مکان مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دعوت ولیمہ والی ناقابل فراموش شب ــــ جب نشاط کے فوارے سے موتی برس رہے تھے، فطرت ہماری بلائیں لے رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں آستینیں چڑھائے باہر مہمانوں کی خاطر و مدارات میں مصروف تھا تم نے۔۔۔۔۔۔ ــــ مجھے بلوایا۔ میں نے سبب دریافت کیا جس کا تم نے ایک بے حد پاشکن تبسم سے جواب دیا ــــ یکایک میری آنکھیں تمہاری غزالی آنکھوں میں گڑ کر رہ گئیں۔ میں بت بنا کھڑا تھا تاآنکہ تم نے مجھے پان دیتے ہوئے اپنی لطیف آواز سے سکوت توڑا۔ میں پان منہ میں رکھنے ہی والا تھا کہ تم یہ کہتی ہوئی کہ "ذرا چونا دیکھ کر کھائیےگا" چلی گئیں۔ میں نے بیڑا کھولا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ پان میں بجائے مسالہ کے ایک سفید کاغذ کا پرچہ رکھا ہوا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ میں کیونکر گرتا پڑتا، بدحواس کوٹھے پر پہونچا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نیلگوں آسمان پر جلوہ افروز تھا۔ روپہلی چاندنی میں میں نے سطروں کے دھاگے میں پروئے ہوئے تمہارے انمول موتی پرکھ لئے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ دل ہی کے عمق میں جاکر پیوست ہوگئے۔ جانتی ہو نجمہ! تمہاری سحر نگاری نے کیا کیا؟ میرے دل کی چھوٹی سی دنیا میں ہل چل مچا دی جذبات میں آگ لگا دی۔

میں پلنگ پر لیٹا ہوا تمہارے جاں فزا تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ جانے رات کتنی گزر گئی۔ اور مجھے اس کا بھی ہوش نہ رہا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ اور آیا مہمانوں نے کھانا وغیرہ بھی کھا لیا یا نہیں۔ دفعۃً کسی کے پیروں کی ہلکی سی چاپ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل اچھل کر حلق میں آ گیا تم میرے قریب کھڑی تھیں ــــ بالکل قریب ــــ میرے دل کی دھڑکن کی کیفیت اور تمہارے نتھنوں کی پھڑک کا اشتراک

اف! میں کبھی نہیں فراموش کر سکتا۔ تمہارا رشک گلاب چہرہ جانے کیوں اس وقت پژمردہ ہو رہا تھا۔ نقرئی چاندنی تمہارے تقوی شکن حسن کی بلائیں لے رہی تھی۔ تمہاری شربتی آنکھوں میں نظارہ، اور نظارہ میں حیا جھوم رہی تھی۔ وفور بےخودی میں تمہارے گداز بازو پکڑتے ہوئے میں نے مخاطب کیا نجمہ! نجمہ! ــــ لیکن آہ! تمہاری نرگسی آنکھوں میں اس وقت آنسوؤں کے وہ موٹے موٹے قطرات نظر آرہے تھے۔ تم نے اپنے جذبات کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔

میں جانتا ہوں نجمہ! تم نے مجھے جواب دینے کی انتہائی کوشش کی مگر آہ! تمہارے مرجانی ہونٹ محض کانپ کر رہ گئے۔

فلمی مقالہ

فلم اور سوشل اصلاحات

(از مسٹر رام چندر)

موجودہ ہندوستان کا سب سے بڑا مسئلہ سماج سدھار ہے نہ کہ سیاسی یا اقتصادی بدحالی کی بہت کچھ ذمہ داریاں غیر ملکی اقوام کے سر رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سوشل خامیوں کے تنہا ہم ذمہ دار ہیں سچ پوچھا جائے تو ہماری سوشل خرابیاں ہی ہمارے ہاں پائی جانے والی اور بہت سی خرابیوں کی جڑ ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہمارا سب سے پہلا کام سماج سدھار کی طرف توجہ مرکوز کرنا ہے۔ لیکن سماج سدھار کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ کہہ دیا جاتا ہے۔ انسان فطری طور پر قدامت پرست واقع ہوا ہے اور نئی باتوں کو شک اور غیر مطمئن نگاہوں سے دیکھنے کا عادی ہے۔ وہ اپنے قدیم رسم و رواج پر جائز تنقید اور اپنی سوشل کمزوریوں کا ذکر تک سننا پسند نہیں کرتا۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ قدیم راہ و رسم سے محبت کرنے والے اصحاب اپنی غلطیوں کو تسلیم نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ نقصان برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں سب سے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ سماج سدھار سے متعلق ہم ایسی تحریک پھیلائیں جو بالکل غیر جانبدارانہ اصول پر قائم ہو کوئی بھی جانبدارانہ تحریک ملک کے تمام فرقوں اور اقلیتوں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ یہی سبب ہے کہ لوگ قدیم زمانہ سے سوشل اصلاح کیلئے کہانیاں نظم، ناول، ناٹک وغیرہ کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں یہ مقصد سینما کے ذریعہ بہت اچھی طرح واضح کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ناطق متحرک تصاویر کی تخلیق مندرجہ بالا اصولوں کے ارتباط سے ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ ہر قسم کے پیغامات تھوڑے وقت میں اور زیادہ مؤثر طریقہ کے ساتھ عوام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ انگلستان کے لارڈ چیف جسٹس ہیورٹ نے ایک موقع پر کہا تھا:-

"جو طاقت اور اعمال موجودہ زمانہ میں عوام کے ذوق پر اثر ڈالتے ہیں ان میں سینما سب سے زیادہ مؤثر ایجاد ہے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ لارڈ موصوف کے بیان کے مطابق سینما واقعی ایک قابل قدر ایجاد ہے۔ اگرچہ ہمارے ملک میں اسکا استعمال صرف تفریح کے طور پر کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اگر ہم چاہیں تو اسے کارآمد بنا کر ملک اور سوسائٹی کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس بات سے شاید آپ انکار نہیں کر سکتے کہ فلم تعلیمی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی امداد سے بہت قلیل عرصہ میں عوام کو پڑھنا لکھنا سکھایا جا سکتا ہے اور دیگر کام کی باتیں بتائی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ حفظان صحت سے متعلق واقفیت پھیلانے کیلئے بھی یہ ایک مفید ترین پہلو ہے۔ ہمارے ملک میں اس طرح کی چند فلمیں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے تیار کرائی ہیں اور شہروں اور دیہاتوں میں وقت وقت پر ان کی نمائش کی جاتی ہے۔ لیکن اس ملک کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ابھی اس میں اصلاحات کی حد سے زیادہ گنجائش ہے۔ سینما صرف بیماری سے بچنے ہی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ عوام میں ورزش، کھیل کود، سیاسیات، معلومات اور دیگر ضروری باتوں کی بھی تعلیم دے سکتا ہے۔

ہمارا ہندوستانی سماج پرانے رسم و رواج کا مجموعہ ہے اور نسلی امتیاز نے اسے بہت زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ عورتوں کے متعلق بھی اس کا موجودہ رویہ قابل مذمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی فلموں میں عورتوں کے کردار کو بہت نیچے درجہ پر رکھا جاتا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ گزشتہ دو تین سال سے فلم ساز کمپنیاں اس طرف متوجہ ہوئی ہیں اور چند سوشل فلمیں بھی عوام کے روبرو آئی ہیں۔ اس قسم کے فلموں میں دیوداس، اچھوت کنیا، جنم بھومی، ابھاگن، دنیا نہ مانے وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی سینما انڈسٹری کو ابھی گہوارہ ہی میں سمجھنا چاہئے۔ کہنے کے لئے اس کی ابتدا گزشتہ جنگ عظیم سے پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۰ء سے کچھ قابل قدر ترقیاں ہوئی ہیں۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں تقریباً دو کروڑ روپے فلموں کی تیاری پر لگائے گئے تھے اور اس وقت پورے ہندوستان میں تقریباً ۵۰۰ سینما گھر ہیں۔ اگرچہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں یہ تعداد نہیں کے برابر ہے۔ لیکن ہندوستان کے غریب اور مفلوک باشندوں کو دیکھتے ہوئے یہ تعداد کم نہیں کہی جا سکتی۔

بعض مغرب زدہ اصحاب ہندوستانی فلموں میں بالکل ناجائز خامیاں نکالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستانی تہذیب و تمدن سے انہیں اس قدر نفرت کیوں ہو گئی ہے۔ یورپ اور امریکہ کی تہذیب میں اگر بوسہ بازی یا دوسری مخرب اخلاق باتوں کی نمائش جائز ہے تو ہوا کرے ہمیں تو اپنے بلند و بالا آدرش کو پیش نظر رکھ کر سماج سدھار کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

مجھے سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ اشاعت میں محترمہ ... خاتون صاحبہ نے عورتوں کی ثقافت سے متعلق مضمون لکھتے لکھتے ہندوستانی فلم سازی کی طرف رجوع ہو گئیں اور مغرب پرستی کا ... وہ سب کچھ کہہ گئیں ...

[illegible] ہندوستانی ... ثقافت سے اس قدر متنفر ہو گئی ہیں ... ہندوستانی ... [illegible]

صحت و تندرستی

افزائشِ حُسن

(از محترمہ مسعود بانو صاحبہ پہاڑ گنج نئی دہلی)

چہرے کی خوبصورتی میں رخسار کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ آنکھ ناک۔ کان۔ ہونٹ، وغیرہ چاہے کتنے ہی حسین ہوں لیکن اگر گال پچکے ہوئے یا بہت چھوٹے چھوٹے ہوں تو ساری خوبصورتی پر پانی پھر جاتا ہے۔ انسان کی صحت و تندرستی کا آئینہ دار رخسار ہی ہوتا ہے۔ کمزور سے یا مرجھائے رخسار کو پاؤڈر، کریم یا دیگر مصنوعی اشیاء استعمال کرکے دلکش اور جاذب نظر نہیں بنایا جا سکتا۔ یورپ اور امریکہ میں لاکھوں عورتیں مصنوعی چیزیں استعمال کرکے اپنے حسن کو غارت کر چکی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ پاؤڈر وغیرہ سے چہرے پر تھوڑی دیر کے لئے رونق آجاتی ہے لیکن یہ رونق دیرپا ثابت نہیں ہوتی اور نتیجہ کے طور پر ایک دن اچھی خاصی دلکشی کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔

رخساروں کی سحر آفرینی کا سارا دارومدار اچھی صحت پر ہے۔ تندرست آدمی کے گالوں کا رنگ نکھرا ہوا ہوتا ہے اور جن کی صحت خراب ہوتی ہے ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی چھائی رہتی ہے۔ اگر کسی شخص کو افزائش حسن کا خیال ہو تو اسے سب سے پہلے عام تندرستی کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ اس کے لئے کھیل کود جسمانی اور دماغی پاکیزگی۔ دھوپ۔ صاف ہوا اور ورزش کی ضرورت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض عورتوں اور مردوں کے چہرے پر کالے داغ سے پڑ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے معدہ میں صحیح غذا نہیں پہونچتی ہے اور وہ ہاضمہ کی خرابی یا قبض کی شکایت میں مبتلا رہا کرتے ہیں۔

گالوں کا پھول جانا بھی خوبصورتی کو برباد کر دیتا ہے۔ جو لوگ ورزش نہیں کرتے اور عمدہ قسم کی غذا کھاتے ہیں ان کے جسم میں چربی ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور اس طرح ان کے رخسار حد سے زیادہ پھول جاتے ہیں۔

میں ذیل میں کچھ ایسی ترکیبیں بتاتی ہوں جن کے ذریعہ صحت اور خوبصورتی کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے میں امداد ملے گی۔

کسی بات کی فکر ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیشہ خوش رہو۔ دن میں دو تین مرتبہ قہقہہ مار کر ہنسو۔ اپنے چہرے پر نحوست کے آثار پیدا مت ہونے دو جن کے رخسار پر ہمیشہ آنسو ڈھلکتے رہتے ہیں ان کی خوبصورتی میں چمک اور استقلال قائم نہیں رہ سکتا۔ گالوں کو چکیلے اور پر جلال بنانے کے لئے کسی قسم کا صابن استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ صابن استعمال کرنے سے چہرے میں کھردراپن آجاتا ہے [illegible]

جاتی رہ سکتی ہے رگڑ کر استرا چلانے سے یا الٹی کھونٹی پینے سے بھی گالوں کی چمک ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ اپنا منہ ٹھنڈے پانی سے دھوئیے۔ دن میں تین چار مرتبہ چہرے کو دھونا چاہئے۔ لیکن گرم پانی بھول کر بھی استعمال میں مت لائیے۔ صابن اور گرم پانی سے چہرے کی جلد سفید یا زرد ہو جاتی ہے۔ منہ دھونے کے بعد موٹے کھردرے لیکن ملائم تولیہ یا کپڑے سے منہ کو رگڑ کر پونچھ ڈالئے۔ منہ دونوں ہاتھوں سے پونچھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ایک ہاتھ سے پونچھنے والوں کا زور دونوں طرف برابر نہیں پہونچتا اور ناک کسی ایک طرف جھک کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ منہ پونچھتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اوپر کی جانب سے نیچے کی جانب نہیں رگڑا جائے بلکہ نیچے کی جانب سے اوپر کی جانب رگڑنا چاہئے جب منہ پر پانی نہیں رہے تو کپڑے کو ایک دو منٹ تک ہلکے ہاتھ سے رخساروں پر پھیرنا چاہئے۔ چہرے کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے نشہ آور اشیاء مثلاً چائے۔ تمباکو شراب وغیرہ ہرگز ہرگز استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ میٹھے پھل نارنگی ساتھ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اگر تھوڑا بہت تجربہ کی طرف بھی توجہ دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ گالوں کی ورزش مندرجہ ذیل طریقے سے کیجئے۔

صبح خواب سے بیدار ہونے کے بعد چت لیٹ جائیے۔ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں سے گالوں کو نیچے کی جانب سے اوپر کی جانب رگڑئیے۔ اس عمل کے وقت نہ زیادہ زور لگایا جائے نہ ہلکا ہاتھ رکھا جائے اس طرح تھوڑی دیر کن پٹی کی طرف سے ناک کی طرف اور ناک کی طرف سے کن پٹی کی طرف رگڑنا چاہئے۔ ورزش کرتے وقت دل میں یہ خیال رکھو کہ تمہارے حسن میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ عمل روزانہ پندرہ منٹ تک کرنا چاہئے۔ جو لوگ صبح سویرے ورزش نہیں کر سکتے وہ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر کر سکتے ہیں۔ دو چار ہی روز میں تو انسان خوبصورت نہیں بن سکتا البتہ مہینے دو مہینے میں آپ بہت بڑی تفریق محسوس کریں گے۔

چہرے پر کوئی اچھے قسم کا روغن مثلاً سرسوں، تلی۔ ناریل۔ زیتون۔ بادام وغیرہ کا تیل لگانا چاہئے۔ بازاری تیل استعمال کرنا نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو گلیسرین بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ آئینہ دیکھ دیکھ کر چہرے کو متبسم بنانے سے بھی حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

آئینہ استعمال کرنے کی خواہش رکھنے والی خواتین جو روزانہ کو مہیں کر کے چہرے پر مالش کریں سادہ یا ملائی بھی چہرے پر مالش کرنے کے لئے بہت اچھی چیز ہے۔ سرسوں کے آٹے میں کوئی اچھا تیل ملا کر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ رات کو سوتے وقت چہرے کو خالص ملائی

بچوں کیلئے

نپولین اعظم

(ننھے بھیا نے لکھا)

آؤ بچو! میں تمہیں دنیا کے ایک بہت بڑے بہادر آدمی کی کہانی سناؤں۔ تم نے نپولین اعظم کا نام سنا ہوگا۔ یہ بہادر آدمی آج سے ایک سو ستر سال پہلے جزیرہ کارسیکا میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک مفلس اور غریب وکیل تھا۔ چھ سات سال کی عمر میں نپولین کو اسکول میں بٹھا دیا گیا۔ مگر پڑھنے لکھنے میں اس کا جی نہیں لگتا۔ وہ بڑا کھلاڑی لڑکا تھا۔ دن بھر وہ کھیل کود میں لگا رہتا۔ جب اس کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو اسے فوجی پڑھائی کے لئے بہت دور جانا پڑا۔ وہ فوجی پڑھائی میں دل لگاتا رہا۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ پیرس چلا گیا۔ تم جانتے ہو پیرس ملک فرانس کا دارالحکومت یا راجدھانی ہے۔ یہاں اس نے دو سال تک کالج میں فوجی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسے فرانس کی فوج میں ایک معمولی سی جگہ مل گئی۔ آٹھ برس کے بعد جب اس کی عمر چھبیس سال کی ہوئی تو اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ نپولین کو اتنی کم تنخواہ ملتی تھی کہ وہ خود اپنا گزر اوقات بہت مشکل سے کر سکتا تھا۔ لیکن وہ کبھی اپنی غریب ماں کو نہیں بھولا جب تک اس کی ماں زندہ رہی وہ اس کی خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ساری تنخواہ ماں کو بھیج دیتا اور خود سوکھی ہوئی روٹیاں اور مشک کا پانی پیکر پیٹ بھر لیتا۔ ماں کی خدمت کی بدولت ہی اس کا نام روشن ہوا۔ اور آج ساری دنیا اس نیک بخت کو نپولین اعظم یعنی بڑا نپولین کے نام سے جانتی ہے۔

نپولین اعظم یورپ کی بڑی بڑی لڑائیوں میں شریک رہا ہے۔ اس نے زمانے کے بڑے بڑے الٹ پھیر دیکھے ہیں۔ فرانس کے رہنے والوں نے جب اپنے بادشاہ لوئی کو قتل کر دیا۔ اور ملک میں بغاوت پھیل گئی تو نپولین نے دوسرے ملکوں کے حملے سے فرانس کو بچایا۔ ایک مرتبہ یورپ کا سب سے اونچا پہاڑ جسے کوہ آلپس کہا جاتا ہے۔ نپولین نے عبور کر لیا تھا۔ اور اس کی اس بہادری کے صلہ میں اسے فوج کا جرنیل بنا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہمارے ملک ہندوستان میں ہی آ رہا تھا مگر انگریزوں نے مصر کے پاس اس کے جہاز کو روک لیا۔ وہاں بڑی زبردست لڑائی ہوئی اور نپولین شکست کھا کر اپنے ملک فرانس کو واپس چلا گیا۔ [illegible] میں یعنی آج سے ایک سو چھتیس سال پہلے نپولین نے رعایا کے کہنے سننے سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد نپولین برابر لڑتا ہی رہا اور اس نے کتنے ہی ملکوں کو دبا لیا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ روس نے نپولین کے ایک قانون کو ماننے سے انکار کر دیا۔ بس نپولین کو غصہ آ گیا۔ اور وہ پانچ لاکھ سپاہیوں کی فوج لے کر روس کی طرف چل پڑا۔ سردی کا موسم تھا اور تم جانتے ہو کہ روس کتنا ٹھنڈا ملک ہے۔ وہاں نپولین کی فوج کے لاکھوں آدمی سردی سے مر گئے لیکن نپولین ہمت نہیں ہارا اور آگے بڑھتا ہی گیا۔ روس کے دارالحکومت ماسکو میں داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ وہاں کے رہنے والے ڈر کے مارے بھاگ گئے ہیں۔ نپولین کو پورا شہر خالی مل گیا اور اس نے اس پر اپنا قبضہ جما لیا۔ ایک مرتبہ وہ ایک لڑائی میں ایسی بری طرح شکست کھا گیا تھا کہ کئی مہینوں تک اسے ایک جزیرہ میں نظر بند رہنا پڑا تھا۔ جب اس بلا سے چھٹکارا حاصل ہوا تو پھر یورپ میں جنگ کا بھوت منڈلانے لگا۔ اور ایسی گھمسان لڑائی ہوئی کہ نپولین پھر سر نہیں اٹھا سکا۔ اس لڑائی کا نام جنگ واٹرلو ہے۔ یہ یورپ کی سب سے بڑی لڑائی سمجھی جاتی ہے جس جزیرہ میں نپولین کو آخری مرتبہ نظر بند کیا گیا تھا اس کا نام "سینٹ ہلینا" ہے۔ تم دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھو گے تو بحر اوقیانوس میں افریقہ اور جنوبی امریکہ کے درمیان جزیرہ سینٹ ہلینا نظر آئے گا۔ نپولین اعظم چھ سال تک قید کی زندگی گزار کر سنہ ۱۸۲۱ء کو مر گیا۔

بچو! تم اس بہادر آدمی کی زندگی سے کچھ سیکھو۔ نپولین کی طرح اپنے دل میں ماں کی محبت پیدا کرو۔ ہر آدمی کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ بڑے سے بڑے کام میں ہمت مت ہارو۔ اور ہمیشہ ایسا کام کیا کرو جس سے دوسروں کی بھلائی ہو خواہ اس میں تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔ نپولین کو اپنے ملک فرانس سے جتنی محبت تھی تم اپنے ملک ہندوستان سے اتنی ہی محبت کرو۔

ہولناک رات

(از سید حمید الحق قمبر حیدرآباد دکن)

حمید نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا۔

"ایک گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسہ میں بیٹھا رہا مجھے تاریکی میں گھر لوٹنا پڑا اس زمانہ میں میں شہر کی سب سے وحشت ناک اور خوفناک گلی میں رہتا تھا جب جب میں اس سے گزرتا ڈراونے خیالات میرا دماغ پریشان کردیا کرتے تھے۔

روحانی جلسہ میں آخری جملہ جو میں نے سنا تھا وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ ایک فلسفی کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسہ میں شریک ہے۔ اس نے مجھے مخاطب کیا تھا: تیری موت قریب آگئی۔ جلد خدا کے سامنے توبہ کر؟ میں ڈر گیا پھر سوال کیا مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہوگئی۔ آج ہی توبہ کرلے" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں اس پریچولیزم کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال مجھے افسردہ کردیا کرتا تھا ایک عجیب طرح کی اداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ سے بھاگا اپنے گھر کی راہ لی۔ گھر پہنچ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت بھی خوف سے برا حال تھا معلوم ہوتا تھا کہ میں گرا پڑتا ہوں۔

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی کھڑکی کے شیشوں سے ہوا کے جھونکے ٹکرا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں۔

"اگر اس فلسفی کی پیشین گوئی ٹھیک ہے" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا: "اگر اس سنگدل فلسفی کی روح نے سچ کہا ہے تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہے۔ یہ چلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی۔ یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی۔ افسوس میری زندگی ......

"میں"! میں گلا پھاڑ کر بے خودی سے چلایا۔ اور دروازے کی طرف بھاگا سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا شاید غلام گردش میں پہنچ کر میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

میں نے کمرے میں کیا دیکھا؟ دیکھو اس وقت بھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں دل دھڑک رہا ہے۔ عین کمرے کے وسط میں جنازہ رکھا تھا۔ جنازہ کیا ایک چھوٹا سا تابوت تھا جس پر سرخ چادر پڑی تھی۔ پھر اس پر پھول بھی چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اس کا ہر حصہ نظر آگیا۔ آج تک اس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

"یہ تابوت ایک لڑکی کا تھا" .... آہ! ....

میں سیلاب کی تیزی بلکہ تیر کی طرح بھاگنے لگا ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا بارش سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آگئے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں نے خیال کیا۔ "بلکہ اس میں چور کھڑا ہوتا۔ شیر ٹھہرتا ہوتا۔ دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا۔ اگر اس کی چھت بھی اچانک گر پڑی ہوتی تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش۔ ایک مکمل تابوت کی شکل بلکہ مکمل تابوت۔ اس کے کیا معنی ہوسکتے ہیں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ .... میرے کمرے میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ اور .... ایک لڑکی کا تابوت .... کیوں لایا گیا اور کون لایا؟ معلوم نہیں وہ خالی ہے یا اندر لاش رکھی ہے؟ ....؟

اچانک مجھے خیال آیا "اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہے"۔

لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ "دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا: کنجی ایسی خفیہ جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو .... پھر میرے پراگندہ دماغ میں ایک اور خیال آیا ممکن

ہے یہ کارروائی اسی روح کی ہو جس نے آج رات میری موت کی خبر دی ہے شاید تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو...... لیکن یہ ناممکن ہے تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہے۔"

اب بارش بھی شروع ہو گئی گویا میرے غسل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میری شیروانی اڑی جا رہی تھی۔ میں بھیگ کر تر بتر ہو گیا تھا۔ "مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل میں کہا۔ لیکن کہاں؟ کمرے میں جہاں تابوت رکھا ہے۔ ناممکن...... اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست "عثمان" کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک اجڑی جگہ قبرستان میں ایک کمرے میں رہتا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھول کر اندر چلا گیا۔ میری شیروانی بھیگ گئی تھی اُسے اتار کر کمرے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی کچھ سوجھائی نہ دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ میں نے جیب سے ڈبیا نکال کر دیا سلائی جلائی۔

"اف"! یہاں بھی بے اختیار میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔ "یہاں بھی وہی تابوت" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم و خیال ہے میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے ناممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہنچنے سے پہلا ہو جائے ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آ گیا ہے۔ جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہے...... میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنون کا سبب صاف ظاہر ہے اس منحوس روحانی جلسہ اور اس فلسفی کی شیطان روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا۔"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زور سے ہاتھوں سے دبا لیں۔ "الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ! میں پاگل ہو گیا" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ بارش کا وہ زور تھا اللہ کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا۔ نہ سر پہ ٹوپی نہ جسم پر شیروانی۔ میں انہیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہاں...... بہت ہی ہولناک منظر۔ ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی۔

میرے سر کے بال تیر کی طرح سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم و خیال ہے حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ بار بار یہی سوال دہراتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست "حسینی" یاد آ گیا۔ اس نے حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی روحانی جلسہ میں میرے ساتھ شریک تھا۔ میں بے تحاشا اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔ لیکن میں ابھی زینے پر ہی تھا کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے اور زور زور سے پاؤں زمین پر مار رہا ہے۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی: "مدد۔ مدد۔ دوڑو۔ دوڑو۔"

اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے گرتا ہوا مجھ سے ٹکرایا۔

"حسینی۔ حسینی۔ دوست تم ہو؟ کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلا اٹھا کیونکہ یہ شخص میرا دوست "حسینی" ہی تھا زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ حسینی نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا چہرہ زرد تھا آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں۔

"حسینی" میں پھر چلایا۔

"عبید" اس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "عبید تم ہو تم! کیا واقعی تم ہی ہو!" اُس نے مجھے غور سے دیکھا اور لمبی سانس لی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اف! تمہاری صورت کیسی ڈراونی ہو رہی ہے؟ خدارا بتلاؤ کیا ہوا؟" اس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

"اور یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟ بالکل مردہ معلوم ہوتے ہو" میرا جواب تھا۔

"ٹھہرو" اس نے جلدی سے کہا۔ "ذرا دم لینے دو۔ میں اس وقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں! جان جاتے جاتے بچی۔ حاضرات اور ارواح کے جلسوں پر خدا کی لعنت۔ اسپریچولیزم پر ہزار لعنتیں۔ اس جلسہ نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں! کیا تم یقین کرو گے کہ جونہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا...... اف! کیسا ڈراونا منظر میں نے دیکھا۔ کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہے۔"

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہ خود میری سرگزشت تھی میں نے چیخ کر پوچھا۔ "تابوت! کیا کہتے ہو۔ تابوت؟"

اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا "تابوت۔ ایک حقیقی تابوت میں

معلوم نہیں ہوں لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جاتا ہو گا؟
میرا دوست کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اس سے بیان کر دیئے۔ میں نے کہا۔ خدایا عجیب طرح کی ہولناکی۔ میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے......"

ہم دونوں مکان کی چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں مبہوت تھے ہمیں خیال ہوا شاید ہم سو رہے ہیں یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گزرا۔ اس لئے ایک دوسرے کو کے مارنے لگے تاکہ معلوم کریں واقعی ہم جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں۔

"نہیں ہم خواب میں نہیں ہیں!" حسینی نے کہا ہم کے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہے۔ اب بتلاؤ کیا کریں؟"

اب ہم زینوں پر آ کر کھڑے ہو گئے دیر تک سوچتے رہے کیا کرنا چاہیئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کر کے اوپر چلیں اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا اس پر سفید چادر پڑی تھی پھول بھی چڑھے تھے.........تابوت دیکھ کر نوکر نے کہا۔—
"انا للہ وانا علیہ راجعون"
"اب ہم حقیقت معلوم کر سکتے ہیں" میرے دوست نے رک رک کر کہا۔ کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا" دیکھنا چاہیئے معاملہ کیا ہے؟ تابوت خالی ہے یا اس میں کوئی لاش بھی ہے۔
بڑے پیش و پس کے بعد حسینی نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا اور تابوت کو کھولا۔ ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا تابوت نہ تھا بلکہ لکڑی کا صندوق اور نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا۔

میرے دوست نے لفافہ اٹھالیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں: "تمہیں معلوم ہے ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہے۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہے کہ میرا بھائی دیوالیہ ہو گیا ہے۔ کل تک اس کا تمام سامان نیلام ہو جائیگا۔ تم جانتے ہو کہ اس کی دکان میں صندوقوں (تابوتوں) کے سوا کچھ نہیں ہے اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ ہمارے خاندان نے مشورے کے بعد طے کیا ہے کہ جتنے صندوق بھی راتوں رات نکالے جا سکیں نکال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک صندوق بھیجدیا ہے ایک تمہارے ہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ تمہیں اس کی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی اور ہم اس کے لئے تمہارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکر گزار ہوں گے۔ فقط
ایچ۔ اے۔ تمہارا مخلص

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک یہ حالت ہے کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں تو دروازے پر خوف سے رک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آ جایا کرتا ہے۔

تم بھول جاؤ

(از جناب غلام حسین صاحب آرزو)

ریحانہ!

میں تجھے کیسے بھول جاؤں اس کے تو تصور ہی سے میں کانپ جاتا ہوں۔ یاس و حسرت کی سیاہ گھٹائیں میرے دل مضطر پر محیط کر لیتی ہیں۔ میرے اعضا سکت سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔ میری روح گھبرا جاتی ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم دیتا ہے۔ جیسے میری داستان الفت فضا کی وسعتوں پر چھا گئی ہے۔ پھر وہ خاموش گھاتیں، پوشیدہ ملاقاتیں ناز و نیاز کی باتیں یاد آ آ کر ماضی کی وجد آمیز یاد دلا دیتی ہیں۔ اور میں "تیرے بھول جانے" کو بھول جاتا ہوں۔

میں تجھے بھول جانے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ دام محبت کو توڑتا ہوں۔ لیکن اس کے ٹوٹے ہوئے حلقے زنجیر قلب بن جاتے ہیں۔ اور میرا دل پھر اسی دام شکستہ میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ ریحانہ! تمہیں بتاؤ آخر یہ سب کچھ کیوں؟

تم نے تو کہہ دیا "بھول جاؤ" لیکن ریحانہ ذرا سوچو تو اس دل ناداں کو کیسے بہلاؤں۔ کیسے بہلاؤں۔ اس سوز دروں کو کیسے دباؤں۔ ایک بسمل کو کیسے کہہ دوں کہ نہ تڑپ۔ ریحانہ میں یہ سوچتے سوچتے پاگل ہو گیا ہوں۔

پھر میں نے کون سی کوشش ہے۔ جو تمہیں بھول جانے کے لئے نہیں کی۔ میں نے چاند اور تاروں سے باتیں کرتے راتیں گذار دیں۔ میں نے شراب پینی شروع کی۔ ایک جام چڑھایا۔ دوسرا بھر کر لبوں تک لے گیا۔ سامنے دیوار پر تمہاری تصویر نظر پڑی۔ تمہیں یاد ہے تم نے ایک دفعہ میرے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پھینک دیا تھا۔ اور میرے گلے میں باہیں ڈال کر مجھ سے عہد لیا تھا۔ کہ میں کبھی اسے منہ نہیں لگاؤں گا۔ میں پھر یاس و حسرت کی عمیق ترین گہرائیوں میں کھو گیا میرے ہاتھ سے گلاس گرا۔ اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور ساتھ ہی میرا دل بھی۔

پھر دل میں سوز اٹھا اور اشکوں کے موتی بن کر آنکھوں کے رستے بہہ نکلا۔ نامعلوم میں نے ایسے کتنے گوہر تمہاری تصویر کے پائے ناز پر نچھاور کر دئے۔

نہیں! نہیں! ریحانہ میں تمہیں نہیں بھول سکتا۔ تم بھول جاؤ۔ اور مجھے یاد کرنے دو۔ میری متاع اس یاد کے سوا ہے ہی کیا؟ میں اسے نہیں کھو سکتا۔ نہیں لٹا سکتا۔ یہی میری زندگی ہے اور یہی میری آشا۔

غازی کمال پاشا

مجاہد اعظم غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی نئی اور مکمل سوانح عمری جو جناب ندیم صہبائی نے بروے اصلی اور جدید مواد فراہم کر کے لکھی ہے اس لئے کہ یہ سب سے بعد میں چھپی ہے، اسمیں مرحوم کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں اور مرحوم کی اسلامی پرجوشش کے واقعات چن چن کرلئے ہیں تاکہ جو اغیار مرحوم کو محض ایک مصلح قوم اور جدید تہذیب کا دلدادہ پیش کرتے ہیں انکو بتلایا جائے کہ یہ سب کچھ اتباع رسول ہی تھا۔ اور وہ اول و آخر مسلمان تھے قیمت مجلد صرف آٹھ آنے محصولڈاک بذمہ خریدار۔

غازی عصمت پاشا

ٹرکی کے موجودہ پریذیڈنٹ غازی عصمت پاشا کے حالات یہ وہی جانباز شیر اسلام ہے جس نے کمال پاشا کے دائیں بازو کا کام کیا اور ٹرکی حکومت کے بچانے اور اس کی اصلاحات میں عصمت پاشا کا بڑا ہاتھ تھا۔ گو آخر میں کمال پاشا سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ۔ کیونکہ یہ تمام اصلاحات مذہب کے تحت رکھنا چاہتے تھے۔ اب جبکہ وہ خود ہی مقتدر ہو گئے ہیں اس لئے اب انشاء اللہ ٹرکی کا مذہبی رنگ اور نمایاں ہوگا اس لحاظ سے عصمت پاشا کی سوانحیات بہت مفید ہوگی۔ قیمت مجلد صرف آٹھ آنے محصولڈاک بذمہ خریدار

خون کے آنسو

مسلمانوں کی پست حالی کا وہ نقشہ جو خون کے آنسوؤں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور جس میں مسلمانوں کی بہتری کے حالات تاریخی اعداد و شمار سے پیش کئے ہیں اور اب جبکہ پستی کی انتہا ہو گئی ہے۔ ان کے بچنے ہوئے طریقے بتائے ہیں اور بتلایا ہے اگر مسلمان اب بھی اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو اسلامی زندگی میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے گویا مسلمانوں کے لئے صدائے صور ہے لاکھوں کتابیں مسلمانوں نے مفت تقسیم کی ہیں آپ بھی مسلمانوں کی خاطر کیلئے قیمت چار آنے۔ محصولڈاک بذمہ خریدار

فریبِ رنگین

(از جناب سید نقی حیدر بلگرامی سہروردی)

ٹرین پوری رفتار سے جا رہی تھی اور میں اپنے خیالات کے ہجوم میں کھویا ہوا سیٹ پر بیٹھا تھا۔ مقدمات کی بھرمار کی وجہ سے عدالت سے مجھے بہت ہی کم فرصت ملتی تھی اور آج بھی ایک مقدمہ کی پیروی میں پٹنہ ہائیکورٹ جا رہا تھا۔ ٹرین کی رفتار میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ اور گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ آرہ سٹیشن پر رُکی اور ساتھ ہی میرے خیالات بھی رک گئے۔ میں چونک پڑا۔ گاڑی تقریباً وہاں تین منٹ ٹھیرتی ہے۔ بھوک کے تقاضہ کی وجہ سے میں نے پلیٹ فارم کا رخ کیا۔ اسٹیشن پر ایک عجیب قسم کا ہیجانی رنگ پھیلا ہوا تھا۔ ہر ذی روح کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ مسافروں کی چیخ پکار قلیوں کی ہائے ویلا۔ دوکانداروں کی بڑبڑ۔ انجن کی سنسناہٹ۔ گارڈز کی وِسل۔ غرض ہر طرف ایک شور برپا تھا۔ تین منٹ کے قلیل عرصہ میں مجھے رسٹوران کار میں کھانے کی خبر کرنی تھی۔

میں پوری رفتار سے جا رہا تھا۔ اثنائے راہ میں ایک برقعہ پوش نازنین نظر پڑی جو پلیٹ فارم کی طرف ایک عمدہ ہینڈ بیگ کے ساتھ آرہی تھیں۔ حسن اتفاق سے یا واقعات کی تشکیل کے لحاظ سے بہر حال جو بھی ہو اُن کا دستی رومال گر پڑا۔ باوجود اس تیز روی کے میرے قدم خود بخود رک گئے۔ اور میں نے ایک جذبہ کے ماتحت اُن کا رُمال اٹھا کر اُن محترمہ کو پیش کر دیا۔ ایک حنائی ہاتھ اُس سیاہ پوش سے نکلا۔ اور ایک عمدہ شکریہ کے ساتھ اپنے مقام پر مراجعت کر گیا۔ میرا دماغ جواب تک بھوک کی شدت کو پوری طرح محسوس کر رہا تھا۔ اب اس کا رخ دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ اور قدرت کے اس بہترین شاہکار پر تبصرہ کرنے لگا۔ اُف کس قدر خوبصورت ہاتھ تھا۔ انگلیاں تو دیکھو کیا نرم اور نازک تھیں پنجے کی ساخت تو جداگانہ ہی تھی۔ کلائی کی نزاکت نے تو روح کو بے چین کر دیا۔ جب ہاتھ کی یہ حالت ہے تو چہرہ کی کیا حالت ہوگی۔ خیالات کے سیلاب میں رسٹوران تک پہنچا اور اپنے کمپارٹمنٹ میں کھانا بھیجنے کو کہہ آیا۔ اب یہ تاسف دامنگیر تھا۔ کہ میں نے یہ کیوں نہ معلوم کیا کہ نازنین کس کمپارٹمنٹ میں جلوہ فگن ہوئی ہے۔ اندازہ لگائیے میری خوشی کا جب میں نے اُس کو اپنے ہی کمپارٹمنٹ میں سیٹ نشین دیکھا میں خاموشی کے ساتھ اپنے ڈبہ میں داخل ہو گیا۔ میرا جسم وفورِ شوق میں پسینے سے شرابور ہو گیا۔ نازنین مجھ سے کچھ فاصلہ پر دوسری بنچ پر بیٹھی تھی۔ میرا کھانا آگیا اور انتہائی جبر و صبر کے ساتھ کھانا شروع کیا۔ نازنین کو کئی مرتبہ شرکت ماحضر کی دعوت دی.................مگر اس نے گردن ہلا کر صاف انکار کر دیا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے اپنے سوٹ کیس میں سے ایک کتاب نکالی اور اس کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا مگر توبہ کیجئے دل کس کمبخت کا لگتا تھا۔ صرف توجہ کو دھوکا دینے کا اچھا مشغلہ تھا۔ میری آنکھیں بار بار اس کی طرف اٹھتیں مگر مایوسی کے ساتھ نیچی ہو جاتیں۔ نظروں کا یہ تقاضا تھا کہ ان کے حجاب کو توڑ کر رخِ زیبا پر متمکن ہو جائیں۔ مگر وائے رے ناکامی کہ رعبِ حسن ہر دفعہ آڑے آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح بات چیت شروع کی جائے۔

گذشتہ زندگی یعنی کالج کی زندگی کے واقعات پر بار بار روشنی ڈالی کہ ممکن ہے کسی واقع سے کوئی مفید نتیجہ اخذ کروں۔ خیال گزرا کہ جس طرح شیلا کو کلاس میں مخاطب کیا تھا۔ اسی کو آلہ کار بناؤں۔ مگر وہ یوں بیکار ثابت ہوا کہ وہ اول تو کلاس فیلو تھی۔ دوئم ہزار مرتبہ کی دیکھی ہوئی۔ پھر مخاطب کر لیا تو کونسی بڑی بات کی۔ پھر رضیہ کی ملاقات کا خیال ہوا جو باغ میں تفریح کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ مگر اُس کی بھی تردید ہو گئی۔ کیونکہ اُس نے خود ہی مجھے مخاطب کیا تھا اور دوسرے وہ پڑوسی کی لڑکی تھی۔ مگر یہاں نہ تو پڑوس تھا اور نہ ہی کلاس روم۔ حضرتِ دل نے کہا ڈبہ تو اکیلا ہے۔ اگر بات شروع بھی کی تو کونسی بری بات ہوگی۔ مگر اخلاق بھی تو کوئی چیز ہے۔ کسی شریف خاتون کو مخاطب کرنا انتہائی بے حیائی ہے۔ مگر یہاں تو مضمون یہ تھا۔

دردِ دل کا یہ تقاضہ تھا کہ میں آہ کروں
اور شرافت کا تقاضہ تھا کہ آواز نہ ہو
(ترمیم شدہ)

اسی کشمکش کے عالم میں ۲۰ منٹ گزر گئے۔ دماغ نے ہاتھ پیر ڈال دئے۔ تمام تدابیر مسدود ہو گئیں۔

"جناب عالی! کیا میں اس کتاب کو دیکھ سکتی ہوں؟"

ایک حسین آواز فضا میں پھیل گئی۔

میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور غور کیا کہ کیا واقعی یہ آواز اس بشرا میں سے پیدا ہوئی ہے۔ جو سامنے بنچ پر رکھا ہے یا باہر سے کانوں نے مجھے فریب دیا..........

مگر میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ آواز وہیں سے پیدا ہو رہی ہے جو میری مرکزِ نگاہ ہے۔

"اگر ناگوار خاطر نہ گزرے تو کیا میں یہ کتاب دیکھ سکتی ہوں"

اس نے پھر سوال کیا۔

"بڑے شوق سے۔ معاف کیجئے گا میں اس کے مطالعہ میں اس قدر منہمک تھا کہ آپ کے الفاظ کو سماعت نہ کر سکا"

شکریہ!

کچھ دیر کتاب کی ورق گردانی کے بعد

"مصنفِ صنفِ نازک کا بہت ہی ہمدرد ہے۔ خدا اس کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے"

نازنین گویا ہوئی۔

"جی ہاں! علامہ مرحوم ایک عجیب شخصیت کے مالک تھے۔ صبح زندگی اور شامِ زندگی وغیرہ ان کی معرکتہ الآرا کتابیں ہیں....." میں نے کہا "ان کی دیگر تصانیف بھی کسی سے کم نہیں"۔ وہ بولی

میں اور کتابوں کے متعلق اپنی رائے قائم نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے ان کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

خیر آپ کو اس سے اتفاق تو ضرور ہوگا۔ کہ مولانا مرحوم کا جو نظریہ صنفِ نازک کے متعلق تھا وہ حق بجانب تھا۔

میں نے بحث کے موضوع کو پُرلطف ہوتے ہوئے دیکھ کر دیدہ دانستہ انکاری لہجہ میں کہا مجھے ان کی تمام باتوں سے اتفاق نہیں ہے۔ سوائے چند باتوں کے۔

یہ تو ایک جنسی تعصب ہے۔ مگر شکر ہے کہ آپ کو چند باتوں سے اتفاق ہے۔ بس یہی میرے لئے کافی ہے۔

بحث یہیں پر ختم ہو گئی۔ اب جواب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ گو اور بہت میں مخفیف استقرار کے بعد یکایک داناپور میں گاڑی رکی۔

نازنین نے کتاب کو بند کر کے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا.....

پھر وہ اپنا سامان درست کر کے پلیٹ فارم پر اتر گئی۔

میں نے انتہائی جسارت سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

محترمہ کیا آپ اپنا نام بتلانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گی؟

مجھے نسیمہ کہتے ہیں۔

کلام کا سلسلہ منقطع ہو گیا....... نازنین پبلک کے سیلاب میں بہہ گئی۔ میری نگاہوں نے بہت دیر تک تعاقب کیا۔ مگر اب بیکار تھا پٹنہ اسٹیشن پر میرا سفر بھی ختم تھا۔

(۲)

ایک نقش دل پر منضبط ہو گیا۔ مدت تک دل میں ایک میٹھا میٹھا سا درد ہوتا رہا۔ نازنین کی یاد دل میں چٹکی لینے لگی۔ مگر تاہم کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی یاد نہ رہا کہ کون دل میں میٹھا چٹکیاں لیا کرتا تھا۔

...... زمانے کی گہما گہمی اور فکرِ معاش کی ہماہمی میں کس کو اتنی فرصت تھی کہ تصورِ جاناں کو روئے بات آئی گئی ہو گئی...... زندگی کا صحیح لطف اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کوئی رفیقِ زندگی نہ ہو۔ زندگی کی کشتی بغیر کسی مددگار کے ذرا مشکل ہی سے پار ہوتی ہے

.... مسٹر نعیم کی کاوش نے اس عقدہ کو حل کیا اور میری بات داناپور میں ٹھہر گئی۔ دیناپور کے نام سے مجھے ایک عجیب قسم کا حظ معلوم ہوتا میں بار بار اس کا نام لے کر مزہ لیتا۔ پچھلی یاد ایک مرتبہ پھر ابھر آئی مگر یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ڈھونڈنے سے خدا ملتا ہے مگر حضرتِ معشوق کا ملنا کارِ دارد۔ پھر دکالت سے کہاں فرصت کہ مجنون بنوں۔ میں نے اس خیال ہی کو ترک کر دیا۔ اور نعیم کے منظور کردہ رشتہ پر راضی ہو گیا۔ شادی ہو گئی۔ بیوی ایسی تھی کہ امید سے زیادہ خوبصورت اور سلیقہ شعار۔

(۳)

آج عدالت میں ایک عجیب ہی قسم کا ہولناک مقدمہ پیش ہوا تھا جس کی وجہ سے دماغ منتشر ہو رہا ہے........ خانم کی گفتگو میں بھی کوئی لطف نہ آیا۔ بچوں کے بھی شور و غل سے نفرت ہو رہی تھی پہلا میں سیدھا ایک سٹال کی طرف روانہ ہوا۔ کہ ممکن ہے کوئی تازہ رسالہ مل جائے۔ اور اسی سے دل کو سکون حاصل ہو نظرِ انتخاب ایک پرچے پر جم کر رہ گئی۔ یہ پرچہ محشر خیال تھا جو اپنی شان کا نرالا پرچہ ہے۔ ورق گردانی پر میری نظر ایک سرخی پر پڑی۔ "بھولا ہوا افسانہ" از محترمہ مس نسیمہ داناپوری" دبی ہوئی چنگاری پھر ابھر آئی۔ میں نے وہ پرچہ خرید لیا مضمون بہت ہی عام فہم اور گوناگوں خوبیوں کا حامل تھا......

(۴)

خانم کا گھر سے بلاوا آیا ہوا تھا۔ اور وہ جانے کے لئے مضطرب تھیں

اس سلسلے میں نے اپنی ملازمت کی ٹرین سے بک کر دیا۔ اب میدان صاف تھا...... دل میں گدگدی پیدا ہوئی اور ایک خط محترمہ کو لکھ مارا اور بذریعہ ایڈیٹر یہ خط اُن تک پہنچ گیا۔ خط کا مضمون تعریفی فقروں سے بھرا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد محترمہ کا ایک مختصر رقعہ موصول ہوا۔

مانا پور پٹنہ!

بندہ نواز!

آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا...... شکریہ آپ نے اپنے جواب میں بہت ہی جسارت سے کام لیا ہے۔ آئندہ سا احتیاط۔

آپ کی خیر اندیش (نسیمہ)

میں اپنی حرکت پر بہت نادم ہوا۔ اور ایک معذرت نامہ لکھ بھیجا۔

محترمہ!

معاف کیجئے گا میں جذبات کی رو میں بہت دور نکل گیا تھا امید افزا الفاظ سے یاد فرمائیں۔ خیریت کا طالب (دلگار)

مدتوں تک کوئی خط نہ آیا دل میں تشویش نے ایک نئی جگہ پیدا کر لی اب خانم آ چکی تھی...... میرا گھر کچھ دنوں کے لئے رشک جنت بن گیا...... کچھ دنوں کے بعد میں نے محترمہ کو پھر ایک خط لکھا۔ اور اس کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگا۔ ایک روز صبح کے وقت ڈاکیے نے ایک لفافہ لا کر مجھے دیا۔ جو کہ خانم کے نام تھا۔ مگر میری معرفت تھا۔ میں وہ لفافہ لئے ہوئے خانم کے پاس آیا۔ اور اُن کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا خط ہے۔ کہنے لگیں میری ایک سہیلی کا خط ہے مجھے شک ہوا کیونکہ تحریر اس کی مردانی تھی۔ خانم نے اس خط کو چھپا لیا اور مجھے اُس کے مضمون سے آگاہ نہ کیا۔ جس کی وجہ سے شبہ نے میرے دل میں گنجائش پیدا کر لی۔ میرا دل خانم کی طرف سے کھنچ گیا۔ اس کھینچا تانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل سے بیزار ہو گئے۔ روز روز کی ناچاقی سے گھبرا کر میں نے خانم کو ان کے میکے بھیج دیا۔

(۵)

اب زمانہ نے ایک نئی کروٹ بدلی اور دوستوں نے نکاح ثانی کا مشورہ دیا جس کو میں نے بہتر سمجھا۔ اب میں نے عہد کر لیا کہ اگر شادی کروں گا تو نسیمہ ہی سے کروں گا......

میں نے بہت زیادہ جسارت سے کام لیتے ہوئے نسیمہ کو ایک خط بذریعہ ایڈیٹر لکھا...... بہت دنوں کے بعد مجھے اس کا امید افزا جواب ملا [illegible] اور میں نے مطلب ظاہر کر دیا جس کو نسیمہ نے بخوشی منظور کر لیا اور میری شادی ہو گئی...... جب میں حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو میرے دماغ میں وہی خیالات کروٹ لے رہے تھے۔ جو چند سال پہلے محترمہ کے ہاتھ کو دیکھ کر پیدا ہوئے تھے اسی وقت میں ایک نئی دنیا میں تھا۔ کمرہ خوشبو سے بسا ہوا تھا...... اور ارمان سے آرزوئیں مچل مچل کر نکل رہی تھیں۔ کمرہ میں ساٹھ موم بتیوں کی طاقت رکھنے والا برقی قمقمہ جل رہا تھا۔ جب میں نے محترمہ کے چہرے سے نقاب اٹھائی تو میں دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ کیونکہ یہ میری خانم تھی جس کو میں نے چند ماہ پیشتر میکے بھیج دیا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کو حیرت سے تک رہے تھے.........

اب ہمارے درمیان کسی قسم کی شکر رنجی نہیں ہے......

اس لفافہ کا عقدہ یوں حل ہوا کہ وہ میرا ہی فرستادہ مکتوب تھا۔ جس کو ایڈیٹر نے دوسرے لفافہ میں رکھ کر یہاں خانم یعنی نسیمہ کے نام پوسٹ کر دیا تھا۔

خطرناک وزیر اعظم

ذرا آپ ہی اندازہ لگائیے۔ کہ اگر کسی کے وزیر اعظم بن کر وزارت مرتب کرنے کے چند دن بعد ہی چار وزیر انتقال کر جائیں اور جب وہ دوسری تیسری دوچوتھی وزارت مرتب کرے تو بھی ایسا ہی ہو تو یہ حالت کس قدر افسوسناک صورت اختیار کر جائیں گے اور وزیر اعظم کے متعلق عوام کے دلوں میں کیا کیا شبہات پیدا نہ ہوں گے۔ اور اگر سارے مرنے والے مخالف گروپ سے ہی تعلق رکھنے والے ہوں گے۔ تو عوام ایسے شبہات کرنے میں کیوں حق بجانب نہ ہوں گے۔

جب گیووانی گیولٹی (Giovanni Giolitti) نے اٹلی میں وزارت مرتب کی تھی۔ تو ایسا ہی ہوا تھا۔ حالانکہ ایسا ہونا کسی حد تک ناممکنات میں سے نظر آتا ہے۔ گیووانی کی سیاسی زندگی کے دوران میں ہی وہ تمیں سیاست دان جو اس کے ساتھی تھے اور جن کے کبھی طاقت پکڑ کر وزیر اعظم بن جانے کا امکان تھا۔ بہت سے فوت ہو گئے اور باقی ہمیشہ کے لئے بستر علالت پر دراز ہو گئے۔

۱۸۹۲ء میں گیووانی پہلی بار وزیر اعظم بنا۔ تو اس کی عمر ۵۰ برس کی تھی۔ اس کے انتخاب میں ہنگاموں کا خاص زور رہا تھا۔ اس کی کیبنٹ اٹھارہ ماہ تک قائم رہی۔ اور ایک عرصہ میں کیبنٹ کے چار وزیر فوت ہو گئے۔ گیووانی کے خلاف سرکاری روپیہ خورد برد کرنے کا الزام لگایا۔ اور یہ گڑبڑ اس قدر بڑھ گئی۔ کہ آخر اسے وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔

چند سال بعد وزارت سے الگ ہو کر بھی گیووانی سیاست سے الگ نہ ہوا۔ اور چند ہی سال بعد پھر وزیر بن گیا۔

اس وقت وزیر اعظم زنارڈلی (Zinardilli) تھا اس کے وزیر بننے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی زنارڈلی جسے کبھی اب تک زکام نہ ہوا تھا۔ بیمار ہو گیا بیماری دن بدن جڑ پکڑتی گئی۔ اور آخر اسے مجبور ہو کر استعفیٰ دینا پڑا۔

زنارڈلی کے مستعفی ہونے کے بعد پھر گیووانی نے وزارت بنائی اور بہت جلد ہی کیبنٹ کے دو وزیر جو کسی حد تک اس گیووانی کے مخالف سمجھے جاتے تھے فوت ہو گئے۔ اور پبلک میں یہ مشہور ہو گیا کہ گیووانی کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر دیکھتا ہے۔ وہ فوت ہو جاتا ہے۔

یہ افواہ پھیل جانے کے بعد کافی عرصہ تک کوئی وزیر فوت نہ ہوا۔ البتہ وزیر بیمار ہونے شروع ہو گئے۔

وزیر خارجہ ایک حادثہ کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا۔ وزیر مالیہ کو گٹھیا ہو گیا اور وزیر خزانہ پاگل ہو کر پاگل خانہ میں داخل ہوا۔

۱۹۰۱ء میں جب دوبارہ انتخاب ہوئے۔ تو گیووانی اکثریت سے وزیر اعظم منتخب ہوا۔ اور اس کے وزیر اعظم بنتے ہی دوبارہ اموات کا سلسلہ شروع ہوا (Rasano) رسینو نامی ایک سیاست دان نے جو وزیر جنگ بننا چاہتا تھا۔ مگر وزارت میں نہ لیا گیا تھا پستول مار کر خودکشی کر لی۔

اس واقعہ کے صرف چند گھنٹے بعد ہی ایک اور وزیر حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو گیا اور وزیر امور خارجہ میں پاگل پن کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کے علاوہ ایک کئی اور وزیر سیاست دان بیمار پڑ گئے۔

۱۹۰۸ء میں عوام میں گیووانی کے خلاف جذبہ پیدا ہو گیا اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اب دیکھیں کون وزیر اعظم کی سحر انگیز آنکھوں کا شکار بنتا ہے۔ عوام کا یہ شبہ اس وقت درست ثابت ہوا۔ جب کہ وزیر اعظم کے سسلی سے واپس آنے کے چند دن بعد سسلی میں زبردست زلزلہ آیا۔ اور اس جزیرے کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور ڈیڑھ لاکھ آدمی ہلاک ہو گئے۔

۱۹۰۹ء میں گیووانی نے چوتھی کیبنٹ بنائی اس کے تیسرے ہی دن وزیر مالیات میسینی دوران تقریر دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گیا۔

اس کے دوران بعد وزیر انصاف گیاوت (Gallo) اپنے بستر میں مردہ پایا گیا۔ وزیر خزانہ (Majarona) بہت جلد بیمار ہو گیا۔ اور اس علالت کی وجہ سے اسے کیبنٹ سے مستعفی ہونا پڑا۔

ان واقعات سے عوام گیووانی کے اس قدر مخالف ہو گئے کہ پھر وہ کوششوں کے باوجود وزیر نہ بن سکا۔ اور وزارت کے ایوان کی جانیں...... بچ گئیں۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھا کیجئے۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ آنا چاہئے۔ [illegible]

(از جناب سید واحد منیر ہاشمی)

اے حسن کی مجسم دیوی! دیکھ ـــــ ایک نظر ادھر بھی. شانِ محبوبیت کے پردے میں چھپ کے دیکھ ـــــ برہمیِ حسن بھی ہو اور گلاب کی پنکھڑیوں سے ہونٹوں پر تبسم بھی رقص کر رہا ہو.......... دیکھ! اور وہاں اسی شان سے دیکھ!

نہیں! نہیں! مجھ میں اتنی تاب کہاں کہ میں نظارۂ برہمی دیکھوں ـــــ اُف ان کی آنکھیں ـــــ وہ شعلہ بار آنکھیں ـــــ معاذ اللہ. دل و جگر کی خیر نہیں. کہیں یہ شعلہ باری خرمنِ ہستی ہی کو نہ خاکستر کر دے ـــــ دیکھئے! دیکھئے! ابرو بھی کھینچا جا رہا ہے. پیشانی پر بل پڑ رہے ہیں اور اللہ! ان نازک لبوں کو تو دیکھئے. کس زور وں پر کانپ رہے ہیں. آخر اتنی بھی خفگی کیا.

دیکھئے اب کس کی شامت آتی ہے. کافر ناگن ہوا میں لہرائی آمادۂ خرام ہو چلی ہے. معلوم نہیں کسے ڈسے گی. مگر نہیں معلوم یہ سب خفگیاں کس ظالم نصیب کے لئے کی جا رہی ہیں ـــــ کس معصوم دل پر یہ ستم توڑے جا رہے ہیں........ ہاں اب سمجھا. یہ سب پریشانیاں صرف میری خاطر گوارہ کی جا رہی ہیں.......... محض "اظہارِ محبت" پر ـــــ

اے عصمت و عفت کی سراپا تصویر! اے مجسمۂ نور و ضیا! یقیناً میں سزاوارِ طریقتِ محبت ہوں ـــــ معافی ـــــ میری التجائے بے تکلف. گستاخی و بے باکی ـــــ میرا عمل بے نیاد لیجئے.

"سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" اب نہ کہوں گا ـــــ ہرگز نہیں ـــــ کبھی نہیں. یہ اشکِ ندامت خود اپنا جواب ہے ـــــ مگر کسی حد تک میں لائقِ تقصیر بھی ہوں. کیونکہ یہ میری آواز نہ تھی ـــــ بلکہ کسی دکھے ہوئے دل کی پکار تھی ـــــ کسی نامعلوم جذبہ کی کشش تھی جس نے وہ سب کہلا دیا جو نہ کہنی تھی.

اچھا ـــــ تو اٹھا جاتا ہوں اب جھاڑ کے دامن اپنا ـــــ جاتا ہوں ـــــ ہمیشہ کے لئے ـــــ پھر نہ واپس آؤنگا ـــــ ہاں ایک تمنا ہے ـــــ خواہش ـــــ اور یہ آخری خواہش ہے.

جب یاد تمہیں آؤں مرنے کی دعا کرنا

موت ـــــ ہاں ایسی موت ـــــ جو بہت خوشگوار ہے ـــــ زندگی سے بھی عزیز تر. یعنی ـــــ یعنی ـــــ تو ہو ـــــ تیرا تصور اور یوں افسانۂ ہستی کا خاتمہ.

بھول نہ جانا

(بہ سلسلہ صفحہ ۳۰)

"کنول! تم بہ ضد رہی ہو۔ خیال کرو اگر میں کھڑی........"

"مت بولو ہرش۔ دل کو بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"یہ سال کا پہلا دن ہے اور ـــــ"

"اور میں تمہیں رنجیدہ کر رہی ہوں۔ مجھے بھول جاؤ ہرش!"

"کیسے بھول جاؤں؟"

"تمہیں بھول جانا ہی ہوگا۔ کہو مجھے بھول جاؤ گے نا؟"

"کبھی نہیں، بھولوں گا۔ تمہارا رومال......"

"وہ مجھے واپس کر دو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے یاد رکھو"

"تم اپنی یاد مجھ سے نہ چھینو میری کنول!"

"ہاں ایسا ہی ہوگا" کہتے ہوئے کنول نے میری جیب سے زبردستی رومال نکال لیا اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ رسوئی گھر کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر تو میں سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر اس کے پیچھے دوڑا۔ لیکن وہ رومال میرے پہونچنے سے پہلے انگیٹھی کی نذر ہو چکا تھا۔ رومال کو جلتے ہوئے دیکھ کر میں نے ایسا محسوس کیا جیسے میرے دل کے کونے کونے میں آگ لگ گئی۔ مگر اس وقت کنول کماری کے ہونٹوں پر ایک اندوہناک تبسم نمودار ہو گیا تھا۔

اس واقعہ کو آج کئی سال گزر چکے ہیں۔ مسٹر منوہر لال ہمارے شہر سے اڑیسہ کے ایک ضلع میں منتقل کر دئے گئے ہیں جہاں وہ آجکل ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ کنول کماری کی شادی بھی ہو چکی ہے۔ اور اب وہ لڑکی سے ماں بن گئی ہے۔ جب سال کا پہلا دن آتا ہے تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے کنول میرے سامنے کھڑی ہوئی کہہ رہی ہے، "مجھے بھول نہ جانا"

طاہرہ بیگم کی داستان

میرا نام طاہرہ بیگم ہے۔ میں لکھنؤ کے معزز گھرانے کی حسین و جمیل اور پاک دامن خاتون ہوں، برسوں کی بات ہے مجھ پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے زمانے کے انقلاب نے مجھ کو لکھنؤ سے نکال کر مصر پہونچا دیا میں نے ہر چند چاہا کہ زمانہ کی سختی سے دور رہوں، مگر انسان کا چاہا کبھی پورا نہ ہوا۔ اور ہوتا کیوں اگر خدا بندوں کو پورے پورے اختیارات دیدیتا تو خدا کو کون مانتا میری کہانی بڑی دردناک ہے اور میری مصیبتیں نہایت صبر آزما میرے شوہر کا نام "عزیز اللہ" تھا، ان کی بدعقلی اور ناسمجھی کیوجہ سے مجھ پر مصیبتوں کے بادل چھا گئے تھے میرے شوہر نے عربی فارسی کی کتابیں تو پڑھ لیں مگر بدقسمتی سے قدیمی رواجوں کے پابند اور دقیانوسی خیالات کے مالک تھے، شادی سے پہلے میرے عزیز شوہر عزیز اللہ لکھنؤ سے فرار ہو گئے، فرار کیا ہو گئے جہانیاں جہاں گشت ہو گئے ہندوستان سے نکل کر اسلامی ملکوں میں گھومنے لگے، وہ تو وہاں پھرتے رہے ادہر لکھنؤ میں مجھ پر کیا قیامت آئی، میں نے برسوں ان کے انتظار میں کیسے اپنی عمر گذاردی عشق کی ہنگامہ آرائیوں نے مجھ سے کیا سلوک کیا اور عشق صادق کی کیسے فتح ہوئی، اور میں نے اپنے مایوس دل کو کیسے قابو میں رکھا اور شاہد نازک خیال سے قلب غمگیں کیسے الجھتا رہا۔ اور میرا انجام کیا ہوا۔ اور اب میں کہاں ہوں۔ یہ دردناک کہانی اور میری بپتا کتاب "طاہرہ بیگم" میں پڑھ لیجئے۔ جس کو ناول کی صورت میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے لکھا۔ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کو تہذیب جدید و قدیم کی کشمکش کا خود بخود اندازہ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ناول میرے عروج و زوال کی سچی داستان ہے۔ اس ناول کی قیمت ایک روپیہ رکھی گئی ہے۔ کتاب کی روانگی کا محصول خریدار صاحب کے ذمہ ہوگا۔ محصول زیادہ نہیں ہے ایک کتاب پر دو آنے لگتے ہیں۔ دو رتین آنے فیس رجسٹری کے مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجکر کتاب طلب فرمائیے۔

منیجر رسالہ محشر خیال دہلی

خواب نامہ

آپ کے خواب کی تعبیر کیا ہے۔ یہ بات دریافت کرنے کے لئے آپ کس قدر مشوش رہتے ہیں جب آپکے گرد و پیش کوئی صحیح تعبیر بتانے والا نہیں ملتا اول تو لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ ایسا کامل ہو جو صحیح تعبیر کر سکے یا خواب کے معز و مفید اثرات معلوم کرنا چاہیں تو خواب نامہ ساتھ رکھیئے عجیب و غریب اور فن تعبیر خواب میں نایاب ہے قیمت مجلد آٹھ آنے [illegible] آنے کے ٹکٹ بھیجکر دفتر رسالہ محشر خیال کلاں محل دہلی سے منگا لیجئے

خبط

(بہ سلسلہ صفحہ ۴۰)

"ونہہ! آپ بات نہیں سمجھتے ؛

"یہ ضرور چھپے گی۔ بس آخری فیصلہ ہے"

رپورٹر صاحب مسودہ کو جیب میں رکھتے ہوئے بولے :۔

"اچھی بات ہے۔ کوشش کروں گا"

"میں نہیں جانتا۔ بس چھپ جانی چاہیئے"

دوسرے دن اخبار کھول کر بڑی بے چینی کے ساتھ دیکھا لیکن وہ خبر نہیں تھی۔ ننھے کی اماں۔ نے پوچھا:۔

"وہ خبر نہیں نکلی نا۔ کیوں؟"

"نکلے گی۔ گھبراتی کیوں ہو۔ کل ہی تو رپورٹر کو دی ہے"

اس طرح انتظار کرتے کرتے پندرہ دن گزر گئے۔ لیکن وہ خبر نہ چھپنی تھی نہ چھپی۔ اور رپورٹر صاحب بھی نہ جانے کہاں لاپتہ ہوگئے۔ اتفاق سے ایک دن رپورٹر صاحب راستہ میں مل گئے۔ میں نے پوچھا:۔

"کیوں جناب! وہ خبر نہیں چھپی"

"کیا بتاؤں نجم صاحب! مسودہ میری جیب سے کہیں گر گیا۔ اور ادھر گھریلو کاموں میں کچھ ایسا مصروف رہا کہ آپ سے ملاقات بھی نہ کرسکا"

"مسودہ کھو گیا تو دوسرا لکھ دوں۔ مگر وہ خبر ضرور چھپے گی"

"اچھا لکھ دیجئے گا۔ بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ پھر کسی وقت آپ کے در دولت پر حاضر ہو جاؤں گا"

"اچھی بات ہے۔ مگر جلدی ہی آنا۔ اس میں سے ایک بچہ تو مر بھی گیا۔ اس خبر میں کچھ ترمیم و تنسیخ بھی کرنی پڑے گی"

"ہاں ہاں" کہتے ہوئے رپورٹر صاحب نو دو گیارہ ہو گئے لیکن افسوس رپورٹر صاحب پھر کبھی ہمارے دولت کدہ پر تشریف نہیں لائے۔ راستہ میں دو ایک مرتبہ ان پر نظر پڑی مگر وہ آنکھ بچا کر نکل گئے۔

ایک دن ننھے کی اماں نے مسکرا کر پوچھا:۔

"بس چھپ گئی خبر؟"

"معلوم ہوتا ہے۔ اس دن تمہاری باتیں بخشن سن لیں جب ہی وہ نہیں دیتا"

"تمہارے سر میں عقل تو ہے نہیں اور بیکار باتیں کرتے ہو۔ کہیں ایسی خبریں بھی چھپا کرتی ہیں؟"

"چھپتی کیوں نہیں ہیں۔ اس سے اچھی اچھی خبریں چھپتی ہیں۔ یہ ہے کس کھیت کی مولی جو نہیں چھپے گی"

"میں جانتی تھی کہ یہ خبر نہیں چھپے گی۔ اور رپورٹر صاحب مارے شرم کے آنا بند کردیں گے۔ بس میں اپنے مشن میں کامیاب ہوگئی"

"یہ تم نے کیا غضب کردیا؟"

"ٹھیک ہی تو کیا ہے۔ تمہارے جیسا آدمی اگر لیڈر بن جائے تو قوم کا صفایا سمجھو۔ سچ کہنا بیوقوف کا دوسرا نام عورت ہے یا مرد؟"

میں کچھ جھینپ کر باہر نکل گیا۔ اس دن کے بعد سے پھر سر پر لیڈر بننے کا خبط نہیں رہا۔ البتہ جن لوگوں کے دماغ میں کھچڑی پکتی ہے انہیں میں یہی مشورہ دوں گا کہ وہ کسی رپورٹر سے دوستی پیدا کریں۔

موجِ کوثر

وہ جذب ہی ہو کر رہا دامانِ سحر میں — جو آخری آنسو تھا میرے دیدۂ تر میں

پہلی سی وہ اب بات نہیں شام و سحر میں — ہیں ڈوبے ہوئے دونوں جہاں دیدۂ تر میں

کیا خون بھی باقی نہ رہا قلب و جگر میں — کیوں آگ سی لگنے لگی اب دیدۂ تر میں

دونوں رہیں یوں حسن و محبت کے اثر میں — میں ان کی نظر میں رہوں وہ میری نظر میں

پھر ایک جھلک جلوہ رنگیں کی دکھا کر — وہ دونوں جہاں گر گئے تاریک نظر میں

مخمور نظر آتا ہے ہر ذرۂ ہستی — کیا چیز تھی ظالم تری سرمست نظر میں

سب ہو گئیں اس موجِ تبسم پہ نچھاور — کلیاں جو سمٹ آئی تھیں دامانِ سحر میں

الفت مجھے درکار ہے لیکن وہ لئے ہے — مضمر ہے جو اس انجمن آرا کی نظر میں

کلیوں کا تبسم ہو کہ پھولوں کی جوانی — بے کیف ہے بربادِ محبت کی نظر میں

تھک تھک گیا منزل کیلئے قافلۂ شوق — لیکن میری منزل ہے میری طرح سفر میں

اس ڈوبنے والے کی تمنا کوئی پوچھے — ساحل پہ نظر جس کی ہو کشتی ہو بھنور میں

کیا پوچھتے ہو کوثرِ خستہ کا ٹھکانا
گم کردہ منزل ہے کہیں ہوگا سفر میں

کوثر قریشی

میرٹھ
۳۱ دسمبر ۱۹۳[illegible]ء

افسانہ

ماں

(از جناب آغا رشید مرزا دہلوی)

دو ماہ ہوئے وہ میرے سامنے والے مکان میں آکر آباد ہوا۔ میرے مطالعے کے کمرہ کا دریچہ اس کے کمرے کے بالکل مقابل تھا۔ اس طرح کہ میں اس کی تمام نقل و حرکت بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ وضع قطع سے وہ بنگالی معلوم ہوتا تھا۔ دن میں کئی مرتبہ مجھ کو اسے دیکھنے کا اتفاق ...... ہوتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی اس کے چہرے پر ہنسی کی رونق نہیں دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی دردناک حادثے نے اس کی زندگی کا سارا رس چوس لیا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کیا کرتا ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں مجھے اس کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ میں اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا۔

تقریباً آدھی رات تھی۔ وہ اپنے کمرہ میں وائلن بجا رہا تھا۔ تسکین بخش نغمے رات کی خاموشی میں گونج رہے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ ان نغموں میں سوز کی حلاوت شامل ہوتی گئی گویا نغمے میں اس طرح پیدا ہو رہا تھا جیسے کوئی دیوانہ ہنستے ہنستے یکبارگی رونے لگا ہو۔ نغمہ تیزی کے ساتھ بلند ہوا۔ اور پھر رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے فضا میں ڈوب کر رہ گیا۔ جیسے کوئی روتے روتے سو گیا ہو۔

تھوڑی دیر تک وہ بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر پلنگ پر دراز ہو گیا۔ مہینے میں دو تین مرتبہ وہ وائلن بجایا کرتا تھا۔ ورنہ اس کی زندگی یکسر معمہ معلوم ہوتی تھی۔

صبح کی پھیکی روشنی چور کی طرح کھڑکی کے راستے دبے قدم اندر داخل ہو کر اس کے کمرہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ کمرہ کی تمام چیزیں بے ترتیبی کے ساتھ ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکین کسی ذہنی انتشار کی وجہ سے تمام رات جاگا ہے۔

اسی دن مجھے اس کے ایک پڑوسی کے یہاں علاج کے لئے جانا پڑا۔ واپسی پر میں اس کے کمرہ میں چلا گیا اور اس سے تعارف پیدا کر لیا۔ اس کے بعد گاہے گاہے اور پھر روزانہ ملاقات ہونے لگی۔ وہ مجھکو روزانہ وائلن سنایا کرتا تھا۔ موسیقی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بھی بدلتا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موسیقی کی تانوں سے اس کے غم کا اظہار ہو رہا ہے۔ میں نے اس کے واقعات معلوم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ وہ ہمیشہ ٹالتا رہا۔ یہ تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی داستانِ حیات کے ساتھ کوئی نہ کوئی رومان ضرور وابستہ ہے۔ لیکن شاید وہ اپنے غم میں کسی کو شریک کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس لئے وہ خاموش تھا۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے اس کا رنگ زرد ہوتا جاتا تھا اور لاغری بڑھتی جاتی تھی۔ آخر ایک دن میں نے کہا تم اپنا علاج کیوں نہیں کراتے؟

"علاج! اچھا ہو کر کیا لینا ہے۔ نہ کوئی حسرت، نہ کوئی ارمان۔ جینے کی آرزو ہی نہیں۔ اُن کی زندگی ہی کیا جو مرنے کے لئے جی رہے ہوں۔ زندگی کا چراغ بجھا ہی چاہتا ہے۔ تھوڑا سا تیل باقی رہ گیا ہے۔ تم اس میں جتنا تیل ڈالو گے۔ چراغ اتنی ہی تیزی کے ساتھ جل جائے گا۔ اسے یونہی آہستہ آہستہ جلنے دو۔ علاج سے میری زندگی کے دن واپس نہیں آ سکتے۔"

دن اسی طرح گزرتے گئے۔ ایک رات اس نے مجھے اچانک بلا بھیجا۔ تقریباً دو بجے تھے۔ کمرہ کی ہر شے پر حسرت سی برس رہی تھی۔ چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ پلنگ پر دراز تھا۔ چہرے سے کسی اندرونی بیکلی اور بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا جسے وہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے نحیف آواز میں کہا: "تم آ گئے ڈاکٹر! میری سیاہ کاری کی داستان سننے کے لئے تم عرصے سے بے چین تھے اب وقت آ گیا ہے۔ گناہ کا بوجھ میرے دل پر اس قدر بڑھ گیا ہے کہ میرا جسم اور میری روح اس کی تاب نہیں لا سکتے ــــ" کہتے کہتے وہ رک گیا۔

تھوڑے توقف کے بعد ایک تصویر نکال کر اس نے کہنا شروع کیا: "اس تصویر کو دیکھو ڈاکٹر! یہ میری ماں کی تصویر ہے۔ اپنے باپ کے متعلق تو کچھ خبر نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے دوسری شادی کر لی اور میری ماں کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ اس کے بعد ماں کو

میری پرورش کا بار خود ہی اٹھانا پڑا بچپن سے ہی ماں نے مجھے موسیقی ـــ خصوصاً وائلن کی تعلیم دینی شروع کی۔ ماں کو وائلن بہت پسند تھی۔ وہ خود بھی موسیقی کی ماہر تھی۔ جب میں جوان ہو گیا تو ماں نے موسیقی کی ایک درسگاہ اعلیٰ پیمانہ پر کھولدی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے پاس آمدنی یہ جمع ہو گیا کہ کلکتہ کے روساء میں شمار ہونے لگے اور کافی مشہور ہو گئے ہم اپنی زندگی کے دن نہایت اطمینان سے بسر کر رہے تھے۔ کاش وہ دن واپس آسکتے بس ـــــــ لیکن میں نے اپنی سیاہ کاری سے ان پرمسرت لمحات کا خاتمہ کر دیا۔ ہماری درسگاہ میں ہر طرح کے لوگ آتے تھے۔ شریف زادے اور شریف زادیاں جو محض شوقیہ اس فن کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی جو اس فن کو ذریعہ معاش بنانا چاہتے تھے۔ ایک دن ایک لڑکی ہماری درسگاہ میں شامل ہوئی۔ اس کی شوخ اور بے باک نگاہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالنے شروع کئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے مجھے اپنے جال میں اس طرح پھنسا لیا۔ جیسے مکڑی کے جال میں مکھی ـــــــ وہ ایک طوائف کی لڑکی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ اس کی محبت نے میرے مزاج میں آوارگی پیدا کر دی تھی۔ ماں نے میری یہ حالت دیکھ کر اسکو درسگاہ سے علیحدہ کر دیا۔ اور مجھ پر پابندیاں عائد کر دیں۔ لیکن جوانی کے نشہ نے مجھ کو بے خود بنا رکھا تھا۔ مجھے پر جو کچھ مجھے ملتا سب اس کی نذر کر دیتا۔ لیکن اس سے اس کی پیاس نہ بجھتی تھی۔ اس کے اور بہت سے طلبگار تھے مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا۔ میں چاہتا تھا کہ جو پریشانی، الجھن، بے اطمینانی حسد، رشک، غصہ، رنج مجھے اس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کا بدلہ لوں لیکن کبھی کامیابی نہ ہوئی مجھے اپنی حالت پر خود شرم آتی تھی۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا تھا کہ ایسی طاقت جس کے سامنے میں بالکل لاچار و مجبور ہوں۔ اپنی طرف کھینچے لئے جا رہی ہے۔ میں اپنی خودداری کو اپنی نظروں میں قائم رکھنے کیلئے سوچتا کہ عشق میں ذلت اٹھانی دراصل ذلت نہیں لیکن یہ محض شاعری تھی۔

دن اسی طرح گزرتے گئے۔ آخرکار میں نے ایک دن اس سے کہا کہ اس طرح کب تک دن گزریں گے۔ اب ہمیں شادی کر لینی چاہئے۔ لیکن شادی کے لئے اس نے پچاس ہزار کا مطالبہ کیا۔ وہ مجھ سے نہیں میرے روپے سے محبت کرتی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ ماں کے ہوتے ہوئے اتنا روپیہ مجھے کیسے مل سکتا ہے۔ اور اس کام کے لئے تو ماں مجھے ایک پیسہ بھی نہ دیگی۔ اس کمبخت نے اس پر جواب دیا کہ اس کانٹے کو ہمیشہ کے لئے دور ہی کیوں نہ کر دو۔ میں نے گھبرا کر پوچھا اس کا مطلب۔ اس نے کہا اپنی ماں کو زہر دیدو۔ روپیہ تم کو مل جائے گا۔ ورنہ [illegible] کرو [illegible] اور مجھ پر گویا بجلی سی گر پڑی غصہ کے مارے

میں وہاں سے چلا آیا۔ اور ایک ہفتہ تک اس کے پاس نہ گیا۔ لیکن اس پر بھی میری آنکھ نہ کھلی۔

یہ دن عجب بے چینی کے عالم میں گزرے۔ میں ہر چند اسے بھلانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا ہنستا ہوا چہرہ۔ لمبا چھریرہ بدن اس کی چمکدار آنکھیں اس کی ہنسی کی آواز میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندنے لگتی۔ اور تھوڑی دیر کیلئے مجھے بالکل بے حس کر دیتی۔ آخر تنہا سے نہ رہا گیا۔ اور میری بے حیائی مجھے پھر اس کے پاس لے گئی اس رات اس نے مجھے خوب شراب پلائی اور مجھے گمراہ کرنے کے لئے اپنے حسن کی خوب نمائش کی آخرکار وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گئی۔ اسی رات میں نے ماں کو کھانے میں زہر دیدیا آہستہ آہستہ زہر کا اثر ہونے لگا۔ ماں نے حقیقت کو سمجھ لیا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا ماں کی بے چینی اور تکلیف مجھ سے دیکھی نہ گئی۔ میں وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا اضطراب اور خوف کی حالت میں وہاں سے میں بھاگا۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلہ پر مجھے ٹھوکر لگی اور میں منہ کے بل فرش پر گر رہا۔ میرے منہ سے خون جاری تھا میں اٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن طاقت جواب دے چکی تھی۔ میرے کانوں میں ایک نحیف آواز گونج رہی تھی ـــــــ"

اتنا کہنے کے بعد وہ رک گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ فوٹو کو بغور دیکھتا رہا پھر رقت آمیز لہجے میں بولا ـــ وہ ـــــ وہ میری ماں کی آواز تھی۔ آخری سانس لیتے ہوئے بھی وہ کہہ رہی تھی ـــ میرے لال کہیں چوٹ

دُنیا کا عجائب خانہ

سنہ ۱۹۴۳ء میں دنیا ختم ہو جائے گی

امریکہ کے مشہور مفکر ہرگبسن نے عجیب و غریب خیالات اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ اس شخص کی رائے ہے کہ آئندہ سے بھی آج سے تین سال بعد یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں اس نے نئے نئے دلائل دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔

مفکر مذکور کی یہ بھی رائے ہے کہ دنیا گول نہیں ہے بلکہ چپٹی ہے چنانچہ اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ ہزار پونڈ اس شخص کو دینے کے لئے تیار ہے جو یہ ثابت کر دے کہ واقعی دنیا گول ہے۔

ایک عالم و فاضل بچہ

مسٹر نیلڈ ویکلی کا بیان ہے کہ ایک فرانسیسی شخص جس نے جرمنی میں پناہ لی تھی سنہ ۱۸۲۱ء میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس فرانسیسی نے اس لڑکے کا نام جین فلپ رکھا۔

یہ عجیب و غریب بچہ صرف چار سال کی عمر میں جرمنی فرانسیسی اور لاطینی تین زبانیں خوب بولنے لگا۔ پانچ سال کی عمر میں اس بچہ نے یونانی انجیل کا ترجمہ کیا۔ چھ سال کی عمر میں عبرانی زبان پڑھ لی۔ اور چودہ سال کی عمر میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کر لی اور برلن کی رائل اکاڈمی کا ممبر بھی اسی عمر میں بن گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں آج تک دنیا میں کسی بچہ نے اتنی غیر معمولی قابلیت نہیں پیدا کی۔ یہ بچہ زیادہ مدت تک زندہ نہ رہ سکا آخر انیس سال کی عمر میں مر گیا۔

بیوی کو پچاس برس سے نہیں دیکھا

دنیا میں عشق و محبت کرنے والے میاں بیویوں کا شاید ہی کوئی ایسا جوڑا مل سکے جو انتہائی محبت کے باوجود پچاس سال میں ایک دوسرے سے نہ ملے ہوں۔

الاسکا میں آجکل ایک اسی سالہ بوڑھا کاروبار کر رہا ہے اس کی شادی آج ۶۰ سال پہلے ہوئی تھی۔ شادی کے سات سال بعد یہ شخص الاسکا چلا آیا۔ اور ایسا الجھا کہ آج تک سوئڈن واپس نہ جا سکا، اس کی بیوی اب بھی سوئڈن میں موجود ہے جو پچاس سال سے برابر شوہر کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔ بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے یہ پچاس سال محض ما خطا نہ خط و کتابت پر بسر کئے ہیں۔

سہیلی کی خاطر شوہر سے طلاق لے لی

نیویارک کی ایک اٹھارہ سالہ خوبصورت عورت مسز ہافمین نے اپنے شوہر کی ایک رشتہ دار لڑکی مس فلورا پر عاشق ہو کر شوہر سے طلاق لے لی واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن کسی دعوت کے موقعہ پر مس فلورا اور مسز ہافمین کی ملاقات ہو گئی مسز ہافمین کو مس فلورا کے بھورے بال۔ نیلی نیلی آنکھیں اور سرو سراپا کچھ ایسا بھایا کہ وہ اس پر ریجھ گئی۔ کچھ دنوں کے بعد مسز ہافمین نے شوہر کو چھوڑ دیا۔ ہر وقت دونوں سہیلیاں ایک دوسرے کے پاس بیٹھی رہتیں۔ قدرتاً مسٹر ہافمین کو اپنی بیوی کا رویہ پسند نہ آیا۔ اس نے اپنی بیوی کو راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر دونوں کے تعلقات کشیدہ رہنے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی۔ دونوں سہیلیاں اب ہنسی خوشی ایک ہی مکان میں رہتی ہیں۔

۲۵ مرتبہ زہر کھانے والا نوجوان

عشق و محبت کے سلسلہ میں اکثر آدمیوں نے زہر کھایا ہے لیکن دنیا میں ایک ایسا عاشق مزاج بھی موجود ہے جو عشق کی بدولت پچیس مرتبہ زہر کھا چکا ہے مگر آج تک زندہ ہے۔

یہ نوجوان شہر بخارسٹ میں رہتا ہے۔ زہر کھانے سے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ وہ مر جائے بلکہ وہ صرف اس لئے زہر کھا لیتا تھا تاکہ شفاخانہ میں داخل ہو سکے۔ اور اچھا ہو کر جب نکلتا تو پھر زہر کھا لیتا زہر کھانے کی وجہ یہ تھی کہ شفاخانہ کی ایک نرس سے اسے محبت تھی۔ لیکن وہ نہ تو نرس پر محبت ظاہر کرتا تھا اور نہ اس کے بغیر ہی رہ سکتا تھا۔ آخری مرتبہ جب وہ زہر کھا کر شفاخانہ آیا تو ہذیان کے عالم میں اس کا یہ راز ظاہر ہو گیا

جو عورتیں اولاد سے محروم ہیں

اُن کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھلائے ہیں، ہاں یہ بات معلوم کر کے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بے حد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے

یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی (خواہ کسی کی خرابی ہو یا میاں بیوی دونوں تندرست ہوں) مطلب یہ کہ اولاد نہ ہونے کا خواہ کوئی سبب ہو اب یہ تکلیف نہیں رہے گی۔ بلکہ ہر عورت کے ہاں جب وہ چاہے گی اولاد ہو سکے گی۔

سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "محافظ اولاد" کا گزشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔ بعض عورتوں کی شادیوں کو بیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی "محافظ اولاد" نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائے گا کہ قیام حمل کے واسطے "محافظ اولاد" دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "محافظ اولاد" مسلسل سات رات تک عورت استعمال کرتی ہے۔ اور ان سات دن تک اسے مرد سے ہر قسم کا خاص "پرہیز" کرنا پڑتا ہے، ٹھیک آٹھویں رات میاں بیوی ایک جگہ ہوتے ہیں۔ اور اسی شب خدا تعالے کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے۔ یعنی اسی رات حمل قائم ہو جاتا ہے اور ٹھیک نو مہینے بعد ایک جیتا جاگتا بچہ مایوس ماں کی گود میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطباء اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "محافظ اولاد" دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں۔ لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ ناظرین میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۱۴۲ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور پارسل پر سات آنے خرچ ہوں گے۔

عورت کا سینہ

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض نوجوان عورتوں کا سینہ یعنی (پستان) بچوں کو زیادہ دودھ پلانے کے سبب نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں۔ اور ان میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عورت کا چہرہ تو کسی قدر جوان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سینہ یعنی پستان ضعیف اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس خطرناک حالت سے بھی خود غرض مرد عورت سے متنفر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف عورت کی جوانی اور حسن سے محبت کرتا اور جب عورت کا سینہ ڈھیلا اور نرم ہو جاتا ہے تو وہ بدصورت نظر آتی ہے۔ اس لئے نفرت کرنے لگتا ہے۔ لہذا عورتوں کو چاہیئے کہ وہ یہ خرابی فوراً دور کر دیں۔ اور اپنے سینہ کو خراب نہ ہونے دیں۔ اس کی بہت آسان ترکیب یہ ہے کہ **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۱۴۲ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر ایک شیشی دوا "برسٹن" منگالیں اور اسے بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق استعمال کریں۔ ڈھلکا ہوا اور نرم سینہ پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ پستان گول اور سخت ہو جائیں گے یہ بہت مجرب دوا ہے نیچے کو گرے ہوئے پستان کو سخت اور دوبارہ گول کرنے کے لئے یہ دوا فوراً استعمال کرنی چاہیئے۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے ہے۔ اور اس پر سات آنے محصول لگتا ہے۔ بذریعہ وی۔ پی منگا لیجئے۔ اس دوا کے استعمال سے بچہ کے دودھ پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ یعنی اگر کوئی بچہ گود میں ہے تو وہ بلا تکلف دودھ پیتا رہے گا۔

دمہ کا مرض ہندوستان میں پھیل گیا تھا

مگر اب تقریباً چالیس ہزار دمہ کے مریضوں کو آرام ہو چکا ہے

اتنے مقورے عرصہ میں دمہ کے چالیس ہزار مریضوں کو بالکل تندرست کر دینا ایک ایسی زبردست کامیابی ہے جس کی مثال تاریخ میں بھی نہیں مل سکتی۔ حالانکہ اب سے کچھ پہلے عام حکیم اور ڈاکٹروں کا خیال یہ تھا کہ دمہ کا مریض مشکل سے اچھا ہوتا ہے۔

مگر اب وہ بھی چپ ہیں۔ دوا "سانسول" نے ان کا منہ بند کر دیا۔ یہ دوا جس مریض کو دی گئی اس کا دمہ جاتا رہا۔ درحقیقت یہ دوا ہندوستان کی آب و ہوا کے لحاظ سے کچھ ایسی موافق آئی ہے کہ خود موجد کو تعجب ہے۔ دمہ کا دورہ پڑتا ہو۔ سانس پھول جاتا ہو۔ رات رات بھر بیٹھے گزر جاتی ہو اور کسی دوا سے آرام نہ ہوتا ہو تو وہاں سانسول کو استعمال کرائیے۔ اس کی ہر خوراک مرض کی کمی کا باعث ہوگی اور چند ہی روز میں مریض دمہ کے مرض سے آزاد ہو جائے گا۔ سب سے بڑی خوبی اس دوا میں یہ ہے کہ پہلی ہی خوراک سے مریض کو تسکین ہوتی ہے اور اسے پورا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ دمہ کا مرض دور کرنے کے لئے یقیناً "سانسول" ہی کی ضرورت ہے۔ اب تک چالیس ہزار سے زیادہ مریض سانسول کے استعمال سے دمہ کا مرض دور کر کے پوری طرح تندرست ہو چکے ہیں۔ اور کتنے رہتے ہیں کہ سانسول کی چھوٹی سی شیشی میں سائنس کا انتہائی کمال پوشیدہ ہے۔ سانسول کی ایک شیشی کی قیمت صرف ایک روپیہ چھ آنے ہے۔ اور اس پر سات آنے پارسل خرچ کے لگتے ہیں۔

جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی۔پی پارسل منگا لیجئے۔ تین شیشی ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف۔

دو روپے میں۔ اصلی فوٹو کیمرہ

اس فوٹو کیمرہ سے بہت صاف تصویر آتی ہے۔ گھر کے بچوں اور گھر کی عورتوں کے فوٹو خود ہی تیار کر لیجئے۔ ترکیب بہت آسان اتنی آسان کہ ایک معمولی سمجھ کا بچہ بھی اس فوٹو کیمرہ سے نہایت آسانی سے فوٹو اتار سکتا ہے۔ اس فوٹو کیمرہ سے کارڈ کے ½ سائز کی تصویر آتی ہے۔ بہت صاف اور روشن آتی ہے۔ اس کیمرہ سے مناظر اور عمارات کے فوٹو بھی بہت صاف آتے ہیں۔ اسی لئے ہندوستان میں بڑی تیزی کے ساتھ فروخت ہو رہا ہے۔ جہاں ایک فوٹو کیمرہ منگایا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے درجنوں کی مانگ آتی ہے۔ کیونکہ بہت خوبصورت اور مضبوط اور کارآمد چیز ہے۔ اس لئے خریدار اسے لے کر خوش ہوتا ہے۔ اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ۔ اس کے فلم اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو تیار کرنے اور دھونے کا مسالہ بھی ساتھ ہی مفت دیا جاتا ہے تاکہ کیمرہ وصول کرتے ہی استعمال کیا جا سکے۔ اسکے علاوہ یہ تمام سامان علیحدہ بھی ہر وقت ہم سے یا بازار سے خریدا جا سکتا ہے۔ آسان ترکیب استعمال کا فارم بھی کیمرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک عدد فوٹو کیمرہ کی قیمت صرف دو روپے (عہ) ہے (تمام سامان اس کے ساتھ مفت ملتا ہے) محصول ڈاک سات آنے لگے گا۔

منیجر کامیاب بکڈپو۔ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔پی۔ پارسل منگا لیجئے۔ دو عدد کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف ہے۔

تم بڑے ویسے ہو

(بسلسلہ صفحہ ۱۴)

"نہیں"

"کیوں؟"

"میں بہت بے چینی محسوس کر رہی ہوں"

"بخار بھی تو نہیں ہے"

"نہیں! تمہاری مہربانی سے میں بالکل تندرست ہو گئی ہوں"

"پھر بے چینی کیوں ہو رہی ہے؟"

"پتہ نہیں"

اس بے چینی کی وجہ میرے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔ پھر بھی میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"کوئی بات تو ضرور ہو گی"

اس نے موضوع گفتگو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کرپارام سو گیا ہے؟"

"ہاں"

یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ میری اور اس کی محبت کے درمیان تیسرا کوئی متنفس حائل نہیں ہے۔ اس نے اپنا گورا گورا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور کہا۔

"سچ سچ تم بڑے اچھے آدمی ہو"

جواب میں میں نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا اور میں بہت دیر تک اس کی پتلی پتلی انگلیوں کو چھیڑتا رہا۔

دہلی اسٹیشن پر گاڑی تبدیل کرنی تھی۔ میں نے لاہور جانے والی گاڑی پر اس کا سامان وغیرہ رکھوایا اور اسے ہاتھ کا سہارا دیکر اس کے کمپارٹمنٹ تک پہونچایا۔ وہ اپنی برتھ پر لیٹ گئی اور ریسٹوران کے آدمی کو بلا کر اس نے چائے اور ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا۔ میں اور کرپارام نہا دھو کر ناشتہ کرنے بیٹھے۔ رام لو بھائی نے اپنے لئے سنترے اور دودھ منگائے تھے۔ البتہ وہ چائے میں شریک ہو گئی۔

میں قطعی ارادہ کر چکا تھا کہ دہلی سے واپس آ جاؤں گا اس لئے میں نے رام لو بھائی سے درخواست کی کہ اب وہ مجھے رخصت کر دے۔ وہ ایک دم چونک گئی۔

"ارے تم نے تو لاہور تک کا ٹکٹ لیا ہے"

جواب میں میں نے اس کے سامنے دہلی تک کا ٹکٹ رکھ دیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"اب مجھے خود ہی بکنگ آفس تک جانے کی تکلیف کرنی پڑے گی"

میں نے اسے زبردستی برتھ پر لٹا کر کہا۔

"اب تمہاری طبیعت بحال ہو گئی ہے"

اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ بولی:۔

"تم دنیا میں سب سے زیادہ برے آدمی ہو"

دہلی پہونچ جانے کے بعد لاہور چلے جانے میں اب ایسی کوئی مجبوری تو نہیں تھی لیکن میرے دماغ میں طرح طرح کے خیالات چکر لگا رہے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ لاہور پہونچ کر اس کے باپ کی زبانی اپنی حقیر خدمات کی تعریف سنوں۔ اس کے علاوہ ایک کنواری لڑکی کے ساتھ پٹنہ سے لاہور تک کا سفر کرنا۔ اور اس کے باپ کے سامنے کھڑے ہو جانا بڑی بے غیرتی کی بات تھی۔ خودداری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ یہی سب کچھ سوچ کر میں نے جواب دیا۔

"رام لو بھائی! تم نے مجھے برا کہہ کر مخلوق کی خدمت کرنے کے جذبہ کو اکسا دیا ہے"

"مسٹر سنتوش! میں نہیں سمجھ سکی تھی کہ تم اتنے اونچے خیالات کے آدمی ہو مجھے معاف کرنا"

"اچھا تو مجھے اجازت دیتی ہو؟"

"جانے کا نام مت لو۔ لاہور تک میرے ساتھ چلنا ہوگا" اس نے بہت رعب کے ساتھ مجھے دیکھا۔ اور میں رام لو بھائی کی بات اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ مجبوراً مجھے پھر دہلی سے لاہور تک کا ٹکٹ خریدنا پڑا۔ یہاں ہمارے کمپارٹمنٹ میں ایک صاحب اور بیٹھ گئے۔ معمولی بات چیت کے بعد ان سے دوستی ہو گئی اور لاہور تک کا سفر برج کھیلنے میں کٹ گیا۔ کرپارام بہت اچھا برج کھیلنا جانتا تھا۔ وہ صاحب نے بھی اس کی بہت تعریف کی۔ ہم تینوں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ یہ قیاس آرائی کرنی بہت مشکل تھی کہ کرپارام اور اس کی بہن سے میں کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ صاحب رام لو بھائی سے براہ راست گفتگو کرنے کی ہمت نہیں کر سکے وہ صاحب کے یہ پوچھنے پر کہ میں اس خاتون کا کون ہوں۔ رام لو بھائی شرما گئی تھی۔ اور وہ اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ معاملہ پردہ راز میں رہا۔

رام لو بھائی کے کہنے پر میں نے راستہ میں ایک اسٹیشن سے رام لو بھائی کے پتا کو بذریعہ ارجنٹ تار اس کی جلد ہی آمد کی اطلاع دیکر

تھی۔ اس لئے جسٹس ہنس راج اور ان کے چند ملازمین لاہور اسٹیشن پر موجود تھے۔ ٹرین سے اترتے ہی رام تو بھائی نے اپنے باپ سے میرا تعارف کراتے ہوئے شروع سے آخر تک انہیں تمام واقعات بتائے —— رام تو بھائی کی جان ڈبال میں۔ کچھ ایسی نقاہت آگئی تھی کہ انہوں نے اس امر کی تصدیق میں مزید شہادت کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے اور اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ میں لاہور میں ان کے ہاں دو چار دن ٹھہر جاؤں۔ اگرچہ یہ میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں لاہور اسٹیشن ہی سے واپس آجاؤں گا۔ مگر رام تو بھائی کے پتا کی بات کو میں ٹال نہیں سکا۔ اور مجبوراً مجھے اپنی طرف سے رضامندی ظاہر کرنی پڑی۔ رام تو بھائی تو جیسے مارے خوشی کے رقص کرنے لگی ہو مگر اس وقت اس کے چہرے پر کچھ اداسی چھا گئی جب میں نے اس کے پتا کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میرے قیام کے لئے کسی ہوٹل میں انتظام کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کے پتا راضی نہیں تھے۔ لیکن میرے بار بار اصرار کرنے پر انہوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ یہاں سے میں ان کے ایک نوکر کے ساتھ سیدھا ہوٹل پہنچا اس وقت شام ہو چکی تھی۔ میں چائے سے فارغ ہو کر آرام کرسی پر بیٹھا ہوا غیر ارادی طور پر پاؤں ہلا رہا تھا۔ یکایک رام تو بھائی موٹر لے کر آگئی اور مجبوراً مجھے اس کی کوٹھی پر جانا پڑا۔

رات کے دس بجے تک رام تو بھائی اور مجھ میں گپ شپ ہوتی رہی۔ جج صاحب کے اصرار پر مجھے اس رات کھانا بھی وہیں کھانا پڑا اور ہوٹل میرے لئے رین بسیرا بن کر رہ گیا۔ دوسرے دن رام تو بھائی کے ساتھ سینما دیکھنے کی خوش نصیبی حاصل ہوئی۔ یہاں دو گھنٹے بہت لطف کے ساتھ گزرے۔

رام تو بھائی کے پتا میرے خیالات سے مطمئن ہو چکے تھے اس لئے رام تو بھائی۔ اور میری ملاقاتوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ میں لاکھوں روپے کا آدمی ہوں اور میری مالی حالت قابل رشک حد تک بلند و ارفع ہے۔ میں جس وقت اور جب چاہتا رام تو بھائی سے آزادی کے ساتھ مل سکتا تھا۔ یوں بھی اس کے پتا بہت آزاد خیال قسم کے آدمی تھے اور عورتوں کے متعلق وہ زبردست انقلابی جذبہ رکھتے تھے۔

ارادہ تو یہی تھا کہ میں دو تین دن میں لاہور چھوڑ دوں گا لیکن نہ جانے کیوں میری روانگی کا کوئی استخارہ ہی ٹھیک نہیں بیٹھ رہا تھا ایک دن رات کو جب میں جسٹس ہنس راج کے گھر آیا تو دیکھا کہ رام تو بھائی اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہارمونیم پر گا رہی ہے۔ وہ گانا

بہت اچھا جانتی تھی۔ اس دن وہ بالکل مخصوص انداز میں گا رہی تھی اور اس کے نغمے در د بن کر خود اس کے دل میں سمائے جا رہے تھے۔ اس گیت کے پہلے بند کا مطلب یہ تھا:۔

آج ہم نے پریتم کو خرید لیا ہے۔
کوئی کہتا ہے سستا ہے۔ کوئی کہتا ہے مہنگا ہے۔
لیکن ہم نے تو حقیقتوں کو ترازو پر تول کر یہ سودا کیا ہے۔

کتنے پاکیزہ خیالات تھے۔ عورت کے سامنے محبت کا کتنا اونچا آدرش (معیار) رکھا گیا تھا۔ رام تو بھائی نے واقعی مجھے خرید لیا تھا۔ اور شاید اس نے حقیقتوں کو بھی تول لیا ہوگا۔ میں دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ چل کر اس کے رنگین رخسار پر ایک بوسہ جڑ کر اپنی قیمت کی پہلی قسط وصول کر لی۔ وہ ایک دم چونک کر بولی:۔

"تم بڑے ویسے ہو"

"کیسا ہوں؟"

"یعنی بہت خراب آدمی ہو"

"کیوں پریتم کو بلا قیمت ہی خرید دگی؟ میں ہی ہوں جو تمہیں اتنے سستے داموں مل گیا ہوں"

"سستے داموں کیسے؟ میں نے ترازو پر تول کر خریدا ہے"

"مگر جانتی ہو اس کی قیمت زندگی بھر ادا ہوتی رہے گی اور پھر بھی ادا نہیں ہوگی"

"اس لئے تو میں کہتی ہوں کہ یہ بڑا مہنگا سودا ہے" کہہ کر وہ ہنسی میں نے کہا:۔

"اس سودا پر کوئی مستقل ایگریمنٹ (معاہدہ) ہونا چاہئے۔ میں تمہارے پاس ایک تجویز لے کر آیا ہوں"

وہ میرا مطلب سمجھ گئی۔ بولی:۔

"یہ تجویز پتا جی کے سامنے رکھئے۔ میں کچھ نہیں جانتی"

"مگر.....مگر....." میں کہتا رہا اور وہ "دُت" کہتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پتا جی کے سامنے اس تجویز کو رکھنے کا سوال ذرا ٹیڑھا تھا بہت کچھ سوچنے کے بعد میں نے خط کا ایک مسودہ تیار کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

شریمان دیوتا سمان۔ نمستے۔

آپ سے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میرے عادات و اطوار، تعلیم اور خاندان سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔ کبھی کانپور تشریف لا کر کاٹن مل کے کاروبار کو دیکھنے سے آپ کی تسلی پوری طرح ہو جائے گی۔ مجھے کہتے ہوئے شرم معلوم ہو رہی ہے۔ پھر بھی صدق دل سے

[illegible] چاہتا ہوں کہ مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لیجئے۔ رام لو بھائی کے خیالات کا میں پتہ نہیں لگا سکا ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ میری رائے سے اتفاق کرے گی۔ آپ کا داس۔ سنتوش کمار

اس مسودہ کو میں نے پڑھا کئی مرتبہ پڑھا اور جب مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا تو رام لو بھائی کے پاس پہونچا۔ وہ کوچ پر لیٹی ہوئی اردو کا ایک رسالہ پڑھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیوں سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا؟ مجھے کانپور کب چلنا ہوگا؟"

میں نے خط کا مسودہ دکھاتے ہوئے جواب دیا:۔

"تم راضی ہو جاؤ تو آج اور ابھی"

اس نے خط کو پڑھا اور مجھے واپس کرتے ہوئے بولی:۔

"بالکل ٹھیک۔ اب تو تمہاری کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا ہے"

"سچ بتاؤ۔ ٹھیک رہے گا نا؟"

"تم نے پتاجی کو ایسا احمق سمجھا ہے۔ انہیں سب معلوم ہے۔ رات ماتاجی سے اس موضوع پر بات چیت ہو رہی تھی"

"تمہارے پتاجی نے کیا خیال ظاہر کیا؟" میں نے بے تابی کے ساتھ پوچھا

"یہی کہ تم بڑے برے آدمی ہو" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا یہ بات ہے؟ تب میرا یہاں زیادہ دنوں تک قیام کرنا مناسب نہیں ہوگا"

"سچ مچ تم چلے جاؤ گے؟"

"اور نہیں تو کیا"

"اس لئے تو میں کہتی ہوں تم بڑے ویسے ہو"

اس کا یہ فقرہ میرے جذبات کو برانگیختہ کر دینے کے لئے کافی تھا جواب میں میں نے اس کے بازو پر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ رکھ دئے اور وہ شرما کر بھاگ گئی۔

دوسرے دن سویرے ہی میں نے کانپور کیلئے سفر کی تیاری شروع کر دی ہوٹل کے منیجر سے بل طلب کرنے پر معلوم ہوا کہ جسٹس ہنس راج نے رقم کی ادائیگی کر دی ہے

"یہ بڑا برا ہوا جس بات سے میں بچنے کی کوشش کر رہا تھا وہی بات ہو گئی۔ اب جسٹس ہنس راج کو میں بل کی رقم واپس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خیر کسی دوسرے موقع پر دیکھا جائیگا" ہوٹل کا ملازم میرا بستر باندھ رہا تھا اور میں کھڑا ہوا یہی سوچ رہا تھا۔

میرا سامان درست کرکے ملازم چلا گیا۔ زینے پر کسی کے چڑھنے کی آواز آئی میں نے جھانک کر دیکھا۔ رام لو بھائی شلوار اور گھٹنوں تک پھیلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے آ رہی تھی کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے کہا۔

"میں تمہیں ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں"

"کیا؟"

"میں اس مہینے کے آخر میں پتاجی کے ساتھ کانپور آ ؤں گی"

"سچ"

"پتاجی نے تمہارے ہاں خط بھیج کر دریافت کیا تھا۔ وہاں سب لوگوں نے اس رشتہ کو منظور کر لیا ہے۔ اپنی بھابی سے کہہ دینا کہ میں ان کے کلیجہ پر مونگ دلنے کے لئے آ رہی ہوں"

میں خوشی کے مارے اچھل پڑا اور بے تابی میں رام لو بھائی کا منہ چوم لیا۔ وہ شرما گئی دس دن کے بعد کانپور پہونچنے پر میرے گھر والوں نے باز پرس نہیں کی جسٹس ہنس راج نے خط بھیجکر تمام حقیقتیں ان پر واضح کر دی تھیں۔ بھابی کے سامنے ایک مرتبہ میں نے عہد کیا تھا کہ تمام عمر کنوارا ہی رہوں گا۔ اس لئے میں ان کی تفریح کا باعث بن گیا۔ وہ بولیں:۔

"یہ کہئے آپ سسرال میں گوتمیاں اڑا رہے تھے۔ جب ہی تو میں خیال کر رہی تھی کہ جھنسے کانپور آتے آتے راستہ میں مسٹر سنتوش کہاں چھو منتر ہو گئے"

رام لو بھائی کا پیغام میں نے بھابی کو سنا دیا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ پنجابن ہے پنجابن۔ ذرا بچ کے رہنا"

بھابی نے میری چھوٹی بہن نیرو پا کو مخاطب کرکے کہا:۔

"سنتی ہو نیرو! تمہاری چھوٹی بھابی میرے کلیجہ پر مونگ دلنے کیلئے آ رہی ہے"

نیرو پا نے میری وکالت کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات ہوگی جب ہی تو انہیں اپنے اوپر اتنا ناز ہے"

دن گزرتے دیر نہیں لگتی مگر میرے لئے رام لو بھائی کی مفارقت بڑی طویل ہو گئی۔ بہرحال دس بارہ دن کے بعد رام لو بھائی اور اس کے پتاجی آ گئے۔ ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ ہمارے گھر والوں سے مل کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے بھابی کی زندہ دلی سے رام لو بھائی بہت متاثر ہوئی۔ نیرو پا تو جیسے رام لو بھائی کی ہر ادا پر فدا ہو رہی تھی اسے توقع سے زیادہ اچھی بھابی مل گئی تھی۔

میں نے رام لو بھائی کے لئے ایک سونے کی مالا خریدی تھی۔ لیکن تنہائی میں ملاقات کرنے کا کوئی موقع ہی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بھابی اور نیرو پا دن بھر اسے گھیرے رہتی تھیں میں نے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ بھابی کی خوشامد بھی کی مگر انہوں نے انکار کر دیا جیسے رام لو بھائی مستقل طور پر ان کے نام بیع کر دی گئی ہو۔

ایک دن اتفاق کی بات ایسا ہوا کہ نیرو پا کو ماتاجی نے کسی کام سے پکار لیا۔ اور بھابی بھی کچھ پوچھنے کے لئے چلی گئیں۔ رام لو بھائی کمرے میں بالکل تنہا ہو گئی تھی۔ اس کے پاس پہونچنے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ دبے پاؤں میں کمرے میں داخل ہوا۔ رام لو بھائی کوچ پر بیٹھی ہوئی اخبار پڑھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پہونچ کر میں نے گلے میں مالا ڈال دی وہ ایکدم چونک کر بولی:۔ "تم بڑے ویسے ہو"

میں ہنس پڑا۔ بھابی بھی دروازہ پر کھڑی ہوئی ہنس رہی تھیں۔ (تمام شد)

جوانی اور شادی کی مسرتیں حاصل کرنا چاہتے ہوں تو مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیے

شبِ عروسی

آپ کسی دوشیزہ کے لئے کنواری جوان شادی کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ جب ہر بات کے لئے آدمی کو رہبر کی تلاش ہوتی ہے تو یہ ایک نئی زندگی کا باب ہے، ایک قابل شوہر وہی ہوتا ہے، جو اس زندگی میں قدم رکھتے ہی اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کر لے اس کتاب میں علاوہ جنسی کیفیات پر معلومات کے اصلاحی بہت سی باتیں ہیں جو مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں، یہ کتاب آپکی زندگی کو کامیاب تر بنانے کی ضامن ہے قیمت ایک روپیہ علاوہ خرچ ڈاک ؎

لذتِ شباب

شباب جاودانی کی جستجو ہو تو لذت شباب یا ایرانی کوکشاستر کا مطالعہ کیجئے جس سے آپکو معلوم ہوگا، کہ شباب کو وصل دائم کسی طرح قائم رکھ سکتے ہیں عورت کے تاثرات کیا ہیں، حسن کی کلام سے کیونکر لطف اندوز ہونا چاہئے گلزار شباب کس طرح وقف خزاں ہوتا ہے شباب کی روٹھی ہوئی دیوی کس طرح ملتی ہے عورت سے عورت اور مرد سے مرد اپنی خواہش پوری کرے تو کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں لذت شباب سرستان شباب کو حیات تازہ بخشنے کے صدہا مجربات بھی ہیں قیمت ایک روپیہ

دل کی رانی

گلشن عالم کا سب سے خوبصورت پھول عورت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عورت کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ لیکن عورت کو سمجھنا ہی مشکل ہے دل کی رانی وہ کتاب ہے جسمیں عورت کے متعلق سب سے بڑی معلومات ہیں جسمیں دنیا بھر کے ہر خطہ کی عورت حالات خصوصیات ہیں اور ان کے آفتاب لذت کے وہ تمام طریقے بتائے گئے ہیں جو دنیا کے مختلف طبقات میں رائج ہیں اور ان کی ہیئت کذائی سے جو قیاسات ماہرین دنیا نے کئے ہیں بڑے بیش بہا ہیں دنیا بھر کی عورتوں کے حالات قیمت بارہ آنے (۱۲)

شاہی کوک شاستر

جو بادشاہوں کے لئے تھا اب وہ عام ہے یہ عربی کتاب رجوع الشیخ کا ترجمہ ہے جو ہارون رشید کے طبیب خاص نے ایک سن چلے رئیس کے لئے مرتب کی۔ اسمیں جنسی لطف حاصل کرنے کے وہ وہ طریقے ہیں جن کو دیکھکر حیرت میں رہ جائیں گے۔ دواؤں سے، چند حرکات سے، چند مساس سے، چند حکایتوں سے چند باتوں سے جانوروں کے جنسی طریقوں سے غرضیکہ ایک عورت اور اس سے ہزار طریقوں سے کسب لذت اسی کتاب میں ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (۱؎۸) علاوہ خرچ ڈاک ؎

کیفِ مواصلت

جنسی کتابوں میں عام طور پر لٹریچر کی عیاشی ہوتی ہے اِس میں گو کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں لیکن کیف مواصلت میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کام کی باتیں زیادہ جیسا کہ کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے اسمیں مواصلت کے کیف کو ہر طریقے سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسمیں سب سے زیادہ حفظ ما تقدم پر زور دیا گیا ہے اور اگر آدمی اس کتاب کو اپنا رہبر بنالے تو وہ کسی مردانہ و زنانہ مرض میں مبتلا ہی نہ ہو اور یہ سب سے بہتر چیز بھی ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ خرچ ڈاک

بہارِ شباب

بہار شباب اگر وقتی ہو تو یہ شباب ہر ذی نفس پر آتا ہے اور سب ہی اس سے حسب حیثیت لطف لے لیتے ہیں، اصل بہار شباب یہ ہے کہ اس بہار کو بقائے دوام ہو یا کم سے کم اسکی زیادہ سے زیادہ عمر ہو اور پھر صرف مرد کی نہیں بلکہ دونوں کی جوانی تادیر برقرار رہے اگر اس کتاب کے نسخوں اور طریقوں سے جائز فائدہ اٹھایا جائے یعنی یہ کہ جب قوت مولدہ اس کے ذرائع سے بے تحاشا ہو جائے تو اس پر قابو بھی پایا جا سکے تب بہار شباب ہے قیمت صرف ایک روپیہ

برتھ کنٹرول

مجبوراً شائع کرنی پڑی۔ ہندوستان کی بے تحاشا بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر اس کتاب کا شائع کرنا ناگزیر ہوگیا۔ ہرچند کہ اس کتاب سے غیر معمولی فائدہ ہوگیا لیکن پھر بھی یہ کتاب اتنی مفید نہیں کہ عمل اختیاری ہو جائے ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ مدت حمل یقینی بڑھ جاتی ہے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے سے ذرہ بھر بھی نقصان عورت کو نہیں ہوتا۔ اور ایام ماہواری میں سہولیت ہونے کے نسخے بھی ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) علاوہ خرچ ڈاک

دلہن کی ڈائری

ایک شوخ و طرار دلہن کی آپ بیتی۔ شب زفاف کا سماں، کچھ خوف، کچھ شرم، کچھ ہراس کچھ گدگداہٹ۔ دولہا میاں کی بہیمیت ارمان عشرت کی گل چینی بے صبری کے جذبات۔ بیتابی کے مظاہرے پوشیدہ حالات کا انکشاف۔

غرضیکہ

دلچسپیوں کا لاجواب مرقع ہے اور قیمت ایک روپیہ چار آنہ (عہ؍) علاوہ خرچ ڈاک

...ملنے کا پتہ :- مینیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

وہ رات

(از جناب تاجور فاروقی)

رات تھی ویرانہ میری رات ستاریکی کا دیوتا اپنی پوری ہمہ گیریوں کے ساتھ فضا پر چھایا ہوا تھا۔ کائنات نیند کی آغوش میں آغوش مادر کا سا لطف حاصل کر رہی تھی۔ کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں جیسے کسی کی بھولی ہوئی یاد کو پہلو میں دل کی طرح چھپائے ـــــ تنہا بستی سے دور لب جو بیٹھا ہوا کسی کی خیالی پرستش میں محو تھا۔ آبشاروں کی ترنم ریزیاں میرے لئے وجہ اضطراب ثابت ہو رہی تھیں۔

دریا کے پار کوئی درد بھری آواز میں گا رہا تھا جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا ـــــ اے آغاز محبت! تیری آرزو جوش و انبساط کی حامل تھی ـــــ مگر افسوس! اس کا انجام گو ابدی نجات کا باعث ہوا ـــــ لیکن موت کا سیاہ نقاب پہن کر ـــــ

نغمۂ محبت میرے لئے نشتر ہے کہ رہا تھا۔ سانس رکنے لگا۔ رفتہ رفتہ ہچکیاں آنسوؤں میں ـــــ اور آنسو تخیلات میں تبدیل ہونے لگے کتاب محبت کے مختلف ابواب میرے دائرہ خیال میں آ رہے تھے۔ جس میں سے ایک رات۔ ہاں دل خوش کن رات۔ مسرتوں کی آئینہ دار......

یاد آئی سامنے والی آبشار کے کنارے اسی مقام پر بیٹھ کر میں پیاری جمیلہ کے ساتھ چاندنی راتوں کا لطف اٹھایا کرتا تھا۔ پیار و محبت کے دلکش افسانے ہمارے بہترین رفیق ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چاندنی پر کیف ہو جاتی۔ آبشاروں کی ترنم ریزیاں ہمیں پر کیف نغمے سناتیں ـــــ چاند پیار کی نظروں سے ہمیں دیکھتا۔ کلیاں ہماری محبت کو تا پائیدار جان کر ہنس دیتیں۔ تارے رشک سے باہم چشمک زنی کرتے۔ غرضکہ کائنات کا ذرہ ذرہ بادۂ نشاط سے مسرور نظر آتا۔

مگر افسوس! اب بھی وہی راتیں تھیں۔ وہی پہلی سی قدرت کی نیرنگیاں، وہی پھول۔ وہی آبشاروں کی ترنم ریزیاں۔ مگر دنیا میرے لئے بدل چکی ہے۔ عالم ظلمت کدہ معلوم ہوتا ہے۔ آہ وہی دنیا تاریک ہو چکی ہے ـــــ مرا چاند بادلوں کی ستم ظریفیوں کا شکار بن چکا ہے آہ آخر کیوں؟ کیا اس وسیع کائنات میں اس کے لئے رہنا گناہ خیال کیا جانے لگا تھا۔ کیا اس لئے کہ وہ میری دنیائے مسرت کی شمع شبستان تھی ـــــ میں ماضی کی ہلکی اور دھندلی تصاویر کے نقش و نگار پر غور کر رہا تھا۔ کہ اچانک ابر پھٹا۔ اور ایک چمکتا ہوا ستارہ مسکراتے ہوئے میری جانب بڑھنے لگا۔ کیا وہ میری بیکسی و بے بسی پر مسکرا رہا تھا ـــــ نہیں ـــــ بلکہ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو ایک بچھڑے ہوئے محبوب کے تصور سے کسی کے ہونٹوں پر آیا کرتی ہے۔

سنسان عالم میں عروس فلک نے نور کی ہلکی سی نقاب سے منہ چھپا لیا ـــــ وہی نگاہیں اس رنگین ستارے کے نقش و نگار پر کھیلنے لگیں وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا ـــــ اور اب قریب تھا ـــــ یہاں تک کہ میری قوت ادراک پر تابش جمال کا کیف طاری ہونے لگا ـــــ میں نے اسے غور سے دیکھا ـــــ آہ ـــــ وہی جمیلہ کا نورانی پیکر ـــــ میرے تصور کی آغوش میں تصویر بن گیا تھا ـــــ

اس قدر نیند ـــــ ملازم بڑ بڑا رہا تھا ـــــ اور میں آنکھیں نیم وا کئے ہوئے سورج کی کرنوں کو جو کھڑکی میں سے لگاتار یورش کر رہی تھیں۔ دیکھنے میں محو ـــــ صبح کب کی ہو چکی تھی۔

جوانی بیش بہا جواہر ات
جوانی بکتی ہے
اگر خریدنی ہو تو "سیکسول ٹانک پلز" استعمال کر کے قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ جو یقیناً جادو اثر ثابت ہوگی (انشاء اللہ) اس کے چند روز کے استعمال سے نئی زندگی اور بیدا ہوگی۔ اور آپ تعجب کریں گے کہ کیا تھے اور کیا بن گئے۔ یقین کیجئے کہ "سیکسول ٹانک پلز" سے بہتر دوبارہ جوان بنانے والی اور کوئی دوا آپ کو دستیاب نہیں ہو سکتی۔ قیمت سولہ گولی والی شیشی دو روپیہ (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔
شیر کی طاقت
خلاف فطرت فعل یا جوانی کی بری حرکتوں کی وجہ سے عضو مخصوص بیکار ہو چکا ہو۔ کجی۔ سستی۔ لاغری اور نامردی کا شکار ہو کر دنیا کی مسرتوں سے بے بہرہ اور زندگی سے لاچار ہو گئے ہیں تو سیکسول طلاء استعمال کیجئے۔ جو عضو مخصوص کی تمام خرابیوں کو دور کر کے مردہ رگوں میں جوانی کی قوت مانند شیر پیدا کرتا ہے۔ اس کی پوری تعریف کرنے میں تہذیب مانع ہے منگا کر مشاہدہ کیجئے۔ قیمت چھوٹی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنے۔ بڑی شیشی دو روپے آٹھ آنے۔ محصول علاوہ۔
امساک کی زیادتی
کے لئے "سیکسول ریٹینٹو پلز" استعمال کیجئے۔ جو خفیہ جذبات کو برانگیختہ کر کے وعویٰ کے ساتھ عیش کی گھڑیاں طویل کرتی ہیں۔
قیمت ایک درجن ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ۱۲) علاوہ محصولڈاک۔
عورت گرفتار
آلہ تسخیر زن سے مغرور محبوبہ اگر آپ کا دم نہ بھرنے لگے تو قیمت واپس۔ ترکیب استعمال بہت آسان بالکل بے ضرر۔ منگا کر لطف اٹھائیے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے (عہ) محصول ڈاک بذمہ خریدار۔
اولاد کی بندش
ہر سال بچہ پیدا ہونے کی مشکلات سے بچنے کے لئے جرمنی کا تیار کردہ پیسری کا خاص آلہ مانع حمل استعمال کریں ضرورت کے وقت استعمال کرنے سے حمل قرار نہیں پاتا۔ آسان ترکیب استعمال سو فیصدی کامیاب۔ مدت تک کام دیتا ہے۔ قیمت قسم اعلیٰ دو روپیہ (عہ) علاوہ محصولڈاک۔
خاوند کو اپنا بنالو
نئی شادی کا لطف اٹھانے کی ضرورت کے وقت ذرا سی "ورجینول" استعمال کیجئے۔ جس سے ہر رات شب عروسی معلوم ہوتی ہے۔ عورتیں ناراض خاوند کو اپنا بنا لیتی ہیں۔ غلط ثابت ہونے پر قیمت واپس۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ۸) علاوہ محصول ڈاک۔
نوٹ:۔ بیرون ہندوستان سے فرمائش کے ہمراہ پوسٹل آرڈر بھیجنا ضروری ہے۔
محصول ڈاک ایک دوا کے لئے بھی آٹھ آنے ہے اور تمام ادویات پر بھی آٹھ آنے ہی ہوگا۔
تمام دوائیں منگانے کا پتہ:۔
مینیجر ویسٹرن میڈیکل اسٹور جامع مسجد دہلی ٹیلیفون

حسین کشیدہ کاری
مؤلفہ
نواب ذکیہ سلطانہ ذکی مرادآبادی
اور ذکیہ خاتون نگہت . وغیرہ
جس میں
سیکڑوں قسم کے حسین و خوبصورت
اور خوشنما پھول۔ ڈیزائن بیلیں
تیار کرنے کے لئے بہترین نمونے درج ہیں۔
قیمت ایک روپیہ
دفتر خاتون مشرق دہلی سے خریدیئے
MUSTAFA

ساٹھ دن میں نئی جوانی
ایک عجیب علاج اور حیرت انگیز اثر
آپ مرد بننا چاہتے ہیں

(از ادارہ)

افسانہ نمبر کی بجائے جنگ نمبر

"محشر خیال" کی گزشتہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ نومبر کا پرچہ "افسانہ نمبر" کے عنوان سے شائع کیا جائے گا لیکن کسی ملک کے جرائد و رسائل کا منجملہ اور فرائض میں سے ایک اہم اور خصوصی فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے قارئین کی دلچسپی اور دلبستگی کا خیال رکھنے کے علاوہ حسب موقعہ ان کی معلومات میں اضافہ کے ذرائع و وسائل بھی مہیا کرتے رہیں۔ دنیا آج جس ہولناک جنگ میں مبتلا ہے اس کے متعلق بڑے سے بڑا سیاسی مدبر بھی یقین کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اس خوفناک اور بظاہر تباہ کن تصادم کا انجام کیا ہوگا۔ ان حالات میں "افسانہ نمبر" کی ترتیب شروع کر دینے کے باوجود ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ افسانہ نمبر کو موخر کر کے "محشر خیال" کے قارئین کیلئے جنگ کے "ماضی و مستقبل" اور "اسباب و علل" پر ایک طائرانہ نظر ڈال جانے کا موقع فراہم کر دیا جائے ہمیں توقع ہے کہ "محشر خیال" کے قارئین ہماری اس سعی کو پسندیدگی کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمائیں گے

افسانہ نمبر شائع کیا جائے گا

[illegible] افسانہ نمبر کی اشاعت کے وعدہ کو فراموش نہیں کیا اور آئندہ ماہ میں "جنگ نمبر" کے دوسرے حصہ کی اشاعت کے بعد دسمبر میں "محشر خیال" کا دلچسپ اور بلند معیار افسانہ نمبر شائع کیا جائیگا جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے افسانہ نمبر کی ترتیب اور کتابت شروع ہو چکی تھی اور رسالہ کا بیشتر حصہ لکھا جا چکا تھا لیکن مخلص احباب اور وسیع النظر قارئین کے پیہم اصرار سے مجبور ہو کر ہمیں افسانہ نمبر کی اشاعت کو موخر کرنا پڑا۔ اس لئے اگر ہم افسانہ نمبر شائع نہ بھی کرنا چاہیں تو ہم اس کی اشاعت پر مجبور ہیں چنانچہ اشاعت کسی قدر تاخیر کے ساتھ عمل میں آئی ہے جس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں "جنگ نمبر" کے لئے از سر نو مضامین فراہم کرنے پڑے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے قارئین اس ناگزیر تاخیر کو نظر انداز فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع دینگے۔

موجودہ جنگ

موجودہ جنگ ہندوستان سے بہت دور یورپ کی سرزمین پر برپا ہو رہی ہے لیکن چونکہ آج کی دنیا میں بسنے والی اقوام وطن، قومیت اور وطنیت کی حدود میں محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی رشتہ میں منسلک ہیں اس لئے براعظم یورپ میں برپا شدہ اس بھیانک اور انقلاب آفریں لڑائی کے اثرات پورے کرۂ ارض پر مسلط نظر آ رہے ہیں اور شرق و غرب اور شمال و جنوب غرضیکہ اس آباد دنیا کا کوئی بعید ترین گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جو براعظم یورپ کی اس [illegible]

[illegible] سے پاک سمجھا جاسکے۔ اسی اقتباس سے اس جنگ کے اسباب و علل اور عواقب و نتائج کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کے لئے بھی غیر معمولی فرصت و مہلت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔ پھر اگر یہ مرحلہ بھی طے ہوجائے تو "مختصر خیال" کا محدود حجم اس طویل داستان کی اشاعت کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ ان گونا گوں دشواریوں کے باوجود پیش نظر "جنگ نمبر" کی ترتیب میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو متعارف کرا دیا جائے۔

ترتیب

اس لئے کہ یورپ کی موجودہ جنگ، اگرچہ دنیا کو نازیت اور فسطائیت کی بے پناہ دست درازیوں سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے شروع کی گئی ہے اور اسکو دنیا کی ایک اصولی اور اپنی جگہ پر نئی لڑائی سمجھا جا نا چاہیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں بلکہ اب سے پچیس سال قبل ۱۹۱۴ء میں دنیا کو جس جنگ عظیم سے دوچار ہونا پڑا تھا، موجودہ تصادم اسی جنگ کا قدرتی رد عمل ہے اور اس لئے موجودہ جنگ کے اسباب و علل کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں جنگ عظیم کے عواقب و نتائج کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ پیش نظر جنگ نمبر کی ترتیب میں اس امر کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

دو حصے

دنیا کی بڑی سے بڑی جنگ کے متعلق اگر صرف اس قدر کہدیا جائے کہ "فلاں حکمران نے اپنے ہمعصر فلاں بادشاہ کے خلاف لشکر کشی کی تھی جو فلاں فریق جنگ کی فتح و نصرت پر منتج ہوئی" تو جہاں تک واقعہ کے بیان کرنے کا تعلق ہے اس بیان میں کوئی سقم باقی نہ رہے گا لیکن اگر کسی واقعہ کے بیان سے محض "اظہار" مقصود نہیں بلکہ "اخذ نتائج" بھی مدنظر ہے تو ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا فقرہ سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ موجودہ جنگ کو اگر اختصار کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہو تو محض اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ "ہر ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا اور پولینڈ کے بہی خواہ اس کی حمایت میں جرمنی کے ساتھ برسر پیکار ہوگئے" لیکن اس قدر کہہ دینا اس انقلاب آفریں جنگ، اس کے نتائج اور اثرات کو واضح نہیں کرسکتا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ہم نے مختصر خیال کے "جنگ نمبر" کو دو حصوں میں منقسم کردیا ہے۔ اور نومبر کا پرچہ اس موضوع پر موجودہ اشاعت سے بھی زیادہ گرانقدر، پر از معلومات اور دلچسپ مضامین کا حامل ہوگا کیونکہ حضرت موجودہ اشاعت میں جنگ عظیم اور موجودہ جنگ کے متعلق تمام پہلو نمایاں نہیں اس لئے [illegible] نمبر کی رشائیوں اور حادثوں کی پوری تفصیل اور موجودہ لڑائی کی ہولناکیاں [illegible]

رومانیہ اور جرمنی

جزیرہ نما بلقان کا ایک بڑا ملک رومانیہ آغاز جنگ ہی سے حریفان جنگ کی سیاسی کشمکش کا میدان بنا ہوا تھا۔ اور گذشتہ چند ماہ سے اس کشمکش میں شدت محسوس کی جا رہی تھی۔ تازہ اطلاعات مظہر ہیں کہ اب جرمن افواج رومانیہ میں داخل ہوگئی ہیں اور اس ملک کا نظم و نسق اب عملی طور پر انہیں کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ یہ اطلاع کچھ حیرت انگیز اور غیر متوقع نہیں لیکن ہمارے خیالات کے محدود صفحات میں "رومانیہ" کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال نہیں کیا جاسکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں اس موضوع پر ایک سیر حاصل مقالہ شائع کیا جائے گا۔ اور نقشے بھی شائع کئے جائیں گے۔

مسلم لیگ اور ممالک اسلامیہ

مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے "لیگ ورکنگ کمیٹی" کی ایک قرارداد کے مطابق ہندوستان کے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ یکم نومبر کو ملک کے طول و عرض میں ممالک اسلامیہ پر ملحق خطرہ جنگ کے سلسلہ میں برطانیہ کے حریفان جنگ کی مذمت کے لئے عام جلسے منعقد کریں۔ ہم اس تجویز پر اظہار خیال کرنے کی بجائے اس قدر عرض کردینا کافی سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ براعظم یورپ کی دو اقتدار خواہ طاقتوں کے درمیان برپا ہے اور جنگ کا ایک فریق، دوسرے فریق کے دوستوں یا زیر اثر اقوام و ممالک کو اپنا دشمن تصور کرتا ہے۔ موجودہ جنگ کے ہر دو فریق کو براعظم یورپ سے باہر کسی ملک یا قوم کے ساتھ ذاتی عداوت اور دشمنی نہیں۔ آج اگر دنیا کے دوسرے حصوں سے جرمنی، اطالیہ اور برطانیہ کے اثرات زائل ہوجائیں تو یہ جنگ یورپ ہی کی سرزمین ہی تک ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے اگر مسلم لیگ یا دنیا کی کوئی اور جماعت ممالک اسلامیہ یا دوسرے آزاد یا محکوم ممالک کو جنگ کے خطرات سے محفوظ دیکھنا چاہتی ہے تو اسے سب سے پہلے ان ممالک و اقوام کو غیر ملکی اثر و اقتدار سے پاک کرانے کی جد و جہد کرنی چاہیے۔ دنیا میں طاقت سب سے بڑی چیز ہے۔ یورپ کی کمزور قومیں طاقت کے سامنے جھک چکی ہیں پھر اگر دنیا کی شیطانی طاقتیں اپنے سیاسی مفاد کے پیش نظر اطراف عالم کو جنگ کا جہنم کدہ بنا دینے کا فیصلہ کر ہی چکی ہیں تو ہم ہندوستانی غلام اور کمزور مسلمانوں کا یہ زبانی احتجاج کیا ان کے ارادوں کو متزلزل کرسکے گا۔!

کانگریس کا فیصلہ

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی میں کانگریس کی [illegible]

آزادی تقریر کا حق حاصل کرنے کے سلسلہ میں شروع ہوئی۔ ... لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے حالیہ اجلاس منعقدہ وردھا کے متعلق جو اطلاعات آئی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ گاندھی جی نے آزادی تقریر کا حق حاصل کرنے کے لئے قانونی نافرمانی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ان کے مرتب کردہ لائحہ عمل کو منظور بھی کر لیا ہے۔ یہ قانون شکنی کس نوعیت کی ہوگی اس کے متعلق ہندوستان کے عوام بالکل ناواقف ہیں البتہ یہ ضرور معلوم ہو سکا ہے کہ یہ تحریک محدودے چند افراد تک ہی محدود رکھی جائے گی اور اس میں گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد پر کامل ایمان رکھنے والے ہی حصہ لے سکیں گے۔

جنگ کا چودھواں مہینہ قریب الختم ہے۔ یورپ کے سیاسی نقشہ میں اہم تغیرات رونما ہو چکے ہیں، شمالی افریقہ اور مغربی افریقہ پر جنگ کے خونیں بادل منڈلا رہے ہیں اور کرۂ ارض کی پسماندہ اور کمزور ترین اقوام بھی جنگ اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کے متعلق اپنی روش کار کو متعین کر رہی ہے لیکن روحانیت پسند رہنما گاندھی کا مقلد ہندوستان ابھی تک پرکار کی طرح ایک ہی دائرہ میں گردش کر رہا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کب تک اس طرز عمل پر قائم رہے گا۔

گاندھی جی کا روزہ

گاندھی جی نے اپنے انگریزی اخبار "ہریجن" کی تازہ اشاعت میں اس افواہ کی تصدیق کر دی ہے کہ وہ ہندوستان کے سلسلہ میں برطانوی حکومت کے موجودہ طرز عمل کی اصلاح کے لئے ایک برت رکھنے والے ہیں ابھی تک یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ گاندھی جی کا مجوزہ برت کسی معین مدت کے لئے ہوگا یا برطانوی حکومت سے مطالبات تسلیم کرا لینے کے ساتھ مشروط۔ پہلی صورت میں گاندھی جی کا یہ برت برطانوی مدبرین کے قلوب پر کوئی اثر نہیں کر سکتا اور دوسری صورت میں اس کا انجام مشکوک رہے گا ان حالات میں اگر گاندھی جی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکیں تو زیادہ مناسب ہے۔ گاندھی جی سے متعدد سیاسی اختلافات رکھنے کے باوجود ہم ان کی زندگی کو خطرہ میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر ٹیگور کی علالت

ہندوستان کے معروف شاعر، شانتی نکیتن کے موسس، اور نوبل پرائز حاصل کرنے والے پہلے ہندوستانی ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور کچھ عرصہ سے صاحب فراش ہیں اور تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی علالت تشویش انگیز صورت اختیار کرتی جا رہی ہے موصوف ہندوستان

کے ان محدودے چند افراد میں سے ہیں جو ترقی پسندی اور باہمی کشمکش کے اس دور میں ان محدود اور کم نظرانہ خیالات سے بالاتر رہ کر نوع انسانی میں عام خدمت، محبت اور مساوات کے جذبات پیدا کر دینے کے متمنی ہیں۔ اور ان کی زندگی کا مقصد ہی یہ بن گیا ہے کہ وہ رنگ و نسل کے ملعون امتیازات علیحدہ رکھتے ہوئے عام انسانی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم عمل رہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ موصوف کو اس مرض سے شفایاب فرمائے۔

جنگ

جنگ اُمیدِ غلام — جنگ عظمت کا پیام

جنگ بیداری کا صور — جنگ شوکت کی رقام

جنگ قومی زندگی — جنگ خودداری کا نام

جنگ بادِ انقلاب — منقلب کہنہ نظام

جنگ آزادی کا کھیل

جنگ جوانوں کا کام

(مدیر)

اوراقِ پارینہ یا جیل کی کہانیاں

چودھری شیر جنگ

پنجاب حکومت نے ٹرین لوٹنے اور قتل وغیرہ کے الزام میں احمد گڑھ ڈکیتی کے نام کا سیاسی مقدمہ چلایا تھا۔ عدالت نے اس نوجوان کو پھانسی کی سزا دی اور ہائیکورٹ پنجاب نے یہ سزا منسوخ کر کے دس سال قید بامشقت کی سزا باقی رکھی۔ دس سال تک یہ تعلیمیافتہ نوجوان پنجاب جیل میں بند رہا اس پیکر حریت نوجوان نے اپنی دس سالہ قید کے بعض اہم اور سنسنی خیز دردناک حالات کہانیوں کی شکل میں لکھے تھے کسی نے انکو کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب اب دفتر مختصر خیال میں فروخت ہو رہی ہے۔ کتاب پڑھ کر ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس نوجوان نے جیل کی زندگی کو کس نوعیت کے ساتھ کاغذوں پر بکھیر دیا ہے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ ایک شخص برسوں تک پولیس کی نظروں سے بچ کر آزادانہ رہا اور پنجاب میں پھرتا رہا اور پولیس اس کو گرفتار کرنے کی حالانکہ پولیس نے گرفتاری پر دس ہزار روپے کے انعام کا اعلان بھی کیا تھا۔ کہانی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ قیمت صرف آٹھ آنے ایک جلد کے خریدار کو دس آنے کے ٹکٹ روانہ کرنے چاہئیں۔

میدانِ جنگ کا تصوّر

مرے جوشِ طبیعت کا طلاطم ہے اثر فرما
تصوّر کی نظر سے دیکھتا ہوں جنگ کا نقشا

خموشی ہی خموشی تھی ابھی ہر سمت عالم میں
ابھی پُر ہول سناٹا تھا اس میدانِ پُرغم میں

صدائیں آ رہی تھیں ہولی ہر ذرّے کے سینے سے
ہوا کی موج ٹکرا رہی تھی وحشت کے سفینے سے

قدم رکھتے ہوئے تک خوف کھاتی تھی نظر آہیں
نہ تھا گویا کسی کو آج تک حاصل گذر اس میں

ابھی ویراں تھا صحرا اور ابھی سنساں بیاباں تھا
ہوائیں خوف سے لبریز تھیں تاریک میداں تھا

مگر یہ کیا ہوا یہ کیا منظر آنے لگا مجھکو
بھیانک موت کا نقشہ نظر آنے لگا مجھکو

یہ انسانوں ہی انسانوں سے ہے آباد اب جنگل
یہ تا حدِ نظر امڈی ہوئی فوجوں کے دَل بادل

کہیں کرچیں، کہیں گیسیں، کہیں برچھا، کہیں بھالا
کہیں خنجر، کہیں سیفی کہیں دشنہ کہیں نیزا

کہیں توپوں کے گولوں کی قیامت خیز آوازیں
کہیں پُر ہول طیاروں کی شورش ریز پروازیں

وہ اک کا دوسرے پر جوش کھا کر یورشیں کرنا
وہ لڑنا، وہ تڑپنا وہ سسکنا اور وہ مرنا

وہ ہنگامہ قیامت کا وہ دار و گیر کا عالم
وہ پُر ہیبت کراہیں، وہ مسلسل گریۂ پیہم

وہ تیر اور توپ کے نرغے میں انساں کا فنا ہونا
وہ پیہم روح کا جامِ خاکی سے جدا ہونا

یہ تلواریں شکستہ ہیں وہ خاک آلود خنجر ہیں
یہاں سر ہے وہاں دھڑ ہے عجب خونریز منظر ہے

وہ زہر آلود گولوں کا سروں پر آکے پھٹ جانا
زمیں سے آسماں تک وہ دھوئیں کا ابر برسانا

یکایک ایک لشکر کا ہزیمت یاب ہو جانا
سرِ میداں سے فوجوں کا خیال و خواب ہو جانا

یہ جنگِ ناروا اک کھیل ہے وحشت پرستوں کو
ستانا، مارنا، اور قتل کرنا زیر دستوں کو

وہ دھبّہ خونِ ناحق کا لباسِ آدمیت پر
درندوں کی طرح وہ لوٹنا مالِ غنیمت پر

شقاوت ہو گئی ہے مشترک تہذیبِ انساں میں
نظر آتا ہے اک انبوہِ شیطاں بزم یزداں میں

اٹھا دیتا ہوں جب پردے میں دگی سیر گاہوں سے
تو سب کچھ دیکھ لیتا ہوں تصوّر کی نگاہوں سے

موجودہ جنگ کا پس منظر

جمہوریت - فسطائیت - اشتراکیت

(از جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

جدید جرمنی کے عسکری رہنما اور نازیت کے داعی ہر ہٹلر نے جرمنی پر عائد کردہ درسائی کے صلحنامہ کی تمام شرائط سے متجاوز ہو جانے کے بعد جب اپنے دست از رفتہ یورپی مقامات میں سے آخری مقام کو میمل اور اس کے ساتھ بندرگاہ ڈینزگ کے حصول کی جدوجہد شروع کی تو برطانیہ اور فرانس کے ہمت افزا مشوروں کے بھروسہ پر پولینڈ کی حکومت کے معاندانہ طرزِ عمل کی بدولت یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن افواج نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ اور اس طرح اس خونناک جنگ کا آغاز ہوا جس کا ہر گزرنے والا لمحہ نہ صرف دنیا اور اس کے بسنے والوں کو ہلاکت و بربادی کے قعر عمیق کی طرف تیزی سے لے جا رہا ہے۔ بلکہ کرۂ ارض پر ایک نئے نظام ریاست و حکومت کے قیام کی جانب بھی اشارہ کر رہا ہے۔

پولینڈ پر جرمنی کے حملہ نے مغرب کے جمہوریت پسند عناصر کو متحرک کر دیا اور وہ دنیا کو ان تباہ کن خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے جو نازی جرمنی کے عروج سے لاحق ہوتے جا رہے تھے اپنے امن و سکون کو خیرباد کہہ اس کے مقابلہ کے لئے صف آرا ہو گئے۔ لیکن کیا جرمنی کی یہ کامیاب پیش قدمیاں اور بقا و تحفظ جمہوریت و حریت کو تہذیب تمدن کے جذبات ہی اس جنگ کے حقیقی محرکات ہیں یا اس ہولناک تصادم کی بنیاد میں کچھ اور علل و اسباب بھی کام کر رہے ہیں؟

آج سے ربع صدی قبل دنیا کو جس تباہ کن جنگ میں شریک ہونا پڑا تھا اس کے برپا ہونے کے علل و اسباب بھی وہی قرار دئے گئے تھے جو موجودہ لڑائی کے جواز میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی دنیا کو توسیع سلطنت کی ہوس کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے دعوت دفاع و اتحاد دی گئی تھی اور اس وقت بھی یہی بتایا گیا تھا کہ مہذب دنیا کی متمدن اقوام آج اپنے عزیز، نوخیز اور جوان ہمت فرزندوں کو محض اس لئے جنگ کے دیوتا پر قربان کر رہی ہیں کہ دنیا اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو کم از کم ایک طویل عرصہ کے لئے وحشی غاصبین کی دست برد سے مامون و محفوظ رہ کر امن و سکون کی زندگی بسر کر سکے لیکن ...... انجام؟ انسانی عمر کی اس ارزانی، خوش منظر بستیوں کی تباہی اور سرسبز و شاداب ملکوں کی بربادی کا انجام صرف یہ ہوا کہ دنیا کے نقشے کے رنگ تبدیل ہو گئے اور بس!

غلام قومیں بدستور غلام رہیں، ان کے محبوب اوطان پر حسب سابق اغیار و اجانب کا تسلط و تصرف باقی رہا، ان کی مصائب جو ملحقہ ممالک میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی اور بعض حالتوں میں انہیں پہلے سے بھی زیادہ ذلت و محکومیت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ بلاشبہ آقا تبدیل ہو گئے تھے۔ لیکن آقاؤں کے بدل جانے سے غلامی کی زندگی اور غلاموں کے مدارج و مقدرات میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا کرتا۔

ردِ عمل

جنگ عظیم جن مقاصد کے حصول کے لئے لڑی گئی تھی بلاشبہ اس کے اختتام پر متوقع فوائد حاصل نہیں ہو سکے۔ لیکن اس ملعون خونریزی اور تاریخی کشمکش نے ربع مسکون پر بسنے والے خدا کے مظلوم و مجبور بندوں کو بیدار کر دیا۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب ان کے قائم کردہ اور موعودہ تصورات و توقعات کو مایوسی و نامرادی سے ہم آغوش ہو جانا پڑا تو انہیں حقیقت کا احساس ہوا۔ دنیا کی ہر قوم قدرتی طور پر ردِ عمل کے دور سے گزرنے لگی اور محکوم و مظلوم قوموں نے حصول حریت اور استخلاص وطن کے لئے اپنی اپنی بضاعت و استطاعت کے مطابق جدوجہد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔

ردِ عمل اور جد و سعی کے اس دور میں انسان کے بہی خواہ مفکرین نے دنیا کو دو حقیقتوں سے روشناس کرایا اور اگرچہ ہم ان حقیقتوں کو "جدید" کے لفظ سے تعبیر نہیں کر سکتے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انسان ابھی تک ان سے ناآشنائے محض رہا تھا۔ یہ دو حقیقتیں تھیں اشتراکیت اور فسطائیت جسے تھوڑی سی ترمیم کے بعد نازیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اور جنہیں ریاست و حکومت کے دو ایسے نظریے کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ جو ہنوز تجربہ کئے جانے سے محروم رہے تھے اور دنیا یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ انہیں قبول کرنے کے بعد انسان کی حیات اجتماعی خوش گوار بن جائے گی یا ناخوشگوار تر۔

جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہو گئی تھی کہ آئندہ کے لئے جنگ و پیکار کا لفظ اقوام عالم کی سیاسی لغت سے خارج کر دیا جائے۔ یا پھر ہر قوم اس قدر طاقتور ہو جائے کہ ایک دوسرے کے امن و سکون میں خلل انداز ہونے یا حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے چنانچہ

امن و امان کو بار آور بنانے کے لئے دنیا کے ہر گوشہ میں بسنے والے انسانوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعائیں کیں، تحدید اسلحہ کے ذریعہ سے انسانوں کے بیجا جذبات کو قطعاً فنا نہیں تو کم از کم محدود کر دیا جا سکے۔ کچھ عرصہ کے لئے یہ عاقبت نا شناس اور نمود پسند و خود نما انسان اپنی دعاؤں کی قبولیت اور ابتدائی سراب آسا کامیابی پر مسرور و مطمئن بھی ہوا لیکن قدرت اُس کی نادانی اور کم فہمی پر قطعاً مسکرا رہی تھی کیونکہ دنیا کے مستقبل کو خوشگوار اور دلکش و رنگین بنانے کے لئے جن کی مساعی دیانت و اخلاص پر مبنی نہیں تھیں اور انہوں نے ان مقاصد کے حصول کیلئے جو راہ اختیار کی تھی وہ اسے کعبۂ امن و سلامتی کی جانب نہیں بلکہ رنج و محن اور جنگ و پیکار کے تاریک اور وحشت ناک غاروں کی طرف لے جا رہی تھی۔

جمہوریت

جمہوریت انسان کی اجتماعی راحت کا ایک رنگین اور حیات افروز خواب جنگ عظیم کے آغاز اور اس کے دوران میں دنیا کی متعدد اقوام، اسی حسین اور مسرور کن خواب سے متاثر ہو کر اس کی تعبیر حاصل کرنے کیلئے توسیع مملکت اور اقتدار پسندی کے خلاف جہاد کے نام پر مجتمع ہوئی تھیں لیکن جنگ عظیم کے ختم ہو جانے کے بعد جب ان میں سے بیشتر حصول مراد میں ناکام رہیں تو ان کا یہ حسین خواب پریشان ہو کر رہ گیا۔ انہیں جمہوریت پسندی کا فلک رسا نعرہ بے اثر اور اس کا نظام کار فرسودہ و پُر فریب نظر آنے لگا۔ دنیا نے سمجھ لیا کہ جمہوریت کا یہ دعا ایک بے معنی ملعبہ ہے، یہ نظام ریاست و حکومت اپنی موجودہ حالت میں دنیا کو غلامی کی لعنت اور اقتصادی مشکلات سے نجات نہیں دلا سکتا اور تاوقتیکہ اس پر نظر ثانی کر کے اس کی اصلاح جلد کر دی جائے۔ یہ زمانہ کی ان ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔

بلاشبہ جمہوریت کو دنیا کا بہترین نظام حکومت و ریاست بنایا جا سکتا تھا بشرطیکہ اس کے علمبردار اپنی خواہشات اور اغراض و مصالح کے ماتحت اسے محدود و مسدود نہ بنا دیتے۔ اور جس طرح وہ الفاظ میں اس کی وقعت و تقدیس کی رنگین اور دلکش تصاویر پیش کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح عمل میں بھی اس کے متعلق اپنے بیان کردہ محاسن کو قائم رکھ سکتے۔

یہ تاثرات تھے جو جنگ عظیم کے بعد دنیا کی بیدار، نیم خفتہ اور بیشتر محکوم و مظلوم اقوام نے قبول کئے اور یہ حالات تھے جن کی موجودگی میں ان دو حقیقتوں کو فروغ نصیب ہوا جنہیں فسطائیت اور اشتراکیت کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اگرچہ فسطائیت اور اشتراکیت کے فلسفے اقتصادی اور معاشی بنیادوں پر قائم ہیں لیکن چونکہ نظام سیاست کی موافقت اور اعانت کے بغیر کسی معاشی یا اقتصادی نظریہ کو کامیاب نہیں بنایا جا سکتا اس لئے خاص سیاسی وجود نہ ہونے کے باوجود یہ دونوں فلسفے سیاسی بن کر رہ گئے [illegible] بہ نظرے ہی سیاسی ہو گئے ہیں بلکہ سیاست حاضرہ کی بنیاد انہی پر قائم ہو گئی ہے۔

فسطائیت

اطالیہ نے جنگ عظیم میں اپنے حلیف، اتحادیوں کی کامیابی لیکن اپنی توقعات اور اپنے حلیفوں کے مواعید و مواثیق کی عدم تکمیل اور نامرادی و شکست کے بعد آئندہ انہیں کامیاب اور سربلند بنانے اور دیکھنے کے لئے جس طریقہ کار کو اختیار کیا اس کا نام فسطائیت ہے۔

اس وقت تک دنیا کامل شہنشاہیت سے تنگ آ کر اگرچہ پارلیمانی طریقہ حکومت کے ماتحت زندگی بسر کر رہی تھی لیکن روس کے انقلاب نے ایک نئے نظام اجتماعی کے تجربہ کا آغاز بھی کر دیا تھا، مگر اطالیہ نے اپنے لئے ان میں سے کسی نظام ریاست کو اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ناقص جمہوری نظام کا پابند رہ کر اپنے معاصرین پر فوقیت و برتری حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اشتراکیت اصولی طور پر اس کی خواہش توسیع سلطنت کی راہ میں ایک مستقل سنگ گراں بار کی حیثیت رکھتی تھی اس لئے فسطائیت کے داعی۔ موسولینی کو ایک تیسری راہ اختیار کرنی پڑی اور اس نے قدیم رومی سلطنت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے آب و آتش یعنی سرمایہ داری اور محنت کشی کو یکجا کر کے انہیں آمرانہ اقتدار کے تحت میں لے آنے کا فیصلہ کر لیا۔

فسطائیت ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتی ہے لیکن آمرانہ حکومت کو اس پر کامل حق و اختیار حاصل ہے۔ یہ شہنشاہیت کو باقی رکھنے کی حامی ہے لیکن برائے نام۔ بادشاہ کو ملک کے انتظام و انصرام میں کوئی قابل ذکر اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس نظام حکومت میں بسنے والے ہر نوجوان کو لازماً فوجی تربیت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ انہیں ضرورت کے وقت آسانی اور اطمینان کے ساتھ توسیع سلطنت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جا سکے۔

نازیت

نازیت یا قومی اشتراکیت اگرچہ فسطائیت کے مقابلہ میں چند سال بعد کی تحریک ہے لیکن جرمنی میں ہر ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس کی اصلاح یافتہ شکل فسطائیت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہی۔

فسطائیت ایک عالمگیر اصول کی حیثیت سے منظر عام پر آئی اور صرف اس لئے کہ موسولینی قدیم رومی سلطنت کے احیائے ثانی کا خواہشمند ہے۔ لیکن نازیت نے اپنے دائرہ عمل کو آریہ نسل اور جرمن قوم تک محدود کر دیا اور اگرچہ آج فسطائیت کے مقابلہ میں نازیت زیادہ کامیاب اور مظفر و منصور نظر آ رہی ہے۔ لیکن اصولی اعتبار سے اسے وہ وسعت حاصل نہیں [illegible]

کو حاصل ہے۔

فسطائیت اور نازیت دونوں جبر و تشدد سے دنیا پر مسلط ہو جانے کی حامی اور خواہشمند ہیں۔ اور ان تحریکات کے داعی اپنے ان ارادوں کو پوشیدہ رکھنے کی بجائے انہیں نہایت صاف، واضح اور ناقابل تاویل الفاظ میں بیان کرنے کے عادی۔

اشتراکیت

دنیا میں "سرمایہ اور محنت" کی جو کشمکش ابتدائے آفرینش سے چلی آ رہی ہے، اشتراکیت نے اسی کو بے نقاب کیا ہے اور محنت کش طبقہ کو اس کی اہمیت کا احساس کرا دینے کے بعد اسے ایک مرکز پر مجتمع کر دیا ہے۔ یہ تحریک آمدنی کے تمام ذرائع و وسائل کو ذاتی ملکیت سے نکال کر حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کرنا چاہتی ہے، رنگ و نسل کے ملعون امتیازات کو یکسر محو کر دینے کی حامی ہے اور کسی ایسے فرد یا گروہ کے وجود کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں جو دوسروں کی محنت و مشقت پر زندہ رہنے کا خواہشمند ہو۔

اشتراکیت توسیع مملکت کی مخالف ہے۔ اور سرمایہ داری اور شہنشاہیت کی مختلف اقسام کو صفحۂ عالم سے مٹا دینے کی حامی۔ اور اگرچہ فسطائیت کی طرح اشتراکیت بھی آمرانہ نظامِ حکومت کے قیام پر مصر ہے لیکن سرمایہ دارانہ آمریت کے قیام پر نہیں بلکہ مزدوروں، محنت کشوں اور غریبوں کی آمریت کے قیام پر۔

ابتدا میں سرمایہ دار دنیا اس فلسفۂ ریاست کو ناقابلِ عمل، مضحکہ خیز اور مردود تصور کرتی رہی، لیکن گزشتہ بیس سالہ تجربہ نے اس کے قابلِ عمل ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے باعثِ رحمت ہونے کو بھی ثابت کر دیا۔ اور آج ناقابلِ عمل اور مضحکہ خیز فلسفہ اجتماعی امن و عافیت کی آخری پناہ گاہ متصور ہوتا ہے۔

موجودہ جنگ

موجودہ جنگ، انسانی آزادی، قومی جمہوریت اور عالمگیر تہذیب و تمدن کی حفاظت و بقا کے لئے شروع کی گئی ہے لیکن کیا ہٹلر کے نازی جرمنی اور مسولینی کے فسطائی اطالیہ سے، خدا کی ان نعمتوں کی حفاظت مقصود ہے؟ نہیں!

آج جرمنی، اطالیہ اور برطانیہ کے درمیان جو ہلاکت خیز تصادم برپا ہے وہ ان اقوام و ممالک کا باہمی تصادم نہیں بلکہ جمہوریت، فسطائیت اور اشتراکیت کے بنیادی اصول ایک دوسرے کو فنا کر دینے کے لئے متصادم ہیں اور جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد دنیا میں نئے نظامِ حکومت و ریاست کے جو تذکرے کئے جا رہے ہیں ان کا مقصد بھی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ کامیاب حریفِ جنگ، جنگ ہی میں نہیں بلکہ جنگ کے خاتمہ پر دنیا کو اپنے بنیادی سیاسی نظریوں کو اختیار کرانے پر مجبور کر دینے میں بھی کامیاب ہوگا۔

یہ تحریر ۱۹۴۰ء میں ... شروع ہونے والی جنگ بظاہر اسی تاریخ کو شروع ہوئی تھی لیکن واقعہ یہ نہیں، یہ جنگ تو جنگِ عظیم ہی کا فیصلہ کن معارضہ ہے۔ گزشتہ جنگ میں شکست خوردہ، محکوم اور مظلوم اقوام اور طبقات انسانی کی جو قومیں بیدار ہوئی تھیں اور معاہدہ عظیم کے فاتحین نے اپنے غیر مدبرانہ اعمال و حرکات سے انہیں جس طرح نشو و نما کا موقعہ دیا موجودہ تصادم ان کا قدرتی نتیجہ تھا جو ظاہر ہو کر رہا۔

جمہوریت، فسطائیت، نازیت اور اشتراکیت کے موازنہ کے بعد یہ حقیقت محتاجِ تشریح نہیں رہتی کہ اگر جمہوریت، شہنشاہیت اور سرمایہ داری کی ایک ترقی یافتہ شکل بن کر رہ گئی ہے تو فسطائیت اور نازیت شخصی اور عسکری حکومت کا دوسرا نام ہے اور صرف اشتراکیت ہی ایک ایسی تحریک ہے جسے عوامی تحریک کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف اسمًا بلکہ عملاً بھی وہ اپنی اس خصوصیت کو ثابت کر چکی ہے ظاہر ہے کہ شہنشاہیت، سرمایہ داری، شخصیت اور عسکریت کے پرستار کسی عوامی تحریک کی کامیابی کو استحسان و اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے اور اسی لئے وہ ہمیشہ اس کے استیصال کے درپے رہے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے جنگِ عظیم کے بعد غیر روسی یورپ کو اشتراکیت کے مقبولِ عوام اثرات سے پاک رکھنے کیلئے روس اور جرمنی کے بعض علاقوں کو ملا کر بحر بالٹک کی ریاستیں قائم کی تھیں تاکہ یہ روس اور باقی یورپ کے درمیان ایک حد فاصل کا فرض انجام دیتی رہیں اور اسی نظریہ کے ماتحت گزشتہ بیس سال سے سرمایہ دار دنیا کے گوشہ گوشہ سے اشتراکیت کی مخالفت کی جاتی رہی ہے۔

اشتراکیت کی یہ مخالفت اگرچہ اس کی ترقی اور مقبولیت کو تو محدود نہیں کر سکی لیکن شہنشاہیت اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں فسطائیت اور نازیت کا ایک طوفان خیز فتنہ ضرور برپا ہو گیا۔ اور آج یہی فتنہ براعظم یورپ سے گزر کر نہ صرف انگلستان بلکہ ہر چہار اطرافِ عالم کے لئے ہولناک خطرات کا موجب بنا ہوا ہے۔

دنیا کی جمہوریت پسند طاقتیں اگر اشتراکیت کے مقابلہ کیلئے فسطائیت اور نازیت کی پرورش، بقا اور تحفظ کا سبب نہ بنتیں تو دنیا کو آج اس جنگ سے دوچار ہونے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اشتراکیت کو فنا کر دینے کے جذبات سے سرشار جمہوریت پسندانِ مغرب اگر حبشہ، ہسپانیہ اور چیکوسلاواکیہ پر مسولینی، فرانکو اور ہٹلر کے غاصبانہ تسلط کے مواقع پر خاموش رہ کر ان کی ہمت افزائی نہ کرتے تو انہیں مزید پیشقدمیوں کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

بہرحال، جمہوریت اور فسطائیت و نازیت ایک دوسرے کے ساتھ ... جنگ میں مصروف ہیں، لیکن اشتراکیت سکون و خاموشی کے ساتھ اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کر رہی ہے اور مسٹر ... ایلن کیش کے خیال کے مطابق "جنگ کا ہر گزر جانے والا ہفتہ، شمالی اور مشرقی یورپ، جنوبی ایشیا اور مشرقِ بعید میں روسی اثر کے اضافہ کا باعث بنتا جا رہا ہے ...

موجودہ جنگ کی ممتاز شخصیتیں

(از جناب عرشی صاحب)

ہر ہٹلر

ہر اڈالف ہٹلر آسٹریا کے ایک مقام برانو میں ۲۰ اپریل ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا۔ ہر ہٹلر کا باپ چنگی کے محکمہ میں ملازم تھا۔ عہد طفولیت کے ختم ہو جانے کے بعد آسٹریا ہی کے ایک مقام لینز میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اس وقت لینز جرمنی کے ساتھ اتحاد و وابستگی کی تمام تحریکات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ہر ہٹلر نہ صرف ان تحریکات سے متاثر ہی ہوا بلکہ اس زمانہ کے یہ تاثرات اس کی زندگی کے اجزا بن کر رہ گئے۔

ابتدائی تعلیم سے فراغت پا کر ہر ہٹلر مصوری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ویانا پہونچا لیکن داخلہ کے امتحان میں ناکام ہو کر خشت ساز مزدوروں کے ساتھ کام کرنے لگا کچھ عرصہ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کے بعد اس نے کارڈوں پر نقش و نگار بنا کر انہیں فروخت کرنا شروع کر دیا یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ہٹلر اس کا اصلی خاندانی نام نہیں بلکہ اس کے باپ نے یہ نام ۱۸۴۲ء میں اختیار کیا تھا۔

ہر ہٹلر ابتدا ہی سے سیاسیات پر گفتگو کرنے کا عادی ہے۔ چنانچہ ویانا میں وہ ہمیشہ جرمنی کے ساتھ اتحاد و وابستگی کی حمایت اور اشتراکیت کی مخالفت کیا کرتا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں وہ میونک چلا گیا اور وہاں مصوری کے ذریعہ سے اپنی زندگی گذارتا رہا۔ اگست ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم کا اعلان ہوا تو وہ ان عناصر سے گہری نفرت کے باعث جو جرمنی کے ساتھ آسٹریا کے اتحاد کے مخالف تھے، آسٹروی فوج میں شامل ہونے کی بجائے بحیثیت رضا کار جرمن فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اور چند روز تک ایک اردلی کی حیثیت سے کام کرتے رہنے کے بعد لیس کارپورل بنا دیا گیا۔

جنگ کے دوران میں ہٹلر گیس کی بدولت نابینا ہو گیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب یہ اثر زائل ہو گیا تو اس کی بینائی پھر عود کر آئی جنگ کے بعد ہٹلر میونک چلا آیا اور جرمن فوج میں سیاسی جلسوں کی نگراں کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ اس حیثیت میں اسے چند افراد پر مشتمل ایک ایسی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا موقع ملا جو خود کو جرمن مزدور جماعت کے نام سے موسوم کرتی تھی اور جس کے اراکین میونک کی ایک سرائے کے ایک دور افتادہ کمرہ میں اپنے جلسے منعقد کیا کرتے تھے۔

اس جماعت کے بانی اور قائد کا نام ریسلر تھا۔ ہٹلر رکن ہفتم کی حیثیت سے اس میں شامل ہو گیا اور اس جماعت کی توسیع کے لئے سعی و جہد کرنے لگا۔ حتیٰ کہ یہ جماعت روز افزوں وسعت اختیار کرتی گئی یہ ہٹلر اس کا رہنما قرار پایا۔ ریسلر کو علیحدہ کر دیا گیا اور جماعت کا نام بدل کر اسے "قومی اشتراکی جرمن مزدور جماعت" سے موسوم کیا جانے لگا۔

۱۹۲۳ء میں اس جماعت کو ایک سخت امتحان سے گذرنا پڑا جب میں مقیم جرمن فوج کے بعض ذمہ دار افسر جو ہٹلر کی امداد کیا کرتے تھے اس کے مخالف ہو گئے اور اسے پانچ سال قید کی سزا دی گئی لیکن قوم پرور حکام کی جد و جہد سے اسے آٹھ ہی ماہ کے بعد اس قید سے نجات حاصل ہو گئی۔ ہٹلر کا یہ زمانہ اس نے یوریا کے ایک چھوٹے سے قلعہ واقع لینڈز برگ میں بسر کیا اور اپنی مشہور کتاب "میری جد و جہد" کا پہلا حصہ جو اس کے سیاسی [illegible] پر مشتمل ہے۔ اسی زمانہ میں مرتب کیا۔ رہائی پانے کے بعد اس نے اپنی جماعت کو دوبارہ منظم کیا اور ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیانی وقفہ میں مذکورہ بالا [illegible] کی تکمیل کر لی۔

ہر ہٹلر کی یہ کتاب دراصل اس کے لائحہ عمل اور حکمت عملی کا آئینہ ہے۔ جو اس نظریہ کے ماتحت مرتب کیا گیا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی مسائل "نسل اور خون" کی برتری پر منحصر ہے اور دنیا میں محض آریہ نسل اور خون ہی اس برتری کا حامل، چنانچہ ہٹلر اور اس کے ساتھ نازیت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن کی جو ترقیاں آج نظر آ رہی ہیں وہ سب آریہ نسل ہی کی جسمانی اور دماغی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ اور اسی لئے مستقبل میں اس نسل کے افراد کو کرۂ ارض کی وسعتوں پر مسلط و متصرف ہونا چاہئے۔

ہر ہٹلر نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ دنیا میں ان ممتاز ترین خون کے حاملین نے ایک معصیت کا ارتکاب کر کے خود کو مادی اور روحانی طور پر شدید نقصان پہونچایا ہے اور وہ معصیت افزائش نسل کے لئے ان کے وہ تعلقات ہیں جو انہوں نے دوسری نسلوں کے ساتھ قائم کئے۔ ہر ہٹلر یہودیوں کو آریہ نسل کا بدترین دشمن تصور کرتے ہوئے انہیں تباہ کن قوت قرار دیتا اور ان سے نفرت کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہودی آریہ نسل کی خصوصیات اور برتری زائل کر کے اسے زیر کر لینے کے لئے دنیا بھر میں خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں فرانس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ یہودی سرمایہ داروں کے زیر اثر آریہ نسل کے خلاف دنیا بھر میں مستحکم ترین حصار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں کے برسر اقتدار یہودیوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ جنوبی افریقہ سے [illegible] یورپ تک ایک وسیع یہودی سلطنت قائم کر کے ماں یورپ کی نسلی برتری کو ہمیشہ کے لئے

نافل کردیں۔ جرمنی چونکہ آریہ نسل کا مرکز ہے اس لئے یہودیوں نے اس کی تخریب کو اپنا خصوصی شیوہ بنالیا ہے۔

جرمنی کی نسلی خصوصیات کو برباد کرنے کے لئے یہودیوں نے ہی جنگ عظیم برپا کرائی تھی۔ انہوں نے ہی فرانس کو اس امر پر آمادہ کیا تھا کہ وہ صلح کے نتیجہ میں جرمنی کو انتہائی حد تک ذلیل کرے اور یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے اشتراکیت کا لباس پہن کر جرمنی کو تباہ کرنے کے لئے جد و جہد کی تھی۔ ہٹلر کا خیال ہے کہ اشتراکیت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس طرح یہودی دنیا پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور دنیا بھر کے اشتراکی، اشتمالی، جمہوریت پسند اور شہری مین یہودیت کی برتری اور سربلندی کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور جرمنی ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے لئے مخصوص ہے۔

ہر ہٹلر کا خیال ہے کہ قدرت نے اُسے خصوصاً جرمنی اور عموماً تمام آریہ نسل کو یہودیت تباہ کن خطرہ سے بچانے کے لئے پیدا کیا ہے۔

لائحہ عمل کے اعتبار سے ہر ہٹلر دوسری تمام سیاسی جماعتوں کو فنا کر کے یہودیوں کے مقابلہ اور نسلی برتری کے تحفظ کے لئے نیشنل سوشلسٹ پارٹی کے ماتحت ایک مستحکم و مضبوط مرکزی حکومت کے قیام کا خواہشمند ہے۔ ابتدا ہی سے وہ ورسلائے کے صلحنامہ کا شدید مخالف رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا جماعت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اس معاہدہ کو پرزہ پرزہ کر کے جرمنی کی دست از رفتہ قوت کو از سر نو حاصل کرے اور تمام جرمن زبان بولنے والی قوموں کو جرمن ریش کے ساتھ منسلک و متحد کر دے۔

حصول مقصد کیلئے جدوجہد کا آغاز

"قومی اشتراکی جرمن مزدور جماعت" نے حصول مقصد کے لئے جد و جہد کا آغاز ۱۹۲۰ء میں کیا اور سب سے پہلے اس نے جرمن پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے بھیجنے کی کوشش شروع کی چنانچہ انتخابات عمومی کے موقع پر اسے ۸ لاکھ آراء حاصل ہوئیں اور وہ بارہ نمائندے منتخب کرانے میں کامیاب ہوگئی لیکن ۱۹۳۰ء میں جب کہ دنیا کو عالمگیر اقتصادی تعطل سے گزرنا پڑ رہا تھا اسے جرمن صنعتی سرمایہ داروں کی امداد کہ جن سے اس نے اشتراکیت کے انقلاب آفریں اثرات سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا تھا اسے حسب دلخواہ کامیابی نصیب ہوئی اس جماعت کو ۶۴ لاکھ آراء حاصل ہوئیں اس کے ۱۰۶ نمائندے جرمن پارلیمنٹ میں پہونچ گئے ہیں اور اسی طرح ہٹلر غیر متوقع اقتدار کا مالک بن گیا۔ اور اس نے صلحنامہ ورسلائے، جمہوری نظام حکومت یہودیوں اور اشتراکیت کے خلاف بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دیا حتیٰ کہ متعدد سیاسی تدابیر اور سازشوں کی بدولت کچھ عرصہ کے بعد ۱۹۳۳ء میں ہر ہٹلر ایک مشترکہ حکومت کے صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو گیا۔

منصب صدارت پر فائز ہونے کے بعد ہر ہٹلر نے جرمن اشتراکیت پسندوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہیں گرفتار کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں یہ فسانہ مشہور ہے کہ ہر ہٹلر نے نازیوں کے ذریعہ جرمن ایوان پارلیمان کو نذر آتش کرا دیا اور اس آتشزدگی کو جرمن اشتراکیت پسندوں کی جانب منسوب کر کے ان کی گرفتاری کے لئے وجہ جواز پیدا کر لی۔

جرمنی کی نشاۃ ثانیہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ہر ہٹلر اور اس کی جماعت کا بنیادی مقصد ورسلائے کے صلحنامہ اور اس کی رو سے جرمنی پر عائد کردہ پابندیوں سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہر ہٹلر نے جرمن قوم کو از سر نو مسلح کرنا شروع کیا اور ۱۹۳۵ء میں جرمنی کے طول و عرض میں بسنے والے عسکری ملازمت کے اہل تمام افراد کے لئے فوجی تربیت لازم قرار دیدی گئی قانون کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی اور جرمن قوم نے بظاہر اسے بطیب خاطر قبول کر لیا۔

یہودیوں کے خلاف قوانین

جرمنی میں نازی حکومت کے قیام کے روز اول ہی سے یہودیوں کی مخالفت شروع ہو گئی تھی ان کا مقاطعہ کر دیا جاتا تھا انہیں معمولی سی فرو گذاشت کی بنا پر گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ انہیں کاروبار سے دست کش ہو جانے پر مجبور کیا جاتا تھا اور اس طرح انہیں ایسی مشکلات میں محصور کر دیا جاتا تھا جن سے متاثر ہو کر وہ جرمنی سے نکل جائیں لیکن یہ سب کچھ کسی قانونی بنا پر نہیں بلکہ قوت و اقتدار کے بھروسہ پر ہوتا تھا مگر ستمبر ۱۹۳۵ء میں یہودیوں کی اس مخالفت کو آئینی شکل دیدی گئی اور اس کے بعد جرمنی میں یہودیوں کے خلاف جو کچھ ظہور پذیر ہوا اس کی تشریح بیکار ہے۔ دوسری طرف اس نے جرمن قوم کو ہموار کرنے کے لئے یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر ہر ہٹلر اپنی جد و جہد کی قوت سے اشتراکی اثرات کو مسدود کر دیتا تو جرمنی میں ایک خونی اشتراکی انقلاب برپا ہو جانا ناگزیر تھا۔

ہر ہٹلر کی یہ تدبیر کامیاب ثابت ہوئی اور آئندہ انتخابات عمومی میں نازی جماعت کو ایک کروڑ ۷۲ لاکھ ستر ہزار یعنی رائے دہندگان کی مجموعی تعداد میں سے ۴۴ فی صدی آراء حاصل ہوئیں اس مرتبہ اس نے متعدد مخالف اقلیتوں کو یا تو کسی نہ کسی طرح اپنا ہمخیال بنالیا یا انہیں ملک سے نکال کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے راستہ بنا لیا اور جرمنی میں آمریت کا قیام عمل میں آگیا اور کامیابی کی اس منزل پر پہونچنے کے بعد نازیوں نے اپنے مخالف جرمن رہنماؤں کو قتل کر کے اپنے مستقبل کو ایک حد تک محفوظ بنا لیا۔

۲۵ جولائی ۱۹۳۴ء میں ہر ہٹلر کے اشارہ پر آسٹریا اور جرمنی کے مابین اتحاد کے آسٹروی حامیوں نے آسٹریا میں حکومت کے خلاف [illegible] کر دیا اور آسٹریا کی حکومت کا [illegible] ڈلفس قتل کر دیا گیا لیکن [illegible] کامیاب نہیں ہو سکی آسٹریا کی بغاوت کے دوران میں اطالیہ [illegible]

[illegible] ہونے کے اطالوی افواج کو تیار [illegible] ہو گیا تھا۔

گذشتہ سال ہنڈنبرگ کے آغاز میں صدر ہنڈنبرگ کے انتقال کے بعد ہر ہٹلر بالکل آزاد ہو گیا۔ ہر معاملہ میں جرمن قوم سے استصواب کرنا اس کی عادت رہی ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر وہ اپنے مخالفین کو ہر ممکن طریقہ پر اظہار خیال سے مانع رہا ہے اور اسی لئے وہ بجا طور پر اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسے کبھی ۹۹ فی صدی سے کم آرا حاصل نہیں ہوئیں۔

بنیٹو موسولینی

فسطائیت کا بانی اور اطالیہ کا امر مطلق موسولینی ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء صوبہ فورلی کے مقام پریڈپیو میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ لوہار تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد اس نے سیاسی اعتبار سے اشتراکیت کو پسند کیا اور ۱۹۰۲ء میں اسے سوئٹزرلینڈ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ جلاوطنی کے بعد اطالیہ میں واپس آ کر اس نے اطالوی سوشلسٹ پارٹی کے انتہا پسند بازو کی نمائندگی شروع کی اور ۱۹۱۲ء میں اسے پارٹی کے ترجمان "اوانتی" کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ لیکن آغاز جنگ عظیم کے موقع پر ۱۹۱۴ء میں یہ پیسفسٹ بن گیا اور اطالیہ کی شرکت جنگ کی حمایت کرنے لگا۔ اسکے اس طرز عمل کی وجہ سے سوشلسٹ پارٹی نے اسے اپنی رکنیت سے خارج کر دیا۔

سوشلسٹ پارٹی سے اخراج کے بعد اس نے "پاپولو ڈی اٹالیہ" کے نام کا اپنا ذاتی اخبار جاری کیا اور نومبر ۱۹۱۴ء میں اس گروہ کا قائد بن گیا جو اطالیہ کی شرکت جنگ عظیم کا حامی تھا۔ اطالیہ کی شرکت جنگ کے بعد وہ فوج میں شامل ہو گیا اور آہستہ آہستہ کارپورل کے درجہ تک ترقی کر لی لیکن فروری ۱۹۱۷ء میں وہ شدید زخمی ہوا مگر صحتیاب ہونے کے بعد پھر اخبار نویسی شروع کر دی۔

جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد جب اطالیہ کو متوقع فوائد حاصل نہ ہو سکے اور اطالیہ میں عام مایوسی کا احساس پیدا ہونے کی وجہ سے انتہا پسندوں کے بائیں بازو کا اقتدار اور اثر قائم ہونے لگا تو موسولینی نے ۲۳ مارچ ۱۹۱۹ء میلان کے مقام پر بعض چالیس افراد پر مشتمل پہلی فسطائی مجلس قائم کی اس جماعت کا نصب العین قومی جذبات کی بیداری اور اشتراکیت کی مخالفت تھا۔ ۱۹۱۹ء میں اس جماعت کو صرف چار ہزار آرا حاصل ہوئیں۔ لیکن اس کے بعد یہ تحریک روزافزوں ترقی کرتی گئی اور ۱۹۲۱ء میں موسولینی نے اعتدال پسندوں کے ساتھ کچھ جگہ کے انتخابات میں [illegible] نشستوں پر قبضہ کر لیا لیکن وہ حکومت میں شمولیت سے محترز رہا۔

۱۹۲۲ء میں جب اطالیہ کے سیاسی حالات ابتر ہو رہے تھے انتہا پسند سوشلسٹ گروہ نے صنعتی کارخانوں پر قبضہ کر کے حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی زمانہ میں نیپلز کے مقام پر فسطائی پارٹی کی کانگریس منعقد ہوئی اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو موسولینی کی قیادت میں چالیس ہزار فسطائی روما کے دارالحکومت میں داخل ہو کر عنان حکومت سپرد کر دینے کا مطالبہ کیا۔ اطالیہ کی کمزور حکومت مرعوب ہو گئی اور بادشاہ نے موسولینی کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کر دیا۔

موسولینی نے اپنی وزارت میں معدودے چند اعتدال پسند وزرا کے علاوہ کچھ عرصہ تک تمام عہدوں کو شامل کر لیا اس موقع پر سوشلسٹ اراکین نے مقابلہ کی کوشش کی لیکن انہیں فسطائیوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی ۱۹۲۳ء میں موسولینی نے ایک اعلان کی رو سے پارلیمنٹ کی دو تہائی نشستوں کو اپنی جماعت کے افراد کے لئے مخصوص کر دیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اپریل ۱۹۲۴ء کے انتخابات میں فسطائی اکثریت کامیاب ہوئی۔

۱۰ جون ۱۹۲۴ء کو اطالیہ کے سوشلسٹ رہنما میٹیوٹی کو انتہا پسند فسطائیوں نے قتل کر دیا اس واقعہ سے حکومت میں ایک تعطل پیدا ہو گیا اور پارلیمنٹ میں حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والی تمام جماعتوں نے حکومت کا مقاطعہ کر دیا۔ یہ تعطل موسولینی کے لئے آیۂ رحمت ثابت ہوا اور ۱۹۲۵ء میں اس نے اپنی جماعت کے ایک اجتماع میں اپنے لئے آمرانہ اختیارات حاصل کر لئے۔ ۱۹۲۶ء میں اس نے پارلیمنٹ میں جاری شدہ تمام مراعات مسترد کر دیں۔ مخالف گروہوں کو کچلنا شروع کیا اور ان کے بیشتر رہنماؤں کو گرفتار کر لیا اس جانکاہ دور میں اطالیہ کے بہت سے مخالف فسطائیت رہنما دوسرے ممالک میں چلے گئے۔ اس کے بعد موسولینی نے داخلی اصلاح کی طرف توجہ کی اور حبشہ کی تسخیر سے قبل کا تمام زمانہ اطالوی قوم کی تعمیر میں صرف ہوا۔

ونسٹن لیونارڈ اسپنسر چرچل

برطانیہ کے موجودہ وزیر اعظم اور موجودہ جنگ میں برطانوی قوم کے معتمد الیہ مسٹر چرچل، ۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء پیدا ہوئے ان کے والد لارڈ رینڈولف انگریز تھے اور والدہ امریکن۔ انہوں نے ہیرو اور سینڈہرسٹ میں تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۵ء میں فوج میں شامل ہو کر ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۸ء میں دونوں آزاد قبائلی لڑائیوں یعنی مالاکنڈ اور تیراہ میں شریک رہے۔ اس کے بعد اخبار مارننگ پوسٹ کے جنگی نامہ نگار کی حیثیت سے جنوبی افریقہ کی جنگ میں شریک ہوئے جہاں بوئرز نے انہیں گرفتار کر لیا لیکن یہ کسی نہ کسی طرح قید خانہ سے بھاگ آئے۔

۱۹۰۰ء میں یہ ایک قدامت پسند کی حیثیت سے برطانوی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد لبرل پارٹی میں شامل ہو گئے ۱۹۰۵ء انہیں نوآبادیات کا انڈر سیکرٹری مقرر کیا گیا اور انہوں نے افریقہ میں وفاقی حکومت کی توسیع کے لئے جد و جہد شروع کر دی۔ ۱۹۰۸ء میں انہیں بورڈ آف ٹریڈ کا صدر بنایا گیا جہاں انہوں نے بعض اہم قوانین کی تاسیس کے باعث غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔

۱۹۱۲ء میں رکن امور داخلہ کی حیثیت سے مسٹر چرچل نے آئرلینڈ کے "ہوم رول بل" کی پرزور حمایت کی جس کے بعد انہیں محکمہ بحر کا پہلا لارڈ بنا دیا گیا اور ان کے زمانہ میں اس محکمہ میں بہت سی اصلاحات عمل میں آئیں اسی زمانہ میں جنگ عظیم برپا ہو گئی اور بحری افواج کے سلسلہ میں ان کی بہت سی تجاویز

کی سست [illegible] ... میں بیٹھ کر ختم کیا جاتا اگرچہ اس بغاوت کا سرغنہ جنرل سینجو کو بنایا گیا تھا لیکن ایک ہوائی حادثہ کے پیش آجانے کی وجہ سے جب اس کا انتقال ہو گیا تو عنان بغاوت جنرل فرانکو نے سنبھال لی اور یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس نے حکومت کا واحد رکن اعلیٰ اور فوج کا سپہ سالار اعظم ہونے کا اعلان کر دیا۔

ہسپانوی خانہ جنگی میں اسے اطالیہ اور جرمنی اور اس کی حریف ہسپانوی حکومت کو روس کی جانب سے جو امداد ملی تھی اس کی وجہ سے اس مہم میں کامیاب ہو جانے کے بعد اس نے "مخالف اشتراکیت میثاق" پر دستخط کر دئے لیکن اطالیہ اور جرمنی کے ساتھ ان کی ذاتی حیثیت میں کوئی معاہدہ نہ ہو سکا اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ جنرل فرانکو سے قطع نظر کرتے ہوئے ہسپانوی حکومت کے تمام ارکین اس وقت ان ممالک کے ساتھ تکمیل معاہدات کے حامی نہیں تھے۔

۲۳ اگست کو جب جرمنی اور روس کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہو جانے کا اعلان ہوا تو فرانکو کو شدید افسوس ہوا بالخصوص اس لئے کہ اس کے نظریہ کے مطابق اگر روس جمہوریہ ہسپانیہ کی امداد نہ کرتا تو یہ خانہ جنگی اتنی طویل مدت تک جاری نہ رہتی۔ لیکن اس کے باوجود اطالیہ اور جرمنی کے ساتھ وابستہ ہے اور اگرچہ موجودہ جنگ میں فرانکو نے اپنے ملک ہسپانیہ کو شریک جنگ نہیں بنایا لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی تمام ہمدردیاں جرمنی اور اطالیہ کے ساتھ ہیں۔

روزولٹ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر فرینکلن ولانو روزولٹ نیویارک کے مشہور مقام ہائیڈ پارک میں ۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے یہ ایک ایسے خاندان کے فرد ہیں جو ہالینڈ سے ۱۶۴۹ء میں امریکہ آیا تھا مسٹر روزولٹ کے خاندان کے ایک فرد مسٹر تھیوڈور روزولٹ ان سے قبل بھی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی صدارت کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔

۱۹۰۷ء میں عام مروجہ اور قانونی تعلیمات کی اعلیٰ اسناد حاصل کر لینے کے بعد مسٹر روزولٹ ڈیموکریٹک پارٹی کے رکن بن گئے اور ۱۹۱۰ء میں انہیں نیویارک کے حلقہ انتخاب کی جانب سے سینٹ (امریکائی پارلیمنٹ) کا ممبر منتخب کیا گیا۔

۱۹۱۲ء میں جب امریکہ کے مشہور صدر مسٹر ووڈرو ولسن صدارت کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تو مسٹر روزولٹ نے ان کی پرزور حمایت کی اور انتخاب میں کامیاب ہو جانے کے بعد مسٹر روزولٹ کو بحری افواج کے محکمہ کا اسسٹنٹ سکریٹری بنا دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں انہیں سرکاری طور پر [illegible] کا معائنہ کرنے کے لئے یورپ بھیجا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں انہیں کی نگرانی میں امریکائی افواج منتشر کی گئیں۔

۱۹۲۰ء میں مسٹر روزولٹ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عہدہ نائب صدارت کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ لیکن ناکام ہو جانے کے بعد انہوں نے وکالت شروع کر دی اور ۱۹۲۸ء تک وکالت کے ساتھ ساتھ نیویارک کی ایک تجارتی کمپنی کی نائب صدارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

اگست ۱۹۲۱ء میں ان پر فالج کے مرض کا شدید حملہ ہوا اور ان کی دونوں ٹانگیں بیکار ہو گئیں لیکن اس کے باوجود ان کی قوت ارادی ایسی مضبوط اور جذبہ عمل اسی طرح قائم رہا ۱۹۲۸ء میں انہیں نیویارک کا گورنر منتخب کیا گیا اور ۱۹۳۰ء کے انتخاب میں وہ بدستور اس عہدہ پر فائز رہے۔

۱۹۳۲ء میں وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر منتخب ہوئے اور مارچ ۱۹۳۳ء میں اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھال لینے کے بعد انہوں نے بہت سے معاشی اور اقتصادی اصلاحات جاری کیں ۱۹۳۶ء میں انہیں دوبارہ یہ عزت نصیب ہوئی اور ان کی موجودہ میعاد صدارت ۲۰ جنوری ۱۹۴۱ء کو ختم ہو جائے گی۔ اور خیال کیا جا رہا ہے کہ اس مرتبہ بھی انہیں کو صدر منتخب کیا جائے گا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اب تک کوئی صدر بھی تیسرے مرتبہ صدارت کا امیدوار نہیں بنا لیکن اگر مسٹر روزولٹ اس مرتبہ بھی کامیاب ہو گئے تو جمہوریہ امریکہ کی تاریخ میں یہ ایک نیا اور امتیازی واقعہ ہوگا۔

مسٹر روزولٹ طبعاً جمہوریت پسند اور آمریت دشمن واقع ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے ان خیالات کو کسی موقعہ پر بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ جنگ عظیم کے ختم ہو جانے کے بعد جب دنیا عسکری مصروفیات سے بیزار ہو چکی تھی مسٹر روزولٹ ہی وہ شخص تھے جنکی نگرانی میں امریکہ کی فوج کو منتشر کیا گیا تھا لیکن وہی مسٹر روزولٹ ہیں جو نئی دنیا کو جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ مسلح کرتے جا رہے ہیں

مسٹر روزولٹ اپنے طبعی رجحانات کے ماتحت اگرچہ اس جنگ میں اتحادیوں کی امداد کرنے کے خواہشمند رہے ہیں۔ لیکن بعض داخلی اور خارجی پیچیدگیوں سے مجبور ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کرنے سے معذور رہے ہیں۔ مگر مختلف صورتوں اور طریقوں سے آج بھی امریکہ برطانیہ کا معین و مددگار بنا ہوا ہے۔

آپ کی غلطی۔ جس وقت آپکو رسالہ کا پتہ تبدیل کرانا ہو تو اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔ جو حضرات ایسا نہیں کرتے ان کے پتہ کی تبدیلی ناممکن ہو جاتی ہے اور نام کے اندراج میں دقت واقع ہوتی ہے۔ مینیجر رسالہ محشر خیال دہلی

پروپیگنڈا اور جنگ

(ماخوذ)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پروپیگنڈا عصرِ حاضر کی ایجاد ہے لیکن مصر کے آثارِ عتیقہ بتاتے ہیں کہ آج سے تین ہزار سال پہلے کے لوگ بھی اس فن کے کمال سے بخوبی واقف تھے۔

پروپیگنڈا ایک لاطینی لفظ ہے جس کا استعمال پہلے پہل مسیحی سن کے داخل میں شروع ہوا۔ اس وقت اس لفظ کے سیدھے سادے معنی نشر و اشاعت کے لئے جاتے تھے لیکن عصرِ حاضر میں اس لفظ کے معنی ایسی جھوٹی خبروں کی اشاعت تک محدود ہو گئے ہیں جو کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر مشہور کی جائیں۔

پروپیگنڈا کا فن جنگ کے زمانہ میں بہت فروغ پاتا ہے۔ کیونکہ متحارب فریقین ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے کے ہر طرح کی خبریں مشہور کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ہر فریق اپنے معاونین اور ہوا خواہوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں کامیاب ہو رہا ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کی جنگ میں اس فن کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں آج کل برلن، لندن، روم، ماسکو اور ٹوکیو سے جنگ کی خبریں نہایت اہتمام اور التزام کے ساتھ سنائی جاتی ہیں۔ اور فریقین اور ان کے حامی جنگ کی خبروں کو اپنے اپنے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

آج سے تین ہزار سال پہلے فراعنۂ مصر پر بھی پروپیگنڈا کی اہمیت بخوبی واضح تھی چنانچہ مصر کے آثارِ عتیقہ کی دریافت کے دوران میں مصر کے ایک مقام پر ایک طویل و عریض دیوار برآمد ہوئی ہے جس پر کاوش کی لڑائی میں اس وقت کے فرعون کی شاندار فتح کی تصاویر منقوش ہیں اس دیوار کا طول ایک چوتھائی میل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد کے فرعون نے اپنی فتح کا اشتہار دینے کے لئے کتنے بڑے بڑے پوسٹر استعمال کئے تھے۔

علمی تحقیقات اور شام کے بعض حصوں کی کھدائی سے کاوش کی جنگ کے متعلق جو حالات دریافت ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصریوں نے شام پر حملہ کیا اس جنگ میں خود فرعون مصر بھی شامل ہوا۔ لیکن ایک موقعہ پر شامیوں نے اسے محصور کر لیا مگر وہ بڑی مشکل سے وہاں سے بچ نکلا اس جنگ میں مصریوں کو شکست ہوئی لیکن فرعون نے اپنی مملکت میں اپنی شاندار فتح کے پوسٹر دیواروں پر منقش کر دئے جن پر ایسے مناظر دکھائے گئے تھے جو شامیوں کی شکست پر روشنی ڈالتے تھے۔

گویا آج سے تین چار ہزار سال پہلے کے حکمراں بھی پروپیگنڈا کی اس خوبی اور قوت سے آگاہ تھے کہ اگر جنگ میں فتح نصیب نہ ہوئی تو بھی اہلِ ملک پر یہی ظاہر کرنا چاہیے کہ ہم کامیاب رہے۔

اخراجاتِ جنگ

موجودہ زمانہ میں مشینی فوجوں کے لئے جو سامان تیار کیا جاتا ہے اس کی قیمت کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہے ذیل میں چند آلاتِ جنگ کے اخراجات پیش کئے جاتے ہیں۔

ایک کروزر	۱۸۶۳۰۰	روپے
ہلکا ٹینک	۱۸۶۳۰۰	روپے
طیارہ شکن توپ	۲۰۵۰۰۰	روپے
سرنگیں صاف کرنے والا جہاز	۸۰۰۰۰	روپے

تارپیڈو کشتی ۸۰۰۰۰ روپے ہوائی جہاز ...۰۰۰ روپے ایک بم ۲۲۰ روپے

[illegible] جرمنی۔ مجلس اپنے پیش نظر مقاصد میں بالکل ناکام رہی۔

"مجلس اقوام" ورسائے کے تاریخی اجتماع کے تمام شرکاء کے اتفاق رائے سے ۱۹۲۰ء میں عالم وجود میں آئی۔ اس موقعہ پر ان شرکاء نے جو معاہدہ کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معاہدہ کنندگان اقوام و ممالک میں سے کوئی قوم یا حکومت نہ تو کسی دوسرے ملک پر حملہ آور ہوگی اور نہ اپنے تنازعات کے تصفیہ کے لئے جبر و قوت کا استعمال کرے گی اس کے برعکس تمام متنازعہ فیہ معاملات و مسائل کے سلسلہ میں مجلس اقوام سے رجوع کیا جائے گا اور معاہدہ کا ہر شریک اس کے متفقہ فیصلہ کو رضاکارانہ طور پر تسلیم کرے گا۔ لیکن اگر کسی ایسے معاملہ میں مجلس چھ ماہ کے اندر اپنا متفقہ فیصلہ صادر نہ کر سکے تو فریقین تنازعہ مزید تین ماہ تک منتظر رہنے کے بعد جس طرح بھی چاہیں ایسے مسائل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس مجلس کا صدر مقام جنیوا (سوئٹزرلینڈ) ہے۔

مجلس اقوام کے دستور اساسی میں تخفیف و تحدید اسلحہ ترمیم و تجدید معاہدات اور ان اقوام و ممالک کے خلاف تعزیری اور تنبیہی کارروائیاں کرنے کے لئے بھی دفعات شامل ہیں۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے، دنیا کی کسی مجبور و مظلوم قوم کو ان سے استفادہ کا موقعہ نہیں مل سکا۔

مجلس اقوام دستوری اعتبار سے دو جماعتوں میں تقسیم ہے اول "اسمبلی" دوم "کونسل"۔ اسمبلی کا اجلاس سال بھر میں ایک مرتبہ منعقد ہوتا ہے اور "کونسل" کا تین بار۔ برطانیہ، فرانس اور روس مستقل طور پر کونسل کے اراکین مقرر کئے گئے تھے لیکن گزشتہ سال فنلینڈ کے مسئلہ پر روس کو مجلس کی رکنیت سے محروم کیا جا چکا ہے ان مستقل اراکین کے علاوہ ہر اجلاس کے موقعہ پر بارہ اراکین کو عارضی طور پر کونسل کا رکن منتخب کر لیا جاتا ہے جن کا زمانہ رکنیت دوسرے انتخاب تک محدود ہوتا ہے۔

صلحنامہ کا دوسرا جزء

ورسائے کے صلحنامہ کا وہ جزء جو دراصل [illegible] حقیقی سبب ہے جس پر موجودہ جنگ کو منحصر سمجھنا چاہیے۔ صلحنامہ کے اس حصہ کی متعدد دفعات کے مطابق اسے اپنی یورپی حدود کا بیشتر حصہ اور تمام بیرونی مقبوضات و نوآبادیات فاتحین جنگ عظیم کے سپرد کر دینی پڑی تھیں چنانچہ السا س لورین، یوپن مالمیڈی، پولینڈ، کوریڈور اور بالائی سلیشیا، میمل، شمالی سیلوس، بلجیم کے علاقے علی الترتیب، فرانس، بلجیم، پولینڈ، لتھوانیا اور چیکوسلواکیا کے حوالہ کرنے پڑے۔

مذکورہ بالا تفریق و تقسیم کے علاوہ جرمنی کو ڈنزگ پر سے اپنا اقتدار ختم کرنے، آسٹریا کے ساتھ متحد نہ ہونے، غیر مسلح ہو جانے، تمام فوجی نظام کو ختم کر کے محض ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل بری فوج اور مختصر سا بحری بیڑہ رکھنے، فضائی قوت اور تباہ کن کشتیاں، ٹینک اور بھاری بڑی توپیں تیار نہ کرنے اور تمام اسلحہ ساز کارخانوں کو تباہ کر دینے کی شرائط پر بھی دستخط کرنے پڑے۔ رائن لینڈ کا علاقہ پندرہ سال تک کے لئے اتحادیوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا سار کا علاقہ اس شرط پر بین الاقوامی بنا دیا گیا کہ ۱۹۳۵ء میں استصواب رائے کرنے کے بعد اس کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ جرمنی کے دریا بین الاقوامی قرار دیئے گئے اور اس کی تمام نوآبادیات مجلس اقوام کے فرمان کے مطابق اتحادیوں نے تقسیم کر لیں۔ ان کے علاوہ جرمنی کو جنگ برپا کرنے کے جرم میں تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا گیا لیکن اس وقت یہ رقم معین نہیں کی گئی۔

تاوان جنگ کا مسئلہ

مسٹر لائڈ جارج نے جو اس زمانہ میں برطانیہ کے وزیر اعظم تھے انتخاب میں یہ کہہ کر کامیابی حاصل کی تھی کہ "جرمنی کو تاوان جنگ ادا کرنا پڑے گا اور قیصر کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا" مسٹر لائڈ جارج کا یہ ادعا ورسائے کی مجلس صلح اور اس کے بعد بھی ان کا دامن گیر رہا اور وہ اس صلحنامہ کو غیر معمولی طور پر سخت سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکے۔

جنگ کی تباہ کاریوں نے بلجیم اور فرانس کو برباد کر دیا تھا اور قدرتاً ان ممالک کے نمائندوں کی یہ خواہش بھی تھی کہ جرمنی سے اس نقصان کا معاوضہ حاصل کیا جائے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جنگ کے تمام تر جانی اور مالی نقصانات برداشت کرنے پڑے تھے لیکن بلجیم اور فرانس کا مطالبہ بھی درست تھا۔ ان دونوں ملکوں کو دنیا بھر کا میدان جنگ بنا دیا گیا تھا۔ ان کی بستیاں اجڑ گئی تھیں، وسائل و ذرائع کے تمام ذرائع بیکار ہو گئے تھے اور جنگ سے پہلے ہرے بھرے اور سرسبز دکھائی دینے والے قطعات تباہ ہو چکے تھے۔

اتحادیوں نے دوران جنگ میں نقصانات کا حساب لگا کر تمام نقصانات کا اندازہ چھ ہزار چھ سو ملین پاؤنڈ کر کے (ایک ملین دس لاکھ کے برابر ہوتا ہے) تباہ حال مفلس اور شکست خوردہ جرمنی سے [illegible] اس ناقابل تصور رقم کا مطالبہ کیا۔ مسٹر لائڈ جارج اگرچہ اپنے انتخابی مواعید کے باعث بالکل مجبور تھے لیکن اس کے باوجود وہ تین سال تک جرمنی کو اس ناقابل برداشت گرفت سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ حتی کہ ۱۹۲۲ء میں جنیوا میں کانفرنس کے موقعہ پر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہونے ہی والے تھے کہ مسٹر بونرلا اور مسٹر بالڈون کی متحدہ کوششوں سے انگلستان کی مشترکہ وزارت ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی مسٹر لائڈ جارج کی مساعی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

جنیوا کانفرنس اور اس کے بعد

جمہوریہ فرانس کے صدر ایم پوئنکارے اب بالکل آزاد تھے وہ [illegible] کے تمام نمائندوں پر چھا گئے اور انہوں نے جرمنی کو اس گراں قدر تاوان کی ادائیگی پر مجبور کیا، جرمنی معذور تھا۔ کم از کم اس نے ایسا ہی بیان کیا اور

عالمگیر اقتصادی تعطل

پرانی تباہ شدہ صنعتیں از سر نو منظم کی گئیں۔ یہ تنظیم نفع بخش ثابت ہوئی اور مستقبل درخشاں نظر آنے لگا۔ نئی صنعتوں کی تنظیم شروع ہوئی لیکن ابھی تکمیل سے قبل ہی دنیا ایک اقتصادی تعطل کا شکار ہوگئی۔ اور امریکہ کو ایک ہی سال میں چار ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

یہ اقتصادی تعطل غیر متوقع تو نہیں تھا لیکن جس سرعت کے ساتھ ظاہر ہوا اس کی بھی امید نہیں تھی بہرحال تعمیر و ترقی کی تمام تجاویز درہم برہم ہوگئیں۔ بعض ممالک نے تجارتی پابندیوں کو بہت بڑھا دیا۔ تجارتی مقابلہ کا بازار گرم ہوا اور تمام چیزوں کی قیمتیں کم ہوگئیں حتیٰ کہ امریکہ کے گندم اور برازیل کی کافی کی تجارت بھی اس عالمگیر اقتصادی تعطل کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکی۔

جرمنی بھی اس عالمگیر بدحالی میں مبتلا تھا، ڈاکٹر اسٹریسمین کی جگہ برونِنگ نے لے لی تھی۔ نازیت کے وہ نقوش جو کچھ عرصہ کیلئے دھندلے ہوگئے تھے اب ابھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اور جرمنی میں ہر ہٹلر کا اقتدار ترقی کرتا جا رہا تھا برونِنگ سخت مشکلات میں مبتلا تھا۔ نازی اس کے دشمن ہو رہے تھے اور جرمنی کا اشتراکیت پسند عنصر اس کا شدید مخالف اس پر طرہ یہ کہ ملک میں بیکاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی حتیٰ کہ یہ سات لاکھ تک پہونچ گئی۔

جرمنی کی مالی مشکلات

مئی سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک بنک جس پر آسٹریا کے بیشتر صنعتی اداروں کا دارومدار تھا دیوالیہ ہوگیا۔ اس واقعہ کے بعد جرمنی کے قرضخواہوں پر بہت برا اثر پڑا، بنکوں سے سرمایہ نکالا جانے لگا اور چند ہی روز میں جرمنی کے سرکاری بنک "رائش بنک" کے محفوظ سرمایہ کا ایک چوتھائی حصہ انہیں سرمایہ داروں کو مطمئن کرنے میں صرف ہوگیا۔ ایک طرف عوام کی حالت خراب تھی کاروبار معطل تھا اور دوسری طرف حکومت اسلحہ سازی پر کثیر رقوم صرف کر رہی تھی۔

تجدید اسلحہ کی تحریک

ان حالات میں ایک تجویز کی گئی کہ تمام دنیا کی حکومتوں کی ایک ایسی کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اسلحہ بندی اور اسلحہ سازی کے خلاف متفقہ طور پر کوئی قدم اٹھایا جاسکے۔ چنانچہ یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور ۲ فروری سنہ ۱۹۳۲ء کو مسٹر آرتھر ہنڈرسن نے ایک اثر انگیز تقریر سے اس کانفرنس کا افتتاح کیا۔ ابھی کانفرنس کی کارروائی کا آغاز ہی ہوا تھا کہ جرمنی سے ڈاکٹر برونِنگ کے استعفیٰ اور اس کی جگہ وان پاپن کی کامیابی کی اطلاع موصول ہوئی اور بیرن وان نیرتھ جرمنی کے منصب وزارت خارجہ پر فائز ہو گئے تھے۔ جرمنی کے نئے وزیر خارجہ نے دول عالم سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ اسلحہ بندی اور اسلحہ سازی میں جرمنی کے مساوی حق کو تسلیم کیا جائے۔ روم، پیرس اور لندن میں اس مطالبہ پر شدید نکتہ چینی اور احتجاج کیا گیا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء میں اصولی طور پر جرمنی کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔

تجدید اسلحہ کی تحریک تاخیر کے ساتھ شروع کی گئی تھی اس لئے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

ہر ہٹلر کا دور اقتدار

اب ہر ہٹلر برسر اقتدار آچکا تھا، جرمن قوم نازیت کو قبول کر چکی تھی اور ورسائی کے صلحنامہ کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا جا رہا تھا ہر ہٹلر نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے میثاق لوکارنو سے انحراف کرتے ہوئے رائن لینڈ کے اس علاقہ پر جو تاوان جنگ کے معاوضہ میں، فرانس کے حوالہ کر دیا گیا تھا بجبر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ، مارچ سنہ ۱۹۳۶ء کو پیش آیا۔

رائن لینڈ کو واپس لینے کے بعد اس نے یورپ کی حکومتوں کو اس امر کا یقین دلایا کہ اس علاقہ میں نہ تو قلعہ جات تعمیر کئے جائیں گے اور نہ جرمنی آئندہ کسی اور دست از رفتہ علاقہ کا مطالبہ کرے گا، لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ ہر ہٹلر کا یہ اعلان اپنے معاصر سیاسئین کے اعلانات کے مقابلہ میں کچھ زیادہ وقیع نہیں تھا۔

جرمنی میں بیکاری روز افزوں ترقی کر رہی تھی لیکن ہر ہٹلر نے عام اسلحہ بندی اور اسلحہ سازی کی حکمت عملی اختیار کرکے جرمن قوم کو بیکاری کی مصیبت سے نجات دلا دی۔

جرمنی کے بعض اعتدال و قدامت پسند فوجی منصبدار اسلحہ سازی پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے مخالف تھے ایسے با اثر لوگوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ہر ہٹلر نے فروری سنہ ۱۹۳۸ء میں جرمن افواج کی تنظیم جدید کے نام پر انہیں ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا۔

آسٹریا کا الحاق

۱۲ فروری سنہ ۱۹۳۸ء کو ہر ہٹلر نے آسٹروی حکومت کے چانسلر ڈاکٹر شوشنگ کو اپنی قیامگاہ برخس گیڈن میں طلب کیا اور اسے بجبر ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کر لیا جس کے ذریعہ آسٹریا میں نازیت کی ترقی کی راہیں کشادہ ہوگئیں اور ایک ہی مہینہ کے بعد یعنی ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء کو آسٹریا کو جرمنی کے ساتھ ملحق کر لیا۔ اس مرتبہ بھی ہر ہٹلر نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر کا اعلان کیا کہ وہ براعظم یورپ میں مزید توسیع حدود کا خواہشمند نہیں ہے۔ نیز جنرل گورنگ نے بھی ہر ہٹلر

جنگ عظیم کے بعد مشرق و مغرب کے چند ممالک کے حالات

ہسپانیہ کی خانہ جنگی

ہسپانیہ وہ سرزمین جو سال ہا سال تک اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی کا ایک قابل یادگار گہوارہ بنی رہی یورپ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اور اس کی آبادی دو کروڑ چالیس لاکھ نفوس پر مشتمل۔

ہسپانیہ ۱۹۳۱ء تک شہنشاہی نظام حکومت کے ماتحت رہا مگر ۱۹۲۳ء میں یہ شہنشاہی نظام حکومت جنرل پریموڈی ریویرا کی آمریت کے ماتحت چلا گیا اپریل ۱۹۳۱ء میں عوام نے جنرل مذکور کی آمریت کو ختم کر کے جمہوری حکومت قائم کر لی اور شاہ الفانسو ہسپانیہ سے باہر چلا گیا جمہوریت کے قیام کے بعد ہسپانیہ میں قدامت پرستوں اور انتہا پسندوں کے درمیان حصول قوت کے لئے مسلسل کشمکش جاری رہی حتیٰ کہ ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء کو انتہا پسند ہسپانیہ کے انتخابات عمومی میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں ان انتخابات میں ۲۶۶ نشستیں حاصل ہوئیں اور اعتدال پسندوں کی متعدد جماعتوں کو حیثیت مجموعی ۱۹۶۔ ۱۱ مئی ۱۹۳۶ء کو انتہا پسندوں کے قائد ازانا کو ہسپانیہ کا صدر بنایا گیا اور اس نے ہسپانوی اشتراکیوں اور اشتمالیوں سے بے نیاز ہو کر اپنی وزارت مرتب کر لی۔

حکومت نے اصلاح اراضی اور سماجی اصلاح کے بعض قوانین مرتب اور رائج کئے جن کی وجہ سے ہسپانیہ کا قدامت پسند، قدیم جاگیردارانہ معاشرہ کا حامی اور سرمایہ دار طبقہ حکومت کا شدید مخالف بن گیا اور جنرل فرانکو نے ملک کی عوامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہسپانیہ کے تمام فوجی طاقت بحری افواج کا کچھ حصہ اور ملک کے تمام سرمایہ دار طبقات کے علاوہ اطالیہ اور جرمنی نے نہ صرف ہمت افزائی بلکہ عملی امداد و اعانت بھی جنرل فرانکو کے ساتھ تھی۔

اطالیہ اور جرمنی کے درمیان برلن میں جو معاہدہ اتحاد و اعانت قرار پایا تھا اور جس کی رو سے ان دونوں ممالک کے آمر توسیع حدود و اقتدار پر متفق ایک دوسرے کی پیش قدمیوں میں باہمی تعاون سے کام لے رہے تھے۔ مستقبل میں اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لئے اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ عسکری اعتبار سے ہسپانیہ ایسا اہم ملک ان کے زیر اثر رہے ہسپانوی فاشزم ہی اس مقصد کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ تھی اس لئے ہر ہٹلر اور مسولینی نے جنرل فرانکو کی ہر طرح امداد کی حتیٰ کہ وہ ہسپانیہ کی جمہوری حکومت پر غالب آگیا۔

ہسپانیہ کی یہ خانہ جنگی ایک معمولی سی فوجی بغاوت سے شروع ہوئی تھی لیکن اطالیہ اور جرمنی کی امداد و اعانت سے اس نے ایک باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی اور اگرچہ اس میں عوامی حکومت کے مخالفین کو کامیابی نصیب ہوئی لیکن دنیا اس واقعہ کو کسی زمانہ میں بھی فراموش نہیں کر سکتی کہ ہسپانیہ کے جمہوریت پسندوں نے مغلوب ہو کر دشمن کے لئے جگہ چھوڑنے سے پہلے ایک ایک قدم پر ان کا مقابلہ کیا اور تاریخ کے صفحات پر ایک قابل فخر و تقلید کارنامہ کا نقش ثبت کر گئے۔

ہسپانوی جمہوریت پسندوں اور آمریت خواہوں کے درمیان یہ غیر مساوی مقابلہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک یعنی تین سال جاری رہا اور اگر اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس کے لئے صدہا صفحات درکار ہوں گے۔ لیکن مختصراً اس قدر عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ہسپانیہ پر آمریت کا موجودہ اثر و اقتدار بھی فرانس اور برطانیہ کے عافیت پسندانہ طرز عمل کا قدرتی نتیجہ ہے۔

۱۸ جولائی ۱۹۳۶ء کو جنرل فرانکو نے ہسپانوی مراکش میں علم بغاوت بلند کیا تھا اور یہ سازش اس درجہ مکمل اور منظم تھی کہ دوسرے ہی روز تقریباً ان تمام ہسپانوی افواج نے جو ہسپانیہ کی سرزمین پر موجود تھیں اس میں شمولیت کا اعلان کر کے جنوبی اور شمالی مشرقی ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا۔

عوامی حکومت کے لئے جسے قائم ہوئے ابھی دو ماہ سے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور جو عملی طور پر ملک کی عسکری طاقت سے محروم ہو چکی تھی یہ واقعہ جس قدر تشویشناک اور جرأت آزما ہو سکتا تھا وہ محتاج بیان نہیں لیکن اس نے عزم و ہمت کے رشتہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہسپانوی مزدوروں اور اپنی باقی ماندہ طاقت سے کام لے کر وسطی، شمالی اور مشرقی ہسپانیہ کے علاوہ میڈرڈ، بارسلونا اور بلباؤ کے علاقوں میں بھی اس بغاوت کو فرو کر دیا۔

اس مرحلہ سے گزرنے کے بعد عوامی حکومت نے باضابطہ عوامی فوج مرتب کی۔ اور فرانس کی عوامی جمہوری حکومت سے اسلحہ بہم پہنچانے کی درخواست کی گئی۔ لیکن فرانس نے عدم مداخلت کی حکمت عملی کو بہانہ بنا کر اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ جرمنی اور اطالیہ اسلحہ اور سامان جنگ سے مسلسل باغیوں کی مدد کر رہے تھے جنرل فرانکو اپنے کمزور حریف پر غالب آتا گیا۔ حتیٰ کہ اسے حکومت کے صدر مقام میڈرڈ میں محصور ہو جانا پڑا۔ اور جنرل فرانکو کی فوجوں نے ڈھائی سال تک

[illegible]

دسمبر ۱۹۳۴ء میں پانی کے ایک ذخیرہ کے سلسلہ میں اطالیہ اور حبشہ کے مابین اختلاف کی بناء پر تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی اور اکتوبر ۱۹۳۵ء کے آغاز میں اطالیہ نے حبشہ پر حملہ کر دیا۔

حبشہ مجلس اقوام کا ایک رکن تھا۔ اس نے اس مجلس کو حالات پر توجہ دلا کر امداد کی درخواست کی اور اگرچہ مجلس اقوام نے اطالیہ کو مجرم قرار دے کر اس کے خلاف کارروائی کی سفارش بھی کی لیکن یہ سفارش ناکمل اقتصادی ناکہ بندی ہی تک محدود رہی اور اطالیہ کے خلاف فوجی قوت کو حرکت میں نہیں لایا گیا۔

فرانس نے اطالیہ کے اس اقدام کی حمایت کی اور برطانیہ خاموش رہا اور اس طرح اطالیہ کو اس ملک پر قبضہ کر لینے میں کوئی امر مانع نہ ہو سکا۔ آج دنیا موجودہ جنگ کے مقاصد کے متعلق جن شکوک و شبہات میں مبتلا ہے وہ بے بنیاد نہیں پچھلے پانچ سال میں ان مدعیان تحفظ جمہوریت و حریت نے دنیا کی آزاد و خود مختار قوموں اور ملکوں کو جس طرح غلام بنتے ہوئے نہ صرف دیکھا بلکہ کسی نہ کسی طریقہ پر غاصبین کی امداد و اعانت بھی کی اس کے پیش نظر اس قسم کے شبہات کا پیدا ہونا یقینی امر ہے۔

حبشہ کی جدید آلات و اسلحہ جنگ سے محروم فوجیں چھ ماہ تک نہایت بہادری کے ساتھ اطالیہ کی تربیت یافتہ اور جدید ترین اسلحہ سے مسلح افواج کا مقابلہ کرتی رہیں لیکن اطالیہ کے پانچ لاکھ سپاہیوں، طیاروں اور ٹینکوں کے مقابلہ میں انہیں پسپا ہونا پڑا، حبشہ کا بادشاہ انگلستان چلا آیا اور مسولینی نے ۹ مئی ۱۹۳۶ء کو ملک اطالیہ کے ساتھ ملحق کئے جانے کا اعلان کر دیا۔ اور اگرچہ اس وقت مغربی حکومتوں نے اس الحاق کی تصدیق نہیں کی لیکن ایک سال کے بعد اطالیہ کے اس قبضہ کو جائز قرار دے کر اس کی توثیق کر دی گئی آج یہ ملک اطالیہ کا مقبوضہ ہے اور افریقہ میں برطانوی اثر و اقتدار کو ختم کرنے میں یہاں کے اطالوی استحکامات اور عسکری قوتیں برسر عمل ہیں۔

اطالیہ کی شرکت جنگ کے بعد ہیل ثلاثی دوبارہ حبشہ پہونچ گیا ہے اور برطانیہ نے اسے از سر نو حبشہ کا جائز حکمران تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اب کہ حبشہ کے تمام اہم مقامات پر اطالیہ کا مکمل قبضہ ہے۔ بحالات موجودہ اس ملک کو اس کی گرفت سے نکال لینا دشوار نظر آتا ہے اور ہیل ثلاثی کو حبشہ میں پہونچ جانے کو ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک دنیا اس کے سفر کے انجام سے بالکل بے خبر ہے۔

البانیہ پر اطالوی قبضہ

البانیہ، جزیرہ نما بلقان میں یونان کے شمال اور یوگوسلاویہ کے مغرب میں بحر ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع دس ہزار مربع میل کے وسیع خطہ کا نام ہے، یہ علاقہ پہلے ترکی حکومت میں شامل تھا۔ لیکن ۱۹۱۳ء میں اسے آزاد ریاست کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

جنگ عظیم کے دوران میں یہ علاقہ جنگ کی سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز بنا رہا اور جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد اسے از سر نو ایک خود مختار ریاست بنا دیا گیا احمد زوغو نے ۱۹۲۵ء میں ملک کی تنظیم جدید کی اور اس ریاست کا صدر مقرر ہوا ۱۹۲۸ء میں اس نے صدارت کی بجائے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

اطالیہ توسیع سلطنت کے جذبات کے ماتحت جزیرہ نمائے بلقان میں اپنے اثر و رسوخ کا متمنی ہے اس نے البانیہ کے ساتھ تعلقات قائم کر کے آہستہ آہستہ اس علاقہ کے مالی اور اقتصادی معاملات میں کامل دخل حاصل کر لیا اور اپریل ۱۹۳۹ء میں غیر متوقع طور پر یہاں اپنی فوجیں بھیجکر قبضہ کر لیا۔

اس ملک میں ۷۵ فی صدی مسلمان آباد ہیں اور اگرچہ یہ ملک ہر حیثیت سے پس ماندہ ہے۔ لیکن عسکری اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے مغرب کی جمہوریت پسند حکومتوں نے اطالیہ کے اقدام پر بھی کوئی توجہ مبذول نہیں کی اور اس طرح اسے جزیرہ نما بلقان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ آج بلقانی ریاستوں کو جو خطرات لاحق ہیں اور بحر روم میں اطالیہ کی جو حیثیت قائم ہو چکی ہے۔ اس میں البانیہ پر اطالوی قبضہ کو بھی بہت بڑا دخل حاصل ہے۔

چین اور جاپان کی آویزش

چین اور جاپان کے درمیان جنگ اور اقتدار پسندانہ رقابت کا آغاز یوں تو [illegible] میں ہوا تھا۔ اور جاپان کے شہنشاہ سائنی نے اپنے سپہ سالار کوزک کی معیت میں ۲۰ ہزار جاپانی سپاہیوں کو کوریا پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجکر دو ہمسایہ ملک میں مخالفت اور عناد کی ابتدا کی تھی۔ لیکن اس وقت چین کے شہنشاہ کاؤچنگ نے ان حملہ آوروں کو شکست دیکر انہیں واپسی پر مجبور کر دیا تھا

اس واقعہ کے کم و بیش چھ سو سال بعد تک ان دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کا تنازعہ برپا نہیں ہوا تھی کہ چین کے مغل حکمراں قبلیخاں نے تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں جاپان پر حملہ آور ہونے کی نیت سے ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا لیکن اسے جاپانیوں کی خوش نصیبی سمجھنا چاہیے کہ یہ بیڑا اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی دوران سفر میں طوفان کی نذر ہو گیا۔

قبلیخاں کی اس قبل از مقابلہ شکست نے جاپانیوں کی ہمت افزائی کی اور وہ چین پر مسلسل و متواتر حملہ آور ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۸۹۵ء میں جب چین اپنی اندرونی کمزوریوں کی بدولت بالکل مضمحل ہو گیا تو جاپان نے کوریا کے وسیع علاقہ اور جزیرہ فارموسا پر قبضہ کر لیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جب کہ مغرب کی استعمار پسند قومیں اپنی ہوس توسیع مملکت کے ماتحت دنیا کی آزاد قوموں کو محکوم بنانے کے ناسعود کام

سنہ [illegible]ء میں ڈاکٹر سن یات سن کی قومی انقلابی جماعت کو روسی مشیر بورڈن کی زیر ہدایت از سر نو منظم کیا گیا۔ اس زمانہ کے چینی اشتراکی یہ سمجھتے تھے کہ چین میں اشتراکی انقلاب اسے ہمیشہ کے لئے دنیا بھر کی سرمایہ دار طاقتوں سے نجات دلا سکے گا۔ اس لئے روس نے اس تنظیم جدید میں نمایاں دلچسپی کا اظہار کیا لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں چین کا موجودہ قائد اعظم جنرل چیانگ کائی شیک نے میدان عمل میں آکر چند سال کے عرصہ میں تمام حریف سرداروں اور سپہ سالاروں کو شکست دیکر چین کو ایک حکومت کے ماتحت کر دیا۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں جنرل چیانگ کائی شیک نے اشتراکیوں سے قطع تعلق کر کے شنگھائی میں ان کا قتل عام کرایا اور اشتراکیوں نے جنوبی چین کے دو صوبوں میں اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ جنرل چیانگ کائی شیک ان اشتراکی حکومتوں کے خلاف مسلسل فوج کشی کرتا رہا حتیٰ کہ سنہ ۱۹۳۴ء میں ساتویں حملہ کے بعد وہ ان پر غالب آگیا۔ لیکن اس مرتبہ اشتراکی فوجیں اس کی گرفت سے بچ کر مغربی چین میں چلی گئیں اور انہوں نے زیچوان کے صوبہ کو اپنا مرکز بنا لیا۔

چین کا مذکورہ بالا دور انتشار جاپان ایسی فسطائیت پسند اور توسیع سلطنت کی خواہشمند حکومت کے مذموم ارادوں کو پورا کرنے کا بہترین وقت تھا۔ اس نے سنہ ۱۹۳۱ء میں منچوریا پر قبضہ کر لیا اور منچوکو میں ایک جاپان نواز حکومت قائم کر دی۔ جنرل چیانگ کائی شیک ملک کو منظم اور متحد کر دینے کا خواہشمند تھا کیونکہ اس کے بغیر جاپان سے تصادم کا نتیجہ بجز تباہی کے اور کچھ برآمد نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس نے جاپان کے ساتھ مصالحت کر لی تاکہ اس طرح اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کچھ مہلت مل جائے۔ لیکن جاپان اب زیادہ منتظر رہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں پیکنگ کے قریب مارکوپولو برج کے سلسلہ میں چینی اور جاپانی سپاہیوں کے درمیان ایک معمولی سے اختلاف پر جھڑپ ہو گئی اور جاپان نے اسی چھوٹے سے واقعہ کو سبب بنا کر چین کے خلاف ایک زبردست عسکری مہم کا آغاز کر دیا۔ اور چین کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر کے نانکنگ میں ایک جاپان نواز حکومت قائم کر دی اس وقت تک کہ جاپان اور چین کے جانی نقصانات کا اندازہ علی الترتیب چھ لاکھ اور سترہ لاکھ نفوس کیا جاتا ہے۔

چین اور جاپان کا یہ تصادم اگرچہ سنہ ۱۹۳۷ء سے جاری ہے لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ سرکاری طور پر اس وقت تک بھی اس جنگ کا باقاعدہ اعلان نہیں ہوا۔ چین اگرچہ غیر منظم پسماندہ اور ناتربیت یافتہ ہے لیکن اجنبی سامراج کو چین پر چھا جانے سے روکنے کے لئے اس قوم نے پچھلے تین سال میں جس عزم واستقلال اور ہمت وجرات کا ثبوت دیا ہے اور اپنے گزشتہ تنازعات واختلافات کو خیرباد کہہ کر جس طرح متحد ہو گئی ہے وہ بجائے خود تاریخ عالم کا ایک حیرتناک اور قابل تقلید واقعہ ہے۔ اور اس امر کا مظہر کہ اپنے قوی ومنظم عسکری نظام اور وسیع وجدید مادی وسائل کے باوجود جاپان کے لئے چین پر فتح حاصل کر لینا اس قدر آسان نہیں جس قدر کہ ابتدا میں وہ آسان سمجھتا تھا۔

باقاعدہ چینی افواج سے قطع نظر کرتے ہوئے جاپان کے لئے چین کی گوریلا فوجیں سب سے زیادہ نقصان دہ اور پریشان کن ثابت ہوئی ہیں اس واقعہ سے انکار کرنا دشوار ہے کہ انہیں گوریلا بہادروں کی بدولت آج ایک وسیع علاقہ پر متصرف ہو جانے کے باوجود جاپان ریلوے لائنوں پختہ سڑکوں اور فوجی مرکزوں کے گرد و نواح ہی پر تسلط قائم کر سکا ہے۔ اور اس ملک میں آج بھی اسے وہ اقتدار حاصل نہیں جسے ایک کامیاب اور مقبول عام حکومت کا طرہ امتیاز کہنا چاہئے۔

دنیا میں چین ہی ایک ایسا ملک ہے جو ابھی تک ادب آموز مغربی اقوام کے درمیان منقسم ہو جانے سے محفوظ رہا ہے اور اگرچہ برطانیہ اور امریکہ کے اس سرمایہ کا اندازہ جو اس وقت چین میں بیدا ہوا ہے۔ علی الترتیب ۵۴ کروڑ پاؤنڈ اور ۱۴ کروڑ ڈالر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چین سیاسی طور پر ان حکومتوں کے اثرات سے آزاد ہے اور اس کی یہ آزادی ہی جاپان کی پیش قدمیوں کا اصل موجب کیونکہ چین میں اپنی ہمعصر استعمار پسند طاقتوں کے روز افزوں اثرات کو دیکھتے ہوئے جاپان کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں غیر ایشائی استعمار پسند طاقتیں چین پر جاپان سے پہلے متصرف نہ ہو جائیں۔

جاپان چین کے اس غیر متوقع مقابلہ کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن طریقہ کار اختیار کر رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں یورپ کی موجودہ جنگ میں برطانیہ کی مشکلات کے پیش نظر اس نے برطانوی حکومت کو اس راستہ کے بند کر دینے پر مجبور کر دیا ہے جو برما سے چین کو جاتا ہے اور جس کے ذریعہ سے ہندوستان اور چین کے درمیان تجارتی سامان کی درآمد و برآمد ہوتی تھی اور چین کو محصور کر لینے کے لئے وہ فرانسیسی ہند و چینا پر مکمل قبضہ کر لینے کا خواہشمند ہے۔

جاپان اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن جہاں تک چین کو بیرونی امداد پہنچنے کا تعلق ہے وہ روسی ذرائع سے برابر پہنچ رہی ہے۔ اور یہ ذرائع اس درجہ قابل اعتماد اور مستقل ہیں جنہیں مسدود کر دینا جاپان اور اس کے حلیفوں کے لئے قطعاً ناممکن ہے۔

[illegible] نہایت آسانی کے ساتھ [illegible] طرح معروف برطانیہ کو بے حد نقصان پہنچے گا [illegible] بھی لاتعداد مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

معاہدہ میں فریقین معاہدہ نے مشرق و مغرب پر ایک دوسرے کے اثر و اقتدار کو تسلیم کر کے جس "دور جدید" کے انشراح کی جانب اشارہ کیا ہے جنگ کے بنیادی اسباب و علل سے باخبر حضرات کے لئے یہ انکشاف کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ موجودہ جنگ جمہوریت، نسطائیت اور اشتراکیت کے درمیان ایک اصولی جنگ ہے اور اس معاہدہ کی دفعات کے پیش نظر یہ بالکل ہی واضح ہو جاتا ہے کہ جنگ عظیم کا کامیاب فریق دنیا کے ہر گوشہ میں اپنے سیاسی عقائد کو [illegible] تسلیم کرانے کی کوشش کرے گا۔

اس معاہدہ میں ایک بات دنیا کے لئے غیر معمولی توجہ اور غور و فکر کی محتاج ہے اور وہ ہے اشتراکی روس کے متعلق فریقین معاہدہ کا اعلان۔ واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ دنیا کی نظروں میں آج اشتراکی روس اور نسطائی جرمنی ایک ڈیموکریسی کے متضاد ہیں۔ لیکن اصولاً ان دونوں فلسفوں کے درمیان جو تضاد و مخالفت موجود ہے اس کے پیش نظر نہ تو روس جرمنی سے مطمئن ہے اور نہ جرمنی اور اس کے حلیف روس سے۔ تو اسی طرح موجودہ نازک دور میں وہ روس کے ساتھ کسی قسم کی کوآپریشن کو قرین مصلحت نہیں سمجھتے۔

بہر حال روس کی حکمت عملی بالکل واضح ہے وہ موجودہ جنگ کو شہنشاہیت پسندوں کی جنگ سمجھتا ہے اور اسی لئے وہ اس میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتا مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دنیا کی یہ اقتدار پسند طاقتیں اپنی موجودہ کشمکش سے فارغ ہو کر اشتراکی روس کے مقابلہ پر بھی لازماً صف آرا ہوں گی اور اسی لئے وہ اپنی عسکری تنظیم اور استحکام میں بھی مصروف ہے۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد جب قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوگا تو اس وقت سب سے زیادہ مؤثر آواز اسی کی ہوگی جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا اور اگر روس جنگ سے اسی طرح علیحدہ رہ سکا تو دنیا کے مستقبل کی تشکیل میں اسی کو نمایاں دسترس حاصل ہوگی۔

امریکہ اور جنگ

جنگ عظیم یقیناً ایک عالمگیر جنگ تھی لیکن یہ امر ہے کہ موجودہ جنگ کا تعلق پر وہ جنگ عظیم سے بھی زیادہ وسیع اور خوفناک تر ہے۔ یہ عالمگیر جنگ کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے اور اس میں شبہ کی مطلق گنجائش نہیں کہ یہ جنگ خواہ برطانیہ کی فتح پر منتج ہو یا اس کے حریفوں کی کامیابی پر لیکن اس کے ختم ہوجانے کے بعد دنیا کو ایک عالمگیر انقلاب سے گذر کر ایک جدید نظام حکومت و سیاست کے ماتحت آجانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یہ نیا نظام دنیا کے لئے پسندیدہ، آرام دہ اور مطمئن ثابت ہو یا ناپسندیدہ، تکلیف دہ اور باعث کلفت۔ لیکن اس سے مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

نئی دنیا

براعظم امریکہ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں دریافت ہوا تھا اور اسی لئے اسے "نئی دنیا" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وسعت و رقبہ کے لحاظ سے اس کا درجہ براعظم ایشیا کے بعد ہے اور یہ براعظم خشکی کے دو ایسے وسیع خطوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کو اگر ایک مستقل براعظم کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

اس عہد کے یورپ میں ہسپانیہ، پرتگال، فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ زبردست ترین بحری طاقتیں متصور ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس براعظم کی دریافت کے بعد انہیں ممالک نے اس پر تسلط و تصرف ہونا شروع کردیا اور حالات کچھ اس طرح سازگار ہوتے گئے کہ رفتہ رفتہ امریکہ کا بیشتر شمالی حصہ انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ لیکن اس زمانہ کے برطانوی مدبرین کی استعمار پسندی، غلامی اور ناقابل برداشت طرز عمل نے بہت جلد امریکہ کے ان نوآبادکاروں کو ان کا مخالف اور باغی بنا دیا اور آزاد حکومت قائم کرنے کا عامی بنادیا اور وسطی امریکہ کے باشندوں نے سب سے پہلے علم حریت محاربہ بلند کرکے حصول مقصد کے لئے جدوجہد شروع کردی۔ دنیا کی کوئی محکوم و مظلوم قوم بھی کبھی آسانی اور آرام کے ساتھ سلسل محکومیت کو توڑ کر آزادی حاصل نہیں کرسکی ہے۔ چنانچہ اسی تاریخی قضیہ کے ماتحت امریکہ کے ان حریت خواہ مجاہدین کو بھی مصائب و شدائد کی طویل اور صبر آزما منازل سے گذرنا پڑا لیکن ان کا عزم و استقلال اور جذبہ سرفروشی انجام کار انہیں عروس حریت کے ساتھ ہمکنار کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ یورپ کے سرکش اور متمرد استعمار پسندوں نے ان کے مطالبات تسلیم کرلئے اور انہیں حریت کی وہ گرانقدر اور مقدس نعمت میسر ہوگئی جس کے حصول کے لئے حساس اور بیدار اقوام اپنا سب کچھ قربان کردینے کو ہمیشہ باعث صد ہزار نازش و افتخار سمجھتی رہی ہیں۔

حریت خواہی کی اس مقدس جدوجہد میں اگرچہ شمالی امریکہ کے باشندے بھی اپنے بہادر اور لائق احترام ہمسایوں کی امداد و اعانت کرتے رہے تھے لیکن اس جہد کے اختتام اور ثمرات فتح سے متمتع اور لطف اندوز ہونے کے موقعہ پر برطانوی مدبرین کی استعمار پسندانہ دانشمندی کی بدولت شمالی امریکہ کا وسیع اور زرخیز علاقہ "کناڈا" ان شیریں اثمار سے شاد کام نہ ہوسکا اور اسے بحیثیت نوآبادیات انگلستان سے وابستہ رکھا گیا لیکن وسطی اور جنوبی امریکہ کی باقی تمام ریاستیں بتدریج آج تک آزاد اور ترقی پذیر چلی آتی ہیں۔

کناڈا سے قطع نظر کرتے ہوئے وسطی اور جنوبی امریکہ دونوں ۴۸ چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر منقسم ہے۔ یہ تمام ریاستیں جن کا امریکائی رقبہ ۳۰۲۶۷۸۹ مربع میل بیرونی مقبوضات کی شمولیت کے ساتھ ۳۷۳۸۲۹۵ مربع میل اور آبادی ۱۳۰۰۰۰۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ ایک متحدہ وفاقی جمہوریت میں منسلک ہیں اور اس جمہوریت کا مرکز ریاست کولمبیا کا صدر مقام واشنگٹن ہے۔

امریکہ کی آبادی اگرچہ یورپ کی تمام اقوام پر مشتمل ہے لیکن اس میں غالب عنصر انگریزوں اور برطانیہ کے حامیوں کا ہے اور یہی وجہ ہے۔ اگرچہ موجودہ جنگ میں امریکہ براہ راست شریک جنگ نہیں لیکن اخلاقی، تجارتی اور سیاسی اعتبار سے وہ ابتدا ہی سے برطانیہ کی حمایت کرتا رہا ہے۔

دنیائے جدید کی حکمت عملی

امریکہ یا نئی دنیا یورپی استعمار پسندوں کی گرفت سے آزاد ہوجانے کے بعد قدیم دنیا کے تمام تنازعات و تصادمات سے علیحدہ رہ کر ہمیشہ اپنی تعمیر و ترقی میں مصروف رہی ہے اور اسی لئے آج وہ اپنے سابق آقاؤں یعنی یورپی ممالک کے مقابلہ میں، دولت، تجارت نیز کاروباری اور سیاسی اقتدار و اعتماد کے لحاظ سے کہیں زیادہ ممتاز اور نمایاں تصور کیا جاتا ہے۔

جرمنی کے مقابلہ میں فرانس کی عبرتناک اور انقلاب انگیز شکست کے بعد اگرچہ آج فرانس اور برطانیہ کے تعلقات کشیدہ ہوچکے ہیں لیکن گذشتہ ربع صدی کے اتحاد و اتفاق سے قطع نظر کرتے ہوئے تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ انیسویں صدی کے تقریباً اواخر تک ربع مسکون کے تقریباً ہر اس گوشہ میں جہاں ان دونوں حکومتوں کے مفاد ایک دوسرے سے متصادم ہوسکتے

خیر امریکہ ان اثرات سے مامون و محفوظ ہو گئیں۔ وہیں یہ کیفیت بھی ہوئی امریکہ کو بھی استعمار پسندی اور توسیع مملکت کی خواہشات سے ایک بڑی حد تک دست بردار ہو جانا پڑا جس کے نتیجہ کے طور پر کم و بیش ایک صدی سے وہ پرانی دنیا کی سیاسی کشمکش اور پیچیدگیوں سے علیحدہ رہتے رہے ہیں اور انہیں دنیا کے سیاسی اور کاروباری حلقوں میں غیر معمولی اعتماد و اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔

جمہوریہ امریکہ کے اس طرز عمل نے اس کی تجارت کو روز افزوں فروغ دیا دنیا بھر کی دولت سمٹ سمٹ کر اس نئی دنیا میں پہونچنے لگی اور آج ربع مسکون کی دولت کا بیشتر حصہ اس خطہ ارض میں جمع ہو چکا ہے۔

جمہوریہ امریکہ کے مذکورہ بالا حالات اور "منرو کے نظریہ" کی تشریح اگرچہ بظاہر موجودہ جنگ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن اس "براعظم اور موجودہ جنگ" کے مباحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے کہ ہر دم مذکورہ بالا حالات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

برطانیہ اور ریاست ہائے امریکہ کے تعلقات

کرہ ارض کے علاوہ امریکہ کے وسیع براعظم میں یہی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اپنی مذکورہ بالا خصوصیات کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور اس کی انہیں خصوصیات نے اسے ایک ایسی سرمایہ دار حکومت بنا دیا ہے جسے اگر اقصائے عالم میں سرمایہ داری کا مستحکم ترین واحد ستون یا معمار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

برطانوی نظام حکومت میں بھی یہی سرمایہ دارانہ جراثیم موجود ہیں اور اس طرح تجارتی، سیاسی، مذہبی، نسلی، تمدنی اور تہذیبی یک رنگی، اشتراک اور مقتضیات نے ان ہر دو حکومتوں کو ایک دوسرے کا معاون، رفیق کار اور ہم نوا و ہم آہنگ بنا دیا ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ امریکہ ایک "ساہوکار" کی حیثیت رکھتا ہے اور برطانیہ اس کے "آسامی" کی یہ تعلقات اور بھی مضبوط اور مستحکم تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے امریکہ کی تجارت پیشہ اور سرمایہ دار حکومت کو جب کبھی موقع ملا اس نے دوسروں کے مقابلہ میں ہمیشہ "برطانوی مفاد" کا خیال رکھا، اس کی حفاظت کی اور اسے ہمیشہ ایسے خطرات و حوادث سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی رہی جس میں مبتلا ہو جانے کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا کہ خود امریکہ کا اقتصادی اور تجارتی مفاد خطرہ میں پڑ جائیگا

جنگ عظیم میں امریکہ کی طرف سے اتحادیوں کی امداد و اعانت اور اس کے بعد عملی شرکت اس نظریہ کے ماتحت تھی اور جنگ عظیم کے خاتمہ پر جمہوریہ امریکہ کے صدر مسٹر ولسن کے اثر کے ماتحت متحاربین جنگ عظیم کے درمیان ورسائے میں جو صلحنامہ مرتب و مکمل ہوا، اس میں بھی یہی بنیادی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے

ربع مسکون کی یہ دو زبردست سرمایہ دار اور تجارت پیشہ حکومتیں [illegible] دنیا بھر کی، اقتصادی، تجارتی اور [illegible] کو کامیاب بنانے کے لئے سیاسی حکمت عملی کو جس طرح چلاتی رہی ہیں اس نے امریکہ کے عام اعتماد کے باوجود اسے بین الاقوامی معاملات میں ایک حد تک جانبدار مشہور کر دیا ہے۔

جرمنی اور جمہوریہ امریکہ

جنگ عظیم کے خاتمہ پر ورسائے کے صلحنامہ کے بعد جسے ترتیب دینے میں اس وقت کے صدر جمہوریہ امریکہ مسٹر ولسن کی مساعی پیش پیش نظر آتی ہیں جرمنی کا جو حشر ہوا وہ محتاج بیان نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ورسائے کے اس تاریخی اجتماع مصالحت کے نتیجہ یعنی ورسائے کے صلحنامہ پر جرمن نمائندگان نے اپنے دستخط ثبت کرنے سے پیشتر ہی اسے پرزہ پرزہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ بعد میں پیش آمدہ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ جرمن قوم نے تقریباً ربع صدی کا یہ عرصہ جنگ عظیم کے فاتحین سے انتقام لینے کی تیاریوں میں بسر کیا اور آج برطانیہ کے علاوہ جنگ کی گزشتہ ایک سال کی مختصر سی مدت میں نہ صرف جنگ عظیم کے تمام فاتحین ہی کو اپنے قدموں پر جھکا چکی ہے بلکہ ان کے تمام جمہوری اور معاونین کے لئے بھی ایک مستقل تہدید اور قوی خطرہ بنی ہوئی ہے۔

جنگ عظیم کے اتحادیوں کو جرمنی کے ارباب سیاست و قوت نے اپنی سیاسی تدبر یا پھر قوت بازو کی بدولت اپنا ہمنوا یا محکوم و مغلوب بنا لیا ہے اور جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے اس کے پرانے اور نئے حریفوں کی جماعت میں سے آج برطانوی سلطنت ہی ایک ایسی سلطنت ہے جو ابھی تک اپنی قدیم حریفانہ شان کے ساتھ میدان مقابلہ میں کھڑی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس عزم و استقلال اور ہمت و جرأت کے باوجود برطانوی سلطنت شدید اور بھیانک خطرات میں محصور ہے اور اس کا انجام نامعلوم۔ ان حالات میں اگر اسے کسی بیرونی حکومت کی کوئی قابل وقعت و لائق اعتماد مدد مل سکتی ہے تو وہ حکومت جمہوریہ امریکہ ہی ہے۔ چنانچہ "منرو کے نظریہ عدم مداخلت" کی موجودگی کے باوجود جمہوریہ امریکہ کے ارباب بست و کشاد آغاز جنگ سے اس وقت تک ہر ممکن طریقہ پر برطانیہ کے مدد و معاون رہے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ کے درمیان قائم شدہ ان رشتوں میں سے جن کا تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ قوی تر رشتہ دراصل یہ ہے کہ مقدم الذکر کا کئی ارب ڈالر سودی قرضہ موخر الذکر کی جانب واجب الادا ہے نہ صرف اس قدر بلکہ امریکہ کو برطانوی مقبوضات و نو آبادیات میں غیر معمولی تجارتی مراعات حاصل ہیں۔ چنانچہ اس قرضہ کی وصولیابی اور ان مراعات کی بقا کے لئے برطانوی حکومت کا علی حالہ قائم رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔ یہی سبب ہے کہ وسطی اور مغربی یورپ کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی حکومتوں کے اندوہناک انجام پر بھی امریکہ میں اس اضطراب و انتشار کا اظہار نہیں کیا گیا۔ جس کا اظہار برطانیہ اور اس کے حریفوں کے موجودہ براہ راست تصادم پر کیا جا رہا ہے۔

بحر منجمد شمالی
مجموعہ الجزائر منجمد شمالی
خلیج ہڈسن
الاسکا
کناڈا
برطانوی
خلیج الاسکا
ریاست ہائے متحدہ
بحر اوقیانوس
بحر کیریبین
جنوبی امریکہ
برازیل
نیوزی لینڈ

[illegible] کی [illegible] اب ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ موجودہ جنگ کے متعلق آیندہ امریکہ کا رویہ کیا رہے گا؟

امریکہ، برطانیہ اور فرانس دور حاضر میں دنیا کی زبردست ترین طاقتیں سمجھی جاتی تھیں اور دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام حکومت میں انہیں جو اہمیت و وقعت حاصل تھی وہ محتاج بیان نہیں لیکن آج ان پر ایک ایسی طاقت نے وسعت حیات تنگ کر رکھا ہے جسے آج سے ربع صدی پیشتر تقریباً معدوم کر دیا جا چکا تھا اور موجودہ جنگ کے آغاز سے پہلے اسے کوئی نمایاں وقعت حاصل نہیں تھی۔ ان امور کے پیش نظر تمام دنیا کی طرح امریکہ کے سیاسی مفکرین اور عوام بھی آج اس سوال پر غور کر رہے ہیں کہ جرمنی اور اطالیہ کی اس خلاف توقع کامیابی کا اصل راز کیا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس نے نازی جرمنی فسطائی اطالیہ اور اشتراکی روس کو تمام دنیا سے منقطع اور بے نیاز رہتے ہوئے بھی اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ تمام دنیا پر چھاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، نہ صرف اس قدر بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے یہاں کے نظام حکومت کو اس درجہ منظم، مستحکم اور مکمل بنا دیا ہے کہ اب ان سے متصادم ہونا خودکشی کو دعوت دینا ہے۔

ان سوالات کا جواب یقیناً یہی ہے کہ یہ سب کرشمے نظام حکومت کے ہیں۔ دنیا کا جمہوری نظام اب فرسودہ ہو چکا ہے اور وہ انسان کی جدید ضرورتوں کو بہمہ وجوہ پورا نہیں کر سکتا اور اگر اقوام عالم اپنے وجود کو قائم رکھنے کی خواہشمند اور متمنی ہیں تو انہیں لازمی طور پر اس کہنہ و فرسودہ نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔

امریکہ کی خارجی الجھنوں کے ساتھ جب اس عالمگیر احساس تغیر کو بھی شامل کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف پرانی دنیا کی ابھرتی ہوئی طاقتوں کے رجحانات کو بھی مد نظر رکھا جائے تو ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں رہتا کہ دوسروں کی امداد و اعانت کے لئے نہیں تو خود اپنے تحفظ کے لئے جنگ میں شریک ہونا پڑے گا۔

آج امریکہ عسکری تنظیم و تعمیر اور مدافعتی استحکامات میں جس انہماک اور شغف کا اظہار کر رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

افریقی محاذ جنگ

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ پر جرمنی کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے براعظم یورپ میں جو ہولناک جنگ کا آغاز ہوا تھا اس کے تباہ کن شعلے اگرچہ اس آباد دنیا کے بعید ترین گوشوں میں پھیلتے نظر آرہے ہیں لیکن جہاں تک براعظم افریقہ کا تعلق ہے آج اس کے محاذ جنگ بن جانے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی اور مشرقی ساحل کے مشہور برطانوی مقبوضہ "سمالی لینڈ" کی تسخیر کے بعد اب اطالوی افواج شمالی ساحلی مقامات کی جانب پیش قدمی میں مصروف ہیں لیبیا اور مصر کے شمالی سرحدی مقامات سوم اور بج ہنچ پر اطالیہ کا قبضہ ہو چکا ہے، مصر میں واقع برطانوی فضائی اور عسکری مقامات پر بمباریوں کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسم سرما میں جبکہ شمالی اور وسطی یورپ میں موجودہ جنگ کو ایسی قوت وشدت کے ساتھ جاری رکھنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ افریقہ ہی فریقین جنگ کی تباہ کارانہ جدوجہد کا مرکز بنے گا۔

اسباب وعلل

افریقہ، کرۂ ارض کا وہ خطہ جس کا بیشتر حصہ ریگستان ہونے کی وجہ سے آج بھی مہذب انسانوں کی بود وباش کے قابل نہیں اور جس کے بعض مقامات کی آب وہوا انسانی زندگی کے لئے مہلک بھی جاتی ہے موجودہ جنگ میں اس قدر اہمیت کیوں حاصل کرتا جا رہا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں جنگ عظیم سے قبل اور بعد کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنی چاہئے۔ آج اس براعظم کے بیشتر قابل سکونت حصہ پر برطانوی اقتدار کا پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور مصر، سوڈان، سمالی لینڈ، کینیا، رہوڈیشیا اور جنوبی افریقہ کے علاوہ مغرب میں نائجیریا، گولڈ کوسٹ اور گیمبیا کے علاقے بھی کسی نہ کسی طریقہ پر برطانوی حکومت میں شامل ہیں لیکن جنگ عظیم سے قبل صورت حالات یہ نہیں تھی اور اسی براعظم پر جہاں آج جنگ عظیم کے فاتحین کے علاوہ کسی دوسری قوم کی حکومت نظر نہیں آتی۔ جرمن نوآبادیات بھی موجود تھیں۔ لیکن یہ نوآبادیات کس طرح حاصل کی گئی تھیں اور جرمنی کو ان سے کس طرح محروم ہونا پڑا۔ ذیل کے تفصیلی حالات سے جہاں اس سوال کا جواب مل سکے گا وہیں ایک حد تک یہ سوال بھی حل ہو جائے گا کہ آج افریقہ کو محاذ جنگ کیوں بنایا جا رہا ہے۔

جرمن نوآبادیات

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کبھی افریقہ کی وسعتوں میں جرمن نوآبادیات بھی موجود تھیں لیکن جرمنی نے افریقہ میں جو نوآبادیات قائم کی تھیں ان کے سلسلہ میں یہ امر دلچسپ اور حیرت انگیز ہے کہ وہ چار سال کے مختصر عرصہ میں حاصل کی گئی تھیں اور چار ہی سال کی مدت میں جرمنی ان سے محروم ہو گیا۔

۱۸۸۳ء میں ایک جرمن سوداگر ہر لوڈرز نے افریقہ کے ایک قبائلی سردار سے بیس پونڈ اور ایک چھوٹی سی بندوق کے معاوضہ میں مغربی افریقہ کا ایک ساحلی قطعۂ زمین خریدا تھا جو بعد میں اس براعظم پر جرمن نوآبادیات کا سنگ بنیاد ثابت ہوا اس واقعہ سے قبل بھی افریقہ میں جرمن نوآبادیات کے قیام کی جدوجہد کی گئی تھی لیکن وہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اس سلسلہ میں دو واقعات خصوصی طور پر قابل تذکرہ ہیں۔

۱۵۲۱ء میں جرمنی کے شہنشاہ چارلس پنجم نے نورمبرگ کے ایک ایسے خاندان کو جو روپیہ کے لین دین کا کام کرتا تھا "وینزولا" کا علاقہ بخش دیا تھا اس کے بعد ۱۶۸۳ء میں پروشیا کی حکومت کے بانی الیکٹر اعظم نے اس خیال کے پیش نظر کہ پروشیائی حکومت کو ایک وسیع سلطنت کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے، گولڈ کوسٹ کے علاقہ کو جرمنی کے لئے تجارتی منڈی بنانے کی کوشش کی لیکن یہ ہر دو اقدامات محض اس لئے کامیابی پر منتج نہ ہو سکے کہ ان مواقع پر جو جرمن باشندے وہاں گئے وہ نوآبادکار کی حیثیت سے انہیں آباد کرنے کے لئے نہیں بلکہ تجارت اور روپیہ کا لین دین کرنے کے خیال سے گئے تھے۔

شاہ بسمارک کا نظریہ

مذکورہ بالا اقدامات کی ناکامیوں نے حصول وقیام نوآبادیات کے سلسلہ میں جرمن حکمرانوں کو اس درجہ دل شکستہ اور مایوس بنا دیا تھا کہ آئندہ دو صدیوں تک انہیں اس جانب متوجہ ہونے کی جرات ہی نہ ہو سکی حتیٰ کہ بسمارک کا عہد حکومت شروع ہو گیا۔

بسمارک عرصہ دراز تک جرمنی کو نوآبادیاتی حکومت بنا دینے کی شدید مخالفت کرتا رہا لیکن اور اس کی یہ مخالفت تجارتی نقطہ نظر پر مبنی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مصارف کی زیادتی اور عسکری قوتوں کی تقسیم کے باعث نوآبادیاتی

[illegible]

بعد جرمن ایسٹ افریقہ کمپنی "قائم کر کے دوبارہ کوچیج مقبوضات کی نیت سے افریقہ واپس چلا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جرمنی کے سیاسی اور انتقامی حالات کے لحاظ سے گزشتہ کامیابیاں بہت زیادہ تھیں۔ چنانچہ بعض نئے مقبوضات میں مالی حیثیت سے جرمنی کو شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے اور اسے اپنے ان مقبوضات کا کچھ حصہ چھوڑ دینا پڑا۔ اور وہ برطانیہ کے قبضہ میں آ گیا۔

بہرحال پیٹرز کے واپس آنے کے بعد حصول نوآبادیات کی جو مہم شروع کی گئی تھی اس میں ٹانگانیکا اور رونڈا یونڈی کے علاقوں پر جرمنی کا قبضہ ہو گیا

قیصر ولیم اور نوآبادیاتی حکمت عملی

بسمارک کے عہد حکومت میں جرمن نوآبادیات کا نظم و نسق اسی نہج پر قائم رہا جو برطانوی نوآبادیات کے لئے مخصوص ہے لیکن قیصر ولیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد یہ نوآبادیاتی حکمت عملی بالکل متغیر ہو گئی۔ قیصر نے نوآبادیات کے مسئلہ میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن دوسرے مغربی مدعیان جمہوریت پسندی اور تہذیب آموزی کی طرح قیصر کی یہ دلچسپی بھی نوآبادیات کی فلاح و بہبود کی نیت سے نہیں بلکہ اس خیال سے ظاہر کی جاری تھی کہ ان مقبوضات کے قدرتی خزائن اور آمدنی کے دوسرے ذرائع سے جرمنی کو بیش از بیش تمتع کا موقعہ دیا جائے۔ تاکہ یورپ کے اس ملک کو بین الاقوامی نقطۂ نظر سے ایک نمایاں اور ممتاز درجہ حاصل ہو سکے۔ چنانچہ ایک مستقل محکمہ نوآبادیات قائم کیا گیا اور ان نوآبادیات کو ریشٹس دجرمن پارلیمنٹ) کے محکمہ عمارجہ سے الگ کر کے انہیں اس محکمہ کے سپرد کر دیا گیا۔

مغرب حریت و جمہوریت اور مساوات انسانی ایسے الفاظ کی جو عملی تفسیر کرتا رہا ہے بیسویں صدی کا جرمنی اس سے روگردانی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اپنی افریقائی نوآبادیات کے متعلق جرمنی کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ ملکی باشندوں کو جرمن کاشتکاروں، مالکان باغات اور سرمایہ داروں کا ماتحت بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ملکی اور غیر ملکی لوگوں کے درمیان اکثر اوقات منازعات برپا رہے اور ان منازعات کو فرو کرنے کے لئے جرمن افواج کو بھی مصروف کار ہونا پڑا۔ چنانچہ ۲ رجون ۱۹۱۳ء کے اخبار "گولڈ کوسٹ لیڈر" کی مندرجہ ذیل سطور قابل ملاحظہ ہیں:-

> جرمنی کے وزیر نوآبادیات نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۳ء تک ملکی قبائل اور جرمن افواج کے باہمی مقابلوں میں ایک لاکھ پانچ ہزار ملکی باشندے مارے گئے۔ اس تعداد میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو گرمی کی شدت کے باعث حالت جنون میں افسروں اور تاجروں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوئے ہیں اور

جس نے ہر جرمن کے لئے زندگی دوبھر بنا رکھی ہے۔

جرمن پروفیسر بان مکے قول کے مطابق ان افریقائی باشندوں پر حکومت کرنے کے لئے بارہ سال کے عرصہ میں جرمنی کو سات کروڑ پونڈ کی گراں قدر رقم صرف کرنی پڑی اس کام کے لئے شاہی زراعات کی مجموعی رقم ۵۳ لاکھ چالیس ہزار پانچ سو پونڈ ہوتی ہے۔ لیکن افریقہ میں وہاں کے باشندوں کے خلاف لشکر کشی کے مصارف پر دو کروڑ پونڈ صرف ہوئے۔

تجارتی نقطۂ نظر سے بھی یہ نوآبادیات جرمنی کے لئے ہمیشہ وبال جان بنی رہی ہیں۔ ربڑ، روغنیات مہیا کرنے والے بیج، چھالیہ، چمڑے، کھالیں روئی اور غلہ کی تجارت سے بمشکل اسی قدر آمدنی ہو رہی ہے جس سے محض برآمد کے مصارف پورے ہو سکیں۔ جنگ عظیم سے بیشتر جرمن نوآبادیات کی مجموعی برآمد اعشاریہ ۵ فی صدی یا یوں سمجھئے کہ جرمنی کی مجموعی درآمد میں ہر دو سو پر ایک تھی حالانکہ جرمنی اپنی درآمد کا اعشاریہ ۶ فیصدی اپنی نوآبادیات کو بھیج رہا ہے۔

ٹوگولینڈ البتہ ایک ایسی جگہ ہے جسے منافع بخش کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہاں جرمن افسر فخر و مسرت کے ساتھ ایک نووارد کو راستوں کی عمدگی، بندرگاہوں کی مضبوطی، ریلوے لائن کی وسعت اور ایک اچھی نوآبادی کی سیر کرا سکتے تھے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ علاقہ بھی نوآبادیات میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں کیونکہ اس پورے علاقہ میں آباد محض ۳ سو جرمن نوآبادکاروں میں سے بیشتر افراد سپاہی، نیز فوجی اور انتظامی افسر تھے۔

جنگ عظیم

جنگ عظیم برپا ہوا تو برطانوی افواج نے جنگ کے پہلے ہی دو ہفتوں میں ٹوگولینڈ پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۹۱۵ء کے اواخر تک ٹانگانیکا کے علاوہ جبار جنرل فان لٹو وار بیک تکمیل صلحنامہ تک نہایت تندہی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کا فرض انجام دیتا رہا تھا جرمنی کے تمام افریقائی مقبوضات اتحادیوں کے قبضہ میں آ گئے۔

"ورسائی کے صلحنامہ" کی ترتیب کے موقع پر یہ سوال سامنے آیا کہ اتحادیوں نے جرمنی کی جن نوآبادیات پر قبضہ کر لیا ہے ان کا مستقبل کیا ہوگا مسلسل غور و فکر اور طویل بحث و تمحیص کے بعد بالآخر یہ قرار پایا کہ انہیں مجلس اقوام کے ماتحت حکم بردار علاقے بنا دئے جائیں۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق ٹوگولینڈ کو مشترکہ طور پر فرانس اور برطانیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ کیمرونز کا بیشتر حصہ فرانس کے سپرد ہوا اور نائجیریا سے ملحق ایک چھوٹا سا علاقہ برطانیہ کے زیر حمایت دیا گیا۔ ٹانگانیکا بھی برطانیہ کے حصہ میں آیا۔ "یونین آف ساؤتھ افریقہ" نے جرمن جنوبی مغربی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور رونڈا یونڈی کا علاقہ بلجیم کے

موجودہ جنگ

مذکورہ بالا حالات کے مطالعہ کے بعد یہ امر محتاج تشریح نہیں رہتا کہ ہٹلر افریقہ کو محاذ جنگ بنا کر جرمنی کی وسعت اور رفتہ افریقانی نوآبادیات کو واپس لینا چاہتا ہے۔ لیکن افریقہ کی سرزمین پر آتش جنگ مشتعل کرنے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اطالیہ کی خدمات بھی درکار تھیں۔ اس کی کھوئی ہوئی نوآبادیات واپس دلانا ہی ان کا مقصود نہیں بلکہ اس کی دیرینہ امیدیں بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔

اتحادیوں یا یہ سمجھ کر کہ حالات موجودہ برطانیہ کے خلاف، فرانس میں اطالیہ کا معاندانہ طرز عمل کچھ مشکل و دشمنی پر مبنی نہیں بلکہ اس کا ایک مقصد اطالوی سلطنت کی توسیع بھی ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے اطالیہ کے ارباب بست و کشاد اطالوی سلطنت کی توسیع اور اسے قدیم رومی سلطنت کی حد تک پہونچا دینے کے خواہشمند رہے ہیں۔ اور اسی نصب العین کے تحت ہی اطالیہ نے فرانس اور برطانیہ کی اخلاقی امداد کی بدولت طرابلس پر قبضہ کر لیا تھا۔
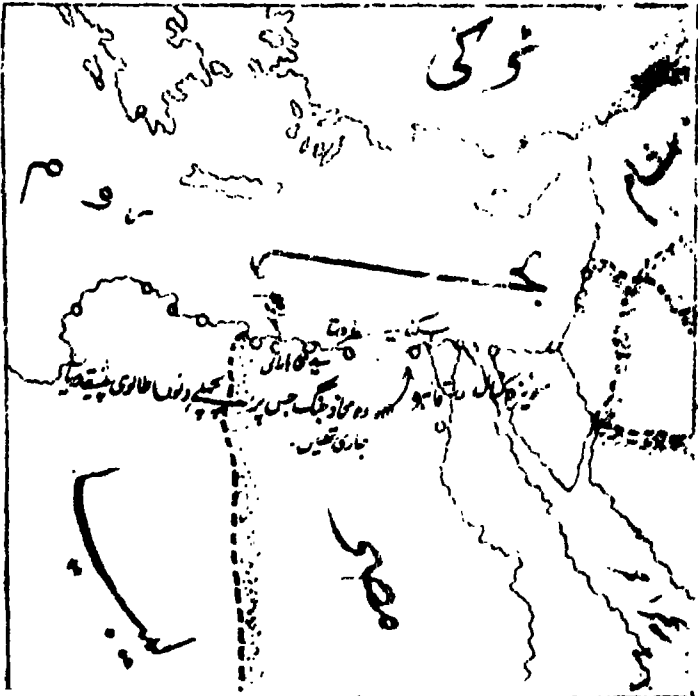
گزشتہ جنگ عظیم میں اطالیہ نے دو سال تک خاموش رہنے کے بعد اتحادیوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر جرمنی اور اس کے حلیفوں کا مقابلہ کرنے کا اعلان اس شرط پر کیا تھا کہ بصورت فتح اسے بھی فرانس اور برطانیہ کے مساوی حصہ دیا جائے گا جن میں جرمنی کی افریقائی نوآبادیات اس کے لئے مخصوص ہوں گی لیکن جنگ کے خاتمہ پر اطالیہ اپنی داخلی کمزوریوں کے باعث اپنے رفقائے جنگ سے اس معاہدہ کی پابندی نہیں کرا سکا۔ اور ۱۹۳۵ء تک اطالیہ کا حصہ مجلس اقوام کے ماتحت رہا۔

افریقہ کے متعلق اطالیہ کے دعوے

اطالیہ پہلے سے اس امر کا مدعی رہا ہے کہ طرابلس میں سب سے پہلے اطالوی باشندے آباد ہونا شروع ہوئے [illegible] ملکوں کے باشندوں کے مقابلہ میں وہاں اطالوی باشندوں کی تعداد زیادہ ہے اور اس لئے طرابلس اطالیہ ہی کے لئے مخصوص رہنا چاہئے۔

جبوتی فرانسیسی سمالی لینڈ میں بحر احمر کے کنارے ایک فرانسیسی بندرگاہ ہے۔ اطالیہ کا دعویٰ ہے کہ حبش کے دارالحکومت عدیس ابابا سے جو ریلوے لائن جاتی ہے وہ جبوتی پہونچتی ہے۔ اس لئے یہ بندرگاہ اطالیہ کے قبضہ میں رہنا نہایت ضروری ہے۔

آج اطالیہ اپنے انہی مقاصد کے حصول کے لئے افریقہ میں مصروف پیکار ہے اور فرانس کی شکست کے بعد عملی طور پر نہ صرف اس نے جبوتی پر قبضہ کر لیا ہے۔ بلکہ اب برطانوی سمالی لینڈ بھی اسی کے زیر اقتدار آ گیا ہے۔

اطالیہ کا یہ لو مفتوحہ علاقہ افریقہ کے مشرق اور جنوب میں تقریباً نصف اطالوی سمالی لینڈ سے متصل ہے۔ مغرب اور جنوب و مغرب میں حبشہ کی سرحد اس سے ملتی ہے۔ اور اس کے شمال و مغرب میں جبوتی کا وہ چھوٹا سا فرانسیسی علاقہ ہے جس پر قابض و متصرف ہو جانے کو اطالیہ اپنا قدرتی حق تصور کرتا ہے۔ اس کے بعد اریٹریا کی سرحد شروع ہو جاتی ہے جو پہلے ہی سے اطالیہ کے زیر اقتدار ہے جس پر کئی سال قبل اطالوی قبضہ ہو چکا ہے، اس طرح اب اطالیہ بحر احمر کے تقریباً نصف مغربی ساحل سے بحر ہند کے اس ساحلی علاقہ تک متصرف ہو چکا ہے جو مشرق میں کینیا کی ساحلی سرحد سے ملتا ہے۔

ان حالات میں یہ امر واضح ہے کہ آج اطالیہ اگر قبل از جنگ عظیم کی جرمن نوآبادیات کو نہیں تو کم از کم افریقہ کے ان علاقوں پر ضرور متصرف ہونا چاہتا ہے جن پر وہ اپنا قدرتی حق تصور کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی یہ خواہش بھی ہے کہ وہ برطانیہ، فرانس اور یورپ کے ان دوسرے ممالک کے افریقائی مقبوضات میں سے بھی زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کر سکے جو آج اطالیہ اور جرمنی کے مقابلہ میں یا تو شکست نصیب متصور ہوتے ہیں یا مقابلہ کر رہے ہیں۔

افریقہ کی عسکری اہمیت

مذکورہ بالا خصائص کے علاوہ موجودہ جنگ میں عسکری اعتبار سے افریقہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا فطری اقتضاء یہ بھی ہے کہ اس براعظم میں جنگ کا ہنگامہ ایک مرتبہ پوری قوت کے ساتھ بھڑک اٹھے۔ کیونکہ موجودہ جنگ کا جو فریق اس براعظم پر مسلط رہے گا۔ قیاساً اس کی کامیابی زیادہ قرین قیاس ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بلجیم اور فرانس کی شکست کے بعد اب انگلستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو نازیت اور فسطائیت کے مقابلہ میں تنہا جنگ آزما نظر آرہا ہے لیکن کیا انگلستان تنہا ان مشترکہ قوتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ اگر اسے اس کے اجزاء سلطنت سے امداد حاصل نہ ہو سکے تو اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دیا جا سکتا۔

مصر

مصر برطانیہ کا معاہد ہے اور اس لئے آغاز جنگ اور بالخصوص اطالیہ کی شرکت کے بعد سے یہ اندیشہ یقین کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ یہ ملک بھی جنگ کے تباہ کن شعلوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ جہاں تک مصری مدبرین کا تعلق ہے۔ ان کی اکثریت ابتدا ہی سے جنگ میں شرکت کی مخالف ہے اور چونکہ یہ نظریہ عوام کا نظریہ ہے۔ اس لئے حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود اکثریت ابھی تک اپنے فیصلہ پر قائم ہے۔

مصر کا ماضی

مصر عہد قدیم ہی سے ایک مشہور اور ممتاز ملک رہا ہے۔ فراعنہ مصر نے اسی سرزمین پر اپنی سطوت و شوکت کی نمائشیں کیں، یہی ملک زلیخا کی جلوہ گاہ بنا اور اسی قطعہ ارض پر حضرت یوسف کو اس آزمائش سے گزرنا پڑا جو آج تک "اسوہ یوسفی" کے جرأت آموز اور ہمت افزا الفاظ میں ارباب حق و صداقت کو عزیمت و جرأت، صدق و صفا اور اعلائے کلمۃ الحق کی دعوت دے رہا ہے۔

مصر مسلمانوں کی جاہ و ثروت کی یادگار ہے جس کا رقبہ تین لاکھ اڑتالیس ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ ۱۸۳۱ء سے ۱۹۱۴ء تک سلطنت عثمانیہ کے ساتھ ایک نیم آزاد ملک کی حیثیت سے وابستہ رہا لیکن جنگ عظیم کے دوران میں جب دولت عثمانیہ کے حریفوں نے اس کے خلاف عالمگیر فتن و فسادات اور بغاوتیں برپا کر رکھی تھیں۔ مصر پر برطانوی تسلط قائم ہو گیا اور مصر کے وہ صاحب اختیار افراد جو اس وقت برطانیہ کے ہمنوا اور معاون تھے برطانوی حکومت کے زیر اثر مصر کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے چنانچہ حسین کامل نے جو مصر کے مشہور رہنما محمد علی پاشا کے خاندان کے ایک فرد تھے سلطان مصر کا لقب اختیار کر کے مصر میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۱۹۱۷ء میں حسین کامل کے انتقال کے بعد ان کے بھائی فواد تخت حکومت پر متمکن ہوئے اور ان کے انتقال پر ۱۹۳۶ء میں موجودہ شاہ مصر فاروق ان کے جانشین بنائے گئے۔

برطانوی مصری معاہدہ

شاہ فواد کے عہد حکومت میں مصر کے ممتاز قوم پرور قائد سعد پاشا زغلول نے استخلاص وطن کے لئے زبردست جد و جہد شروع کر دی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء کو مصر اور برطانوی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے۔

(۱) برطانیہ نے مصر کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا۔

(۲) مصر سے برطانوی افواج واپس بلالی گئیں لیکن مصری حکومت کی جانب سے اسے یہ حق دیا گیا کہ وہ مصر میں

نہر سویز کی حفاظت کیلئے (الف) دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج اور چار سو طیارے رکھ سکتی ہے۔

(ب) اسکندریہ اور بندر سعید میں بحری مستقر قائم کر سکتی ہے۔ نیز

(ج) دوران جنگ یا اندیشہ جنگ کی صورت میں برطانوی افواج مصر کے طول و عرض میں نقل و حرکت کر سکتی ہیں۔

ان مراعات کے صلہ میں برطانیہ نے مصر کی آزادی کے تحفظ کا وعدہ کیا اور اس طرح مصر آزاد ممالک کی صف میں شامل ہو گیا۔

اس معاہدہ کے مطابق برطانیہ اور مصر اگرچہ ایک دوسرے کے معاہد ہیں لیکن اس معاہدہ میں کوئی ایسی شرط موجود نہیں جو مصر کو برطانیہ کے دوش بدوش صف آرا ہو کر اس کے حریفوں کے مقابلہ پر مجبور کرے۔

سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اگر اسے اس کی وسیع سلطنت اور بالخصوص اس کے مشرقی مقبوضات سے منقطع کر دیا جائے تو اس کی حیثیت ایک معمولی جزیرہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی اس کی تمام تر قوت و شوکت کا انحصار اس کے بیرونی اور خصوصاً مشرقی مقبوضات پر ہے اور ان مقبوضات پر اقتدار و تسلط قائم رکھنے کے لئے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ برطانیہ جس طرح بھی ہو سکے ان بحری راستوں پر متصرف رہے جو اسے اس کے مشرقی مقبوضات کے ساتھ وابستہ اور منسلک کئے ہوئے ہیں۔

افریقہ کے مشرقی ساحل پر اطالوی مقبوضات میں اضافہ کرنے کے بعد اب اطالوی افواج افریقہ کے مشرقی ساحل کی جانب پیش قدمی میں مصروف ہیں کیونکہ انگلستان کو مشرق کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لئے سب سے قریب آسان اور اہم راستہ وہ ہے جو بحر روم اور بحر احمر سے گزرتا ہے اور مصر کی شمالی اور مشرقی حدود اسی راستہ سے ملحق ہیں۔ مصر کے مغرب میں اطالیہ کا دسیع

حبشہ ... اینگلو مصری سوڈان ہیں کے مشرق میں جبوتی اور اس سے ملحق حبشہ کا وسیع علاقہ اور حبشے کے مشرق میں برطانوی صومالی لینڈ۔

ان تصریحات کی روشنی میں اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصر ایک ایسے مقام پر واقع ہے جو بحر روم اور بحر ہند کے درمیان بحری راستہ کی حفاظت کے سلسلہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جنوبی اور مغربی حدود دو ایسی حکومتوں یعنی برطانیہ اور اطالیہ کی سرحدات سے ملحق ہیں۔ جو اس وقت ایک دوسرے کی حریف بنی ہوئی ہیں۔

مستقبل

افریقہ کے محاذ جنگ کے متعلق اگرچہ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب تک اطالوی افواج مسلسل کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اس امر کے پیش نظر کہ موجودہ جنگ میں ایک بڑی حد تک برطانیہ کی ہست و نیست کا انحصار افریقہ میں اس کی موجودہ حیثیت کی بقا و قیام پر ہے اس لئے وہ اپنے حریف جنگ کو اس کے مقاصد میں ناکام بنانے کے لئے پوری قوت صرف کر دیگا۔ لیکن انجام کیا ہوگا؟ موجودہ حالات میں دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مدبر بھی اس کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ صادر نہیں کر سکتا۔

فرانسیسی استوائی افریقہ

براعظم افریقہ کے مغرب میں فرانس کا جو علاقہ ہے اسے فرانسیسی استوائی افریقہ کہتے ہیں۔ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے جد و جہد میں مصروف ہے اور اس سلسلہ میں اس علاقہ کے گرد و نواح میں مقیم انگریزی فوجیں اور آزاد فرانس کے موجودہ قائد جنرل ڈی گال کے متعلقین جرمن افواج کی پیش قدمیوں کو روکنے کے لئے مصروف کار ہیں۔ اس سلسلہ میں جنرل ڈی گال کی حامی فوج نے بندرگاہ ڈکار پر قبضہ کی سعی کی تھی لیکن کامیابی کی کوئی امید نہ پا کر یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔

ڈکار کا مقام افریقہ کے مغربی ساحل پر متعدد حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے بالخصوص ہوائی مستقر اور ذرائع رسل و رسائل کے اعتبار سے اس علاقہ میں وہ سب سے ممتاز مقام ہے۔ اور اگر فرانس کی موجودہ حالت سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ کے حریف اس مقام پر قابض ہو گئے تو یہ امر افریقہ کے مغربی ساحل کے قریب سے گزرنے والے بحری راستہ پر اثر انداز ہوگا اور اس طرح بحر روم سے گزرنے والے بحری راستے کے

وہ علاقہ جو فرانس کی شکست اور برطانیہ سے لڑائی کے بعد اطالیہ کے قبضہ میں چلا گیا ہے۔

نہر سویز

نہر سویز بحر روم اور بحر احمر کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتی ہے۔ اس نہر کا تعلق اگرچہ ایک فرانسیسی کمپنی سے ہے لیکن عملی طور پر یہ برطانوی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہے اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مشرق و مغرب کے درمیان آمد و رفت کا آسان ترین بحری راستہ اسی نہر کی تعمیر کے بعد قائم ہوا ہے۔

حبشہ پر اطالوی قبضہ کے بعد اطالیہ اس نہر کی مجلس انتظامیہ میں متعدد نشستوں کا مطالبہ کرتا رہا ہے لیکن چونکہ یہ نہر برطانیہ کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے اس مطالبہ پر کوئی خاص توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ چنانچہ افریقہ کے شمالی ساحل پر جنگ و جدل کے اجرا کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ نہر برطانوی قبضہ سے چھڑا لی جائے۔ اس طرح ایک طرف اطالیہ ایک ایسے راستہ پر مسلط ہو سکتا ہے جو اسے حبشہ سے ملحق رکھ سکے گا اور دوسری جانب برطانوی حکومت کا مرکز انگلستان مشرقی اجزائے سلطنت سے منقطع ہو جائے گا۔

ہندوستان اور جنگ

یورپ کی موجودہ ہولناک اور انقلاب انگیز جنگ نے اقوام عالم کو جن تباہ کن خطرات میں محصور کر دیا ہے۔ ان کی اہمیت اور ہمہ گیری کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور دنیا کا کوئی ذی ہوش، دانشمند اور موجودہ حالات سے باخبر انسان اس امر کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ مستقبل کی زمام اختیار، عدل نا آشنا اور نسلی امتیازات کے حامی نازی اور فسطائی سرمایہ داروں کے سپرد کر کے کرۂ ارض پر بسنے والوں کو ایک نامعلوم مدت کے لئے "جمہوریت" کے گرانقدر نعمتوں سے محروم کر دیا جائے۔

دنیا کے اس بین الاقوامی دور میں، محکوم و مجبور ہونے کے باوجود ہندوستان بھی مذکورہ بالا حقیقت کو فراموش نہیں کر سکا اور جنگ کی گزشتہ ایک سالہ مدت میں تمام انتہا پسند ہندوستانی رہنما اس جدوجہد میں مصروف ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے دنیا کو نازیت اور فسطائیت کے ہولناک خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ اہل ہند کی عملی اور رضاکارانہ خدمات پیش کر سکیں۔ لیکن برطانوی بورژوازی کی اقتدار پسندانہ ذہنیت نے ان کی ان مسعود و مبارک خواہشات اور مساعی کو مسترد اور پامال کر دیا اور آج ہندوستان بھر میں قوم پرور اور روشن دست افراد کی دارو گیر کا جو لا انتہائی اور نا منقطع سلسلہ جاری ہے اس کے پیش نظر یہ قیاس کر لینا نامناسب نہ ہوگا کہ جہاں تک برطانوی اور اس کی نائب ہندوستانی حکومت کا تعلق ہے وہ اب اہل ہند کے کسی ایسے مطالبہ پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، جو اس کے مخصوص مفاد و مصلحت کے خلاف ہو۔

جنگ سے پہلے کانگریس کا نظریہ

۱۹۲۷ء میں جب کہ ہندوستانی افواج کو چین بھیجا گیا تھا اور حکومت ہند کی سرگرمیوں کے پیش نظر یہ قیاس کیا جا رہا تھا کہ مشرق بعید میں کوئی لڑائی شروع ہونے والی ہے تو انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے اجلاس منعقدہ مدراس میں پہلی مرتبہ ہندوستان اور جنگ کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی کہ حکومت ہند کے اس اقدام اور آئندہ ارادوں کے سلسلہ میں ہندوستانی عوام کے خیالات و جذبات کی ترجمانی کی تھی۔

"کانگریس برطانوی حکومت کے اس اقدام کو کہ اس نے چین میں اپنے سامراجی مقاصد کی توسیع اور چینی عوام کو آزادی حاصل کرنے سے روکنے کے لئے دوبارہ ہندوستانی افواج کو استعمال کیا ہے سخت نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس امر کا مطالبہ کرتی ہے کہ چین میں بھیجی ہوئی تمام ہندوستانی فوجوں اور پولیس کو فوراً واپس بلا لیا جائے"

صرف اسی قدر نہیں بلکہ کانگریس نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ:-

"میسوپوٹیمیا، فارس اور ان کے علاوہ جہاں جہاں ہندوستانی فوج، پولیس اور سفیر وغیرہ کے محافظ دستے موجود ہیں انہیں بھی واپس ہندوستان بلا لیا جائے۔"

اس وقت کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر کانگریس نے ایک دوسری طویل قرارداد منظور کی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"یہ تیاریاں ہندوستان میں نہ صرف برطانوی سامراج ہی کی تقویت کا باعث ہوں گی جس کی بدولت ہندوستان کی آزادی کی تمام تحریکات کو دبایا جا سکیگا بلکہ ان کی وجہ سے ایک تباہ کن جنگ کے آغاز کا بھی امکان ہے جس میں ہندوستان کو غیر ملکی سامراج کے ہاتھوں میں کھلونا بنایا جا سکتا ہے........ کانگریس مطالبہ کرتی ہے کہ ایسی تمام تیاریوں کو فوراً ختم کر دیا جائے۔ اور اگر برطانوی حکومت اپنے سامراجی مقاصد کی توسیع کے لئے جنگ کرنے سے باز نہ آئے تو ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اس میں ہر قسم کی امداد اور اشتراک عمل سے انکار کر دے۔"

مدراس کانگریس کے بعد ۱۹۲۸ء میں ایک مرتبہ پھر اسی قرارداد کو دہرایا گیا اور اگرچہ کانگریس سوشلسٹ پارٹی نے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں متعدد بار اس امر کی کوششیں کیں کہ "خطرہ جنگ" کے متعلق آل انڈیا کانگریس کمیٹی کوئی موزوں قرارداد منظور کرے۔ لیکن اسے ہمیشہ ناکامیاب ہی رہنا پڑا حتی کہ جاپان اور اطالیہ کے چین اور حبشہ پر غاصبانہ حملوں نے اسے ایک مرتبہ پھر قرارداد مدراس کو دہراتے ہوئے یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ:-

"ہندوستان کسی سامراجی جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں۔"

کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ فیض پور میں جنگ کے متعلق جو طویل قرارداد منظور کی گئی تھی اس میں وضاحت کے ساتھ بتلایا گیا تھا کہ:-

"فسطائیت کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو محسوس کرنے کے باوجود کانگریس

دنیا کی آئندہ جنگ کو سامراجی جنگ قرار دیتی ہے اور ہندوستانی عوام کو متنبہ کر دینا چاہتی ہے کہ وہ اس میں ہر قسم کی امداد دینے سے باز رہیں۔

نیشنل کانگریس نے بدترین حالات میں جرأت کے ساتھ [illegible] رہے وہ حقائق بیان نہیں [illegible] مسٹر [illegible] اور [illegible] آزادی سے محروم کر دیئے جانے کا جو [illegible] نقش ہوتا [illegible] جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے [illegible] کانگریس کی منظور کردہ [illegible] اس کی آئینہ دار ہیں۔

آغاز جنگ کے بعد کانگریس کا مطالبہ

اپنے متذکرہ بالا مستقل نظریے کے باوجود آغاز جنگ کے بعد کانگریس نے برطانوی حکومت سے جو مطالبہ کیا وہ یہ تھا کہ:۔

"وہ صاف الفاظ میں اس امر کی وضاحت کر دے کہ یہ جنگ جمہوریت کی بقا و حفاظت کے لئے شروع کی گئی ہے یا سامراج کی توسیع کیلئے اور اگر اس کی بنیاد جمہوریت پر ہے تو کیا ہندوستان کے باشندوں کو ان کی مرضی کے مطابق دستور حکومت منتخب مرتب کرنے کی اجازت دی جائے گی؟"

اس مطالبہ کے جواب میں [illegible] اکتوبر ۱۹۳۹ء کو وائسرائے نے جو اعلان کیا اس میں نہ تو مقاصد جنگ کے سلسلہ میں کوئی [illegible] بات کہی گئی تھی اور نہ ہندوستان کے آئندہ دستور کی ترتیب کے متعلق کانگریس کے مذکورہ بالا مطالبہ کو تسلیم کیا گیا تھا۔ البتہ یہ ضرور کہا گیا تھا کہ:۔

"جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کے مختلف الخیال سیاسی نمائندوں اور ریاستوں کے حکمرانوں سے اس معاملہ میں مشورہ کیا جائے گا۔"

وائسرائے کے مذکورہ بالا اعلان کے بعد اگرچہ حکومت کا نظریہ بالکل واضح ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے سات صوبوں کی عوامی وزارتیں مستعفی ہو چکی تھیں لیکن کانگریس ورکنگ کمیٹی نے امید کے رشتہ کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اپنے واردھا کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس کے بعض جملے یہ تھے کہ:۔

"...... اس لئے ورکنگ کمیٹی باعزت تصفیہ کے لئے وسائل کی جستجو جاری رکھے گی حالانکہ وہ جانتی ہے کہ برطانوی حکومت نے مصالحت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔"

دسمبر ۱۹۳۹ء میں وزیر ہند کا اعلان شائع ہوا جس میں فرقہ وارانہ اختلافات کو غیر معمولی طور پر نمایاں کر کے بیان کیا گیا تھا لیکن جہاں تک اصل سوال کا تعلق ہے وائسرائے اور وزیر ہند کے اعلانات کو کچھ زیادہ مختلف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود کانگریس نے برطانوی حکومت کے سامنے [illegible] بار بار اور جوابی تعاون کی پیشکش کر کے اس امر کی انتہائی کوشش کی کہ دنیا کو نازی اور فسطائی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے برطانیہ کے دوش بدوش کھڑی ہو سکے۔ چنانچہ دہلی میں ماہ جولائی ۱۹۴۰ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے جو قرارداد منظور کی اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"کانگریس ورکنگ کمیٹی ان اہم واقعات کو جو پیش آئے ہیں عمیق نظروں سے دیکھتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ ان حالات میں کوئی ایسا حل دستیاب ہو جائے جس سے ہندوستان کے موجودہ آئینی تعطل کا خاتمہ ہو سکے اس کے علاوہ کانگریس کی حیثیت کو واضح کرنے کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بین الاقوامی حالات کا نہایت غور و فکر کے ساتھ تجزیہ بھی کیا ہے۔

کامل غور و فکر کے بعد ورکنگ کمیٹی اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ ہندوستان اور انگلستان دونوں کے موجودہ مسائل کا حل اس امر میں مضمر ہے کہ برطانیہ واضح طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دے اور اس اعلان پر فوری عملدرآمد کرنے کے لئے مرکز میں ایک ایسی قومی حکومت قائم کر دی جائے جو مرکزی مجلس مقننہ کے تمام منتخب عناصر کے نزدیک قابل اعتماد ہو اور صوبائی حکومتوں کے ساتھ اتحاد عمل کر سکے۔

ورکنگ کمیٹی کا خیال ہے کہ جب تک اس قسم کا اعلان نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے سلسلہ میں قومی مرکزی حکومت کا قیام عمل میں نہیں آئیگا، ملک کی مدافعت کے مادی ذرائع کی تنظیم نہ تو رضاکارانہ کہلائی جا سکتی ہے اور نہ ایک آزاد ملک کی جانب سے اور اس لئے ان سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ورکنگ کمیٹی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ اگر اس کے مطالبات تسلیم کر لئے گئے تو یہ ادارہ ملک کے دفاعی ذرائع کو منظم اور مستحکم کرنے میں مدد دے گا۔"

لیکن اس پیشکش پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور اس خیال سے کہ کہیں اس مطالبہ کے سلسلہ میں برطانوی حکومت یہ عذر پیش نہ کر دے کہ اسے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی تصدیق حاصل نہیں اس ماہ کے آخر میں پونا کے مقام پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی توثیق بھی کر دی لیکن برطانوی [illegible] پسندانہ ذہنیت نے کانگریس کے ہر مطالبہ، ہر خواہش اور ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا اور بمبئی کے اجلاس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اپنی سابقہ پیشکش کو واپس لیکر ایک مرتبہ پھر کانگریس کی عنان قیادت گاندھی جی کے سپرد کرنی پڑی۔

گاندھی جی اس نازک صورت میں برطانیہ کو ہندوستان کے مسئلہ پر

[illegible]
کمیٹی کے گزشتہ اجلاس میں انہوں نے کانگریس کی جانب سے کئے ہوئے
تمام مطالبات سے دست کش ہو کر حکومت سے صرف ایک مطالبہ کیا تھا کہ
وہ کانگریس کو تقریر کی آزادی کا حق دیدے اور اسی سلسلہ میں انہوں نے وائسرائے
سے شملہ جا کر وائسرائے سے تبادلۂ خیالات بھی کیا تھا لیکن حکومت نے
اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا اور گاندھی جی شملہ سے بے نیل و مرام
واپس آگئے۔

اس سلسلہ میں گاندھی جی نے وائسرائے کو جو مراسلہ ارسال کیا تھا اسکا
یہ جملہ کہ:-

"اگر کانگریس کو مرنا ہی ہے تو وہ اعلائے حق کرکے ہی کیوں
نہ مرے"

گاندھی جی اور کانگریس کے آئندہ ارادوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

کانگریس ہندوستان کے عوام کی واحد سیاسی جماعت ہے اور خود برطانوی
حکومت بھی اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا حالات کی
روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کے عوام بحیثیت مجموعی اس جنگ
میں بالکل غیر جانبدار ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

کانگریس کے علاوہ ہندوستان کی تمام ریاستیں، اور فرقہ پرست
جماعتیں ملک کے مفاد کو پس پشت ڈال کر جنگ میں تعاون و اشتراک
عمل کر رہی ہیں۔ مسلم لیگ اگرچہ کچھ عرصہ تک عام مسلمانوں کو حکومت کی
بنائی ہوئی مقامی جنگی کمیٹیوں میں شمولیت سے مانع رہی ہے لیکن
آسام، بنگال، پنجاب اور سندھ کے وہ معزز حضرات جو مسلم لیگ کے
ساتھ وابستہ ہیں اور جن میں بعض "لیگ ورکنگ کمیٹی" کے اراکین ہونے
کے علاوہ ان صوبوں کی وزارتوں اور دیگر سرکاری مناصب پر بھی فائز ہیں
اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیدئے گئے تھے۔ مگر کچھ مدت کے بعد عوام پر سے بھی
مذکورہ بالا پابندی اٹھالی گئی اور مسلم لیگ نے جنگ کے سلسلہ میں اپنے
اراکین کو حکومت کے ساتھ غیر مشروط تعاون کی اجازت دیدی۔

وائسرائے نے اس امر کا اعلان کیا تھا کہ وہ جنگی مسائل میں صلاح و
مشورہ کیلئے اپنی انتظامی جماعت کی توسیع کرکے اس میں ملک کے مختلف الخیال
سیاسی طبقات کے نمائندوں کو شامل کریں گے۔ کانگریس نے تو اس اعلان
پر اصلاً کوئی توجہ نہیں کی تھی لیکن اب مسلم لیگ نے بھی اس توسیع شدہ
انتظامی جماعت میں شرکت سے انکار کر دیا ہے اور اس انکار کی وجہ بظاہر
یہ ہے کہ اس جماعت میں اسے اکثریت یا کم از کم فرقہ وارانہ تناسب کے اعتبار
سے نشستیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

"ہندوستان اور جنگ" کا عنوان تشنۂ تکمیل سمجھا جائے گا اگر
اس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر ہندوستان کی ایک ایسی برگزیدہ کوہ وقار
صائب الرائے اور فعال جماعت کا تذکرہ نہ کیا جائے جو تقریباً ربع صدی
یعنی اپنی تاسیس کے روز اول ہی سے نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اپنے
اختیار کردہ مسلک پر قائم ہے اور وہ جماعت ہے۔ ہندوستان کے واجب الاحترام
علماء حق کی جماعت جمعیۃ العلماء ہند۔

دنیا بھر میں جب کبھی قدامت یا شخصی اور جماعتی اقتدار کے خلاف انقلاب
برپا ہوا تو مذہب کے حاملین ہمیشہ انقلاب کی راہ میں سد سکندری بن کر
حائل ہوتے رہے۔ اور روس کے اشتراکی انقلاب سے قبل اور اس کے دوران میں
روس کے مذہبی جماعت نے اس تحریک کو فنا کرنے کے لئے جو جو طریقے استعمال کئے
اُن سے اس زمانہ کا کوئی ایسا فرد جو سیاسیات سے دلچسپی رکھتا ہے ناواقف
نہیں لیکن یہ فخر ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ یہاں آج سے نہیں بلکہ
۲۱ سال پیشتر سے علماء کرام کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو غلامی سے
نفرت کرتی ہے اور ملک کو اغیار و اجانب کی محکومیت سے نجات دلانے کیلئے
ہر قسم کی قربانیاں کرتی رہی ہے۔

موجودہ جنگ میں یہ جماعت بھی عدم اشتراک عمل کی حامی ہے اور
اگرچہ کانگریس نے جوابی تعاون کی پیش کش کی قرارداد منظور کرکے حکومت
کے ساتھ اشتراک عمل کی جانب قدم بڑھایا تھا لیکن اس جماعت نے جنگ
کے آغاز میں جو فیصلہ کر لیا تھا۔ آج بھی اسی پر قائم ہے۔

فریقین جنگ کی ہوائی طاقت کا اندازہ

نیویارک ۱۷ اگست۔ برطانیہ اور جرمنی کی ہوائی طاقت کتنی ہے اس وقت
سب طرف سے یہ جاننے کی خواہش ہو رہی ہے۔ نیویارک کے مشہور اخبار نیویارک
ٹائمز نے اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ اندازہ فرانس کی شکست
سے پہلے کا ہے تاہم ذیل کے اعداد و شمار خاص دلچسپی کا موجب ہوں گے:-

جرمنی	۱۰۸۰۰	سے لے کر	۱۹۵۰۰	تک
برطانیہ	۶۰۰۰	" " "	۱۱۰۰۰	"
فرانس	۳۵۰۰	" " "	۶۰۰۰	"
اٹلی	۴۰۰۰	" " "	۶۴۰۰	"

ہر ماہ میں فریقین کتنے ہوائی جہاز تیار کر سکتے ہیں

جرمنی	۱۲۰۰	سے لے کر	۲۵۰۰	تک
برطانیہ	۱۰۰۰	" " "	۱۵۰۰	"
فرانس	۲۰۰	" " "	۳۵۰	"
اٹلی	۲۰۰	" " "	۲۵۰	"

دو منٹ میں

ایک قطرہ کا کرشمہ

یہ ایک طلسمی روغن کا قطرہ ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹروں نے بنایا ہوا ہے اور اس ڈاکٹر کا دعویٰ ہے کہ جو شخص اس روغن کا ایک قطرہ لگائیگا اس کی کمزوری دور ہو جائیگی اور ایک ایم الالف ... کی مثال ہے۔ رنگ لگانے ہی مسامات میں جذب ہو جاتا ہے اور کیسا ہی سست اور ناکارہ انسان ہو اس کا کرشمہ فوراً دیکھ لیتا ہے۔ آپ بھی تجربہ کیجئے یہ جادو اثر رکھنے والا روغن ہے۔ اللہ ... خوبیاں استعمال کرنے پر ظاہر ہوتی ہیں۔ صرف ایک قطرہ مردہ رگوں میں جان ڈالنے کیلئے کافی ہے۔ دیان ماندہ کے ... کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی دو روپے سات آنے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

پتہ۔ منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۵ دہلی

ایک گولی کا کرشمہ

اگر آپ اپنی بیوی کے ساتھ خوش وخرم زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ آپ سے ہمیشہ خوش رہے، تو آپ "خوش وقتی" کی امساک پیدا کرنے والی ایک شیشی بارہ گولیوں والی منگا لیں۔ اگر آپ "وقت" سے ایک گھنٹہ پہلے ایک گولی کھا لیں گے تو پورا لطف۔ مکمل خوشی اور جوانی کی رکاوٹ قابل بھروسہ پیدا ہوگی۔ ان گولیوں کی تعریف کرنا اب بیکار ہے جب کہ یہ دنیا میں اتنی شہرت پا گئی ہیں کہ خوش وقتی کا نام ہی امساک کی گولی ہو گیا ہے اگر خاطر خواہ امساک پیدا نہ ہو تو قیمت واپس کی جاتی ہے۔ ایسی عجیب ایجاد کا ایسا حیرت انگیز اثر صرف ان ہی گولیوں میں ہے۔ قیمت فی شیشی دو روپے (۲/) ڈاک خرچ آٹھ آنے (۸/) علاوہ ایک درجن گولیوں سے کم روانہ نہیں کی جاتیں۔

پتہ۔ منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۵ دہلی

عطر محبوب

مست خوشبو کا کمال

بیسویں صدی میں جہاں سائنس اپنے کمالات پیش کر رہی ہے وہاں روحانی مائل نے بھی کشائش محبوب کیلئے بیسویں صدی میں ایک اسراری روغن بنایا ہے۔ اس خوشبو کا کمال یہ ہے کہ جس مست خرام محبوبہ کو چاہو اپنا بنا سکتے ہو۔ اس خوشبو کے چند قطرے لگا کر اس کے پاس سے گزر جاؤ وہ خود تمہاری تلاش میں بے چین نظر آئے گا محبوب کو مست و بے خود کرنے اور اس کو شرمانے کے لئے اس طلسمی خوشبو کا کمال ضرور دیکھئے آپ خود حیران ہوں گے کہ اس میں کونسا طلسمی اثر ہے کہ جس کو چاہو خود بخود کھنچا چلا آئے یہ خوشبو چالیس دن کی محنت اور روحانی کشش کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ اور عاشقوں کے لئے ان کی مراد پوری کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے سنگدل سے سنگدل عورت کو جو اس خوشبو کو سونگھ لے اپنا بنایا جا سکتا ہے اس خوشبو کو تسخیر کا طلسم محبت کا جادو اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے۔
قیمت فی شیشی دو روپے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

پتہ۔ گولڈ لک ٹریڈ ایجنسی دریا گنج نمبر ۵ دہلی

مرد بننے کا طریقہ

اگر آپ قوت مردمی کی تلاش میں ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ آپ مرد بن جائیں تو طلا اسقوی کی ایک شیشی استعمال کیجئے یہ ایک ایسا طلا ہے۔ جو ایک ہفتہ میں نشوونما میں فرق لاتا ہے۔ طاقت دیتا ہے جو لوگ کوتاہی اور لاغری کے شاکی ہوں ان کو ضرور ایک شیشی استعمال کرنی چاہئے۔ خود بخود حیرت ہونے لگے گی بڑی تعجب انگیز دوا ہے۔

امر کی مالش مایوسوں اور پوری طرح سے خوش نہ کرنے والوں کے لئے اکسیری اثر رکھتی ہے۔ مسامات میں بجلی کی طرح دوڑ جاتا ہے اور عضو کو ڈھیلے پن سے اور طاقت دینے کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ایک شیشی میں آپ مرد بن سکتے ہیں آج ہی تجربہ کیجئے۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے (۳/) ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے (۸/) علاوہ۔

مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے

منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی

یہ لڑائی کیوں ہو رہی ہے؟

(از جناب محمد نسیم صاحب ہاشمی دہلوی)

(شام کا وقت ہے سب کھانا کھا کر فارغ ہو چکے ہیں۔ جمال، جمیلہ اور ان کی آپا جان جنکو وہ آپا کہتے ہیں تینوں پاس پاس چارپائیوں پر لیٹے ہیں اور قصے کہانیاں اور پہیلیاں ہو رہی ہیں)

جمال۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

آپا۔ بس چراغ علاؤالدین نے دوبارہ وہ چراغ حاصل کر لیا۔ پھر مزے سے وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ کہانی ختم ہوئی۔

جمیلہ:۔ اچھا اب کے کوئی اور اس سے بھی اچھی کہانی سناؤ

جمال:۔ آپا! اچھا یہ بتاؤ کہ یہ لڑ کون رہا ہے؟ یہ لڑائی کہاں ہو رہی ہے؟ اور کیوں ہو رہی ہے؟ جہاں سنو لڑائی کا ذکر! جہاں دیکھو لڑائی کی خبریں! یہ کیا بات ہے؟

جمیلہ:۔ واہ جی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، کہ لڑائی کیوں ہو رہی ہے تم کتنی دفعہ ہم سے لڑ چکے ہو اور لڑتے ہی رہتے ہو۔ مگر ہم نے کبھی آپ سے نہیں پوچھا کہ تم ہم سے کیوں لڑتے ہو؟

آپا۔ ہاں جمال! تم نے تو خوب یاد دلایا! لڑائی کی باتیں تو ہم نے ابتک تم کو بتائی ہی نہیں تھیں مگر جمیلہ جاندا سب لڑائیاں تمہاری ہی جیسی نہیں ہوتیں کہ "اسد دے پلا دے رو رہے تھے بنئے نے گرمو یا ہنس رہے تھے" لڑائیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ یہ جو لڑائی ہو رہی ہے اسکو جنگ کہتے ہیں۔ اور یہ ایسی لڑائی ہوتی ہے کہ اس سے ملک چھینے جاتے ہیں۔ ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں، خاندان کے خاندان تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔ تب جا کر کوئی جیتا ہے اور لڑائی ختم ہوتی ہے۔ جمال اسی لڑائی کے متعلق تو پوچھ رہے ہیں کہ یہ کیوں ہو رہی ہے؟

جمیلہ:۔ ہاں تو بتاؤ پھر یہ کیوں ہو رہی ہے؟

آپا۔ یہ تو ہم ذرا بعد میں بتائیں گے کہ کیوں ہو رہی ہے؟ پہلے ہم یہ بتائیں گے کہ یہ کہاں ہو رہی ہے اور کون لڑ رہا ہے؟

جمال:۔ ہاں ہم یہی تو پوچھ رہے تھے۔

آپا:۔ جس طرف سورج ڈوبتا ہے اُس طرف یہاں سے بہت دور زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا ہے۔ ایسے ٹکڑے کو ہم بر اعظم کہتے ہیں۔ مگر یہ بر اعظم کئی ہیں۔ ہم جہاں رہتے ہیں یہ بھی بر اعظم ہے۔ اس بر اعظم کا نام "ایشیا" ہے۔ اور وہ بر اعظم جو مغرب کی طرف ہے اس کا نام یورپ ہے وہیں ایک اور بھی بر اعظم ہے جسے ہم افریقہ کہتے ہیں۔ تو آج کل لڑائی ہو تو یورپ میں ہی رہی تھی مگر اب پہنچ گئی افریقہ تک بھی ہے اور ابھی کچھ خبر نہیں کہ کہاں کہاں تک اور پہنچے۔

جمال:۔ تو سب ملا کر دنیا میں کتنے بر اعظم ہیں؟

آپا۔ بڑے بڑے تو چار ہی ہیں۔

جمال:۔ کون کون سے؟

آپا:۔ ایک تو ہمارا ہی ہے جس کو ہم ایشیا کہتے ہیں۔ یہاں چین و جاپان تقریباً تین سال سے لڑ رہے ہیں۔ دوسرا یورپ ہے جہاں یہ لڑائی ہو رہی ہے۔ تیسرا افریقہ ہے۔ جہاں یہی یورپ کی لڑائی پہنچتے ہوتے وہاں بھی پہنچ گئی ہے۔ اور چوتھا امریکہ ہے، جسکو نئی دنیا کہتے ہیں۔ یہ ابھی تک لڑائی میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ضرور ہے۔

جمیلہ:۔ کیوں اندیشہ کیوں ہے؟

آپا۔ ہاں یقین تو نہیں ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے آدمی انگریز کے دوست ہیں اور شاید دوست کی دوست طرفداری کرے۔ یہ یہ ایک خیال یا اندیشہ ہے۔

جمال:۔ یہ تو تم نے بتا دیا کہ لڑائی یورپ میں ہو رہی ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ لڑنے والے کون کون ہیں؟

آپا:۔ اب نہیں یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ یورپ کہاں ہے۔ اچھا اب سنو! دیکھو جس طرح ہمارے بر اعظم ایشیا میں بہت سے ملک

جمیلہ:۔ یعنی انڈونیشیا، ہندوستان، اور چین۔ جاپان وغیرہ، اسی طرح یورپ کے براعظم میں بھی بہت سے ملک ہیں مثلاً آئرلینڈ، انگلینڈ، جہاں انگریز رہتے ہیں، جرمنی، فرانس، اٹلی، پولینڈ اور روس وغیرہ۔

شروع شروع میں تو لڑائی پولینڈ اور جرمنی کی تھی۔ مگر پھر انگلینڈ اور فرانس دونوں نے مل کر جرمنی سے لڑنا شروع کر دیا پھر اس کے بعد اور بھی کئی ملکوں سے جرمنی کی لڑائی ہو گئی یہ سب کے سب تو ایک طرف تھے مگر جرمنی اکیلا تھا......

جمیلہ:۔ ہاں پھر کیا ہوا؟ کیا وہ اکیلا سب سے لڑا!

آپا:۔ ہاں وہ اکیلا ہی سب سے لڑا اور کیا کام کیا کہ جتنے اس کے آس پاس کے دشمن تھے سب کو اکیلے ہی ہرا دیا۔ مگر ابھی سب نہیں ہارے تھے اور ابھی دو بڑے بڑے ملک اور باقی تھے۔

جمال:۔ وہ کون کون سے؟

آپا:۔ ایک فرانس اور دوسرا انگلینڈ۔

جمیلہ:۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟

آپا:۔ کچھ دنوں کے بعد جرمنی نے فرانس جیسے جفادری اور بہت بڑے ملک کو بھی ہرا کر بتاشے کی طرح بٹھا دیا! اور اب صرف انگلینڈ سے لڑائی جاری ہے۔

جمال:۔ جب تو جہاں اتنے سارے ملکوں کو جرمنی نے ہرا دیا تو اس کو بھی ہرا دے گا۔

جمیلہ:۔ اور کیا! اب کیا مشکل ہے!

آپا:۔ نہیں۔ بات تو ساری یہی ہے، کہ یہ کام جتنا آسان معلوم ہوتا ہے اتنا ہی مشکل ہے۔

جمال:۔ وہ کیسے؟

آپا:۔ دیکھو ایک بات تو یہ ہے کہ انگلینڈ یعنی جہاں انگریز رہتے ہیں، ایک جزیرہ ہے اور اس کے چاروں طرف سمندر اور پانی ہی پانی ہے اور انگریزوں کے پاس اپنی حفاظت کیلئے پانی میں چلنے والے جہاز جرمنی کیا کہ سب ملکوں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے پانی کے راستہ سے جرمنی کی فوجوں کا انگلینڈ آنا بہت مشکل ہے۔

جمال:۔ کیوں؟ سنا ہے آج کل ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر لڑتے ہیں اور ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ جرمنی کے پاس ہوائی جہاز بہت زیادہ ہیں۔ پھر جرمنی کی فوج ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر کیوں نہیں لڑتی؟

آپا:۔ ہاں تمہارا خیال ہے تو بالکل ٹھیک اور اسی طرح جرمنی آجکل لڑ بھی رہا ہے۔ مگر مشکل ایک اور ہے اور وہ یہ کہ جرمنی کی فوج اس قدر زیادہ ہے کہ وہ ساری ہوائی جہازوں میں نہیں جا سکتی کیونکہ ہوائی جہازوں میں زیادہ جگہ ہی نہیں ہوتی۔ ان سے تو صرف حملہ کیا جاتا ہے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جب تک جرمنی کی ساری فوج انگلینڈ میں نہیں پہنچ جائے جرمنی انگریزوں کو شکست دے ہی نہیں سکتا۔ صرف یہی وجہ ہے جو انگلینڈ اب تک فتح نہیں ہو سکا

جمیلہ:۔ ہم کو تو تم صرف یہ بتا دو کہ جیتے گا کون؟

آپا:۔ یہ بتانا تو بہت ہی مشکل ہے کہ جیتے گا کون؟ غیب کی بات تو سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ مگر ہاں لوگ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں جیتے گا وہی جس کے پاس ہتھیار اور لڑائی کا سامان زیادہ ہوگا

جمال:۔ تو لڑائی کا سامان کس کے پاس زیادہ ہے؟

آپا:۔ جرمنی کے پاس ہوائی جہاز زیادہ ہیں۔ اور انگریزوں کے پاس پانی کے جہاز بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ جرمنی کے پاس اور سامان جنگ بھی زیادہ ہے۔ مگر اس وقت تو پانی کے جہازوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ جرمنی کے پاس بہت کم ہیں۔

جمال:۔ تو پھر اب جرمنی کیا کرے گا؟

آپا:۔ سنا ہے جرمنی ایک ترکیب کر رہا ہے۔ اور وہ یہ کہ انگریزوں کے جو پانی کے جہاز ہیں وہ ان کو ڈبونا شروع کر دے گا۔

جمیلہ:۔ ڈبوئے گا؟ ارے یہ کس طرح؟

آپا:۔ ہاں وہ تو پہلے بھی بہت سارے ڈبو چکا ہے اور وہ اس طرح کہ اس کے پاس ایک قسم کی کشتیاں ہیں ان کو ہم "آبدوز" کہتے ہیں یہ غوطہ مار کر پانی کے اندر چلی جاتی ہیں اور نیچے ہی نیچے جا کر جہاز کے پیندے میں پھر گولہ مار دیتی ہیں۔ بس جہاز کے پیندے میں ایک بڑا سارا سوراخ ہو جاتا ہے اور وہ ڈوب جاتا ہے۔

جمیلہ:۔ اچھا تو یہ بتا دو کہ اب تک جیت کون رہا ہے؟

جمال:۔ یہ تو آپا نے ابھی بتایا تھا کہ جرمنی نے اکیلے ہی سب کو ہرا دیا اور اب صرف انگلینڈ باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب تک تو جرمنی ہی جیت رہا ہے۔

...؟

آپا: سب سے پہلے وہاں کوئی بادشاہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ مگر ہاں ایک اور شخص ہوتا ہے جس کو وہاں کا بادشاہ ہی سمجھنا چاہئے۔ آج کل ایسا شخص اور جسکو ڈکٹیٹر کہتے ہیں وہاں ہٹلر ہے۔

جمال: آپا! ایک بات تو تم نے یہ بتائی کہ انگلینڈ ایک جزیرہ ہے جس کے چاروں طرف پانی ہے اس لئے جرمنی کی فوجوں کا وہاں جانا مشکل ہے۔ اچھا دوسری جرمنی کی اور کیا مشکل ہے؟

آپا: دوسری مشکل تو تم خود بھی سمجھ سکتے ہو اور وہ یہ کہ جب جرمنی اتنے سارے ملکوں سے لڑ چکا ہے اور ان کو شکست دیدی ہے تو خیال کرو اس میں اس کا نقصان کتنا ہوا ہوگا۔ کتنا سامانِ جنگ برباد ہوا ہوگا اور کتنے اس کے سپاہی مارے گئے ہوں گے۔ اس لئے اب جرمنی کی طاقت پہلی سی کہاں رہی ہوگی۔ مگر اب اٹلی نے بھی جرمنی کے ساتھ ہو کر لڑنا شروع کردیا ہے اس لئے شاید جرمنی کو اب اپنے نقصان کا زیادہ افسوس نہ ہو۔

جمال: اچھا اٹلی بھی لڑ رہا ہے!

آپا: ہاں یہ دیکھو بڑی دلچسپ بات ہے کہ پہلے تو فرانس اور انگلینڈ دونوں مل کر اکیلے جرمنی سے لڑ رہے تھے مگر اب اس کا الٹا ہو گیا یعنی فرانس کو تو شکست ہوئی اور وہ انگریزوں کو لڑائی کے میدان میں چھوڑ کر بھاگ گیا ادھر اٹلی اب جرمنی کے ساتھ ہو کر انگریزوں سے لڑنے لگا یعنی پہلے انگریز فرانس ہو کر اکیلے جرمنی سے لڑ رہے تھے۔ اب جرمنی اور اٹلی دونوں مل کر اکیلے انگریزوں سے لڑ رہے ہیں۔ انقلاب اس کا نام ہے۔

جمال: اچھا تم نے یہ تو بتا دیا کہ لڑائی کہاں ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ کون کون لڑ رہا ہے اب صرف ایک بات اور بتا دو کہ یہ لڑائی ہو کیوں رہی ہے؟ تم نے کہا بھی تھا کہ یہ بات ہم بعد میں بتائیں گے۔

آپا: تم تو لڑائیوں کے بہت ہی شوقین نکلے!

جمیلہ: ہاں یہ تو کہانیوں سے بھی زیادہ مزے کی ہیں۔

آپا: اچھا سنو اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ لڑائی کیوں ہو رہی ہے؟ اب سے کوئی بیس پچیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ جیسی جنگ آجکل ہو رہی ہے ایسی ہی جب بھی ہوئی تھی۔ وہ بھی بہت ہی خوفناک جنگ تھی اس میں

میں کیوں مر گئی؟

(مرنے کے بعد ایک ہندوستانی عورت کے جذبات عالم خیال میں)

مجھے مرے ہوئے کئی ہفتے ہو چکے تھے اور مجھے یاد ہے کہ میری موت پر تقریباً تمام رشتہ داروں نے اور میری سب سہیلیوں نے بڑے زور شور سے ماتم بھی کیا تھا اور جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میرے خاوند کو میری موت کا اتنا رنج ہوا کہ وہ کئی دن تک تو نہیں گئے۔ لیکن میں مجبور تھی۔ سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر کسی زندہ آدمی سے بات کرنے والی طاقت مجھ سے چھین لی گئی تھی مجھے بتا دیا گیا تھا کہ اب میں دنیا کے کسی باشندہ سے قیامت تک نہ مل سکتی ہوں۔ نہ ان سے کوئی بات کر سکتی ہوں۔ لیکن تمام باتوں کے باوجود ایک کانٹا تھا جو بار بار میرے دل میں اندر ہی اندر چبھ رہا تھا "میں کیوں مر گئی"؟ یہ ایک سوال تھا جس کے حل کرنے اور جواب جاننے کے لئے میری روح بے چین تھی۔

میں اٹھی۔ سارا قبرستان چھان مارا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر یہ ہزارہا۔ لاکھوں قبریں کیوں بن گئیں۔ اور یہ لوگ کیوں مرے۔

ایک فہرست میں نے بنانی شروع کر دی۔ بچوں کو چھوڑ کر عورتوں اور مردوں کی پوری تعداد میں نے لکھ لی اور حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ عورتیں زیادہ مری ہیں۔ یہ دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آخر عورتوں سے موت کو کیا دشمنی ہے۔ یہ بے زبان طبقہ کیوں موت کے گھاٹ اترتا جا رہا ہے سوچتی رہی غور کرتی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا پھر میں نے ایک اور فہرست بنانے کا ارادہ کیا۔ اب مجھے یہ جاننا تھا کہ یہ عورتیں کس لئے زیادہ مریں اور کس مرض میں زیادہ مریں۔

فہرست تیار ہو گئی میں نے حساب لگایا۔ اسی فی صدی بے زبان عورتیں نسوانی امراض میں اپنی زندگی دے بیٹھی تھیں اور ان میں بھی سب سے زیادہ تعداد ایسی عورتوں کی تھی جو اپنی زندگی میں سیلان الرحم کی (یعنی سفید پانی کی) مریض تھیں۔ ان کے مردوں نے یا خاوندوں نے لاپروائی کی۔ وقت پر اس بیماری کی خبر نہ لی نتیجہ یہ ہوا کہ سیلان الرحم کی وجہ سے اور کئی بیماریاں پیدا ہو گئیں پھر بھی ان کے غافل مردوں نے کچھ توجہ نہ کی یہاں تک کہ ان کا مرض لاعلاج ہو گیا اور وہ آخر کار موت کے خوفناک پنجہ میں پھنس گئیں مجھے یہ سب باتیں معلوم کر کے بڑا رنج ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ ہندوستانی لوگ سیلان الرحم کی بیماری کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اور بہت لوگ جانتے بھی نہیں کہ سیلان الرحم کسے کہتے ہیں۔ کاش ان مردوں کو معلوم ہوتا کہ شریف عورتیں اپنی زبان سے ایسی بیماریوں کا ذکر نہیں کیا کرتیں۔ اس لئے انہیں خود ہی ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر وہ کسی قابل حکیم ڈاکٹر سے پوچھیں کہ سیلان الرحم کیا ہے تو وہ بتا دے گا کہ اس مرض میں ایک سفید رنگ کی لیسدار رطوبت عورت کے مخفیہ بدن سے خارج ہوتی رہتی ہے۔ اور عورت دن بدن کمزور اور سست ہوتی چلی جاتی ہے۔ کمر میں اور پیٹ اور زیر ناف درد ہوتا ہے۔ تمام جسم میں بے کلی ہوتی ہے۔ بھوک بند ہو جاتی ہے۔ سر چکراتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ بیماری خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور پھر لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔

پھر ہم کیا کریں؟ جو لوگ یہ پوچھتے ہوں کہ سیلان الرحم کی بیماری کا علاج کیسے ہو۔ اور ہم کیا کریں۔ ان کو بتلانے کے لئے میں کہتی ہوں کہ اگر وہ اس عورت کو جو سیلان الرحم کی مریض ہو ایک شیشی دوا "روک" استعمال کرا دیں۔ تو یہ بیماری فوراً دور ہو جائے گی کیونکہ یہ دوا ہزارہا جگہ تجربہ میں آچکی ہے۔ اور اس بیماری کا تیر بہدف علاج ہے۔

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی

کو خط لکھ کر منگا لو۔ ایک شیشی تین روپے کی ہے۔ اور اس پر سات آنے محصول ڈاک لگتا ہے۔ یاد رکھو اگر اپنی بے زبان عورتوں کی تندرستی چاہتے ہو تو ہمیشہ ان کی تندرستی کے متعلق ان سے سوالات کرتے ہو۔ اور نوٹ کر لو کہ دہلی کا زنانہ دواخانہ اس مقصد کے لئے بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ اور تیر بہدف دوائیں ایجاد کرنے میں خاص شہرت رکھتا ہے۔

جن عورتوں نے زنانہ دواخانہ کی دوائیں استعمال کی ہیں وہ جانتی ہیں کہ یہ دواخانہ کوئی تجارتی کاروبار نہیں ہے بلکہ ملک کے بے زبان طبقے کی حقیقی خدمت کر رہا ہے اور اس کی ایجاد کردہ دوائیں نہایت موثر اور جلدی فائدہ کرنے والی ہیں کیونکہ نہایت قابل اور ممتاز اطباء کی نگرانی میں پوری دیانتداری کے ساتھ دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔

اردو زبان کا بہترین اور ارزاں ماہوار رسالہ
محشر خیال دہلی
جنگ نمبر حصہ ۲

سرپرست: عبداللہ فاروقی
ایڈیٹر و پرنٹر پبلشر: عبدالحق فاروقی

چندہ سالانہ
ہندوستان، عدن، سیلون
بذریعہ منی آرڈر ۱۲
بذریعہ وی پی ۱۲
برما سے بذریعہ منی آرڈر ۱۲
بذریعہ وی پی ۱۲

جلد (۱۲) — ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء — نمبر (۶)

ہمارے خیالات

(از ادارہ)

محشر خیال کے "جنگ نمبر" کا دوسرا حصہ ہدیہ قارئین ہے اور اس نمبر کی ترتیب و تدوین میں جس درجہ کاوش، محنت اور جانفشانی سے کام لیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں بلکہ اس کا فیصلہ قارئین کے ذوق سلیم پر منحصر ہے۔ اگر وہ اسے پسند فرمائیں گے تو بلاشبہ یہ امر ہماری ہمت افزائی کا موجب ہوگا اور اگر اس میں ان کے لئے کوئی کشش، جاذبیت اور دلچسپی موجود نہ ہوئی تو ہماری سب سے بیش زیادہ کاوشیں، محنتیں اور جانفشانیاں بھی بیکار ہیں۔ لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ہم فخر اور مسرت کے ساتھ اس بات کا بجا طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جنگ کے موضوع پر جس قدر معلومات "محشر خیال" نے پیش کی ہیں ہندوستان کے کسی اخبار یا رسالہ نے بیک وقت اس قدر معلومات پیش نہیں کیں۔

محشر خیال کے جنگ نمبر کی ترتیب کا فخر ہمارے دوست اسرار احمد صاحب آزاد کو حاصل ہے۔ موصوف نے اس نمبر کی ترتیب و تدوین میں جس قدر دلچسپی اور محنت سے کام لیا، ادارہ محشر خیال اگر اس پر اظہار تشکر نہ کرے تو یہ امر اس کے لئے مناسب نہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں محشر خیال کو معقول معاوضہ بھی ادا کرنا پڑا ہے۔ اور اسی لئے ہم اپنے موقر معاصرین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر ان مضامین کو نقل فرمانے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

"محشر خیال" نے جنگ کے سلسلہ میں جس قدر معلومات پیش کی ہیں وہ اگرچہ اتنی جگہ میں زیادہ نہیں لیکن یہ کہنا غلطی سے کم نہ ہوگا کہ اس نے اس عالمگیر جنگ کے تمام گوشوں کو واضح کر دیا ہے۔ اور یہ ممکن بھی نہیں کہ اس خوفناک لڑائی کے تمام پہلوؤں پر جو رفتہ رفتہ دنیا کے تمام گوشوں میں پھیلتی جا رہی ہے "محشر خیال" کے محدود صفحات میں روشنی ڈالی جائے۔ اس ہولناک تذکرہ کے لئے تو ایک ضخیم دفتر اور لامحدود فرصت کی ضرورت ہے البتہ اسے جنگ کا مختصر خاکہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اگر محشر خیال کے قارئین نے ہماری اس کوشش کو پسند فرمایا تو آئندہ بھی جنگ کا ماہوار روزنامچہ اور اسی سلسلہ میں کوئی نہ کوئی پُر از معلومات مضمون مستقل طور پر شائع کیا جاتا رہے گا۔

محشر خیال کی گزشتہ اشاعت سے اس وقت تک دنیا میں بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں۔ اور اگر یہاں ان سب پر اظہار خیال کیا جائے تو ہمیں رسالہ میں کم از کم سو صفحوں کا اضافہ کرنا ہوگا جو کاغذ کی موجودہ گرانی کے دور میں ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اپنے خیالات کے اظہار کو چند اہم ترین واقعات و حالات ہی تک محدود رکھیں۔

فائنینس بل

موجودہ جنگ کے آغاز میں ہندوستان کے مطالبات کے

سلسلہ میں برطانوی حکومت کے نامناسب طرزِ عمل سے متاثر اور مجبور ہو کر کانگریس نے دوسرے اہم فیصلوں کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ مرکزی اسمبلی کے کانگریسی اراکین، اسمبلی کے جلسوں کا مقاطعہ کر دیں چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق یہ حضرات گزشتہ ایک سال سے اسمبلی کے کسی اجلاس میں شریک نہیں ہوئے۔

انڈین نیشنل کانگریس نے جنگ شروع ہونے کے بعد جمہوریت کے تحفظ و بقائے مشترکہ مقصد کے پیش نظر برطانوی مدعیان جمہوریت پسندی کے ساتھ اشتراکِ عمل کی جو جو کوششیں کیں، "مشترکہ خیال" کے قارئین ان سے ناواقف نہیں لیکن وہ سب ناکامی اور مایوسی پر منتج ہوئیں اور فسطائیت اور اس کے علمبرداروں کی شدید ترین مخالف ہونے کے باوجود کانگریس کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ دنیا کو بانگ دہل اس بات سے خبردار کر دے کہ ہندوستان اس جنگ میں بالکل غیر جانبدار ہے اور آج ہندوستان کی جنگ میں شرکت کا جو اعلان کیا جا رہا ہے اس سے جنگ میں ہندوستان کی رضا کا رانہ شرکت کا اظہار نہیں بلکہ یہ اعلان بجائے خود ہندوستان کی محکومیت کا مظہر اور دعائے جمہوریت پسندی کے منافی ہے۔

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں جب جنگ کے بڑھے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے "فائننس بل" پیش ہونے کی اطلاع موصول ہوئی تو کانگریس کے لئے بجز اس کے اور کوئی راہ نہ تھی کہ اس کے خلاف آواز بلند کرے اور اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے گزشتہ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ اس مسودہ قانون کے سلسلہ میں ملک کے حقیقی نقطۂ خیال کو پیش کرنے کے لئے اسمبلی کے کانگریسی اراکین اس مرتبہ اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوں۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے مذکورہ بالا فیصلہ کے مطابق، اسمبلی کے کانگریسی اراکین نے اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں شرکت کی اور اس موقعہ پر سرکاری اور نیم سرکاری اراکین کے علاوہ عوام کے ہر طبقہ کے نمائندوں حتیٰ کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کے اراکین نے بھی حکومت کے طرزِ عمل پر شدید نکتہ چینی کی اور رائے شماری کے وقت مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے علاوہ جو غیر جانبدار رہی سب پارٹیوں نے کانگریس پارٹی کے ساتھ رائے دیکر قانونی طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ ہندوستان اس جنگ میں اپنی مرضی سے شریک نہیں۔

ہندوستان کا یہ فیصلہ صاف اور غیر مبہم ہے اور اس پر کچھ لکھنا بیکار ہے۔ لیکن جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے۔ یہاں اس کے نقطۂ نگاہ کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کانگریس اسمبلی پارٹی نے اس اجلاس میں بھی شریک ہو کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسے مخالف ہی تصور کیا جاتا اور ہندوستان میں اس کے متعلق وہی خیال قائم ہوتا جو اس کے اس اجلاس میں شریک ہونے اور اس شرکت کے انجام کے بعد قائم کیا گیا ہے۔ لیکن پروپیگنڈا کے اس دور میں یہ بات مشکل نہیں تھی کہ کانگریس کی عدم شرکت کو اس کی خاموشی قرار دے کر اسے جنگ میں شرکت کا حامی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ لیکن اس شرکت کے بعد اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

"انفرادی ستیہ گرہ"

جمہوریت کی مدعی برطانوی حکومت نے کانگریس کے مطالبات کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسے بار بار بیان کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ آخری بار جب کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے گاندھی جی نے آزادیٔ تقریر کا حق طلب کیا اور جب اس سلسلہ میں بھی انہیں لارڈ لنلتھگو کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو مجبور ہو کر انہوں نے جنگ کے خلاف "انفرادی" ستیہ گرہ شروع کرنے کا اعلان کر دیا اور اکتوبر گزشتہ سے ہندوستان میں یہ تحریک شروع کر دی گئی ہے۔ ابتدا میں تو یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ ستیہ گرہ کی یہ تحریک بہت محدود رہے گی اور اس طرح دنیا صرف اس قدر سمجھے گی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس جنگ میں شرکت کی حامی نہیں لیکن ملک کے طول و عرض میں کانگریس کے رہنماؤں کی تازہ سرگرمیوں، گرفتاریوں اور اس خاموش اور پُر امن لڑائی کے دونوں فریقوں کی تیاریاں ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ لڑائی طول کھینچے گی اور نتیجہ خواہ کچھ بھی برآمد ہو لیکن کانگریس کو ایک مرتبہ پھر ایثار اور قربانی کی راہ سے گزرنا پڑے گا۔

اس وقت تک جواہر لال، سردار پٹیل کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے ممتاز و معروف کانگریسی رہنما گرفتار کئے جا چکے ہیں اور حالات سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ اس پُر امن لڑائی پر کسی قسم کا تبصرہ بیکار ہے لیکن اسے دیکھ کر ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بحالات موجودہ کیا برطانوی حکومت کا یہ دعویٰ صحیح کہلایا جانے کا مستحق ہے کہ یہ لڑائی اقوام عالم کو غیر جمہوری حکومت سے بچانے اور جمہوری نظام حکومت کی حفاظت کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے موجودہ سخت گیر اور غیر جمہوری طرزِ عمل کو دیکھ کر دنیا جس نتیجہ پر پہونچے گی وہ ظاہر ہے۔

کامریڈ ایم۔ این رائے

کامریڈ رائے نہ صرف ہندوستان ہی میں کافی مشہور ہیں بلکہ ان کی

گزشتہ انتخابی سرگرمیوں کی بنا پر بین الاقوامی سیاسی حلقے بھی ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ کو جنگ کے مسئلہ میں کانگریس کے فیصلوں کے خلاف عمل کرنے کی وجہ سے کانگریس سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ آپ نے گزشتہ مہینہ میں اس بات کی کوشش کی تھی کہ یو۔ پی۔ اسمبلی کی کانگریس پارٹی کو نظرانداز کر کے اس صوبہ میں مسلم لیگ پارٹی کے اشتراک سے مشترکہ وزارت قائم کی جائے۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

جہاں تک اس کوشش کے انجام کا تعلق ہے ہمیں اس سے بحث نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ کامریڈ رائے اور ان کی پارٹی کو یہ کوشش کیوں تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ، حکومت ہند اور ہندوستان کی صوبائی حکومتیں اس وقت جنگ کی کامیابی کیلئے ہر طریقہ کار اختیار اور استعمال کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اور یو۔ پی کے گورنر نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جو لوگ جنگ کے معاملہ میں خاموش ہیں اور حکومت کو کسی قسم کی امداد نہیں دیتے ہم ان کو بھی مخالف تصور کرتے ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ کوئی ایسی وزارت جو اس معاملہ میں اعتدال پسندی بھی چاہتی ہو کم از کم یو۔ پی میں تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر کامریڈ رائے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو ظاہر ہے کہ یا تو انہیں پوری قوت کے ساتھ رائے عامہ کو کچل کر جنگ کے معاملہ میں حکومت کی مقررہ پالیسی پر عمل کرنا پڑتا یا پھر ان کی یہ مشترکہ وزارت معطل ہو جاتی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کانگریس کا یہ سابق ممبر اس بات کو کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس کے ہم خیال وزراء اپنے وطن پرور ساتھیوں کے سزا ناموں پر دستخط کر کے انہیں جیل بھیجنے کی اجازت دیتے۔ حالانکہ مقصد کے لحاظ سے ہندوستان کی تمام آزاد خیال جماعتیں ایک ہی مقام پر کھڑی ہیں بہرحال کامریڈ رائے کا یہ طرز عمل بھی ان کی پہلی بہت سی باتوں کی طرح ناقابل فہم ہے اور یہ باتیں انہیں مقبول بنا سکنے کی بجائے انہیں عوام کی نظروں میں اور گراتی جا رہی ہیں۔

مسٹر روزویلٹ کا سہ بارہ انتخاب

امریکہ کی صدارت کا جو ہنگامہ گزشتہ چند ماہ سے برپا تھا وہ اس ماہ کے پہلے ہفتے کے شروع میں مسٹر ولکی کی شکست اور مسٹر روزویلٹ کی کامیابی پر ختم ہو گیا اور بین الاقوامی سیاست کی نزاکت اور پیچیدگی کے اس دور میں امریکہ کے باشندوں نے اپنے ملک کی رہنمائی کے لئے مسٹر روزویلٹ ہی کو اپنا صدر منتخب کیا۔ مسٹر روزویلٹ ڈیموکریٹک پارٹی کی جانب سے کھڑے کئے گئے تھے اور مسٹر ولکی ریپبلکن پارٹی کی جانب سے۔ جہاں تک ان پارٹیوں کے مقاصد کا تعلق ہے۔ ان میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے دونوں پارٹیاں جنگ میں امریکی فوجیں بھیجنے کو چھوڑ کر اس لڑائی میں برطانیہ کو پوری پوری امداد کرنے کا یقین دلاتی رہی ہیں لیکن جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں ریپبلکن پارٹی کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ مسٹر روزویلٹ کی پارٹی کسی نہ کسی وقت جنگ میں براہ راست شریک ہو سکتی ہے اور صدارت کے انتخاب میں بھی یہی نکتہ خاص غور اور توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ بہرحال یہ انتخاب بین الاقوامی سیاست میں ایک اہم مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مسٹر روزویلٹ کی کامیابی نے یقیناً برطانوی قوم کی ہمتوں کو بڑھا دیا ہے اور جنگ کے مستقبل پر اس انتخاب کا اثر پڑنا لازمی ہے۔

اطالیہ اور یونان کی لڑائی

پچھلے مہینہ کے آخر میں دفعتہً یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اطالیہ کی فوجوں نے یونان پر حملہ کر دیا ہے۔ ہمارے لئے یہ خبر اس لئے تعجب خیز ثابت نہیں ہوئی کہ اگر محوری طاقتیں برطانیہ کو مشرق قریب کے ملکوں میں مشکلات کا شکار بنانا اور اسے اس کے مشرقی مقبوضات سے الگ کر دینا چاہتی ہیں تو بحیرہ روم پر اقتدار قائم کرنے کے لئے ان کا یونان پر حملہ کرنا ضروری تھا۔ یونان ہی بلقانی ریاستوں میں ایک ایسی ریاست ہے جو اس وقت تک محوری طاقتوں کے اثر سے آزاد اور برطانیہ کا دوست ہے اور اگرچہ اطالوی حملہ سے پہلے وہ جنگ میں غیر جانبدار رہا ہے لیکن اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں کہ یونان کی تمام ہمدردیاں برطانیہ کے ساتھ تھیں۔ اس حملہ کے اسباب و علل پر تفصیل کے ساتھ کسی دوسری جگہ بحث کی جا چکی ہے اور اسے یہاں دوہرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن یہاں اس قدر کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونان پر اٹلی کا یہ حملہ حالات کے اعتبار سے غیر دانشمندانہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اطالیہ کو حسب دلخواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی تو یہی حملہ محوری طاقتوں کے زوال کا باعث بن سکتا ہے۔

جہاں تک ترکی حکومت کا تعلق ہے اس کے صدر عصمت انونو نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ جس طرح انہیں یورپ کی موجودہ لڑائی سے کوئی تعلق نہیں اس طرح وہ یونان اور اطالیہ کی اس جنگ میں بھی غیر جانبدار رہیں گے۔ نیز روس کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ ہونے کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہے وہ اس پر قائم ہیں۔ اس اعلان کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ترکی کو نہ تو اس لڑائی سے کوئی تعلق ہے اور نہ خطرہ۔ جو لوگ جزیرہ نمائے بلقان میں جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے ترکی کے معاملہ میں پریشان ہیں انہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔

جواہر لال کی سزایابی

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے انتہا پسند رکن پنڈت جواہر لال نہرو کو [illegible]

جواہر لال کے وارنٹ کی بناء پر گرفتار کر کے چار سال کے لئے اسیر زنداں کیا گیا ہے۔ ہم یہاں پر حکومت کی نئی پابندیوں کے پیش نظر ہم موصوف کی گرفتاری اور سزا یابی پر کوئی طویل تبصرہ تو نہیں کر سکتے لیکن اس قدر عرض کریں گے کہ اس واقعہ سے غلام ہندوستان کے غلام باشندوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔

جواہر لال کے خلاف الزام یہ تھا کہ آپ نے ایسی تقریریں کی ہیں جو جنگ میں امداد حاصل کرنے کے راستہ میں رکاوٹ ڈال سکتی ہیں اور پنڈت جی نے اس الزام کی تردید بھی نہیں کی لیکن کیا آئرلینڈ کے رہنما مسٹر ڈی ویلرا۔ آج آئرلینڈ کے باشندوں کو اس جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں اور کیا کسی معاملہ میں غیر جانبدار رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے؟ پھر اگر یہ سچ ہے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ایک ہی تاج کے ساتھ وابستہ دو ملکوں میں ایک ہی بات پر جو دو مختلف فیصلے کئے جاتے ہیں وہ دراصل "بات" پر منحصر نہیں بلکہ ان ملکوں کے "درجات" پر مبنی ہیں۔ آئرلینڈ آزاد ملک ہے اور ہندوستان غلام!

رہی سزا تو اسمیں شک نہیں کہ یہ سزا انتہائی سخت اور نامنصفانہ ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اصل مقصد کے مقابلہ میں جواہر لال اور اسی درجہ کے لاتعداد فرزندانِ وطن کی ایسی قربانیاں بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو ہم اس سزا کی سختی کے باوجود یہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہندوستان کا یہ محبوب رہنما اس مدت کے بعد پھر اپنے رفقاء کار ہم وطنوں کی صف میں شامل نظر آئے گا ورنہ حریت پسندی کا جرم تو اقتدار پسندانِ عالم کی نگاہ میں ایک ایسا مہیب جرم ہے جس کی سزا میں اگر مجرم کو دار و رسن کے حوالہ بھی کر دیا جائے تو بعید از قیاس نہیں۔

پریس پر پابندیاں

حکومت ہند نے گزشتہ دنوں ہندوستان کے پریس پر جو ناجائز پابندیاں عائد کر دی تھیں ان کی وجہ سے ہندوستان کے اخبارات سخت مشکلات میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان پابندیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اخبارات میں کوئی ایسی خبر نہ شائع کی جائے جو جنگ کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں مزاحم ہو۔ حکومت ہند کا یہ حکم اس قدر وسیع تھا کہ اس میں خیالات و مقالات، ستیہ گرہ کی خبریں، کانگریس کے فیصلے حتیٰ کہ اسمبلی کی وہ تقریریں بھی جن میں جنگ کے متعلق کسی مستقلہ مخالفت کا اظہار کیا گیا ہو شامل کی جا سکتی تھیں۔ انہیں

پابندیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر گاندھی جی نے اپنے اخبار "ہریجن" کی اشاعت کو ملتوی کر دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور انہیں پابندیوں پر غور کرنے کے لئے اس مہینہ کے دوسرے ہفتہ کے شروع میں ہندوستان کے اخبار نویسوں کی ایک اہم کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن اس سے قبل کہ یہ کانفرنس کوئی فیصلہ کرے حکومت نے ان پابندیوں کو اٹھا لینے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح اپنی دانشمندی کا ثبوت دیا۔

برطانیہ جمہوریت پسندی کا دعویدار ہے۔ اور ہمیں ہر روز اس بات کا یقین دلایا جاتا ہے کہ آج انگلستان جن مصیبتوں کا شکار ہو رہا ہے ان کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ جمہوریت پسندی کے مسلک کو چھوڑ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن کیا جمہوریت پسندی کی مدعی ہوتے ہوئے بھی کوئی حکومت کسی ملک کے اخبارات پر ایسی پابندیاں عائد کر سکتی ہے جن کی موجودگی میں وہ عام خبریں تک بھی شائع نہ کر سکیں؟ اگر حکومت ہند ان پابندیوں کو واپس نہ لیتی تو یہ بات ہندوستان کے اخبارات کے لئے تو نقصان دینے والی تھی ہی لیکن مہذب دنیا بھی اسے اچھی نظر سے نہ دیکھتی اور اس سے برطانیہ کے دعویٰ جمہوریت پسندی کو بھی سخت نقصان پہونچتا۔

ڈاکٹر اَزانا اور مسٹر چیمبرلین کا انتقال

نومبر کے شروع سے اس وقت تک دو بین الاقوامی شہرت کے مالک افراد دنیا سے اٹھ چکے ہیں پہلے ڈاکٹر ازانا، ہسپانیہ کی جمہوری حکومت کے سابق صدر اور دوسرے مسٹر چیمبرلین برطانیہ کے سابق وزیر اعظم۔ ہمارے قارئین شاید ڈاکٹر ازانا سے اچھی طرح واقف نہ ہوں گے اس لئے ہم ان کے تعارف میں چند سطور لکھ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

موصوف کا پورا نام مینول ازانا تھا ۱۸۸۰ء میں ہسپانیہ کے ایک مقام "ایکالاڈی ہنریس" میں پیدا ہوئے اور تعلیم سے فراغت پا کر علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ فوجی معاملات میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ آپ نے وکالت کے علاوہ میڈرڈ یونیورسٹی میں لکچرار کی حیثیت سے بھی کام کیا اور سیاسی، بالخصوص انقلابی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے کئی مرتبہ سزا بھی پائی آپ پہلی جمہوری حکومت کے وزیر جنگ اور پھر صدر بنائے گئے۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں آپ نے منصب صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں جب ہسپانیہ میں دوبارہ جمہوری حکومت قائم ہوئی تو آپ کو پھر صدر منتخب کیا گیا۔

"محشر خیال" کی گزشتہ اشاعت میں، ہسپانیہ کی خانہ جنگی کے

سلسلہ میں جو مختصر مضمون شائع ہو چکا ہے اس کے مطالعہ کرنے والے حضرات اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ازانا نے کس ہمت، استقلال، عالی ظرفی اور دانشمندی کے ساتھ تین سال تک ہسپانیہ ہی کی نہیں بلکہ یورپ کی تمام منحرفانہ طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن ناکام ہونے کے بعد وہ فرانس چلے گئے اور چند ماہ بیمار رہ کر ... ہسپانیہ کی ... کو اس دنیا سے چل بسے۔

آنجہانی حقیقی معنی میں ایک انقلابی انسان تھے۔ ایک انقلابی انسان کی طرح ہونا کامی ان کی قسمت ... کی موجب ثابت ہوئی تھی اور ... جمہوری علاقوں میں جو جگہ خالی ہو گئی ہے وہ آسانی کے ساتھ پر نہیں ہو سکے گی۔

مسٹر چیمبرلین ۱۸۶۹ء میں برمنگھم کے مقام پر پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام جوزف چیمبرلین تھا۔ اور آپ قدامت پسند سیاست والوں میں شمار کئے جاتے تھے سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ نیشنل سروس کے ڈائرکٹر مقرر کئے گئے اور مختلف عہدوں پر کام کرتے رہنے کے بعد ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو بالڈون کی وزارت کے مستعفی ہونے کے بعد آپ برطانوی حکومت کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ آپ کی وزارت کا اہم ترین کارنامہ اگر اسے کارنامہ کہا جا سکتا ہے تو یہ ہے کہ آپ ہٹلر اور مسولینی کو مطمئن رکھنے کی غرض سے یورپ کے تمام چھوٹے چھوٹے ملکوں کو غلام بنتے ہوئے دیکھتے رہے اور سب سے آخر میں میونک کے مقام پر چیکوسلواکیہ کو بھی ہٹلر کے سپرد کر دیا آنجہانی کا خیال تھا کہ اس طرح وہ یورپ پر چھائے ہوئے جنگ کے بادلوں کو برسنے سے روک سکیں گے اور اس میں شبہ نہیں کہ مسٹر چیمبرلین کی زندگی میں وہ دن غالباً سب سے زیادہ خوشگوار اور مسرت بخش دن تھا جب آپ میونک میں ہٹلر کے ساتھ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن آنجہانی کی یہ روش کار کیونکہ غلط تھی اس لئے ایک ہی سال کے بعد اس کا ردعمل شروع ہوا اور دنیا کو اس مہیب اور ہلاکت خیز جنگ میں شریک ہو جانا پڑا جس نے دنیا کے ہر گوشہ کو ہراساں اور مایوس بنا رکھا ہے۔ موجودہ جنگ کے سلسلہ میں ۳ ستمبر کو برطانوی دارالعوام میں پہلی تقریر کرتے ہوئے آپ نے جو دلدوز جملے کہے وہ یہ تھے۔

"آج کا دن ہم سب کے لئے رنجدہ ہے لیکن پھر بھی مجھ سے زیادہ رنج کسی کو نہیں ہو سکتا۔ میں نے جس مقصد کیلئے کام کیا۔ مجھے جو جو امیدیں تھیں اور اپنی عوامی زندگی میں میں نے جن جن باتوں پر یقین کیا آج وہ سب خاک کا ڈھیر بنی ہوئی ہیں۔"

ان جملوں سے مسٹر چیمبرلین کی دلی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور میں یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں کرتا کہ یہ دن ان کی زندگی کا سب سے زیادہ غمناک دن تھا۔

اعلان جنگ کے بعد اگرچہ آپ کئی ماہ تک برطانیہ کے وزیر اعظم رہے لیکن حالات نے مساعدت نہ کی اور ضعیف العمری کے علاوہ سیاسی پیچیدگیوں اور عوام کی مخالفت نے آپ کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو جانے کے بعد بھی وہ موجودہ وزارت کے رکن رہے لیکن بالآخر مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور اسی حالت میں ۹ نومبر کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

آنجہانی مسٹر چیمبرلین ایک صلح پسند انسان تھے اور اسی صلح پسندی نے ایک مدبر کی حیثیت سے انہیں اندوہناک ناکامیوں کا شکار بنا دیا ڈاکٹر ازانا کی طرح اگر مسٹر چیمبرلین بھی انقلابی ہوتے تو یقیناً وہ اپنے اور اپنے معاصرین کے لئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے۔

جبرالٹر

جبرالٹر کی تاریخی اور فوجی اہمیت پر مختصر خیال آرائی کی گئی گزشتہ اشاعت میں ایک مفصل مضمون شائع کیا جا چکا ہے، اب اطلاع موصول ہوئی ہے کہ جبرالٹر کی چٹان کو جو اسپین کے ساتھ ملی ہوئی تھی ایک نہر کھود کر اسپین سے الگ کر دیا گیا ہے اور اب یہ مقام جزیرہ بن گیا ہے۔

موجودہ جنگ میں جرمنی کو جن جن ملکوں میں کامیابی حاصل ہوئی ہے وہاں اس کامیابی کا راز ٹینکوں کے استعمال میں پوشیدہ سمجھا گیا ہے، اور انگلستان پر شدید ترین ہوائی حملوں کے بعد بھی اس کا اس وقت تک غیر مفتوح رہنا یہ بات ثابت کرتا ہے کیونکہ وہاں ٹینک نہیں پہونچ سکے اس لئے دشمن اسے فتح نہیں کر سکا۔

ہسپانیہ جرمنی کا دوست ہے۔ اور اگرچہ وہ ابھی تک جنگ میں شریک نہیں ہوا لیکن بوقت ضرورت تو ہسپانیہ سے ٹینک لے جا کر جبرالٹر پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ نہر بن جانے کے بعد اب اس مقام پر اتنی آسانی کے ساتھ ٹینک نہیں پہونچ سکتے جتنی آسانی کے ساتھ پہلے پہونچ سکتے تھے۔ یہ نہر بنا کر برطانوی حکومت نے بحیرۂ روم سے گزرنے والے اپنے بحری راستہ کو بہت زیادہ محفوظ بنا لیا ہے۔

نومبر

دن، مہینے اور سال آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن کیا وقت کے یہ چھوٹے بڑے ٹکڑے ہمیں کوئی سبق نہیں دے سکتے؟ دنیا کے کسی

اہم واقعات یاد دلاتے رہتے ہیں ماضی کے حالات کی روشنی میں مستقبل پر غور کرنے کی جانب توجہ دلاتے ہیں ایک حساس ، فہیم اور دنیا کے نشیب و فراز کو سمجھنے والا انسان ان سوالوں کے جواب میں اثبات کے سوائے اور کیا کہہ سکتا ہے نومبر کا مہینہ بھی دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا ہی اہم ، یادگار اور سبق آموز مہینہ ہے۔

لینن کے مقبرے کے سامنے سے پوری فوجی شان و شوکت کے ساتھ مارچ کرتی ہوئی گذرتی ہے ، روس کے مزدور لاکھوں کی تعداد میں جلوس بنا کر مقبرے تک آتے اور جاتے ہیں۔ اور ان تمام مظاہروں کے دوران میں ہوائی جہاز ہزاروں کی تعداد میں آسمان پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کو سوچنا چاہیئے کہ کیا وہ بھی اس قسم کے "یوم نجات" منانے کے خواہشمند ہیں یا ان کے لئے "کانگریس منسٹری" اور مسلم وزارت" سے نجات پا جانا ہی اس قسم کے مسرت بخش دنوں کا نعم البدل ہے؟۔

روس کا سُرخ انقلاب

آج سے سترہ سال قبل روس کی اس سرزمین میں جہاں زار کی آہنی گرفت نے عوام کو غلامی کی زنجیروں میں اس بری طرح گرفتار کر رکھا تھا کہ اس سے نجات حاصل کرنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا ایک انسان ، ہماری اور آپ کی طرح کے ایک خاکی انسان نے انقلاب کا سرخ پرچم بلند کر کے مصیبت زدہ ، دکھیارے اور زار کی شہنشاہی حکومت کے ظلم و ستم سے بیتاب انسانوں کو انقلاب کر دینے کی دعوت دی۔

اس بہادر شریف اور کسانوں مزدوروں اور دوسرے غریب اور مصیبت زدہ طبقوں کے سچے ہمدرد کی یہ نیک اور بے غرضانہ کوشش کامیاب ہوئی اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کو شہنشاہیت کی لعنت اور دکھوں سے نجات مل گئی۔ اس شریف النفس انسان کا نام تھا لینن۔

روس کے طول و عرض میں ہر سال ۷ نومبر کو جشن "یوم نجات" کی یادگار منائی جاتی ہے اور اس سال بھی حسب دستور یہ یادگار منائی گئی۔ اس موقعہ پر روس کے ہر ایک مقام پر بڑے بڑے مظاہرے ہوئے تھے میں روس کی سرخ فوج

ضروری اِطّلاع

اکتوبر سال رواں کا "محشر خیال" شائع کر دینے کے بعد جن جن حضرات کی خدمت میں انکی مدت خریداری ارسال ختم ہونے کی اطلاعات ارسال کی گئی تھیں ان میں سے ہنوز جن کا چندہ یا اطلاع دفتر کو موصول نہیں ہوئی عام قاعدہ کے مطابق پیش نظر اشاعت کو ان کی خدمت میں بذریعہ قیمت طلب پارسل (وی پی) ارسال کرنا چاہتے تھا۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ وی۔ پی میں چار آنے زائد خرچ ہوتے ہیں اور ایک روپیہ کا یہ چوتھا حصہ خریداران محشر خیال کی جیب سے نکل آنے کے باوجود ان کے رسالہ کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہوتا دفتر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وی پی بھیجنے کی بجائے ایسے حضرات کو توجہ دلائی جائے کہ وہ آئندہ سال کا چندہ مبلغ ایک روپیہ چار آنے منی آرڈر کے ذریعہ بھیجدیں۔

تین فائدے

منی آرڈر بھیجدینے کی صورت میں آپ کو تین فائدے حاصل ہوں گے اول تو آپ چار آنے کے نقصان سے محفوظ رہیں گے۔ دوسرے "محشر خیال" ایک سال تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے گا۔ اور تیسرے ہم آپکو چونسٹھ صفحوں کی ایک عجیب اور مفید کتاب بھی مفت بھیجدیں گے جسکی روانگی کا خرچ بھی ہمارے ہی ذمہ ہوگا۔ اور یہ کتاب ان خریداروں کو نہیں دی جائے گی جن کا چندہ منی آرڈر کے ذریعہ سے نہیں آئیگا۔

ایک ہفتہ

اس پرچہ کے پہونچنے سے ایک ہفتہ کے اندر اگر آپکا چندہ موصول نہ ہوا تو دفتر آئندہ سال کا چندہ وصول کرنے کیلئے وی پی بھیجدیگا۔ اور اس طرح آپ چار آنے کا نقصان برداشت کرنے کے علاوہ ایک اچھی کتاب سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ اگر آپ کسی معذوری کی بنا پر فی الحال کچھ عرصہ کیلئے "محشر خیال" سے قطع تعلق کر لینے پر مجبور ہوں تو براہ عنایت ایک کارڈ بھیجکر دفتر کو اپنے ارادہ سے مطلع کر دیجئے تاکہ وی۔ پی ارسال کرنے جانیکے بعد کسی واپسی دفتر کیلئے مالی کا باعث نہ ہو۔ دفتر کو مالی نقصان پہونچانا محشر خیال کے قارئین کی شان کے خلاف بھی ہے۔

یوم صلح

۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کی تباہ کاریوں سے دنیا نے ۱۱ نومبر کو نجات پائی تھی۔ جنگ عظیم اس لئے شروع کی گئی تھی کہ دنیا کو ہمیشہ کے لئے جنگ و جدل اور قتل و خونریزی سے محفوظ کر دیا جائے اور اس کے ختم ہو جانے پر یہ یقین دلایا گیا تھا کہ لڑائی چھیڑنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ یعنی دنیا کو آئندہ ہمیشہ کے لئے نہیں تو کم از کم ایک مدت — شاید کئی صدیوں کے لئے لڑائی اور اس کی تباہ کاریوں سے نجات مل گئی ہے اور اسی لئے ۱۱ نومبر کو تمام دنیا میں "یوم صلح" منایا جاتا ہے۔ لیکن کیا درحقیقت ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو جس جنگ کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا گیا تھا وہ ختم ہو چکی تھی اور کیا اس قسم کا اعلان کرنے والے لوگوں کو یقین تھا کہ یہ لڑائی ختم ہو چکی ہے؟ ۲۰ سال کے بعد جو اگرچہ انفرادی نقطۂ نظر سے ایک نئی نسل کے نشو و ارتقا کی مدت ہے لیکن اجتماعی زندگی میں بہت طویل

یاد فراموش نہیں ہوتے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ۱۹۱۸ء میں جب لڑائی کے ختم ہوجانے کا اعلان کیا گیا تھا وہ اپنی پوری ہیبت ناکیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے اور اگر اس کے ختم ہوجانے کا اعلان کرنے والوں نے حالات اور اس کے نتائج کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی تو پھر یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ انہوں نے دنیا کو غلط فہمی میں مبتلا رکھا۔

بہرحال اگر اس کو فراموش بھی کر دیا جائے تو دنیا کی خواہش یہ ہے کہ کم از کم اسے موجودہ جنگ کے بعد تو امن و سکون کی وہ نعمت حاصل ہوجائے جس کے حاصل ہوجانے کا اسے یقین دلایا گیا تھا۔ کاش یہ خواہش پوری ہوسکے اور اس قتل و خونریزی اور انسانیت سوز تباہ کاریوں کا انجام خوشگوار ہو۔

آتاترک کا یوم وفات

گذشتہ سال میں اسی ماہ کی دس تاریخ کو عہد حاضر میں دنیائے اسلام کی محبوب ترین شخصیت، ترک قوم کے دانشمند اور رہنما اور جمہوریہ ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال نے وفات پائی تھی۔ ترک قوم کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ تاریخ ایک المناک قومی حادثہ کی حامل ہے۔ اس تاریخ کو جمہوریہ ترکی کے طول و عرض میں ہر قسم کی تفریحات ترک کرکے اس یادگار انسان اور احسان شناس قوم کا ہر فرد مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے علاوہ اپنا وقت قوم کے تعمیری کاموں کے لئے صرف کرتا ہے۔

ہندوستان کے کئی محبوب رہنما بھی اس دنیا سے سدھار چکے ہیں اور اگر ہندوستان کے متعدد قومی لیڈروں کو کچھ دیر کے لئے نظر انداز بھی کر دیا جائے تو محض مسلمانان ہند کے متعدد ایسے رہنماؤں کے نام لئے جاسکتے ہیں جن کی دائمی مفارقت کو اس پُرآشوب دور میں ہر موقعہ پہ محسوس کیا جاتا ہے۔ لیکن کیا اس ملک میں بسنے والے مسلمان بھی یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ عمل کرنا تو درکنار انہوں نے کبھی اس معاملہ پر غور بھی کیا ہے؟

ہندوستان کی محکومیت و آزادی، کانگرس میں شرکت و عدم شرکت اور نیشنلزم، احرار اور خاکسار جیسے مسائل و مباحث سے بالاتر ہوکر ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیا قومی زندگی کے کچھ ایسے پہلو نہیں ہیں جن کی تکمیل و تعمیر میں ہم مختلف الخیال ہونے کے باوجود ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ ہم غور کریں اور کام کرنا چاہیں تو ہمیں اپنی قومی زندگی کے ہر شعبہ میں ایسے لاتعداد مواقع مل سکتے ہیں۔

دہلی یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کا ایک قابل مذمت فیصلہ

مدراس کی حکومت نے طلباء کو سیاسیات میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے ان پر جو پابندیاں لگادی ہیں، دہلی میں ۲ نومبر کو طلباء نے "اسٹرائک" کرکے ان کے خلاف عام مظاہرہ کیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس جرم کی پاداش میں دہلی یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے مسٹر فاروقی صدر اور مسٹر شمسی سیکریٹری پراونشل اسٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی کو ایک سال کے لئے یونیورسٹی سے خارج کر دیا ہے۔ مسٹر ایم فاروقی نے گذشتہ سال بی۔ اے کا امتحان پاس کیا تھا اور سال قانون دوم کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مسٹر ایم فاروقی مولانا عبد الستار فاروقی کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔

سیاسی کام کرنے والوں کے لئے قید و بند کی مصیبتیں اور دوسرے قسم کے نقصانات برداشت کرنا کوئی نئی بات نہیں اور اس سزا کے لئے جس میں انتقام کا جذبہ کارفرما نظر آرہا ہے ہمارے یہ عزیز نوجوان اور طلباء مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لیکن ہم دہلی یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد سے یہ ضرور دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جمہوریت پسندی اسی کا نام ہے اور کیا کتاب آئین جمہوریت کی کسی دفعہ میں اس نوع کی سزا دینے کی کوئی ہدایت موجود ہے؟

۲ نومبر کو طلباء نے جو کچھ کیا وہ ان کا جائز اور قانونی حق تھا۔ طلباء اگر سیاسیات میں حصہ نہیں لے سکتے ہیں تو ایک شہری کی حیثیت سے انہیں اس کا حق حاصل ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ قابل مذمت حکم کس بنیاد پر دیا گیا۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ حکم طلباء کی تحریک کو دبانے اور کمزور کرنے کی بجائے اس کی ترقی و مضبوطی کا موجب ثابت ہوگا۔ اور دہلی یونیورسٹی کے انجام ناشناس [illegible] پسند ارباب بست و کشاد کو بہت جلد اپنے اس فیصلہ پر نادم ہونا پڑے گا۔

مولانا محمد سجاد صاحب کا انتقال پُرملال

حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار اور ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی ہندوستانی ملت اسلامیہ کے ان معدودے چند فرزندوں میں سے تھے جن کی ذات پر کوئی قوم بجا طور پر فخر کرسکتی ہے اور جو نہ صرف اپنوں ہی کی نظروں میں محترم و محبوب سمجھے جاتے تھے بلکہ مخالفین بھی عزت و احترام اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے علاوہ ایک صاحب قلم مفکر بھی تھے اور آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس اعزاز و احترام اور علم و فضل کے باوجود آپ اپنی زندگی کو نہایت سادگی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ مرحوم نے کم و بیش ساٹھ سال کی زندگی پائی۔ اور ایک عشرہ بیمار رہ کر نومبر کے دوسرے عشرہ کے آخر میں اس جہان فانی سے رحلت فرماگئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور مسلمانان ہند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

دنیا کی دوسری جنگ عظیم کا آغاز

(از جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

۱۹۱۴ء میں دنیا کی پہلی جنگ عظیم کا آغاز جزیرہ نمائے بلقان کی ایک چھوٹی سی ریاست سربیا سے ہوا تھا اور اس چھوٹی سی ریاست سے جنگ کی جو معمولی سی چنگاری بھڑکی تھی اس نے مشتعل ہو کر چشم زدن میں تمام یورپ کو جنگ و پیکار کا ایک ہولناک جہنم کدہ بنا دیا تھا۔ موجودہ جنگ پولینڈ پر جرمنی کے حملہ سے شروع ہوئی۔ پہلی جنگ کی طرح یہ جنگ بھی ایک ہی دن کے مختصر سے وقفہ میں عالمگیر جنگ میں تبدیل ہو گئی۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ اس کی چنگاریاں پہلی جنگ کی چنگاریوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سرعت و قوت کے ساتھ اقصائے عالم میں پھیلتی جا رہی ہیں۔

جرمنی کی بے پناہ فوجوں نے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کی سرزمین پر قدم رکھا اور دو ہفتہ کی قلیل مدت میں پولینڈ کے مدافعتی استحکامات کو معطل کر کے اس ملک پر متصرف ہو گئیں۔ اسی ماہ کی ۱۷ تاریخ کو روس کی سرخ افواج نے نقل و حرکت شروع کی اور پولینڈ کے نصف مشرقی علاقہ کو اشتراکی روس کے ساتھ ملحق کر کے مسٹر چرچل، برطانیہ کے موجودہ وزیر اعظم کے الفاظ میں مشرق کی جانب بڑھتے ہوئے نازیت کے بے پناہ طوفان کو ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا۔ لیکن جرمنی نے پولینڈ پر کیوں حملہ کیا، اشتراکی روس کا مذکورہ بالا اقدام کن وجوہ پر مبنی تھا، پولینڈ جرمن حملہ آوروں کے مقابلہ میں اس قدر جلد کیوں پسپا ہو گیا اور دنیا کے دوسرے آزاد ممالک کو غلام بنتے ہوئے دیکھتی رہنے والی یورپی جمہوریتیں پولینڈ ہی کے اس انجام پر اعلان جنگ کرنے پر کیوں مجبور ہو گئیں؟ یہ سوالات ہیں جو فطرتاً ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ذیل میں انہیں سوالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائیگی۔

پولینڈ

پولینڈ شمالی یورپ کا وہ میدانی علاقہ جو موجودہ جنگ عظیم کا منبع ثابت ہوا ہے۔ کسی زمانہ میں، موجودہ بحر بالٹک کا ایک حصہ تھا لیکن رفتہ رفتہ خشک ہو جانے کے بعد ایک وسیع میدان کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔

پولینڈ میں نظام شہنشاہی کا آغاز ۹۶۲ء میں ہوا تھا۔ اور اس ملک کا اولین حکمران خود کو رومی سلطنت کا حلقہ بگوش اور باجگذار تصور کرتا تھا۔ لیکن اس کے جانشین بولس لاس نے اس طریقہ کار کو پسند نہیں کیا اور نہ صرف اسی قدر کہ خود کو مغربی اقتدار سے آزاد ہی کر لیا بلکہ اپنی ہمسایہ چیک اور روسی اقوام سے متعدد خونریز لڑائیوں کے بعد جنوب اور مشرق میں پولینڈ کی حدود سلطنت کو وسیع تر بھی بنا لیا۔

بولس لاس کے جانشین اس وسیع سلطنت کی حفاظت نہ کر سکے اور اگرچہ اس کے پوتے نے اس سلسلہ میں کسی قدر سرگرمی کا اظہار کیا۔ لیکن وہ کچھ زیادہ سود مند ثابت نہ ہو سکا۔ اور پولینڈ پھر افتراق و انتشار کا آماجگاہ بن گیا۔

۱۱۰۲ء سے ۱۱۳۸ء تک اس ملک پر بولس لاس سوم کی حکومت رہی اور اس نے بحر بالٹک کے ساحلی علاقہ کو فتح کر کے ایک مرتبہ پھر پولینڈ کے لئے دنیا کے نقشہ میں ایک ممتاز جگہ پیدا کر لی لیکن اپنے انتقال سے قبل اس نے پولینڈ کو اپنے چار لڑکوں کے درمیان تقسیم کر کے اس وسیع سلطنت کے منظم شیرازہ کو متفرق کر دیا۔ اور اس طرح آئندہ دو سو سال تک پولینڈ میں کوئی متحدہ قومی حکومت قائم نہیں ہو سکی۔

مذکورہ بالا عہد انتشار میں پولینڈ کو متعدد مراحل سے گزرنا پڑا، چھوٹے چھوٹے جاگیردار اپنے محدود علاقوں میں حکومت کرتے رہے، بعض اوقات یہ ملک طوائف الملوکی کا شکار رہا اور ایک مرتبہ اس پر چیک بادشاہ وین سلاس کا قبضہ ہو گیا لیکن ۱۳۲۰ء میں از سر نو ایک متحدہ حکومت قائم کی گئی اور اس حکومت کا تاج کراکاؤ کے مشہور مقام پر ایک پولستانی شہزادہ کسیمیر اعظم کے سر پر رکھا گیا۔

کسیمیر اعظم نے پہلی مرتبہ حکومت کی مالیات اور آمد و خرچ کو مدون کیا پولینڈ کے لئے ملکی قوانین کی تشکیل کی اور فرانس کے بادشاہ لوئی نہم کی طرح اس نے بھی

"ایک قانون، ایک حکمران اور ایک ہی سکہ"

کا نعرہ بلند کر کے لوگوں کو ایک مرکزی اور متحدہ قومی حکومت قائم کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ اور کراکاؤ کی مشہور یونیورسٹی کے قیام کی اولین مساعی بھی اسی کے عہد حکومت میں شروع ہوئیں۔

کسیمیر اعظم کا عہد حکومت ۱۳۷۰ء میں ختم ہو گیا اور اس کے بعد پولینڈ کو انقلاب و ارتقا کی متعدد منازل سے گزرنا پڑا، روس، پروشیا اور آسٹریا کے حکمران وقتاً فوقتاً اس ملک پر حملہ آور ہوتے رہے اور یہ سرزمین تین بار نہ صرف ان ہمسایہ ممالک کے درمیان تقسیم ہی کر لی گئی بلکہ جنگ عظیم سے ایک صدی قبل پولینڈ کے باشندوں کو غلامی کی جو زندگی اختیار کرنی پڑی تھی وہ جنگ عظیم کے خاتمہ سے پہلے ختم نہیں ہو سکی۔

... جرمنی کو شکست نصیب ہوئی اور دوسری طرف روس کے انقلاب نے روسی شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح ان ممالک کو جو ان مفتوحہ اور شکست خوردہ قوموں کے حلقہ بگوش تھے خود کو آزاد کرنے کا موقع مل گیا۔ اس وقت پولینڈ میں مارشل پلسوڈسکی کی شخصیت حکومت و قیادت کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ورسلائے کے اجتماع صلح میں جب پولینڈ کے مستقبل کا سوال زیر بحث آیا مارشل مذکور نے پولینڈ کی حدود میں ایسے کئی وسیع علاقوں کو شامل کر دینے کا مطالبہ بھی کیا جن میں پولستانی قوم آباد نہ تھی لیکن اتحادیوں نے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے جدید پولستانی حدود کو اس طریقہ پر متعین کیا کہ اس میں پولستانی قوم کی اکثریت قائم رہے۔ لیکن یہ صورت مارشل پلسوڈسکی اور ان فوجی سرداروں کے مفاد کے منافی تھی جو اس زمانے میں برسر حکومت تھے۔

پولستانی فوجی سرداروں کے کارنامے

مارشل پلسوڈسکی اور اس کے ہم خیال فوجی سرداروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اس کا اندازہ مسٹر جے ہمپڈن جیکسن کی مشہور کتاب "پوسٹ وار ورلڈ" (جنگ عظیم کے بعد کی دنیا) کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

"اتحادیوں نے پولستان کی سرحدوں کو مغرب میں جرمنی سے گزرتے ہوئے بحر بالٹک تک اور مشرق میں رود بگ (کرزن لائن) کی آخری حد تک تسلیم کر لیا۔ پولستان کی یہ جدید سرحدیں مارشل پلسوڈسکی کے مفاد کے خلاف تھیں۔ روس میں اشتراکی انقلاب پسندوں اور سفید روسیوں کی خانہ جنگی مارشل موصوف کے لئے ایک زریں موقع بہم پہنچا رہی تھی اور پولستانی فوج کے ان سواروں کے دلوں میں روس سے انتقام لینے کا وہ جذبہ موجزن تھا جس کی مدافعت بحالات موجودہ روس کی قدرت سے باہر تھی چنانچہ مارشل پلسوڈسکی کی قیادت میں پولستانی فوجیں یوکرین کی طرف بڑھیں اور اسے فتح کرتی ہوئی کیف کے مقام تک جا پہنچیں۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں روس کا مدافعتی حملہ شروع ہو گیا۔ پولستانی افواج کو پسپا ہونا پڑا اور روس کی سرخ فوجیں وارسا سے چھ میل کے فاصلہ پر رہ گئیں۔

مارشل پلسوڈسکی کے لئے یہ موقع نہایت نازک اور صبر آزما تھا لیکن اس موقع پر فرانس نے اس کی دستگیری کی اور مالی امداد کے علاوہ جنرل ویگان ایسے آزمودہ کار فوجی افسر کو مارشل پلسوڈسکی کی امداد کے لئے بھیجا۔ پولستانی فوج نے از سر نو روسی افواج پر حملہ کیا اور انہیں پسپا ہونا پڑا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں پولینڈ اور روس کے درمیان جو صلح نامہ ہوا اس کی رو سے روس نے یوکرین کا ایک بڑا علاقہ پولینڈ کے حوالہ کر دیا۔

یوکرین کا مذکورہ بالا علاقہ حاصل کر لینے کے بعد بھی مارشل پلسوڈسکی کو اطمینان نصیب نہ ہوا اور اس نے اپنے مولد ولنا کی تسخیر کے لئے جو ورسلائے کے صلح نامہ کے مطابق وہ لتھوانیا کے حوالہ کر چکا تھا پولستانی فوجیں بھیج دیں۔ مجلس اقوام ایک بازم و بے بس سپاہی کے ارادوں میں مداخلت نہ کر سکی اور ولنا کے علاوہ روس اور لتھوانیا کے درمیان کا ایک وسیع علاقہ بھی پولینڈ کی حدود ریاست میں شامل کر لیا گیا۔ اس طرح ورسلائے کے اجتماع صلح کے فیصلہ کے خلاف پولینڈ کی حدود ریاست وسیع تر کر لی گئیں۔

مارشل پلسوڈسکی کے ان کارناموں نے پولینڈ کی حدود کو وسیع تر تو بنا دیا لیکن وہ ایک مشترکہ قومی حکومت کا ادارہ نہیں بنایا جا سکا۔ یوکرین کی جرمن آبادی کے علاوہ اس ملک کی آبادی میں سات ملین سے زیادہ سفید روسی اور یوکرین کے باشندے بھی شامل کر لئے گئے۔ اور اگرچہ مارشل پلسوڈسکی نے ۱۹۲۳ء میں اتحادیوں سے اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ ان غیر پولستانی علاقوں کو اندرونی طور پر خود مختار بنا دیا جائے گا۔ لیکن اس وعدہ کا نہ صرف ایفاء نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں مکمل طور پر کچل ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ حتیٰ کہ انہیں ان کے مدارس اور تعلیم گاہوں سے بھی محروم کر دیا گیا۔ تعلیمی اعداد و شمار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۲ء میں یوکرین کے باشندوں کے لئے دو ہزار چار سو مدارس قائم تھے۔ لیکن ۱۹۱۶ء کے بعد ان کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہیں رہی۔

پولستان اور فسطائیت

پولینڈ میں اگرچہ جمہوری نظام حکومت قائم تھا لیکن اگر وہاں کے عام حالات کا مطالعہ کیا جائے تو جرمنی کے فسطائی اور پولینڈ کے جمہوری نظام حکومت میں کوئی نمایاں اور معتد بہ فرق نظر نہیں آئے گا۔ پولینڈ میں قدیم جاگیردارانہ نظام کی باقیات کے نقوش ابھرے ہوئے نظر آتے تھے، کسانوں میں کسی قسم کی تنظیم موجود نہیں تھی اور غریب کسانوں سے بیگار لینے۔ اور انہیں زمینداروں کے کھیتوں اور باغوں میں بلا معاوضہ کام کرانے کا عام رواج تھا۔

پولینڈ کے سولہ ہزار زمیندار اس ملک کی آراضی کے ۵۰ فی صدی

پولینڈ میں ۱۹۲۱ء سے اور ۱۹۲۰ء کے بعد زمینداروں کے پاس تمام زرعی اراضی کا بیشتر حصہ اور دو ہزار امیر ترین زمیندار پولینڈ کی قابل کاشت اراضی کے بڑے حصہ پر۔ پولینڈ کی حکومت نے تقسیم اراضی کا ایک قانون نافذ کیا تھا لیکن اس کی رو سے بہترین اراضی عسکری نو آبادکاروں کے حصہ میں آئی اور غریب کسانوں کو ریتلی اور دلدلی زمینوں کے علاوہ کچھ نہ مل سکا۔ پولینڈ کے غریب مظلوم اور بے یار و مددگار کسان، کیسر ول، ارزول، کاؤنٹ زلوجسکی، کاؤنٹ سپوکا اور اسی قسم کے دوسرے زمینداروں کے نام سے بھی جن کے قبضہ میں لاکھوں ایکڑ زمین تھی لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔

ستمبر ۱۹۳۳ء میں وارسا کے ادارہ "انسٹیٹیوٹ آف سوشل اکانمی" نے وسطی گلیشیا کے کسانوں کی انقلاب آفریں جد و جہد کے بعد کسانوں کی عام حالت معلوم کرنے کی ایک سعی کی تھی اس سلسلہ میں یہ ادارہ جس نتیجہ پر پہونچا اس کا اندازہ پولینڈ کے ایک معروف مصنف یان وکٹر کی مندرجہ ذیل سطور سے کیا جا سکتا ہے۔

"پولستانی کسانوں کی حالت زار کو بیان کرنے کے لئے قلم نہیں بلکہ کدال درکار ہے۔ اور انہیں دیکھ کر ان کی اس اندوہناک حالت کے اسباب و علل دریافت کرنے کی بجائے ظالموں پر لعنت و ملامت کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔ لیکن کس زبان سے؟ .... گوشت کی زبان سے نہیں بلکہ لوہے اور موت کی زبان سے"

یہ زمیندار اور شہزادے تھے جو پولینڈ کی سرزمین پر حکومت کر رہے تھے اور یہ کسان تھے جن سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ان حکمرانوں کی حفاظت کے لئے ایثار اور سرفروشی کے جذبات کا مظاہرہ کریں گے!۔

انگلستان کے مشہور اخبار "ٹائمز" نے پولستانی فوج کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"پولینڈ کے کسانوں کا سوال ایک پریشان کن سوال تھا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پولینڈ کی حکومت اس سوال کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ملک کی زرعی اراضی بڑی بڑی شخصی ریاستوں میں منقسم تھی۔ مشرقی صوبوں اور جنوبی پولینڈ اور سلیشیا میں کسانوں اور زمینداروں کے تعلقات کشیدہ تھے اور اگرچہ تعلقات کی یہ کشیدگی جنگ عظیم سے پہلے بھی موجود تھی۔ لیکن پچھلے بیس سال میں یہ روز افزوں ترقی کرتی گئی"۔

پولینڈ کے ایک اخبار "چابس" نے پولستانی کسانوں کی تکلیف دہ حالت کو ایک مرتبہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا:۔

"ہمارے ملک کے کسان اپنی زندگی گزارنے کے لئے وہ طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہیں جو زمانہ وسطیٰ کے لئے مخصوص تھے۔ وہ ایک ماچس کی تیلی کو کئی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور دوسرے ہمسائے اپنی آگ کی چنگاریاں لیکر اپنا کام چلاتے ہیں کپڑے دھونے کے لئے صابن نا پید ہے فلیٹ کی ایک قسم کو استعمال کرتے ہیں اور نمک حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کو چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی ہڈیاں ابالنی پڑتی ہیں یہ حالات مفروضات نہیں بلکہ حقائق ہیں اور دیہات میں جا کر ہر شخص ان کی صحت کی تصدیق کر سکتا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس کسی انقلابی، اشتراکی یا پولستانی حکومت کے مخالف اخبار سے نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک رجعت پسند اخبار کی اشاعت ۱۹۳۶ء سے پیش کیا گیا۔

پسماندہ کسانوں کی بیداری

مندرجہ بالا حالات کی موجودگی میں اگر پولستانی کسان اور دوسرے پسماندہ طبقات بیدار نہ ہوتے تو یہ امر قانون فطرت کے خلاف تھا۔ تشدد و انہدام کار انسانی روح عمل کو بیدار کر دیتا ہے۔ پولستانی مظلومین بھی بیدار ہوئے۔ اور انہوں نے ان مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسانوں کی جماعت کے نام اپنی تنظیم شروع کر دی اخبار "ٹائمز" کا نامہ نگار مقیم وارسا اخبار مذکور کے نام اپنے ایک مراسلہ مورخہ یکم مارچ ۱۹۳۶ء میں لکھتا ہے۔

"مزدور جماعت کے سالانہ اجتماع کو جس کا افتتاح کل کاراکاؤ کے مقام پر ہوا ہے بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس اجتماع میں پولینڈ کے ہر گوشہ سے چھ سو نمائندے شامل ہوئے ہیں۔ کل جو تقریریں ہوئیں اور آج جو تجاویز منظور کی گئیں ان کے لب و لہجہ اور خلاصہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جماعت موجودہ حکومت سے سخت بیزار اور اس کی خارجی اور داخلی حکمت عملی کی شدید مخالف ہے۔ لیکن محکمہ احتساب نے تقاریر اور تجاویز کی ترسیل و اشاعت کی اجازت نہیں دی۔ البتہ مسٹر وٹاس نے جو افتتاحی تقریر کی تھی آج کے اخبارات میں اس کا مندرجہ ذیل خلاصہ شائع ہوا ہے۔

پولینڈ کی تاریخ میں پولستانی کسانوں کے اتحاد کا یہ اولین موقعہ ہے۔ لیکن انہیں حکومت کے نظم و نسق میں کوئی دسترس حاصل نہیں ہے ہم اپنے سیاسی حقوق کے لئے جد و جہد جاری رکھیں گے۔ اب ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔ اور تشدد ہمیں ہمارے عوائم سے منحرف نہیں کر سکتا"۔

مسٹر وٹاس ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۶ء میں پولینڈ کی حکومت کے صدر رہ چکے ہیں اور ان کی تقریر کے مندرجہ الفاظ سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں پولینڈ کے حکمراں طبقہ کا طریقہ کار کیا تھا۔

....

غلام ساز جمہوریت

جمہوری حکومت کا حقیقی مفہوم تو یہ ہے کہ کسی ملک میں رہنے والے اس ملک کے نظم و نسق کو درست اور برقرار رکھنے کے لئے ایک ایسا نظام حکومت قائم کریں جس میں انفرادی فوقیت کے علاوہ فوقیت اور برتری کا کوئی اور معیار باقی نہ رہے لیکن مغرب میں آج اس نظام حکومت کو جس طرح مرتب کیا ہے اگر اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ افسوسناک حقیقت منکشف ہوگی کہ عملی طور پر جمہوریت نام ہے کسی ایک قوم کے معدودے چند برسر اقتدار افراد کی حکومت کا۔

پولینڈ کی جمہوریت کو پاش پاش کر کے اس ملک پر مسلط ہو جانے کیلئے جرمنی نے جو ملعون اقدام کیا اگرچہ ہر قوم اور ہر ملک کی کامل آزادی کے حق کو تسلیم کرنے والا کوئی انسان اس کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن جس طرح جرمنی کا یہ فعل اپنی جگہ قابل مذمت ہے اسی طرح پولینڈ کی حدود میں آباد غیر پولستانی اقوام کے ساتھ پولینڈ کی برسر اقتدار جماعت کا طرز عمل کو بھی مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ امر واقعہ ہے کہ اگر پولینڈ کی یہ حکمراں جماعت غیر پولستانی قوموں اور پولستانی کسانوں کے ساتھ عام انسانی طرز عمل کو اپنا طریقہ کار بنا سکتی تو اسے ناکامی اور نامرادی کے اس بلند منزل سے نہ گذرنا پڑتا۔

پولینڈ پر جرمن حملہ کے وقت ملک کی عام حالت یہ تھی کہ یوکرین کے آٹھ ملین باشندوں اور تین ملین بیلو روسی کسانوں پر عرصہ حیات تنگ تھا اور تہذیب و جمہوریت کے اس دور میں بھی انہیں ان کی معمولی معمولی فروگزاشتوں پر کوڑوں کی سزا دی جاتی تھی چنانچہ پولینڈ کے وزیر زراعت ایم پونیوڈوسکی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا۔

پولینڈ کے عوام کو خود دائرہ انسانیت سے خارج کیا جا چکا ہے۔ عہد زار کے ستم رانی کے طریقوں کے ساتھ جب فسطائیت کے جگر دوز اور روح فرسا ظلم آفرینی کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی نشانہ ستم اقوام کی خستہ حالی کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں اور پولینڈ کے غیر پولستانی باشندے انہیں مظالم کے شکار ہو رہے تھے۔

زار کے زمانہ حکومت میں سرحدی علاقوں میں حکومت جس حکمت عملی پر کاربند تھی اسے "سرحدی علاقہ کی حکمت عملی" کا مخصوص اصطلاحی نام حاصل تھا اور اس حکمت عملی کے ماتحت سرحدی علاقوں کی صنعتی ترقی کو نہ صرف مسدود ہی رکھا جاتا تھا بلکہ اسے بالکل معدوم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ پولینڈ کی جمہوری حکومت اپنے سرحدی علاقوں یعنی مغربی یوکرین اور بیلو روس میں اسی حکمت عملی پر عمل پیرا تھی اور پولینڈ کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور زمیندار ان علاقوں میں علی الترتیب ۸۸ اور ۶۰ فی صدی اراضی پر قابض تھے۔

صوبہ اسٹینسلا سک میں ۳۲۰ پولستانی زمیندار نصف سے زیادہ اراضی کے مالک تھے۔ اور دو لاکھ یوکرینی کسانوں کے قبضہ میں ایک چھٹائی سے کچھ زیادہ۔ پولیشا میں ایک ہزار زمیندار اراضی کے ½ حصہ پر قابض تھے اور ستر ہزار غریب بیلو روسی کسان بمشکل ۱/۱۲ حصہ پر۔

دیہات کی عام حالت یہ تھی کہ وہاں کے باشندوں میں سے ۵۰ فی صدی قطعاً بیکار رہتے تھے۔ اور اگر انہیں کام ملتا بھی تھا تو سال میں صرف دو تین ماہ کے لئے۔ اور موسم سرما کے تمام میں تو ہا انہیں فاقہ کشی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ انہیں روٹی کی شکل تک بھی نظر نہیں آتی تھی اور ان کی عام خوراک آلو کی قلیل سی مقدار اور درختوں کی چھالوں کے مرکب پر مشتمل ہوتی تھی۔ مغربی یوکرین اور مغربی بیلو روس کے کسانوں کے افلاس کی یہ حالت تھی کہ وہ آہنی ہل تک استعمال نہیں کر سکتے تھے ان کے آلات کشاورزی لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور گھوڑے نعلبندی سے محروم۔

عام کسانوں کی مذکورہ بالا حالت سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر خوش حال! کسانوں کی حالت کا مطالعہ کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان کے لئے "خوش حال" کا لفظ کس طرح موزوں سمجھا جا سکتا ہے؟ ان کی انتہائی فضول خرچی یہ تھی کہ وہ نمکین پانی اور آلوؤں کو ایک ساتھ ابال لیتے تھے اور انہیں ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر کئی کئی روز تک کھاتے رہتے تھے۔ انہیں نمک اور شکر کا ملنا ناممکن تھا اور نمک حاصل کرنے کے لئے انہیں ایک مخصوص مچھلی کی ہڈیوں کو جوش دے کر اس پانی کو ایک گرانقدر شے کی طرح محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔

"ایوننگ اسٹینڈرڈ" لندن کے موجودہ اڈیٹر مسٹر فرینک اوین نے نومبر ۱۹۳۳ء کے ڈیلی اکسپریس میں پولینڈ کے حالات پر ایک مقالہ کے دوران میں لکھا تھا:

> یوکرین کے باشندوں پر ان کی مرضی کے خلاف حکومت کی جا رہی ہے اور پولینڈ کے ساتھ اس علاقہ کا الحاق بجبر کیا گیا ہے ۱۹۱۹ء میں مجلس مصالحت کے شرکا اس کے خلاف تھے لیکن پولستانی افواج نے یوکرین کی زرخیز سرزمین کی جانب پیش قدمی کر کے اپنے مطالبات کو بزور شمشیر تسلیم کرا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک معاہدہ کی رو سے اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ اس علاقہ کی اقلیتوں کی آزادی کو بحال کر دیں گے۔ لیکن اس وعدہ کا ایفا نہیں کیا گیا۔ اس علاقہ کے باشندوں کی حالت زار کو دیکھ کر عہد قدیم کی وحشت و بربریت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

پولینڈ کے غیر پولستانی عوام کی یہ حالت تھی اور اسی کے پیش نظر ... لندن کے نامہ نگار مسٹر ... نے جریدہ مذکور کی اشاعت مورخہ ... [illegible]

[illegible] حسب ذیل ہیں۔

میونخ کے بعد پولینڈ کے مشہور ڈپلومیٹ بیک نے اگرچہ پولش ڈائیٹ (پارلیمنٹ) میں تقریر کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ "اگر جنگ شروع ہوگئی تو ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ ہمیں فائدہ پہونچے گا، لیکن اگر جنگ شروع ہونے سے قبل یوکرین کے مسئلہ کو حل نہ کیا جاسکا تو یہ جنگ پولینڈ کی بدقسمتی پر منتج ہوگی" تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

پولینڈ کے عام سیاسی اور اقتصادی حالات کی مذکورہ تشریح کے بعد اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ۔۔۔ ان سوالات کے متعلق کچھ عرض کردینا چاہتے ہیں جو ابتدا میں قائم کئے گئے تھے۔

جہاں تک تیسرے سوال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے ملک کے عوام جن کے ایک بڑے حصہ پر نہ صرف ان کی مرضی کے خلاف حکومت ہی کی جارہی ہو بلکہ انہیں عام انسانی دائرہ سے ہی خارج سمجھ لیا گیا ہو جو افلاس و نکبت کی انتہائی گہرائیوں میں ڈالدئے گئے ہوں اور جن کی ہمتیں، فاقہ کشی اور بے روزگاری نے پست کردی ہوں ایک ایسی حکومت کی حمایت میں کس طرح دشمن کا مقابلہ کرسکتے تھے جس کی طرف سے انہیں مستقبل میں بھی کسی بھلائی کی توقع نہیں تھی؟

جاپان دنیا میں سب سے قدیم اور راسخ العقیدہ شہنشاہ پرست ملک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دنیا کے عام رجحانات کے مطابق وہاں بھی یہ عقیدہ ایک رسم کی حد تک سے متجاوز نظر نہیں آتا پھر پولینڈ میں تو جمہوری حکومت قائم تھی اور ظاہر ہے کہ جمہوری حکومت اپنے زمانہ اقتدار میں ملک کے جن طبقات کے مفاد سے بےنیاز رہی تھی جنگ کے موقعہ پر وہ اس کی حمایت نہیں کرسکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جرمن فوجیں دو ہی ہفتہ میں پولینڈ پر قابض ہوگئیں۔

پولینڈ پر جرمنی کے حملہ کے سلسلہ میں صرف اس کلیہ کو سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جنگ عظیم میں اسے اس کے نقطہ نگاہ سے جو افسوسناک شکست ہوئی اور ورسائی کے اجتماع صلح میں اس کے نمائندوں کو جو شرائط صلح تسلیم کرنا پڑیں ان کے پیش نظر جرمن قوم کے قلوب فاتحین اور ان کے معاونین کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات سے لبریز ہوگئے تھے اور انہوں نے غالباً اسی وقت اس شکست کا بدلہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا چنانچہ نشاۃ ثانیہ کے بعد اس ملک کے آمر مطلق ہر ہٹلر نے یا تو ان ممالک کے خلاف لشکر کشی کی ہے جو جنگ عظیم کے بعد جرمنی کی تقسیم سے مستفید ہوچکے تھے یا ان ممالک پر حملہ کیا ہے جن پر متصرف ہوجانے کے بعد وہ اپنے خیال کے مطابق جرمنی کے قومی دشمنوں کو کسی حیثیت سے بھی نقصان پہونچا سکتا تھا۔ پولینڈ بھی قسم اول کے ممالک میں شامل تھا۔ اور جنگ عظیم کے بعد یورپ کی جدید حد بندی کے موقعہ پر اسے بھی پوزین اور کوریڈار کے جرمن علاقے حاصل ہوئے تھے جس کے بعد دوسرے ہی سال مارشل پلوڈسکی نے ڈینزگ پر بھی قبضہ کرلیا اور اسے پولستانی اقتدار کے ماتحت ایک آزاد شہر کی حیثیت سے پولینڈ کی حدود میں شامل کرلیا چنانچہ ہر ہٹلر نے جب جرمنی کے دست از رفتہ علاقوں کو واپس لینے کی مہم شروع کی تو اس کا پولینڈ سے پوزین کوریڈار اور ڈینزگ کی واپسی کا مطالبہ اور بصورت استرداد اس پر حملہ کرنا ناگزیر تھا

روس اور پولینڈ

جہاں تک جرمنی کا تعلق ہے پولینڈ پر اس کے حملہ کے وجوہ واسباب پر مندرجہ بالا سطور میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ لیکن کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ اشتراکی روس نے بھی جو دنیا بھر میں سرمایہ داری اور شہنشاہیت کا واحد دشمن ہے۔ پولینڈ کی تقسیم میں حصہ لے کر اس کے نصف علاقہ کو روسی پنچایتی حکومت میں شامل کرلیا؟ لیکن اس سے پیشتر کہ ہم اشتراکی روس کے اس اقدام پر کوئی اچھی یا بری رائے قائم کریں ہمیں حالات کا کم از کم سرسری طور پر ہی مطالعہ کرلینا چاہیئے۔

سطور بالا میں دو باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی جاچکی ہیں اول یہ کہ ورسائی کے صلحنامہ کے مطابق پولینڈ کے لئے جن حدود کا تعین کیا گیا تھا، مارشل پلوڈسکی اور اس کے ہمخیال فوجی افسروں نے ان پر قناعت نہ کرتے ہوئے بزور شمشیر انہیں وسیع تر بنالیا۔ اور ان وسیع تر حدود میں روسی علاقہ کو بھی شامل کرلیا۔ دوسرے یہ کہ پولستانی حکومت نے توسیع حدود کے بعد غیر پولستانی قوموں کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا اور ہر حیثیت سے ان کی حالت روز بروز خراب تر ہوتی گئی۔ ان حالات میں اگر پولینڈ کی تقسیم جدید کے موقعہ پر اشتراکی روس نے روسی اقوام سے آباد علاقہ کو از سر نو روس کی پنچایتی حکومت کی حدود میں شامل کرلیا۔ تو اگرچہ اس اقدام کے جواز میں یہ خود ایک مضبوط دلیل ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی سیاسی اعتبار سے اشتراکی روس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ جرمنی کے بے پناہ فوجی طوفان کو جس قدر جلد ہوسکے مسدود کردے۔

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ نازیت اور اشتراکیت اصولاً ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور کسی ایک تحریک کی ترقی سے دوسری تحریک کو ہر وقت زوال کا اندیشہ لاحق ہوسکتا ہے۔ پولینڈ کی شکست کے بعد تمام پولینڈ پر جرمنی کے کامل تسلط کا مطلب یہ تھا کہ اول تو جرمنی اور روس کے درمیان ہر وقت تصادم کا اندیشہ رہتا۔ دوسرے پولینڈ پر اقتدار قائم کرلینے کے بعد جرمنی بحر بالٹک کی دوسری ریاستوں پر بھی قبضہ کرکے روس کی اشتراکی حکومت کے لئے بحر بالٹک کو یا تو قطعاً مسدود کردیتا یا کم از کم اسے اس کے لئے مخدوش بنادیتا اور اس طرح دنیا میں غریب مزدوروں کی یہ واحد حکومت اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو ایک طویل عرصہ کے لئے تو ضرور ہی اشتراکیت

کے مخالفین کے حلقہ میں محصور ہو جاتی۔ ان حالات میں اگر روس نے ان علاقوں کو پولینڈ سے واپس نہیں بلکہ جرمنی کے زیر اقتدار چلے جانے سے بچالیا ہے جس پر پولینڈ نے ورسلائے کے صلحنامہ سے انحراف کر کے قبضہ کیا تھا تو دنیا اسے مطعون نہیں کر سکتی۔

اس موقعہ پر مجلس اقوام کے ایک سربرآوردہ رکن مسٹر زیکس کی ایک ایسی تحریر کا اقتباس پیش کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا جو موصوف نے "ٹرمیبون" میں پولینڈ کی شکست اور اس پر جرمنی اور اشتراکی روس کے قبضہ کے بعد شائع کرائی تھی موصوف اس تحریر کے ایک حصہ میں لکھتے ہیں:-

"یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سفید روس اور یوکرین کے غریب کسانوں نے پولینڈ میں روسی فوج کے داخلہ پر اس کا پر خلوص اور پر جوش استقبال کیا اور اب روسی حکام اراضی کو ان کسانوں کے درمیان تقسیم کر کے یہاں اشتراکی زراعت کے طریقہ کو رائج کر رہے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف تو میں ان غریب کسانوں کی قابل رحم حالت سے اچھی طرح واقف ہوں اور دوسری جانب مجھے اشتراکی روس کے حالات سے کامل واقفیت ہے۔ اس لئے میں پورے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ اشتراکی روس کے ساتھ ملحق ہو جانے کے بعد یوکرین اور بیلو روس کے ان غریب کسانوں کی مادی، تمدنی اور سیاسی حالت پولینڈ کے زمانہ حکومت کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہو جائے گی اور اس میں تو شبہ کی مطلق گنجائش نہیں کہ ہٹلر کے قبضہ میں چلے جانے کے مقابلہ میں ان علاقوں کا اشتراکی روس کے ساتھ ملحق ہو جانا کہیں بہتر ہے"

جمہوریتوں کا اعلان جنگ

پولینڈ پر جرمنی کے حملہ کے بعد یورپ میں کوئی اور ایسا علاقہ باقی نہیں رہا تھا جسے حاصل کرنے کے لئے ہر ہٹلر اپنی سرگرمیوں کو اسی براعظم تک محدود رکھتا، البتہ فرانس اور برطانیہ دو ایسے ممالک ضرور تھے جن سے اول تو وہ گزشتہ جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کا بدلہ لے سکتا تھا اور دوسرے جرمنی کی دست از رفتہ بیرون براعظم نو آبادیاں انہیں حکومتوں کے قبضہ میں تھیں۔

یورپ کی جمہوری حکومتیں اگرچہ بعض مصالح کی بنا پر ہر ہٹلر کی جنگ جوئی کو اس وقت تک نظر انداز کرتی رہی ہیں لیکن وہ اسکے رجحانات اور نازیت کے بنیادی اصول و عقائد سے بے خبر نہیں ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ ورسلائے کے صلحنامہ کو کالعدم کرنے کے بعد اب ہر ہٹلر کا اپنی افریقائی نوآبادیات کو واپس طلب کرنا ناگزیر ہے اور اگر انہیں خاموشی کے ساتھ اس کے حوالہ نہ کر دیا گیا تو اس کا میدان مقابلہ میں صف آرا ہونا یقینی۔ لیکن سیاسی اور اقتصادی مصالح اور مفاد کے ماتحت یورپ کی ان حامیٔ جمہوریت حکومتوں کے لئے ہر ہٹلر کے اس مطالبہ کو برضا و رغبت تسلیم کر لینا اس لئے بھی ناممکن تھا کہ اس سے دنیا بھر میں ان کی فوقیت اور برتری کو سخت صدمہ پہونچتا۔ اس لئے برطانیہ اور فرانس اپنے تحفظ اور اپنے عالمگیر سیاسی اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے اس امر پر مجبور تھے کہ وہ جرمنی کے اس روز افزوں اقتدار کو مسدود کرنے کے لئے اعلان جنگ کریں۔ اور اگر ہو سکے تو پولینڈ ہی کی سرزمین پر اس نوزائیدہ فتنہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔ لیکن حالات نے جمہوریتوں کے ساتھ مساعدت نہیں کی اور یہ اعلان جنگ دنیا کے سیاسی نقشہ میں غیر متوقع اور اہم تغیرات پیدا کرنے کا موجب بنتا جا رہا ہے۔

پولینڈ کی تازہ ترین تقسیم اور آبادی کا نقشہ
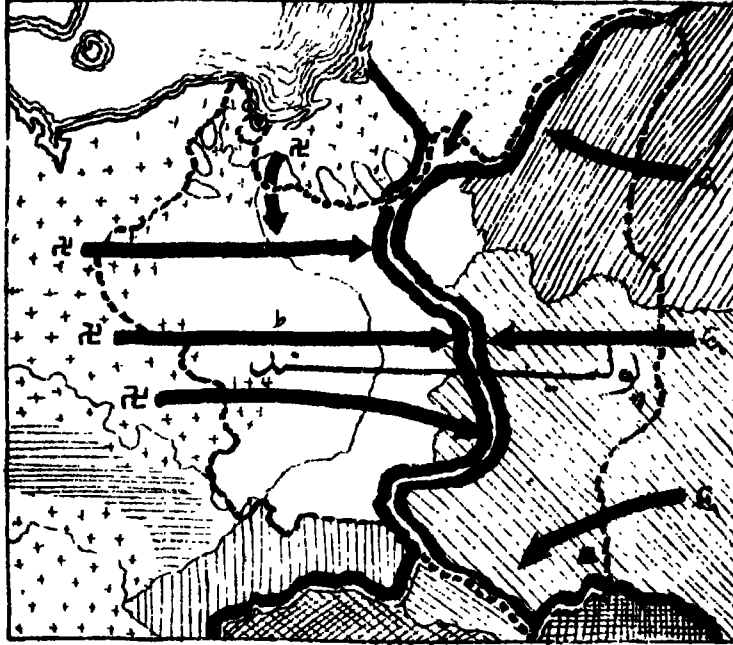
پولینڈ کی مجوزہ عارضی اور مستقل تقسیم کا نقشہ
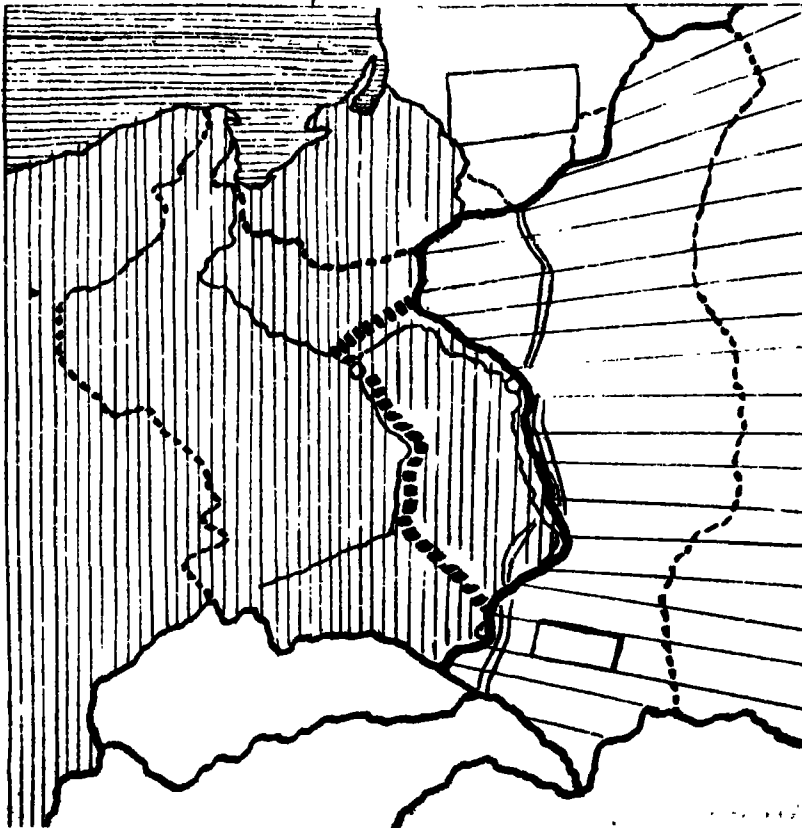
موجودہ جنگ کے مختصر حالات

(از جناب [illegible] رشی صاحب)

پولینڈ

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن افواج نے پولینڈ پر حملہ کیا اور اس کے بری و مشینی دستوں، دیو پیکر ہوائی جہازوں نے بہت جلد پولستانی مدافعتی استحکامات اور مقابلہ کنندگان کو شکست دیدی۔ جرمن فوجوں کے جنگ کے طریقے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے پولینڈ کو سمندر سے بے تعلق کر دینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مشرقی پروشیا اور مغرب کی جانب سے شمالی کوریڈار کی جانب اس طرح پیش قدمی کی کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ۴ ستمبر کے جرمنی کے ایک فوجی اعلان میں لکھا ہے:۔

"شمالی کوریڈار کی پولستانی فوجیں جرمن فوجوں کے آہنی حلقہ کو توڑ دینے کے لئے سخت جدوجہد کر رہی ہیں۔"

دوسرے انہوں نے پہلے تو سلی کوریڈار سے اس کی جانب پیشقدمی کی اور جنوب کی جانب سے وارسا کو محصور کر لیا۔ تیسرے انہوں نے پولینڈ کے صنعتی رقبہ پر سلاواکیہ اور سلیشیا یعنی دو اطراف سے حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا اور پواڈ کے مقام تک بڑھتی چلی آئیں۔ اور چوتھے انہوں نے مشرقی پروشیا سے وارسا پر چڑھائی شروع کر دی۔ اس طریقہ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہفتہ کے اندر ہی پولینڈ کی فوجیں جنگ کے ہر محاذ پر پسپا ہو گئیں۔

> پولینڈ پر جرمنی کے حملہ کے سلسلہ میں ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر چیمبرلین سابق وزیر اعظم برطانیہ نے کہا:۔
>
> "آج کا دن ہم سب کے لئے رنجدہ ہے۔ لیکن غالباً مجھ سے زیادہ رنج کسی کو نہیں ہو سکتا۔ میں نے جس مقصد کے لئے کام کیا، مجھے جو جو امیدیں تھیں اور اپنی عوامی زندگی میں میں نے جن جن باتوں پر یقین کیا تھا آج وہ سب خاک کا ڈھیر ہو چکی ہیں۔"

روسی حملہ

پولینڈ کی فوجیں ابھی جرمنی کے حملہ کی بدولت پسپا ہو ہی رہی تھیں کہ ۱۷ ستمبر کو مشرق کی جانب سے روسی پیشقدمی شروع ہو گئی اور اس وقت پولینڈ کی فوجوں میں مدافعت کی جو طاقت باقی تھی وہ دفعتہً ختم ہو گئی لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روس کی فوجوں کو کسی جگہ بھی مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ اور پولینڈ پر روس کی پیشقدمی کی حیثیت بلا مقابلہ داخلہ یا قبضہ سے زیادہ نہیں تھی۔ ۱۸ ستمبر کو بریسٹ لٹاوسک کے مقام پر جرمن اور روسی فوجیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ پولینڈ کی حکومت پہلے ہی رومانیہ میں چلی گئی تھی۔

تقسیم

۲۰ ستمبر کی شب کو جرمن فوجوں کے کمانڈر انچیف نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس لڑائی کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا۔

"پولینڈ کی فوج تباہ ہو چکی ہے اور اس لئے اب اس ملک کے خلاف عسکری سرگرمیاں ختم کی جاتی ہیں۔"

۲۲ ستمبر کو جرمنی اور روس کے درمیان اس ملک کی عارضی تقسیم کا اعلان کیا گیا۔ اور عارضی تقسیم کا یہ خط دریائے پیسا، نرو، بگ، وسچولا اور سین سے گذرتا ہوا تسلیم کیا گیا۔ لیکن ۲۹ ستمبر کو جب پولینڈ کی تقسیم کا مسئلہ پورے طور پر طے ہو گیا تو دریائے وسچولا اور بگ کے قریب خط تقسیم کو اور مشرق کی جانب قرار دیدیا گیا اور وارسا اور وسچولا پر جرمنی کا کامل تسلط تسلیم کر لیا گیا۔ ولنا، لیتھونیا کے حوالہ کیا گیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد جب بحر بالٹک کی تمام ریاستوں نے اشتراکی روس کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا تو ولنا روس کے قبضہ میں چلا گیا۔

لواؤ کے علاوہ پولینڈ کے تمام اہم مقامات جرمنی کے قبضہ میں چلے گئے۔ روس کو یوکرین کے علاوہ جو کچھ ملا وہ گلیشیا کے تیل کے چشمے ہیں۔ بہرحال اس کے بعد جنوبی مشرقی یورپ میں روس کے اثرات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔

فن لینڈ

نازیت کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور اس کی ترقی کو مسدود کر دینے میں جمہوریتوں کی ناکامی کو دیکھ کر ضروری تھا کہ دنیا بھر کے مزدوروں کی واحد حکومت روس اپنی حفاظت کا انتظام کرے۔ اس سلسلہ میں اس نے فن لینڈ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ [illegible] کریلیا کا کچھ حصہ [illegible]

کو بجائے اس کی جگہ دوسرا علاقہ دے اور ہانگو کی بندرگاہ اسے ٹھیکہ پر دیدے۔ اس سلسلہ میں گزشتہ کچھ عرصہ سے جو گفتگو ہو رہی تھی روس کے ان مطالبات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے ۱۳ر نومبر کو وہ منقطع ہو گئی اور چند روز کے بعد ہر دو ممالک کے سیاسی تعلقات بھی ختم ہو گئے۔ اسی دوران میں روس اور فن لینڈ کی سرحدی فوجوں میں ایک جھڑپ ہو گئی اور اس کے بعد ۳۰ر نومبر کو روس نے فن لینڈ پر حملہ کر دیا۔

لڑائی کے چار محاذ

اس لڑائی کے مندرجہ ذیل چار محاذ تھے۔

(۱)۔ خاکنائے کریلیا۔ اس محاذ پر روسی فوجوں کی پیشقدمی کا مقصد فن لینڈ کے سب سے مستحکم خط مدافعت یعنی منرہیم لائن پر حملہ کرنا تھا۔

(۲)۔ جھیل لڈوگا کا شمالی علاقہ۔ اس محاذ پر حملہ کی غرض یہ تھی کہ جھیل کے چاروں طرف پھیل کر منرہیم لائن کے استحکامات پر عقب سے قبضہ کیا جائے۔

(۳)۔ وسطی فن لینڈ۔ فن لینڈ کے وسط میں روسی فوجوں نے پیش قدمی کر کے اس امر کی کوشش کی کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو دوسرے سے الگ کر دیں۔

(۴)۔ شمالی محاذ۔ یہ محاذ پٹسمو پر قبضہ کرنے کے بعد شمال سے آنے والے راستہ سے جنوب کی طرف بڑھنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

یہ لڑائی ساڑھے تین ماہ تک جاری رہی اور اگرچہ اس عرصہ میں روس کے مسلسل نقصانات اور شکستوں کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں لیکن انجام کار فن لینڈ کو صلح کرنی پڑی اور ۱۵ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو فن لینڈ کی اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

اتحادیوں کی تجویز تھی کہ اس لڑائی میں فن لینڈ کی امداد کے لئے ایک لاکھ فوج بھیجی جائے۔ لیکن جرمنی کے حملے کے خوف سے ناروے اور سویڈن کی حکومتوں نے اس فوج کو اپنی حدود سے گزرنے کی اجازت دینے سے انکار کر کے اس تجویز کو بیکار کر دیا۔

صلح کی شرائط

اس لڑائی کے بعد فن لینڈ نے حسب ذیل شرائط کو تسلیم کر کے روس کے ساتھ صلح کر لی۔

(۱) خاکنائے کریلیا روس کے حوالہ کر دی گئی۔

(۲) ہانگو کی بندرگاہ روس کو ٹھیکہ پر دیدی گئی اور

(۳)۔ فن لینڈ کی حکومت نے روس کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ بحر ابیض اور روسی سرحدات کو ملانے کے لئے جو ریل جاری کرے اسے وسطی فن لینڈ سے گذار سکے۔

بحر بالٹک کی ریاستیں

فن لینڈ کی لڑائی سے چند ہفتے پیشتر بحر بالٹک کی ریاستیں یعنی اسٹونیا، لٹویا اور لتھوانیا نے روس کی حفاظت میں آجانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ۲۹ر ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء کو اسٹونیا کی حکومت نے بحری اور فضائی مستقر بنانے کے لئے۔ ادسل، ڈیگو اور بالٹسکی کے مقامات روس کے سپرد کر دئے تھے۔ ۵ر اکتوبر کو لٹویا نے ونیڈوا اور لیبو کے مقامات اسی مقصد سے روس کے حوالہ کر دئے اور ۱۰ر اکتوبر کو لتھوانیا نے بعض اہم مقامات پر روسی فوجوں کے مستقل قیام پر رضامندی کا اعلان کر دیا۔

جون سنہ ۱۹۴۰ء میں ان تینوں ریاستوں میں روسی طرز کی پنچایتی حکومتیں قائم ہو گئیں اور یہ ریاستیں روسی حکومت میں شامل ہو چکی ہیں۔

مذکورہ بالا تغیرات کے بعد اب جرمنی یا کسی اور حکومت کے لئے جنوب اور مغرب کی اطراف سے روس پر حملہ کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

ناروے

۹ر اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کو جرمنی نے اپنے دو ہمسایہ ممالک یعنی ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کیا، ڈنمارک نے خود کو جرمنی کے مقابلہ کے قابل نہ پا کر اس اقدام پر احتجاج کرنے کے بعد اطاعت قبول کر لی اور یہ ملک ۹ر اپریل ہی کو جرمنی کے زیر اثر چلا گیا۔ مگر باوجودیکہ ناروے پر جرمنی کا یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا اور وہاں کی حکومت مدافعت کے لئے تیار نہیں تھی پھر بھی اس نے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔

۸ر اپریل کو اتحادیوں نے ناروے کے تین اہم ساحلی مقامات کے قریب تباہ کن بحری سرنگیں بچھا دی تھیں۔ اتحادیوں کی یہ پیشقدمی جرمنی کے لئے مفید ثابت ہوئی اور سرنگوں کی وجہ سے کیونکہ سمندر کے راستہ سے ناروے کو امداد پہونچنی مشکل تھی اس لئے جرمن بری فوج کو پوری قوت کے ساتھ حملہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اور اس سے پیشتر کہ اتحادیوں کی جانب سے جرمنی کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جا سکے جرمن فوجیں ناروے کے بعض اہم مقامات پر قابض ہو گئیں۔

بہر حال اتحادیوں نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ ناروے میں لڑنے والی جرمن فوجوں کو مزید امداد نہ پہونچ سکے۔ اور اگرچہ لڑائی کے پہلے چند دنوں میں یہ توقع پیدا ہو گئی تھی کہ اتحادی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے لیکن چونکہ جرمن فوجیں شروع ہی

میں ناروے کے ایک ہزار میل لمبے ساحلی علاقہ پر قابض ہو چکی تھیں۔ اور اوسلو، کرسٹین سینڈ، اسٹیونجر اور نارویک ایسے اہم مقامات ان کے تصرف میں تھے۔ ... اسکیگرک اور کیٹی گاٹ میں مزید تباہ کن ہتھیار بچھانے اور ناکہ بندی کر لینے سے، جو اتحادی تازہ جرمن فوجوں اور سامان جنگ کو ناروے جانے سے نہ روک سکے اور دو ہفتہ کے عرصے میں ہوائی اور بحری جہازوں کے ذریعہ ۵۰ ہزار جرمن فوج اوسلو میں پہونچ گئی۔

ایک ہفتے کے بعد مولڈ اور ٹرانڈہم کے جنوب میں ایک قصبے سے گاؤں اندالسنیز نامی ... ٹرانڈہم کے شمال میں ... کے مقامات پر اتحادی فوجیں اتریں۔ تجویز یہ تھی کہ ٹرانڈہم کو شمالی اور جنوبی اطراف سے محصور کر کے اوسلو ... جاری جرمن پیشقدمی کو مسدود کر دیا جائے۔

واپسی

اتحادی فوجیں لیلی ہیمر اور دومباس تک پہونچنے میں تو کامیاب ہو گئیں لیکن جنوبی ناروے کو دشمن سے چھین لینے میں ناکامیاب ہوئیں کیونکہ نہ تو وہاں ان کا کوئی ہوائی مستقر تھا۔ اور نہ ہوائی حملوں سے بچاؤ کا قابل اطمینان بندوبست۔ جرمن فوجوں کی مستقل پیشقدمی اور متواتر ہوائی حملوں سے اتحادی فوجوں کی حالت روز بروز خراب تر ہوتی گئی اور ناروے میں پہونچنے کے پندرہ روز کے اندر ہی انہیں ایسی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اور اس واپسی میں انہیں شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے۔

اگرچہ ابھی "نارویک" کے مقام پر جرمن اور اتحادی فوجوں کے درمیان فیصلہ کن لڑائی نہیں ہوئی تھی لیکن ہٹلر ناروے کی مہم میں جرمنی کو کامیاب سمجھتا تھا چنانچہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء کے شروع میں اس نے جرمن فوجوں کے نام جو پیغام روانہ کیا تھا اس میں تحریر کیا تھا۔

تم پر اور تمہاری قوت پر بھروسہ کر کے میں جو مشکل کام تمہارے سپرد کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ تم نے اسے پورا کر لیا ہے۔

بہر حال نارویک میں اتحادی فوجیں جمع ہوتی رہیں اور ۱۵ اپریل ۱۹۴۰ء کو بجروک کے مقام پر اور فوجیں اتریں اس کے بعد اتحادی فوجوں نے پیشقدمی شروع کی۔ فرانسیسی ٹینک حملہ کی رہنمائی کر رہے تھے اس طرح لوہے کی کانوں کے بندرگاہ پر بحری اور فضائی جہازوں سے بمباری کی گئی ۲۸ مئی کو تین ہزار جرمن فوج شہر خالی کر کے چلی گئیں اور اس پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔

۹ جون کو جنگ کے دوسرے محاذوں پر جرمن کامیابیوں اور امداد کی ضرورت کے پیش نظر اتحادی فوجوں کو شمالی ناروے سے واپس بلا لیا گیا، ناروے کی حکومت بھی ملک چھوڑ کر چلی گئی اور یہ لڑائی جرمنی کی کامل فتح پر ختم ہو گئی۔

اس مہم میں جرمنی کی کامیابی فوجی قوت و برتری کے علاوہ اس بات پر بھی منحصر سمجھی جاتی ہے کہ اس نے بہت پہلے سے اس ملک میں خفیہ تیاریاں کر رکھی تھیں۔ چنانچہ برطانوی دارالعوام میں ان تیاریوں سے بالکل بے خبر رہنے کے متعلق برطانوی سراغرسانی کے محکمہ کی بابت شدید نکتہ چینی بھی کی گئی۔ نارویک سے واپسی کے دوران میں اتحادیوں کے ہوائی جہاز لے جانے والے ایک جہاز گلوریس، دو تباہ کن اور ایک مسافر لے جانے والے جہاز اور ایک ٹینک کو دشمن نے غرق کر دیا اور ایک ہزار دو سو افراد کا جانی نقصان ہوا۔

نشیبی ممالک پر قبضہ اور فرانس کی شکست کے بعد بھی ہٹلر کا دعوی ہے کہ جرمن فوج کی تاریخ میں ناروے کی مہم جرمن فوج کا اہم ترین کارنامہ ہے۔

موازنہ

ناروے کی مہم کے سلسلہ میں اگر فریقین جنگ کے نفع اور نقصان کا مقابلہ کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ مہم اتحادیوں کے لئے سخت نقصان دہ رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اتحادیوں نے ناروے کے تجارتی بیڑہ کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جرمنی نے بہتیروں کے بڑے ذخائر اور ان کے حصول کے ذرائع پر قبضہ کرنے کے علاوہ جو اہم ترین چیز حاصل کی وہ بہت سے اہم بندرگاہیں لوہے کی کانیں اور ایسے بحری مستقر تھے جن سے شمالی انگلستان پر کامیاب حملے کئے جا سکتے ہیں۔

نشیبی ممالک

ناروے کی مہم سے فراغت پانے کے بعد ہٹلر نے دفعتہً "مغرب" کی جانب رخ کیا اور دس جرمن نشیبی فوجوں نے ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ پر حملہ کر دیا۔

جرمن فوجوں نے پولینڈ میں لڑائی کا جو طریقہ اختیار کیا تھا نشیبی ممالک میں بھی وسیع پیمانہ پر اسی کا اعادہ کیا۔ اس طریقہ جنگ کے ماتحت سب سے پہلے بڑے بڑے ٹینک دشمن کی فوجی صفوں کی طرف بڑھتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ ہوائی جہاز مخالف فوجوں کے "استوکا" ذرائع آمد و رفت اور خبر رسانی اور فوجی مرکزوں پر زمین کو پھاڑ ڈالنے والے بم پھینکتے ہوئے چلتے تھے۔ اور اسی دوران میں دشمن کی

دشمن صفوں کے عقب میں پیراشوٹ کے ذریعہ سے ہزارہا جرمن سپاہیوں کو اتار دیا جاتا تھا اور ٹینک دشمن کی صفوں میں ایک چھوٹا سا راستہ بنا کر بھیڑیوں کی طرح پھیل جاتے تھے۔

نیچی ممالک پر حملہ کے پہلے ہفتہ میں جرمن فوجوں نے ہالینڈ کو بلجیم سے الگ کر دینے کے لئے میوز اور البرٹ کنال کے مقام اتصال پر پہونچنے کی نیت سے میسٹرشٹ کے رقبہ پر زبردست حملہ کیا۔ پھر انہوں نے ہالینڈ کے پاسل اور پاس کے خطوط مدافعت کو توڑ کر بچاؤ کے آبی استحکامات کو عبور کرنے کی کوشش کی اور سب کے بعد وہ فرانس کی توسیع حفاظتی دیوار میگنٹ لائن کی طرف متوجہ ہوئیں۔ تاکہ سیڈان کے قریب میوز کو عبور کرکے اول تو بلجیم اور اتحادیوں کی فوجوں کو الگ الگ کر دیں علاوہ بریں دوبارہ انگلستان کی فرانسیسی بندرگاہوں کی طرف بڑھنے کا راستہ بنا لیں۔

ہالینڈ کی شکست

ہالینڈ پر جرمن فوجوں کا یہ حملہ اس درجہ سخت اور باقاعدہ تھا کہ پانچ روز کے اندر ہالینڈ کی فوج کا چوتھائی حصہ جو ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا تباہ ہوگیا۔

ہالینڈ کے بہت سے شہر جن میں راٹرڈم بھی شامل تھا جرمن ہوائی جہازوں کی بمباری سے پہلے ہی بالکل برباد ہو چکے تھے اور پانچویں دستے کے افراد اور پیراشوٹ کے ذریعہ سے اترنے والے جرمن سپاہیوں نے لڑنے والی فوج میں انتشار اور ہراس پیدا کرکے ان کی توجہ کو محاذ جنگ سے ہٹا دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی ہفتہ کے بعد ہالینڈ کی حکومت کو ہار ماننی پڑی۔ اور جرمن فوجوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔

بلجیم

ہالینڈ کے بعد جرمن فوجیں بہت جلد میسٹرشٹ کے مقام پر بلجیم کے سب سے مضبوط حفاظتی خط کو توڑ دینے میں کامیاب ہوگئیں۔ اس طرح دریائے ڈیل کے کنارے کنارے۔ فرانس اور جرمن فوجوں کا مقابلہ شروع ہوگیا اور سنٹ ٹرانڈ کے مقام پر جو میسٹرشٹ اور لوین کے درمیان واقع ہے۔ شدید لڑائی ہوئی۔ بلجیم کی مدافعتی صفوں میں میسٹرشٹ کے مقام پر جو شگاف ہوگیا تھا حملہ آور فوجیں اس کے ذریعے پیشقدمی میں مصروف رہیں اور مدافعت کرنے والوں کے عقب میں پھیل گئیں اس طرح جرمن فوجیں دریائے میوز کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی بیچ کے ما فعی قلعوں تک جا پہونچیں۔ دوسری طرف نہر البرٹ کے ساتھ ساتھ

ان کی پیشقدمی نے اس محاذ پر بلجیم کی فوجوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور انٹورپ بھی خطرہ میں نظر آنے لگا۔

۱۶ مئی کو اتحادیوں نے مشرقی بلجیم کو خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور مغرب کی طرف بٹ کر شلیٹ کے سامنے ساتھ ایک نیا خط مدافعت قائم کیا اور اس طرح ۱۷ مئی کو جرمنی فوجیں بلجیم کے پایہ تخت بروسلز میں داخل ہوگئیں

شگاف

اس عرصہ میں ۱۴ مئی کو دشمن دریائے میوز کے بالائی حصہ کو جو ٹ اور سیڈان کے درمیان کئی جگہ سے عبور کرکے آگے بڑھتا چلا آیا اور حالات نازک تر ہوگئے۔ دریائے میوز کو عبور کرنے کے بعد سیڈان کے قریب دشمن نے فرانسیسی قلعہ بندی پر نہایت شدید حملہ کرکے اس میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر لیا، اور دوسرے ہی دن یہی سوراخ بڑھ کر ایک وسیع شگاف کی صورت میں تبدیل ہوگیا اتحادی فوجیں ایک جگہ جم کر مقابلہ کے لئے تو تیار تھیں لیکن وہ اس طوفانی حملہ کی تاب نہ لا سکیں اور جرمن ٹینکوں کی ہلاکت خیز تیز رفتاری نے انہیں بدحواس کر دیا۔ خود فرانسیسی فوجوں کا سپہ سالار اعظم جنرل گیملان سخت پریشان تھا۔ حتیٰ کہ اس نے فرانسیسی فوجوں کو مندرجہ ذیل حکم دیدیا۔

> "تمام فوجیں جو آگے نہ بڑھ سکیں پیچھے ہٹ جانے کی بجائے مادر وطن کے اسی گوشہ میں کٹ کر مرجائیں جس پر انہیں متعین کیا گیا ہے۔ ہماری قومی تاریخ کے نازک لمحات میں ہمیشہ جو نعرہ بلند کیا جاتا رہا ہے۔ میں بھی آج اسے دہراتا ہوا تمہیں کہتا ہوں کہ اگر تم فتح حاصل نہ کرسکو تو اپنی جگہ پر مدافعت کرتے ہوئے جان دیدو۔"

رود بار انگلستان کی فرانسیسی بندرگاہیں

ہر ہٹلر اس امر سے بے خبر نہیں تھا کہ جرمنی کا حقیقی مقابلہ انگلستان کے ساتھ ہے اور اسی لئے ابتدا ہی سے وہ ان فرانسیسی بندرگاہوں پر قابو پانے کا خواہشمند تھا جو اسے انگلستان کا مقابلہ کرنے میں مدد دے سکیں۔

فرانس کی دفاعی صفوں میں شگاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے اتحادیوں کے لئے جرمن فوجوں کو روکنا ازحد مشکل ہو گیا اور دشمن نہایت تیزی کے ساتھ رودبار انگلستان کی فرانسیسی بندرگاہوں کی جانب بڑھتا رہا۔ ۱۹ مئی کو دشمن کی فوجیں [illegible] اور سینٹ کونٹن پر جنگ کر کے سمندری [illegible] کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئیں اس کے بعد انہوں نے لین پر قبضہ کر لیا۔ [illegible] تک پہنچ گئیں۔ اور اسی طرح جرمن مشینی فوجیں مغرب میں بولون کے گرد و نواح تک پہنچنے میں بھی کامیاب ہو گئیں۔

۲۰ مئی کو جرمن فوجی ہائی کمانڈ نے نہایت فخر کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کامیابی کا اعلان کیا:-

"تاریخی اعتبار سے ہمیں سب سے بڑی اور سب سے پہلی پیش قدمی میں یہ حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

فرانس کی نویں فوج بالکل تباہ کر دی گئی اور اس کا سب سامان اور عملہ کے کل آدمی قید کر لئے گئے اس سلسلہ میں جرمن ہائی کمانڈ نے جو اعلان کیا اس کے بعض جملے حسب ذیل ہیں:-

"جرمن حملہ کی وجہ سے جو شگاف پیدا ہو گیا ہے جرمن فوجیں اس کی راہ سے مسلسل داخل ہو رہی ہیں اور آگے بڑھنے والی جرمن فوجوں نے جو ٹینکوں اور مشینی دستوں پر مشتمل ہیں اراس، امینز اور ابے ویل پر قبضہ کر کے برطانیہ فرانس اور بلجیم کی فوجوں کو ساحل کی جانب پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔"

اگرچہ اسی دن اتحادیوں نے اراس پر از سر نو قبضہ کر لیا لیکن یہ معمولی سی کامیابی جرمن فوجوں کو ساحل کی جانب بڑھنے سے نہ روک سکی اور وہ ان اتحادی فوجوں کو جو شمال میں مقیم تھیں فرانس کی بڑی فوج سے الگ کر دینے کی نیت سے برابر پیش قدمی کر رہی تھیں۔

۲۳ مئی کو دشمن بولون تک جا پہنچا اور برطانوی فوجوں نے اس مقام کو کامیابی کے ساتھ خالی کر دیا۔ دوسری طرف شگاف جنوبی سمت میں دشمن کی فوجوں نے تقریباً تیس میل تک پھیل کر فرانسیسی فوجوں کو شمال میں مقیم برطانوی فوجوں سے الگ کر دیا۔ اور فلنڈرس میں آہن پوش جرمن فوجوں نے شیلڈٹ کی قطع بند لائن کو دریائے لیاس کے مغربی کنارہ تک توڑ دیا اس کے بعد دشمن نے اپنی پیش قدمی کو اس طرح جاری کیا کہ محصور اتحادی فوجوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا اور [illegible] پر دشمن کا قبضہ ہو گیا۔ اب اتحادیوں کے لئے صرف ایک ہی کام تھا اور وہ یہ کہ جس طرح بھی ہو شمال میں مقیم اپنی فوجوں کو موت کے پنجے سے چھڑائیں۔ اس وقت تک اگرچہ بلجیم نے جرمنی کی اطاعت کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن دشمن کی جنگی تدابیر کی مسلسل کامیابیوں، اتحادی فوجوں کی پسپائی اور ان کامیابیوں کے حصول کے [illegible] اتحادیوں کے جنگی ماہرین کو اپنی خطرناک حالت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اور وہ کسی تباہ کن حادثہ کے پیش آنے سے قبل ہی اس کے امکانات کو معدوم کر دینے کے لئے بے تاب تھے۔

بلجیم کا اعلان اطاعت

اتحادی فوجیں بلجیم اور فرانس کی سرزمین پر نازک ترین حالات کا مقابلہ کر رہی تھیں کہ ۲۸ مئی کو بلجیم کے بادشاہ لیوپولڈ کی ہدایت کے مطابق بلجیم کی فوج نے جرمنی کی اطاعت کا اعلان کر کے مقابلہ ترک کر دیا۔ بلجیم کی فوج شمال میں مقیم اتحادی فوجوں کے بائیں بازو کا کام کر رہی تھی۔ اور اس کے مذکورہ بالا فیصلہ کے بعد فلنڈرس میں برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کے لئے جو تباہ کن مشکلیں پیدا ہو سکتی تھیں وہ ظاہر ہیں۔ جرمن مشینی دستے تمام ساحل پر پھیل گئے اور برطانوی فوجیں چاروں طرف سے سمٹ سمٹ کر ڈنکرک میں جمع ہوتی گئیں۔ فلنڈرس میں جو کچھ پیش آیا اسے مسٹر چرچل ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

"چار پانچ روز تک ایک خوفناک جد و جہد جاری رہی۔ تمام مشینی دستے یا یوں کہئے کہ مشینی دستوں کا وہ حصہ جو تباہی سے بچ سکا تھا، ہر لحظہ تنگ تر ہو جانے والی زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور بے شمار جرمن فوج انہیں دباتی چلی آتی تھی۔ اس موقعہ پر برطانیہ کے بحری بیڑہ نے دوسرے تجارتی جہازوں کے ساتھ ان محصور برطانوی فوجوں کو واپس لانے میں نہایت مستعدی اور ہمت و جرأت کا ثبوت دیا۔"

بہر حال معجزانہ طور پر تین لاکھ پچاس ہزار برطانوی سپاہی بچا لئے گئے لیکن فلنڈرس کی لڑائی میں اتحادیوں کو شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور جس شے کو قیصر کی فوج چار سال میں بھی حاصل نہ کر سکی تھی۔ ہر ہٹلر کے ٹینکوں اور بموں نے اسے تین ہفتے میں حاصل کر لیا۔ اب رودبار انگلستان کی فرانسیسی بندرگاہوں پر جرمنی کا پورا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کو خود مسٹر چرچل نے اتحادیوں کے لئے "ایک تباہ کن فوجی نقصان" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

فرانس پر پیش قدمی

۵ جون ۱۹۴۰ء کو، جرمن فوجوں کے ڈنکرک میں داخلے کے کچھ دیر بعد ہٹلر نے اپنی مشینی فوجوں کو براہ راست فرانس پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا اور انہوں نے اتحادیوں کے نئے محاذ جنگ یعنی دریائے سوم اور ایسن کے خط مدافعت پر دو دو اور تین تین سو کے گروہ بنا کر دو ہزار ٹینکوں سے مختلف مقامات پر حملہ کردیا۔ لڑائی کے پہلے دن جرمن فوجوں کی ساری توجہ دریائے سوم کے علاقہ پیرون اور ایمیزن اور ایسن کنال پر مرکوز رہی۔ دشمن کا یہ حملہ اس درجہ سخت اور خوفناک تھا کہ نہایت جلدی میں قائم کیا ہوا حفاظت کا یہ محاذ اسے برداشت نہ کرسکا اور فرانس کی حفاظت کرنے والی فوجوں نے دشمن کو راستہ دیدیا، چنانچہ جرمن فوجوں نے دریائے سوم کو عبور کرلیا اور جرمن فوجی ہائی کمانڈ نے ۸ جون کو اعلان کیا کہ:۔

"ہماری فوجوں نے ویگان لائن یعنی فرانس کے نئے خط مدافعت کو اس پورے محاذ جنگ پر زیر و زبر کردیا ہے"

ایمیز اور پیرون کے علاقوں میں دشمن کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ساحل کی مضبوط قلعہ بندیوں تک اتحادی فوجوں کا تعاقب کیا گیا اور لاہیوری جرنرگ ایسے محفوظ مقامات پر شدید بمباری کی گئی۔

جرمن پیشقدمی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۸ جون کو جرمن فوجوں نے پرسیل کے صدر مقام آمیل اور دریائے اویس کے ایک مقام نائن کے درمیان سات میل طویل محاذ پر پیشقدمی شروع کی اور اسی رات کو امیز سے بیس میل جنوب میں بیترل کے مقام تک پہونچ گئیں اور ایک سخت لڑائی کے بعد انہوں نے ۹ جون کو سوسوں کے دونوں جانب دریائے ایزن کو بھی عبور کرلیا۔

جرمنی کے شدید بری اور فضائی نقصانات کے باوجود اتحادیوں کی حالت روز بروز خراب تر ہوتی جارہی تھی۔ اس سلسلہ میں ۹ جون کو ایک فوجی نقاد نے لکھا تھا۔

"اس خیال کی اہمیت پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ دشمن نے اپنی آمدورفت اور خبر رسانی کے ذریعوں کو اس خوبی کے ساتھ منتظم کیا ہے کہ اس کی قوت کا اندازہ لگانا دشوار ہے"

اطالیہ کا اعلان جنگ

فرانس جرمن فوجوں کے اس ہلاکت آفریں حملہ کی مصیبت میں مبتلا تھا کہ مسولینی نے اعلان جنگ کرکے اسے مزید پریشانی میں مبتلا کردیا اور اگرچہ جہاں تک لڑائی کا تعلق ہے فرانس اور اطالیہ کے درمیان کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہیں آیا لیکن اس اعلان نے فرانس کی فوجوں میں ایک انتشار اور ابتری ضرور پیدا کردی۔ اسی دن جرمن فوجوں نے پیرس کی جانب پیشقدمی کرتے ہوئے نشیبی دریائے سین کو عبور کرلیا۔ شدت کی لڑائی شروع ہوگئی اور ریمس کے علاقہ پر قبضہ کرنے اور قبضہ رکھنے کے لئے سخت کوششیں کی جانے لگیں۔

اتحادی فوجیں بہت زیادہ تھکی ہوئی تھیں اور اس لڑائی کی شدت کو برداشت کرنے کے لئے ان کے پاس سامان بھی کم تھا۔ لیکن انہوں نے ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کے لئے دشمن کا نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن دشمن بڑھتا چلا آیا، نشیبی دریائے سین کے بعد ۱۲ جون کو دشمن نے دریائے سین کے دوسرے مقامات پر بھی کرلیا، اسی دن رائن پر اس کا قبضہ ہوگیا اور جرمن فوجیں ۱۳ جون کو قبضہ دریائے مارنی کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئیں اب پیرس پر حملہ کے لئے راستہ بالکل صاف تھا۔

پیرس کا محاصرہ

جرمن فوجوں نے چاروں طرف سے پیرس کو گھیر لیا اور میوز اور سمندر کے درمیان پورے محاذ پر چار ہزار ٹینکوں اور ایک سو فوجی ڈویژنوں سے نہایت ہی سخت حملہ کیا۔ اس نازک موقعہ پر پہلے تو ایم رینو کی حکومت نے پیرس کے بچاؤ کے لئے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن پیرس کو تباہی سے بچانے کے لئے بعد میں اس فیصلہ کو بدلکر ۱۳ جون کو یہ اعلان کردیا کہ پیرس فوجی شہر نہیں ہے۔ اس نئے فیصلہ کے ماتحت پیرس کو جانے والے تمام راستوں کی محافظ فوجیں پیرس کے جنوب کی طرف ہٹ آئیں اور جرمن فوجی ہائی کمانڈ نے اعلان کردیا کہ:۔

"جرمن فوجوں نے پیرس کے تمام حفاظتی ذریعوں کو بیکار کردیا ہے۔ دشمن کی فوجیں فرانس کے دارالحکومت کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں رہیں اور آج صبح ہماری فاتح فوجیں پیرس میں داخل ہوگئی ہیں"

فرانس کی شکست

پیرس کو خالی کردینے اور لور کے مقام تک ہٹ آنے کے بعد بھی فرانس کی فوجوں کو امن وسکون حاصل نہ ہوسکا۔ اور دشمن پوری شدت اور تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا آیا جرمن ہائی کمانڈ نے اس پیشقدمی کو "جنگ کا تیسرا اور دشمن کو پورے طور پر تباہ کردینے والا دور" قرار دیا ہے۔ فرانس کی فوجیں مسلسل پیچھے ہٹتی چلی گئیں اور جرمن فوجیں ۴۸ گھنٹوں میں سو میل آگے بڑھ گئیں۔

میگنٹ لائن تک پہونچنے کے لئے مشرق میں بھی جرمن فوجیں پوری قوت سے بڑھتی جارہی تھیں تازہ دم فوج میدان جنگ میں بھیجی جا رہی تھی اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً سو ڈویژن جرمن فوج میدان جنگ میں موجود تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۴ر جون تک جرمن فوجوں نے میگنٹ لائن کی بہت سی قلعہ بندیوں کے علاوہ وردون کے مستحکم ترین قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

فرانس کے ان تمام علاقوں سے، جہاں دشمن پہونچ چکا تھا یا جہاں اس کے پہونچنے کا اندیشہ تھا لوگ بھاگ جانے کے خواہشمند تھے اور فرانس کے ان علاقوں کے مہاجرین کا مسئلہ اور شمالی فرانس کے پناہ گزینوں کے مسئلہ سے بھی نازک تر ہو گیا تھا۔ اس موقعہ پر حکومت نے راستوں کو کھلے رکھنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن لوگوں کی کثرت نے اس کی کوششوں کو بیکار کر دیا۔

صلح

فرانس کے وزیر اعظم ایم رینو چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے اس لڑائی کو جاری رکھا جائے۔ لیکن فرانسیسی وزراء کی اکثریت کا خیال تھا کہ فرانسیسی فوجیں زیادہ عرصہ تک جرمن حملہ کی شدت کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ بہت دیر تک بحث و مباحثہ ہوتے رہنے کے بعد ۱۶ر جون کی رات کو ایم رینو کی وزارت مستعفی ہو گئی اور مارشل پیتاں نے جرمنی کے ساتھ صلح کرنے کے لئے نئی وزارت بنا کر فرانسیسی قوم اور فوج کے نام ذیل کا پیغام براڈ کاسٹ کیا۔

"میں دکھے ہوئے دل کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ لڑائی بند کر دینی چاہئے۔ میں نے اپنے دشمن سے یہ بات دریافت کی ہے کہ کیا وہ اس طرح ہمارے ساتھ صلح کر کے اس لڑائی کو ختم کر دینے کے لئے تیار ہے جس طرح دو سپاہی ایک دوسرے کے ساتھ باعزت صلح کیا کرتے ہیں۔"

بہرحال ۲۲ر جون کو فرانس اور جرمنی کے درمیان صلح ہو گئی اور عملی طور پر تمام شمالی اور مغربی فرانس حملہ آوروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس صلحنامہ کی رو سے شمال اور مغرب میں جنیوا سے ٹورس کے مشرق میں بیس کلومیٹر تک اور وہاں سے جنوب میں رینگوسیں ریلوے کے متوازی ہسپانوی سرحد تک کا تمام علاقہ، رود بار انگلستان اور بحر اٹلانٹک کے تمام فرانسیسی بندرگاہ اور بہترین صنعتی رقبہ جرمنی کے قبضہ میں چلا گیا۔ فرانس کی فوجیں غیر مسلح کر دی گئیں اور اس طرح سامان جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ دشمن کو مل گیا۔

فرانس اور جرمنی کے درمیان صلح ہو جانے کی وجہ سے افریقہ اور مشرق قریب میں برطانیہ کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئیں بہرحال جولائی کے آغاز میں فرانسیسی بحری بیڑہ کو دشمن کے قبضہ میں چلا جانے سے روکنے کے لئے اوران، ڈکار اور اسکندریہ میں برطانوی بحری جہازوں نے پوری جدوجہد کی اور ان مقامات پر موجود فرانسیسی جہازوں کا بیشتر حصہ یا تو غرق کر دیا گیا یا اُسے بیکار کر کے غیر مسلح بنا دیا گیا۔ اس موقعہ پر کئی فرانسیسی جہاز برطانیہ کے قبضہ میں چلے گئے اور بعض ایک جنگی کروزر شکست ہو جانے کے باوجود بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو سکے۔

۲۴ر جون کو ۱۱ بجکر ۳۵ منٹ پر اطالیہ اور فرانس کے درمیان صلح ہو جانے کے بعد جرمن ہائی کمانڈ نے فرانس میں لڑائی بند کر دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:۔

"اب مغرب میں لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔"

شکست کے اسباب

بظاہر فرانس کی شکست کا یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی ہائی کمانڈ اپنی ناقابلیت کی وجہ سے، پولینڈ میں جرمن طریقہ جنگ کو دیکھنے کے باوجود اس بات کو نہیں سمجھ سکی کہ جرمن فوج توپخانہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور وہ ہوائی جہازوں، ٹینکوں اور پیدل فوج کے اشتراک عمل سے بے پناہ اور خوفناک حملے کر کے مخالف کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس طرز جنگ کے مقابلہ کے لئے اسی طرح پر نہایت شدید پیشقدمی کی ضرورت تھی لیکن اتحادی اس کے لئے تیار نہیں تھے۔

اس شکست کی دوسری وجہ جو بعد میں معلوم ہو سکی یہ بیان کی جاتی ہے کہ فرانسیسی ہائی کمانڈ میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن مارشل پیتاں نے اپنے ایک بیان میں جو ۲۰ر جون کو براڈ کاسٹ کیا گیا تھا اس شکست کے چند اور اسباب بھی بیان کئے تھے جو انہیں کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:۔

"سپاہیوں کی قلیل تعداد، اسلحہ کی کمی اور دوستوں کی قلت .... بس ہماری شکست کے یہی اسباب ہیں۔"

انگلستان پر ہوائی حملہ

فرانس کی شکست کے بعد جہاں تک براعظم یورپ کے مغربی ملکوں کی لڑائی کا تعلق تھا، ختم ہو چکی تھی لیکن برطانیہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ اس وقت تک جنگ جاری رکھے گا جس وقت تک فریقین جنگ میں سے کوئی ایک فریق پورے طور پر مفتوح و مغلوب نہ ہو جائے۔ جولائی کے تیسرے ہفتہ کے آخری دنوں میں ہر ہٹلر نے ایک تقریر کرتے ہوئے برطانیہ کے سامنے جو شرطیں پیش کیں اور جن کے پورا ہو جانے کی صورت

میں جمعیت قوم کی جانشینی بھی چین ۲۲ جولائی کو ستر چرچل کی حکومت نے انہیں مسترد کر دیا اور ۸ اگست کو انگلستان پر پہلا عام ہوائی حملہ کیا گیا یہ حملے ابتک جاری ہیں۔ اور ان سے شدید جانی اور مالی نقصانات ہو چکے ہیں حتی کہ شاہی محلات اور سینٹ پال کیتھیڈرل اور لندن ٹاور جیسے تاریخی مقامات بھی نقصان سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ ان کے جواب میں برطانوی ہوائی جہازوں نے بھی جرمنی اور جرمنی کے مقبوضہ علاقوں پر بمباری کر کے دشمن کو نقصان پہونچایا۔

انگلستان پر ہوائی حملوں کے علاوہ شمالی اور مشرقی افریقہ بحر روم بحر احمر اور مشرق قریب کے ملکوں میں بھی اطالیہ اور برطانیہ کے درمیان ہوائی بحری اور بری لڑائیاں شروع ہو گئیں اور اب یونان اور اطالیہ کے درمیان خونریز لڑائی جاری ہے۔ لیکن چونکہ ان تمام امور کو جدا گانہ عنوانات کے ماتحت بیان کیا جا چکا ہے۔ ہم اس مضمون کو اسی جگہ ختم کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔
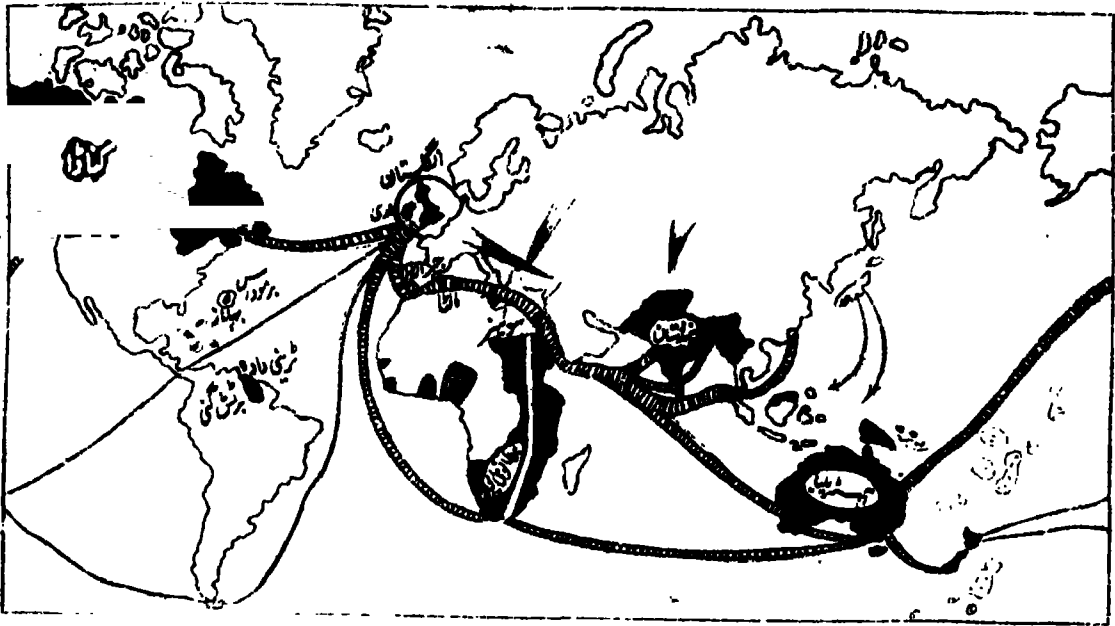
وہ مقامات جہاں سے برطانوی مقبوضات پر غیر ملکی حملوں کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

وہ بحری راستے جو انگلستان کو اس کے وسیع مقبوضات کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

یورپی ممالک کی ہوائی طاقتوں کا نقشہ

نام ملک	وزنی بمبار جہاز	تعاقب کرنے والے جہاز	لڑنے والے جہاز (جنہیں دو انجن ہوتے ہیں)	ہلکے بمبار جہاز	نگہبان جہاز	تربیت دینے والے جہاز	متفرق	میزان
برطانیہ	۳۲۲۵	۲۸۰۰	۰	۴۰۵۰	۲۵۰۰	۲۸۲۵	۲۰۷۵	۱۴۴۷۵
فرانس	۱۲۰۰	۱۸۵۰	۰	۹۷۵	۷۰۰	۸۰۰	۲۵	۵۵۵۰
جرمنی	۷۹۰۰	۴۳۰۰	۸۵۰	۱۰۵۰	۲۴۰۰	۴۵۰۰	۱۵۵۰	۲۲۵۵۰
اطالیہ	۱۶۰۰	۱۲۰۰	۱۰۰	۶۵۰	۹۰۰	۱۰۰۰	۰	۵۳۵۰
روس	۲۷۰۰	۲۲۳۵	۰	۶۵۰	۲۰۲۵	۱۰۰۰	۸۰۰	۹۴۱۰

جنگ کا روزنامچہ

ستمبر ۱۹۳۹ء

۱۔ پولینڈ پر جرمنی کا حملہ۔

۳۔ جرمنی کے خلاف برطانیہ اور فرانس کا مشترکہ اعلان جنگ۔

۴۔ جرمنی نے برطانیہ کے جہاز ایتھینیا کو غرق کر دیا۔

۶۔ ویسٹرپلیٹ کے مقام پر پولستانی فوجوں نے جرمنی کا مقابلہ ترک کیا۔

۱۱۔ سرکاری طور پر فرانس میں برطانوی فوجوں کے پہونچنے کا اعلان کیا گیا۔

۱۳۔ پولینڈ کی فوجیں وارسا کے مشرق کی طرف پسپا ہوئیں۔

۱۷۔ اشتراکی روس کی پولینڈ کی جانب پیشقدمی اور جہاز کرےجس پر جرمن تارپیڈو کا حملہ۔

۱۸۔ بیلسٹاک کے مقام پر روسی اور جرمن فوجوں کا ملاپ۔

۲۰۔ روسی ٹینکوں کے لواؤ تک پہونچنے کی اطلاع۔

۲۷۔ وارسا میں رہ کر جرمن حملہ آور روس کا مقابلہ کرنے والی پولستانی فوجوں کا اعتراف شکست۔

۲۸۔ روس اور استھونیا کے درمیان معاہدہ کی تکمیل

۲۹۔ پولینڈ کی تقسیم جدید کے سلسلہ میں جرمنی اور روس کے درمیان معاہدہ کی تکمیل۔

۳۰۔ فرانس کے دارالحکومت پیرس میں پولینڈ کی نئی حکومت کے قیام کا اعلان۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء

۵۔ وارسا میں ہر ہٹلر کی آمد اور روس اور لٹویا کے درمیان معاہدہ کی تکمیل۔

۶۔ ہر ہٹلر کی جانب سے صلح کی تجویز کی پیش کش۔

۱۰۔ روس اور لتھوانیا کے درمیان تکمیل معاہدہ کا اعلان۔

۱۴۔ برطانوی جنگی جہاز رائل اوک کی غرقابی۔

۱۹۔ فرانس، برطانیہ اور ترکی کے درمیان معاہدہ اعانت کی تکمیل۔

نومبر ۱۹۳۹ء

۴۔ ولایات متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ نے دوسرے ملکوں کو اسلحہ دینے کے متعلق ولایات مذکورہ کے قانون غیر جانبداری پر دستخط کئے۔

۸۔ میونک کے مقام پر بم پھٹنے کا حادثہ پیش آیا۔

۲۳۔ مسلح مرچینٹ کروزر راولپنڈی پہلی بحری جنگ میں جرمن جنگی جہاز ڈیوٹشلن کے حملہ کی وجہ سے غرق ہو گیا۔

۳۰۔ فن لینڈ پر روس کا حملہ۔

دسمبر ۱۹۳۹ء

۱۳۔ جنوبی امریکہ کے مشرقی ساحل کے قریب جرمنی کے مشہور جنگی جہاز ایڈمرل گریف اسپی کو برطانوی جہازوں نے محصور کر کے ایک لڑائی میں اسے سخت نقصان پہونچایا۔

۱۴۔ فن لینڈ پر حملہ کرنے کے جرم میں روس کو مجلس اقوام کی رکنیت سے خارج کر دیا گیا۔

۱۷۔ ایڈمرل گریف اسپی کے عملہ نے اس حیرت انگیز جہاز کو اس اندیشہ سے غرق کر دیا کہ کہیں اس پر دشمن کا قبضہ نہ ہو جائے۔

۱۹۔ جرمنی کے ایک ۳۲ ہزار ٹن وزنی جہاز کولمبس کو خود اس کے عملہ نے غرق کر دیا۔

۲۰۔ ایڈمرل گریف اسپی کے کپتان نے خودکشی کر لی۔

جنوری ۱۹۴۰ء

۶۔ برطانیہ کے وزیر حرب مسٹر ہور بلیشا اپنے عہدہ سے مستعفی ہوئے۔

۸۔ سومیو سالمی کے مقام پر فن لینڈ کی کامیابی۔

فروری ۱۹۴۰ء

۱۶۔ جرمن جہاز الٹمارک میں مقید تین برطانوی قیدیوں کی رہائی۔

۱۷۔ جزیرہ نمائے کریلیا کے پہلے مدافعتی خط سے پسپا ہو کر فن لینڈ کی فوجوں کا دوسرے مدافعتی خط پر جماؤ۔

۲۵۔ ولایات متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ کے خاص قاصد مسٹر سمرویلز کی یورپ میں آمد۔

مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

۲- فن لینڈ کے اہم مقام وی پوری کے گرد و نواح پر روسی فوجوں کا قبضہ۔

۵-۱۳- روس اور فن لینڈ کی حکومتوں کے درمیان مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو کا آغاز۔

۱۳- روس اور فن لینڈ کی لڑائی کا خاتمہ

۱۸- برنیر پاس کے مقام پر موسولینی اور ہر ہٹلر کی ملاقات۔

۲۰- فرانس کے وزیر اعظم ایم ولادیر کا استعفیٰ اور ایم رینو کی حکومت کا قیام۔

اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

۸- ناروے کے سمندری علاقہ میں اتحادیوں کی جانب سے سرنگیں بچھائے جانے کا اعلان۔

۹- جرمنی کا ڈنمارک اور ناروے پر حملہ۔

۱۰- ناروک کے مقام پر پہلی لڑائی جس میں اتحادیوں کے دو اور جرمنی کے چار تباہ کن جنگی جہاز ڈوبے۔

۱۳- ناروک کی دوسری لڑائی جس میں جرمنی کے سات تباہ کن جنگی جہاز غرق ہوئے۔

۱۵- ناروے کے ساحل پر برطانوی افواج کے اترنے کا اعلان کیا گیا۔

۲۰- جرمنی کی فوجوں نے مدناس کے مقام پر قبضہ کیا۔

مئی سنہ ۱۹۴۰ء

۲-۵-۱- اتحادی فوجیں جنوبی ناروے سے واپس بلالی گئیں۔

۱۰- ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ پر جرمنی کی فوج کشی۔ مسٹر چیمبرلین کی حکومت کا استعفیٰ اور برطانیہ میں مسٹر چرچل کی زیر قیادت مشترکہ قومی وزارت کی تشکیل۔

۱۴- ہالینڈ کی شکست۔

۱۵- سیڈان کے جنوب میں بولنج کے مقام پر فرانسیسی فوجی صفوں کو توڑ کر جرمن فوج کی پیشقدمی۔

۱۷- بلجیم کے دار الحکومت برسلز پر جرمنی کا قبضہ۔

۱۹- فرانس کی افواج کے سپہ سالار اعظم جنرل گیملان کا استعفیٰ اور جنرل ویگان کا تقرر۔ اراس اور امینز کے مقامات پر جرمنی کا قبضہ اور ایبل کی جانب پیشقدمی۔

۲۲- برطانوی دار العوام میں اس مسودہ قانون کی منظوری جو جنگ کے معاملہ میں تمام ذاتی ملکیت کو ختم کرنے کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

۲۳- جرمن افواج کا بولون میں داخلہ۔

۲۸- بلجیم کی فوجوں کا اعتراف شکست اور ناروک پر اتحادیوں کا قبضہ

۳۰- ڈنکرک کے مقام سے برطانوی فوجوں کی واپسی کا آغاز۔

جون سنہ ۱۹۴۰ء

۳- فرانس کے خلاف جنگ کا آغاز اور ۵۰۰ جرمن ہوائی جہازوں کی پیرس پر بمباری۔

۴- ڈنکرک سے برطانوی افواج کی واپسی کی تکمیل۔

۵- فرانس پر جرمن فوجوں کا بری حملہ اور "سوم ایسن" کے محاذ کی جانب پیشقدمی۔

۱۰- جرمنی کی حمایت میں اطالیہ کا اعلان جنگ اور ناروک کے مقام سے اتحادی فوجوں کی واپسی۔

۱۴- جرمن فوجوں کا پیرس میں داخلہ۔

۱۶- فرانس میں ایم رینالڈ کی حکومت کا زوال مارشل پیتاں کا بحیثیت وزیر اعظم تقرر اور فرانسیسی۔ برطانوی قومی اتحاد کے سلسلہ میں برطانیہ کی پیش کی ہوئی تجویز کو قبول کرنے سے فرانسیسی حکومت کا انکار۔

۱۷- فرانس اور جرمنی کے درمیان صلح کی گفتگو کا آغاز۔

۲۰- جاپان کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے فرانس کی حکومت نے برما اور فرنچ انڈو چائنا کے درمیان تجارتی راستہ کو بند کر دیا۔

۲۱- فرانس کے نمائندوں کو ہر ہٹلر کی جانب سے صلح کی شرائط دی گئیں

۲۲- فرانس کی جانب سے جرمنی کے ساتھ صلحنامہ پر دستخط کئے گئے اور مشرق بعید میں ہانگ کانگ اور چین کے درمیان راستہ کو مسدود کرنے کے لئے جاپان نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔

۲۴- فرانس اور اطالیہ کے درمیان صلحنامہ کی تکمیل۔ فرانس میں لڑائی کا خاتمہ اور برطانوی حکومت کی جانب سے جنرل ڈیگال کی زیر قیادت قائم شدہ آزاد فرانسیسی عارضی حکومت کو تسلیم کئے جانے کا اعلان۔

۲۸- رومانوی حکومت کی جانب سے اشتراکی روس کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے بسارابیا اور شمالی بکوانیا کے علاقوں کو اس کے حوالہ کر دینے کا اعلان اور ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے رومانیہ میں روسی فوجوں کا داخلہ۔

۲۹- رودبار انگلستان کے بعض جزیروں سے برطانوی فوجوں اور باشندوں کی واپسی اور ان کا کامل تخلیہ۔

جولائی ۱۹۴۰ء

۲- بسارابیا اور شمالی بکوانیہ پر اشتراکی روس کے قبضہ کی تکمیل اور رومانیہ کی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے برطانوی فرانسیسی مشترکہ ضمانت کو جاری رکھنے سے رومانوی حکومت کا انکار۔

۳- فرانسیسی بحری بیڑہ برطانیہ کے قبضہ میں لے لینے کے لئے برطانوی حکومت کا فیصلہ اور ... ان کے مقام پر فرانسیسی بیڑہ کے ساتھ برطانوی بیڑہ کی مڈبھیڑ کے بعد اس کے ایک حصے پر قبضہ۔

۵- فرانسیسی حکومت کا برطانیہ سے سیاسی تعلقات منقطع کر لینے کا فیصلہ اور افریقہ میں ڈاکار کے مقام پر برطانوی اور فرانسیسی بحری جنگی جہازوں میں دوبارہ مڈبھیڑ جس میں فرانس کے ۳۵ ہزار ٹن وزنی جہاز رشیلیو کو سخت نقصان پہنچا۔

۹- بحر روم میں اطالوی اور برطانوی بحری جنگی جہازوں میں پہلا مقابلہ۔

۱۱- مارشل پیتاں کو فرانس کا مختار کل بنا دیا گیا۔

۱۴- کینیا کے ایک شمالی مقام مویال سے برطانوی فوجیں واپس آگئیں۔

۱۶- جاپان کی فوجی قوتوں کی خواہشات کے ماتحت جاپانی وزارت مستعفی ہو گئی اور پرنس کنائے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۱۷- برما۔ چائنا روڈ کو تین ماہ کے لئے بند کر دینے کے متعلق برطانیہ اور جاپان کا معاہدہ۔

۱۹- ولایات متحدہ امریکہ کے موجودہ صدر مسٹر روزویلٹ نے تیسری مرتبہ منصب صدارت کے لئے نامزدگی کو منظور کیا اور ہر ہٹلر کی جانب سے صلح کر لینے کی تجویز پیش کی گئی۔

۲۰- بحر بالٹک کی ریاستوں یعنی لتھونیا، لٹویا اور اسٹونیہ نے اشتراکی روس میں شمولیت کا اعلان کیا۔

۲۲- ہر ہٹلر کی پیش کردہ تجویز صلح کو برطانوی حکومت نے نامنظور کر دیا۔

۲۴- فرانس کے ان سابق وزراء کے خلاف، جنہوں نے جرمنی کے مقابلہ میں جنگ کا اعلان کیا تھا۔ مقدمہ چلانے کا فیصلہ۔

۳۱- امریکہ کا تیل کی برآمد اور فروخت پر پابندیاں لگانے کا فیصلہ

اگست ۱۹۴۰ء

۴- افریقہ میں برٹش شمالی لینڈ پر اطالوی فوجوں کا حملہ۔

۸- انگلستان پر جرمن فضائی حملوں کا آغاز۔

۹- شنگھائی اور شمالی چین سے برطانوی فوجوں کو واپس بلانے کا فیصلہ۔

۱۵- برطانیہ پر حملہ کرنے والے ۱۸۰ جرمن ہوائی جہاز مسقط کئے گئے۔ بحر ایجین میں ایک یونانی کروزر کی غرقابی اور یونان اور اطالیہ کے درمیان کشیدگی میں مزید اضافہ۔

۱۶- لندن کے گرد و نواح میں پہلی مرتبہ جرمن ہوائی جہازوں کی بمباری۔

۱۷- جرمنی کی جانب سے برطانیہ کی کامل ناکہ بندی کا اعلان۔

۱۸- ولایات متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مشترکہ دفاعی بورڈ کا قیام۔

۱۹- برطانوی شمالی لینڈ سے برطانوی فوجوں کی واپسی اور جرمنی کے دار الحکومت برلن پر پہلی مرتبہ برطانوی ہوائی جہازوں کی بمباری۔

۲۰- فرانس کے ساحل سے لمبی مار کرنے والی جرمن توپوں سے پہلی مرتبہ انگلستان کے ساحل پر بمباری۔

۲۱- رومانوی حکومت کا ڈوبروجہ کے جنوبی حصہ کو ہنگری کے حوالے کر دینے پر اظہار رضامندی۔

۲۳- طویل مار کرنے والی برطانوی توپوں سے پہلی مرتبہ کیلے پر بمباری۔

۲۶- رات کے وقت برطانوی ہوائی جہازوں کا دوسری مرتبہ برلن پر حملہ اور جرمن ہوائی جہازوں کی انگلستان کے پانچ سو میل لمبے رقبہ پر بمباری۔

۲۷- لندن پر رات کے وقت جرمن ہوائی جہازوں کا حملہ۔ برطانوی ہوائی جہازوں کی برلن پر تین گھنٹہ بمباری اور کیمون اور فرنچ کانگو کا از سر نو جرمنی اور اطالیہ کے خلاف اعلان جنگ۔

۳۰- جرمنی اور اطالیہ کی جانب سے رومانیہ کے خلاف مشروط اعلان جنگ۔ برلن اور لندن پر ایک دوسرے کے ہوائی حملے۔

۳۱- رومانیہ کی جانب سے اطالیہ اور جرمنی کے مطالبات اور فیصلوں کو تسلیم کر لینے کا اعلان اور ٹرانسلوانیا میں اضطراب کے آثار۔

ستمبر ۱۹۴۰ء

۱- برطانوی بیڑوں کا انگلستان سے باہر جانے والے جہاز کی جرمن تارپیڈو سے ٹکرانے کی وجہ سے غرقابی اور ساؤتھ افریقہ کی حکومت کا ۶۵ کے مقابلہ میں ۸۳ آراء سے جنگ میں شریک رہنے کا فیصلہ۔

۳- ہر ہٹلر نے ایک تقریر کرتے ہوئے سوئی کے زمانہ میں انگلستان پر لشکر کشی کرنے کا اعلان کیا۔ رومانیہ کی وزارت مستعفی ہو گئی۔ رومانیہ میں نازی جماعت "آئرن گارڈ" نے حکومت کے خلاف مظاہرہ کئے۔ شاہی محل پر گولیاں چلائی گئیں۔ اور رومانیہ کی سرحد کے قریب بلغاری فوجوں کے پہنچنے کی خبر آئی۔

۵- برطانوی ہوائی جہازوں نے برلن پر بمباری کی جس کی وجہ سے بہت

سے اہم مقامات جہاں تک جانے کی اطلاع موصول ہوئی معلینہ میں عام بغاوت ہو گئی۔ بلوشا مے نے ملکی قانون کو واپس لے لیا اور کچھ شہروں میں دست بدست لڑائیوں میں بہت سے آدمی مارے گئے نیز البانیہ میں اطالیہ کی دو لاکھ فوج کے جمع ہونے کی اطلاع موصول ہوئی۔

۔ افریقہ میں لبیا کے اطالوی ہوائی مستقروں پر بمباری کی گئی۔ اطالوی ہوائی جہازوں نے عدن پر بم برسائے رومانیہ کے بادشاہ کیرول اپنے فرزند مائیکل کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو کر یوگوسلاویہ کو روانہ ہو گئے اور انگلستان پر شدید ہوائی حملہ کیا گیا۔ مشرق بعید میں فرنچ انڈو چائنا کی حکومت نے بارہ ہزار جاپانی فوج کو تین اہم مقامات پر اترنے کی اجازت دیدی۔

۷۔ آئرن گارڈ (رومانیہ) کی جانب سے سابق شاہ کیرول پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا گیا۔ روس اور امریکہ کے درمیان اتحاد قائم کرنے کے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان بات چیت شروع ہونے کی اطلاع آئی۔ علاوہ فرنچ انڈو چائنا میں جاپانی فوجوں کو اترنے کی اجازت کی تصدیق کے ساتھ چین کی جانب سے ان کا مقابلہ کرنے کے فیصلہ کی خبر بھی موصول ہوئی ہنگری کی فوجیوں نے ٹرانسلوانیا کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور یہ خبر موصول ہوئی کہ سنگاپور کا برطانوی ہوائی مستقر امریکہ کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

۸۔ لندن پر سب سے بڑا ہوائی حملہ ہوا جس میں چار سو افراد ہلاک اور ایک ہزار چار سو مجروح ہوئے۔ سابق شاہ کیرول کی اسپیشل ٹرین پر بموں اور رائفلوں سے حملہ کیا گیا۔

۹۔ لندن پر دوسرے شدید حملہ کی اطلاع موصول ہوئی یہ حملہ تمام رات جاری رہا۔

۱۲۔ لبیا کی مشرقی سرحد پر اطالوی فوجوں کے اجتماع کی خبر آئی۔ برطانوی فوجی اعلان سے معلوم ہوا کہ اطالیہ نے خرطوم اور سطروح کے مقامات پر بمباری کی اور رومن سیٹی یونے جافہ پر بمباری کی اطلاع بھی دی۔ جرمن حکومت نے جنرل فرانکو کو جرمنی میں آنے کی دعوت دی۔

۱۴۔ لندن پھر میں شدید ہوائی حملہ کیا گیا اور برطانوی طیارہ شکن توپوں نے ۱۶۵ جرمن ہوائی جہاز گرائے شاہی محل پر تیسری مرتبہ حملہ کی اطلاع آئی۔

۱۵۔ روس اور رومانیہ کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جانے اور سرنگ پیچ کی نقل و حرکت کی خبر آئی۔ قاہرہ کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ اطالوی فوجوں نے مصری حدود میں سلوم اور سعید پر قبضہ کر لیا۔ جنرل گورنگ نے لندن پہنچ کر سینٹ پال کے گرجا پر سب سے بڑا بم پھینکا گیا لیکن پھٹنے سے پہلے اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

۱۶۔ شمالی افریقہ میں اطالوی فوجوں کے بگ بگ تک پہنچ جانے کی خبر آئی۔

۱۷۔ لندن پر سب سے چھوٹا یعنی دس منٹ تک ہوائی حملہ ہوا۔ برطانوی پارلیمنٹ کا دوسرا خفیہ اجلاس منعقد کیا گیا۔ جرمنی کا وزیر خارجہ فان ربنٹراپ کے روم اور جنرل سنیور سفر وزیر امور خارجہ ہسپانیہ کے برلن جانے کی خبریں آئیں۔

۱۸-۱۹۔ انگلستان میں لنکا شائر کے علاقہ پر دشمن نے شدید بم باری کی لندن کے علاقہ میں ۹۰ آدمی ہلاک اور ۳۵۰ مجروح ہوئے۔ ڈیوک آف کناٹ کے بال بال بچ جانے کی اطلاع آئی۔ لیکن لندن پر اس روز کوئی حملہ نہیں کیا گیا۔ فان ربنٹراپ نے موسولینی اور کاؤنٹ سیانو کے ساتھ بات چیت کی۔ گاندھی جی نے ہندوستان کے مطالبہ آزادی تقریر کو جائز ثابت کرنے کے لئے برطانوی قوم کے نام ایک پیغام بھیجا فرانس میں ایم ولادیر اور جنرل گیملان کے مقدموں کی سماعت ہوئی اور برطانوی ہوائی جہازوں سے دشمن کے مقبوضہ فرانسیسی ساحل پر بم برسائے جن سے خوفناک آگ لگ گئی۔

۲۰۔ اطلاع ملی کہ جاپانی حکومت نے فرانس کو ۲۴ گھنٹہ کا الٹیمیٹم دیا ہے تاکہ اس عرصہ میں فرنچ انڈو چائنا کے متعلق اس کے مطالبات کو مان لیا جائے انگلستان پر بہت شدید ہوائی حملہ ہوا۔ روسی بحری بیڑہ کے متعلق تیاری کی منظوری کرنے کی خبر آئی۔ ہسپانیہ اور جرمنی کے درمیان براہ راست ریل گاڑیوں کی آمد و رفت اور مراکش میں بغاوت برپا ہو جانے کی خبریں آئیں۔

۲۱۔ لندن پر حملہ کیا گیا۔ فرانس اور چین کی حکومتوں کے درمیان خفیہ بات چیت ہوئی اور "چائنا کمپین کمیٹی" کے برطانیہ کو ایک یادداشت بھیجی جس میں تیرہ لاکھ برطانوی لوگوں نے برما روڈ کو کھول دینے کا مطالبہ کیا تھا۔

۲۲۔ اسکندریہ اور جعفر پر اطالوی ہوائی جہازوں نے پہلی مرتبہ فرانس کے ساحل پر شدید ترین بمباری کی جس سے جگہ جگہ خوفناک آگ لگ گئی۔ مصری وزارت نے استعفیٰ دیدیا اور جاپان اور فرانس کے درمیان جو گفتگو جاری تھی وہ ناکامی پر ختم ہو گئی۔

۲۳۔ فرنچ انڈو چائنا میں جاپانی اور فرانسیسی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور دو گھنٹہ لڑنے کے بعد فرانس کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دئے اور فرانس کی حکومت نے جاپان کے مطالبات تسلیم کر کے معاہدہ کر لیا برطانوی پناہ گزینوں کے ایک جہاز کو جو انگلستان سے کناڈا جا رہا تھا دشمن نے غرق کر دیا اس حادثہ میں ۸۳ بچے اور ۲۱۱ افراد

غرقاب ہو گئے۔

۲۴۔ فرانسیسی مغربی افریقہ کے دارالحکومت ڈکار کو جرمنی کے زیر اقتدار لانے کے لئے جرمنی نے جو تجاویز اختیار کی تھیں انہیں ناکام بنانے کیلئے جنرل ڈیگال افریقہ پہونچے اور وہاں کی حکومت سے اطاعت قبول کرلینے کے لئے کہا لیکن اس کے انکار پر برطانوی بحری دستہ نے گولہ باری کی۔ چین نے جاپان اور فرانس کے معاہدہ پر احتجاج کیا اور جاپانی فوجوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے انڈوچائنا میں فرانسیسی فوجوں پر حملہ کر دیا۔

۲۵۔ ڈکار سے برطانوی بحری بیڑہ واپس بلا لیا گیا۔ برلن پر شدید بمباری کی گئی اور وہاں رشتروپ کے بیمار ہو جانے اور سینور سیر کے دوبارہ برلن آنے کی خبریں آئیں۔

۲۶۔ ڈوور کے علاقہ پر دور تک مار کرنے والی توپوں نے گولہ باری کی اور برلن پر اس وقت تک سب سے پہلا شدید ہوائی حملہ کیا گیا۔ فرانس کے ہوائی جہازوں نے جبرالٹر پر حملہ کیا۔

۲۷۔ اطالیہ، جرمنی اور جاپان کے درمیان ایک ایسے معاہدہ پر دستخط ہوئے جس کی رو سے جرمنی اور اطالیہ نے مشرق میں جاپان کے اقتدار اور جاپان نے مغرب میں اطالیہ اور جرمنی کے اقتدار و قیادت کو تسلیم کر لیا اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

۳۰۔ وائسرائے نے آزادی تقریر کے سلسلہ میں گاندھی جی کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وان رنبٹروپ کے ماسکو اور سینور سنیر کے روم جانے کی خبریں آئیں۔ اور جرمنی کے ہوائی جہازوں نے جنوبی انگلستان پر بمباری کی۔

اکتوبر ۱۹۴۰ء

۱۔ انگلستانی حکومت نے بچوں کو باہر بھیجدینے کے فیصلہ کو بدل دیا گیا جرمنی نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ وہ فی الحال انگلستان پر عام حملہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ہسپانیہ کے متعلق اطلاع آئی کہ وہ ابھی جنگ میں شریک نہیں ہوگا۔

۵۔ جنرل ویگاں ٹیونس سے ڈکار پہونچے۔

۸۔ رومانیہ میں جرمن فوجیں داخل ہو گئیں۔ فرانس کے امریکی سفیر نے حکومت امریکہ کو یقین دلایا کہ فرانسیسی مغربی افریقہ میں کوئی جرمن فوج موجود نہیں شام میں جرمنی کو کوئی جگہ نہیں دی گئی اور فرانسیسی بیڑہ استعمال کے قابل نہیں رکھا گیا ہے۔ لندن اور برلن پر مقابلۃً سب سے لمبے اور خوفناک ہوائی حملے ہوئے

اور برطانیہ کی لمبی مار کرنے والی توپوں نے فرانس کے ساحل پر گولہ باری کی۔

۱۱۔ جاپان کے وزیر خارجہ مسٹر متسوکا نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ برطانوی حکومت جنرل چیانگ کائی شیک کو جاپان کے خلاف لڑتے رہنے پر ابھارتی ہے۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے فرانس کے ساحل پر دشمن کے جہازوں اور سامان جنگ کے ذخیروں پر حملہ کرکے انہیں شدید نقصان پہونچایا۔

۱۲۔ رومانیہ پر نہایت سرعت کے ساتھ جرمن فوجوں کے قبضہ کرنے کی خبر آئی۔ لندن پر بہت زیادہ بلندی سے بم پھینکے گئے اور اس ہوائی حملہ کے دوران میں انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز کے دفتر کی عمارت کو نقصان پہونچا۔

۱۳۔ امریکہ کے صدر روزویلٹ نے بحری اور ہوائی فوج سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ مغربی کرۂ ارض کی ہر ممکن طریقہ پر حفاظت کرےگی۔ اور اس بات کو دہرایا کہ امریکہ جنگ میں شامل ہونے کے علاوہ برطانیہ کی ہر طرح امداد کرےگا۔ جرمنی کی بیس ہزار فوج رومانیہ میں داخل ہو گئی۔ اور برطانوی سفیر کی قیام گاہ پر گولیاں چلائی گئیں۔

۱۴۔ بعض سیاسی حلقوں میں اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ جرمنی یونان پر حملہ کرےگا روسی فوجوں کے بسارابیا میں جمع ہونے کی اطلاع موصول ہوئی اور امریکہ سے تباہ کن جہازوں کا ایک دستہ انگلستان پہونچا۔

۱۷۔ برما روڈ کو کھول دینے کا اعلان کیا گیا۔ جاپان نے اعلان کیا کہ وہ برما روڈ کے چینی حصہ پر بمباری کرکے سڑک کو توڑ دیگا برطانوی بحری بیڑہ نے دشمن کی متعدد جہازوں کو ڈبو دیا۔ گاندھی جی کی ہدایت کے مطابق ہندوستان میں مسٹر ونوبھاوے نے جنگ کے خلاف پناڑ کے مقام پر جو وردھا سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے تقریر کی۔ اور برطانوی ہوائی جہازوں نے برلن پر حملہ کرکے جنگ کا سامان بنانے والی فیکٹریوں اور ریلوے لائنوں کو سخت نقصان پہونچایا۔

۱۸۔ جاپانی ہوائی جہازوں نے برما روڈ کے چینی حصہ پر بم برسا کر اسے نقصان پہونچایا۔ امریکہ نے چین کی مالی امداد کے سلسلہ میں ۵۰ ملین ڈالر بطور قرض دینے منظور کئے اور ہوائی جہاز بھیجنے کی منظوری دی۔

۱۹۔ اطالوی فوج شمالی افریقہ کی اطالوی فوجی مستقر سیدی بارانی کے مقام سے دس میل آگے بڑھ گئی۔ سر سیمول ہور نے جنرل

خرطوم سے ملاقات کی۔ برطانوی طیاروں نے ... کو فوراً ہی عہدہ کا منصب تفویض ہوا۔ اور برطانوی ہوائی جہازوں نے برندزم میں اطالیہ کے مقبوضہ جزائر ڈوڈیکانیز پر بم برسائے۔

۲۱- جرمن خفیہ پولیس کے افسر اعلیٰ ہر ہملر نے میڈرڈ پہنچ کر جنرل فرانکو سے ملاقات کی۔ اطالیہ نے سعودی عرب اور جزائر بحرین پر بم پھینکے برلن پر بم باری کی گئی۔ جرمن ہوائی جہازوں نے تیس ہزار فٹ کی بلندی سے انگلستان کے ساحل کو عبور کیا۔ اور سوڈان کی ہوائی لڑائی میں برطانوی طیاروں کی کامیابی کی خبر آئی۔ ہندوستان کے پہلے "سینہ گری سپاہی" ونوبا بھاوے گرفتار کر لئے گئے۔

۲۲- اطلاع موصول ہوئی کہ برطانوی سفیر مقیم ٹوکیو (جاپان) نے جاپان میں رہنے والے انگریزوں کو واپس چلے جانے کی ہدایت کی۔ پولینڈ کے سابق وزیر خارجہ کرنل بیک کو رومانیہ میں گرفتار کر لینے کی خبر آئی اور بولون پر دن میں شدید ہوائی حملہ کیا گیا۔

۲۳- فرانس اور ہسپانیہ کی سرحد پر ہر ہٹلر اور جنرل فرانکو نے ملاقات کی۔ بحر احمر میں برطانوی اور اطالوی بحری بیڑہ کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں اطالوی بیڑہ کو نقصان پہونچا۔ اور اطلاع موصول ہوئی کہ "محوری طاقتیں" فرانس کے ساتھ مستقل صلح کر کے اسے اپنی صف میں شامل کرنے کے لئے نئی شرائط صلح پیش کر رہی ہیں۔

۲۴- ہر ہٹلر نے مارشل پیتاں سے ملاقات کر کے نئی شرائط صلح پر گفت و شنید کی۔ جنرل فرانکو اور ہر ہٹلر کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو ہونے کی اطلاع آئی۔ مسٹر روزویلٹ نے اعلان کیا کہ امریکہ باہر کی لڑائیوں میں شرکت نہیں کرے گا۔ بلجیم کے وزیر نو آبادیات نے ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بلجیم کا بادشاہ لیوپولڈ دشمن کی قید میں ہے۔ اور بلجیم ابھی تک جرمنی کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ اور اطلاع آئی کہ جاپانی حکومت جنرل چیانگ کائی شیک کے ساتھ صلح کرنے کیلئے شرائط پیش کر رہی ہے۔

۲۵- دہلی میں برطانیہ کے مشرقی مقبوضات کے نمائندوں کی کانفرنس ہوئی اور جنگ کے لئے مشترکہ اور باقاعدہ طور پر سامان مہیا کرنے کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ حکومت ہند نے اخبارات پر مزید پابندیاں عائد کیں گاندھی جی نے اپنے اخبار "ہریجن" کی اشاعت ملتوی کر دینے کا اعلان کیا اور تھائی لینڈ کی سرحد پر فرانسیسی فوجوں کے اجتماع کی اطلاع موصول ہوئی۔

۲۶- اطلاع موصول ہوئی کہ فرانس محوری طاقتوں کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ بندرگاہ بولون میں برطانوی ہوائی جہازوں کے حملہ کی وجہ سے آگ لگ گئی۔

۲۷- رومانیہ کی حکومت نے اپنی بحری حدود میں موجود تمام برطانوی اور ایسے جہازوں کو جو کسی نہ کسی حیثیت سے برطانیہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ضبط کر لیا۔ اور مسٹر انتھونی ایڈن نے مصر کے وزیر اعظم سے آدھ گھنٹہ تک ملاقات کی۔

۲۸- اطالیہ کے شہر فلورنس میں ہر ہٹلر اور موسولینی نے ملاقات کی۔ برلن پر ڈیڑھ گھنٹہ تک بم برسائے گئے۔ اور اطالوی فوجوں نے یونان پر حملہ کر کے بلقان میں جنگ کا آغاز کر دیا۔

۲۹- یونان اور البانیہ کی سرحد پر شدید لڑائی جاری رہنے کی اطلاع آئی۔ ہر ہٹلر نے فرانسیسی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فرانسیسی بحری بیڑہ موجودہ لڑائی میں استعمال کرنے کے لئے جرمنی کے حوالہ کر دے اور برطانیہ کے وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت یونان کی پوری پوری مدد کرے گی۔

۳۰- خبر آئی کہ البانیہ میں اطالیہ کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی ہے اور اطالوی فوجیں یونان میں پانچ میل آگے بڑھ گئی ہیں۔

۳۱- ہالینڈ میں فسطائی نظام حکومت کے قیام کی اطلاع آئی۔ برطانوی جہازوں نے یونان کے سمندروں میں سرنگیں بچھائیں۔ ہسپانیہ نے وعدہ کیا کہ وہ پرتگال پر حملہ نہیں کرے گا۔ خبر آئی کہ فلورنس میں موسولینی اور ہر ہٹلر کے درمیان جو ملاقات ہوئی تھی اس کے نتیجہ کے طور پر ہر ہٹلر کوئی اہم اعلان کرنے والا ہے۔ جبرالٹر میں ایک برطانوی جہاز پر پراسرار طریقہ سے تارپیڈو مارا گیا اور ہندوستان میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے گرم خیال رکن جواہر لال نہرو کو جنگ کے خلاف تقریریں کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

نومبر ۱۹۴۰ء

۱- جمہوریہ ترکیہ کے صدر انونو نے اعلان کیا کہ ترکی جنگ میں شریک نہیں ہوگا۔ اور روس اور ترکی کے تعلقات دوستانہ ہیں۔ اٹلی کے شہر نیپلز پر بم برسائے گئے۔ یونان کے پایہ تخت ایتھنز پر پہلا ہوائی حملہ ہوا اور یونان کے جنگی جہازوں نے اطالیہ کے بندرگاہوں پر بم باری کی۔

۲- یونانی فوجوں نے البانیہ میں تین میل تک آگے بڑھ کر ایک ایسے پہاڑ پر قبضہ کر لیا جس کی ایک چوٹی ۹۵۵۴ فٹ اونچی ہے۔ جرمن ہوائی جہازوں نے دریائے ٹیمز کے دہانہ پر ہوائی حملہ کیا محل کنسنگٹن کو جرمن ہوائی حملہ سے نقصان پہونچا اور برطانوی فوجی افسروں کے یونان میں پہونچنے کی اطلاع موصول ہوئی۔

۳۔ برطانیہ کی وزارت بحریہ نے اعلان کیا کہ برطانوی فوجیں یونان میں پہنچ گئی ہیں۔ فرانس کی حکومت نے برطانوی ریڈیو سے براڈ کاسٹ کی ہوئی خبریں سننے کی مخالفت کی اور اطلاع موصول ہوئی کہ ہر ہٹلر نے صلح کے متعلق بعض تجاویز دے کر ایک خاص سفیر امریکہ بھیجا ہے۔

۴۔ جرمنی کی مشہور اور اہم بندرگاہ پر برطانوی ہوائی جہازوں نے شدید بمباری کی۔ یوگوسلاویہ کی سرحد سے خبر آئی کہ یونانی فوجوں نے دشمن کے ایک ہزار سپاہی گرفتار اور بہت سے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اطلاع موصول ہوئی کہ گاندھی جی ہندستان کے متعلق برطانوی حکومت کے موجودہ طرز عمل کے خلاف فاقہ کشی شروع کرنے والے ہیں۔ ڈاکٹر ازانا سابق صدر جمہوریہ ہسپانیہ کا انتقال ہو گیا۔

۵۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے ابی سینیا پر حملہ کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت چار سال کی سزا دی گئی۔ دشمن کے مقبوضہ فرانسیسی ساحل پر برطانوی ہوائی جہازوں نے شدید بمباری کی۔ اطلاع موصول ہوئی کہ اطالوی فوجوں کے مقابلہ میں یونانیوں کو نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں حکومت ہند کے فائننس ممبر نے ایک تقریر کے دوران میں تمام ٹیکسوں میں اضافہ کر دینے کے لئے بعض تجاویز کا ذکر کیا۔

۶۔ مسٹر روزویلٹ تیسری مرتبہ امریکہ کے صدر منتخب ہو گئے۔ دوسرے انفرادی ستیہ گرہی مسٹر برہمدت کے نام کا اعلان کیا گیا اور اطلاع موصول ہوئی کہ یونانی فوجیں اپنی ساری طاقت کورٹزا کو فتح کر لینے پر صرف کر رہی ہیں۔

۷۔ ہندوستان میں کانگریس کی جانب سے جنگ کے خلاف تقریر کرنے کے لئے ایک ہزار میل پیدل سفر کرنے کی نیت سے روانہ ہونے والے دوسرے "ستیہ گرہی" مسٹر برہمدت کو گرفتار کر لیا گیا۔ البانیہ میں اطالوی مستقروں پر برطانوی ہوائی جہازوں نے بمباری کی۔ اطلاع موصول ہوئی کہ یونانی فوجیں شمالی جنوبی گوشہ کی جانب پسپا ہو رہی ہیں اور اطالیہ کے ہوائی جہازوں نے فلورینا کے استحکامات پر بم برسائے۔

۸۔ لندن کی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ اطالیہ کی فوجیں جنوبی یونان کے محاذ جنگ پر اپنی پوری طاقت استعمال کر رہی ہیں برطانوی ہوائی جہازوں نے ٹلا اور ممینٹ کے بحری مستقر پر بم برسائے اور جرمن ہوائی جہازوں نے لندن کے مینارہ لندن ٹاور پر گولہ باری کی۔ یوگوسلاویہ کے وزیر مسٹر نڈچ نے استعفیٰ دے دیا۔ اور رائٹر کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ جبرالٹر کو جو پہلے ہسپانیہ کے ساتھ ملا ہوا تھا ایک نہر کھود کر اس سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اور اب جبرالٹر جزیرہ بن گیا ہے۔

۹۔ ہر ہٹلر نے میونک کے مقام پر ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس جنگ کا انجام دوسری لڑائیوں سے بالکل مختلف ہو گا اور جرمنی پوری کامیابی حاصل ہونے تک لڑتا رہے گا۔ تقریر کے دوران میں برطانوی ہوائی جہازوں نے میونک پر بمباری کی۔ آسٹریلیا کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر ایک برطانوی جہاز ڈبو دیا گیا۔ اور ایک امریکی جہاز کے غرقاب ہونے کی اطلاع بھی آئی۔ اطلاع موصول ہوئی کہ جرمنی میں جرمن، اطالوی اور روسی وزیروں کی ایک اہم کانفرنس ہونے والی ہے۔ وشی کی بجائے فرانس کی حکومت ورسائے میں منتقل کر دی گئی۔ اور خبر آئی کہ اطالوی اخبارات اور ریڈیو سوئٹزرلینڈ کے خلاف شدید نکتہ چینی کر رہے ہیں۔

۱۰۔ اطلاع موصول ہوئی کہ روس کے وزیر خارجہ ایم مولوٹوف جرمن حکومت کی دعوت اور وان ربن ٹراپ کے گذشتہ سال روس آنے کی بازدید کے سلسلہ میں عنقریب برلن آ رہے ہیں۔ مسٹر چیمبرلین کے انتقال کا اعلان کیا گیا اور اطلاع آئی کہ پنڈس کے محاذ جنگ پر یونانی فوجیں آگے بڑھ رہی ہیں۔

۱۱۔ ایتھنز کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ پنڈس کے پہاڑی علاقہ میں اطالوی فوجوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا اور وہ یونانی فوجوں کے مقابلہ سے بھاگ گئیں۔ اشتراکی روس کے وزیر خارجہ ایم مولوٹوف برلن آئے۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے شہر ڈینزگ تک جو انگلستان سے ساڑھے سات سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے جرمنی اور جرمنی کے مقبوضہ علاقوں پر بمباری کی۔ شمالی افریقہ میں سیدی بارانی پر بم برسائے گئے۔ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں جنگ کے خرچ کے سلسلہ میں ٹیکس بڑھانے کے مسودہ قانون پر کانگریسی ممبروں نے شدید نکتہ چینی کی۔ اطلاع آئی کہ جنرل دیگال نے مارشل پیتاں کی حکومت کی خواہش کے خلاف افریقہ سے فرانس واپس آنے سے انکار کر دیا ہے

۱۲۔ اطلاع موصول ہوئی کہ جاپانی فوجیں ہینان اور فارموسا کے جزیروں میں جمع ہو رہی ہیں اور بظاہر ان کا مقصد

فرنچ انڈو چائنا کے ایک مقام سیلون پر قبضہ کرلیا ہے جس کے بعد سنگاپور، منیلا اور ڈچ انڈیز کو آسانی کے ساتھ مرعوب کیا جاسکتا ہے۔ ایم مولوٹوا ور ہر ہٹلر نے دو گھنٹہ تک ملاقات کی اور خبر آئی کہ گاندھی جی نے انفرادی ستیہ گرہ کے لئے جس تیسرے شخص کو تجویز کیا ہے وہ کونسل آف اسٹیٹ کا ایک کانگریسی ممبر ہے۔

۱۴۔ اطلاع موصول ہوئی کہ ورکنگ کمیٹی کے گزشتہ اجلاس کے نتیجے کے طور پر گاندھی جی نے جنگ کے خلاف انفرادی ستیہ گرہ کے لئے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی ایک فہرست بنائی ہے اور اس میں، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر مرکزی اور صوبائی اسمبلی کے کانگریسی اراکین، سابق کانگریسی منسٹر اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر شامل ہیں۔ برطانیہ کی وزارت بحر نے اعلان کیا کہ برطانوی بیڑہ نے اطالوی بحری بیڑہ کو شدید نقصان پہونچایا اور اطلاع موصول ہوئی کہ ہر ہٹلر اور ایم مولوٹو کی ملاقات کے دوران میں ہر ہٹلر نے ایم مولوٹو سے درخواست کی کہ روس، یورپ اور افریقہ کو محوری طاقتوں کے لئے چھوڑ دے اور اس کے بدلہ میں ترکی، عراق، ایران، افغانستان اور ہندوستان خود لے لے۔

۱۶۔ ایم مولوٹو روس واپس جانے کے لئے روانہ ہوگئے یونانی فوجوں نے پنڈلس کے علاقے میں مزید کامیابی حاصل کی شاہ فاروق والئ مصر کی جانب سے پارلیمنٹ کے افتتاح کے موقعہ پر جو تقریر پڑھی گئی اس میں انہوں نے جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا۔ مصر کے وزیر اعظم حسن صبری پاشا بادشاہ کی تقریر پڑھتے ہوئے حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے دفعۃً انتقال کر گئے۔ اور امریکہ کے وزیر بحر کرنل ناکس نے ایک تقریر کے دوران میں بیان کیا کہ ہسپانیہ میں، جرمن فوج کا ایک پورا ڈویژن عام شہری لباس میں داخل ہو چکا ہے اور اس کا مقصد جبرالٹر پر حملہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔

۱۵۔ اطالوی یونانی لڑائی میں ہر محاذ جنگ سے یونانی فوجوں کی کامیابی اور اطالویوں کی پسپائی کی خبریں آئیں، اور یہ خبر بھی موصول ہوئی کہ جزائر ڈوڈ کنیز (اطالوی) کے باشندے ہر وقت اس بات کے متوقع ہیں کہ یونانی اور انگریزی فوجیں ان پر قبضہ کرلیں گی۔ جنگ کے آغاز سے اس وقت تک انگلستان پر جس قدر ہوائی حملے ہوئے آج ان سب سے بڑا حملہ ہونے کی اطلاع آئی جس سے ایک ہزار افراد ہلاک ہوگئے۔ اور بہت سی عمارتیں تباہ ہوگئیں۔ اور اطالیہ اور جرمنی کے چیف آف اسٹاف کے درمیان ملاقات ہوئی۔

فن لینڈ
بحر شمالی
جرمنی
ہسپانیہ
بحر اسود
ترکی
ایران
عراق
شام
قبرص
الجزائر
Shahi artist

جنگ کے متعلق دلچسپ معلومات

فضائی سرنگ

بحری سرنگ کے نام اور کام سے آج ہر وہ شخص جو دنیا کی موجودہ ہولناک ترقیوں سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتا ہے بے خبر نہیں رہ سکتا موجودہ جنگ کے ابتدائی ایام میں "مقناطیسی" سرنگ غیر معمولی شہرت حاصل کر چکی ہے لیکن اس بات کا علم بہت کم حضرات کو ہوگا کہ جس طرح بحری سرنگوں کے استعمال سے سمندروں کو چھوٹے بڑے جہازوں کے لئے مخدوش بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح فضائی سرنگوں کے ذریعہ سے طیاروں کی نقل و حرکت کو بھی محدود و مسدود کر دیا جا سکتا ہے بعض لوگ فضائی سرنگ کو ایک جدید دریافت کہہ سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ انسانی ذہن اور دماغ میں اس کا تخیل اولین بار جنگ عظیم کے دوران میں پیدا ہوا تھا لیکن اس وقت اسے عملی شکل میں لانے کی جانب توجہ نہیں کی گئی۔

ساخت عمل اور اثر

فضائی سرنگ کی ساخت بظاہر کچھ پیچیدہ نہیں ہوتی۔ چار اور پانچ فٹ قطر کا گیس سے بھرا ہوا ایک غبارہ، اس میں چالیس فٹ کا ایک تار اور تار کے دوسرے سرے پر چار انچ اونچا ایک آہنی خول جس میں آتشگیر اجزا بھرے ہوئے ہوتے ہیں، پس یہ ہے فضائی سرنگ کی کل کائنات اس آہنی خول کے باہر چار ایسے پن لگے ہوئے ہوتے ہیں جو معمولی سی اشارہ سے خول کے اندر بھرے ہوئے آتشگیر مادہ کو مشتعل کر دیتے ہیں اور یہ آہنی خول پھٹ کر طیاروں کی تباہی اور آتش زدگی کا موجب بن جاتا ہے۔

فضائی سرنگ کے موجد کا دعویٰ ہے کہ ایک سرنگ ایک طیارہ کو بہت زیادہ نقصان پہونچا سکتی ہے۔ یہ امر بھی ممکن ہے کہ سرنگ کے ساتھ ٹکرانے کے بعد طیارہ کو فوراً ہی اس کا رخ کرنا پڑے لیکن نقصان کا انحصار اس امر پر ہے کہ یہ سرنگ جہاز کے کسی ایسے حصہ سے ٹکرائے جس کے متاثر یا شکستہ ہو جانے کے بعد اس کے لئے مزید پرواز ناممکن ہو جائے۔ اگر سرنگ ہوائی جہاز کے پنکھے، اس کے پٹرول کے ذخیرہ یا اسے قابو میں رکھنے کی کل پرزہ سے ٹکرا جائے تو یہ تصادم اس کے لئے بہت زیادہ نقصان رساں ثابت ہوگا اور یہ امر ناممکن ہے کہ بڑے سے بڑا ہوائی جہاز بھی اس کے بعد زمین پر نہ اتر آئے۔ طیارہ کے دوسرے حصوں پر شاید یہ سرنگ کچھ زیادہ اثر نہ کرے لیکن کم از کم اس کے سائبان میں ایک بڑا سا سوراخ ضرور ہو جائے گا اور ہوا کی تیزی اسے بہت جلد وسیع تر بنا دے گی۔ جس کے بعد خواہ وہ زمین پر نہ اترے۔ لیکن وہ اپنی پرواز اور مہم کو جاری نہ رکھ سکے گا۔

استعمال کے طریقے

ان سرنگوں کو استعمال کرنے کے سلسلے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ جس طرح ایک محدود یا وسیع بحری رقبہ میں بحری سرنگیں بچھا کر انہیں تیرتے رہنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان فضائی سرنگوں کو بھی کسی علاقہ کے چاروں طرف فضائی کرہ میں اڑنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور دوسری تجویز یہ ہے کہ انہیں دشمن کے ہوائی جہازوں کے راستوں میں طیاروں کے ذریعہ سے چند میل کے فاصلہ پر اڑایا جائے۔

فضائی سرنگوں میں دو وقت نما آلات بھی لگے ہوئے ہوتے ہیں ان میں سے پہلا "وقت نما" ہوا میں پرواز کرنے سے پیشتر انہیں مشتعل ہونے سے روکتا ہے اور دوسرا دوران پرواز میں مقررہ وقت سے پہلے انہیں پھٹنے نہیں دیتا۔ یہ "وقت نما" دراصل اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ کہیں کوئی کمزور غبارہ پھٹ کر کسی سرنگ کو قبل از وقت آتش پذیر نہ کر دے۔ اور اس طرح یہ ایجاد اپنے ہی لئے نقصان دہ نہ بن جائے۔

فضائی سرنگوں کے خلاف ایک اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ دشمن کے ساتھ دوستوں کے ہوائی جہازوں کو بھی نقصان پہونچائینگی لیکن موجد اس اعتراض سے متفق نہیں اس کا خیال ہے کہ دوستوں کو کسی مقام پر ان سرنگوں کی موجودگی سے مطلع کیا جا سکتا ہے۔ موجد کے اس جواب پر اعتراض کی گنجائش نہیں، جب بحری سرنگوں، گیس اور ہوائی حملوں سے خبردار ہو جانیکے بعد ان سے محفوظ و مامون رہنے کے ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان سرنگوں کی موجودگی سے واقف ہونے کے بعد ان سے محفوظ نہ رہا جا سکے۔

حفاظت کا ذریعہ

فضائی سرنگوں کی ایجاد حقیقتاً اس نیت پر مبنی نہیں کہ ان سے دشمن کے طیاروں کو تباہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ہوائی

حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے بطور ایک فضائی حصار کے استعمال کیا جائے انہیں دشمن کے فضائی راستوں میں ایک دیوار کی طرح حائل کر دیا جائے اور ان کی وجہ سے دشمن کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ غیر فوجی مقامات اور رقبہ جنگ سے علیحدہ شہروں پر بمباری نہ کرے۔

تباہ کن جہاز

بحری فوج کے جہازوں میں جنگی جہاز سب سے زیادہ طاقتور جہاز ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تیاری میں اتنی زیادہ رقم (چند کروڑ روپیہ) خرچ ہوتی ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے جہازوں کو زیادہ تعداد میں تیار نہیں کر سکتا۔ جنگی جہازوں کے بعد بلحاظ جسامت اور اسلحہ جات "کروزر" کی باری آتی ہے۔ مگر جنگ کے دوران میں سب سے زیادہ کام تباہ کن جہازوں کو کرنا پڑتا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر میں تین سو ٹن سے لیکر چار سو ٹن تک وزنی جہازوں کو "تباہ کن" جہاز کہا جاتا تھا۔ ان کا کام تارپیڈو کشتیوں کو تباہ کرنا ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ جہاز زیادہ بڑے بنائے جانے لگے اور ان کا وزن ایک ہزار ٹن کے قریب تک جا پہنچا۔ گزشتہ جنگ میں جب آبدوز کشتیاں سمندر میں آئیں تو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تباہ کن جہازوں میں مزید اصلاحات کی گئیں اور ان کا وزن ڈیڑھ ہزار ٹن کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان سے بھی بڑے جہاز بنائے گئے اور اب ان کا وزن دو ہزار ٹن ہوتا ہے۔ برطانیہ کے پاس اس آخری قسم کے ۱۷ جہاز ہیں۔

ہلکا پن، تیز رفتاری، خود حملہ کرنا اور دشمن کے حملہ کا مقابلہ کرنا تباہ کن جہازوں کی خصوصیات میں داخل ہے۔ ان کی رفتار تقریباً چالیس میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ دوسرے جہازوں کا پیچھا بھی کر سکتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت خود بھی بھاگ سکتے ہیں۔ ایسے جہازوں کا طول تقریباً ساڑھے تین سو فٹ اور عرض تقریباً ۳۵ فٹ ہوتا ہے اور جہازرانوں کی تعداد کم و بیش دو سو ہوتی ہے۔ یہ جہاز بحری بیڑہ کے ہراول کا کام دیتے ہیں اور جب بحری جہازوں کا کوئی دستہ دشمن کے جہازوں پر حملہ کرتا ہے تو یہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان جہازوں کی زندگی دس سال ہوتی ہے اور اس مدت کے بعد انہیں محفوظ بیڑہ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ جنگ کے زمانہ میں دو تین برس تک استعمال کے جانے کے بعد پرانا سمجھ لیا جاتا ہے۔ ان جہازوں میں طیارہ شکن توپیں اور چار ساڑھے چار انچ دہانہ کی دوسری توپیں نصب ہوتی ہیں۔ توپوں کے علاوہ ان میں تارپیڈو رکھنے کا انتظام بھی ہوتا ہے اور اکثر موقعوں پر تباہ کن جہاز دشمن کے جہاز کو تارپیڈو مار کر بھی تباہ کر دیتا ہے۔

تباہ کن جہازوں کے فرائض متعدد ہیں وہ بڑے بڑے جہازوں [illegible]
دشمن کے جہازوں کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور موقعہ پاکر ان پر حملہ کرتے ہیں اور بعض دفعہ بطور پہرہ تجارتی جہازوں کے ساتھ چلتے ہیں تاکہ دشمن کے مسلح جہاز ان غیر مسلح تجارتی جہازوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

تباہ کن جہاز میں ایک ایسا آلہ بھی ہوتا ہے جس سے پانی کے اندر آبدوز کشتی کا پتہ چل جاتا ہے اور پتہ چل جانے کے بعد تباہ کن جہاز اس کا پیچھا کرتا ہے اور آبی بم مار کر اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ تباہ کن جہازوں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔

جب جنگ چھڑی تو برطانیہ کے پاس ۱۰۵ تباہ کن جہاز تھے اس وقت سے لے کر اب تک انہیں سے بہت تھوڑے ضائع ہوئے ہیں۔ اور جب سے امریکہ نے ۵۰ تباہ کن جہاز برطانیہ کو دئے ہیں اس تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ٹینک

جنگ عظیم کے بعد سے دنیا کی تمام بڑی بڑی حکومتیں اس کوشش میں مصروف رہیں کہ آئندہ جب کبھی جنگ ہو تو ایک طرف بار برداری اور فوجوں کی نقل و حرکت کیلئے ان کے پاس پٹرول سے چلنے والی گاڑیاں بہت سے زیادہ تعداد میں ہوں اور دوسری طرف جہاں تک ہو سکے جنگ بھی دست بدست نہ ہو بلکہ محفوظ اور متحرک گاڑیوں میں بیٹھ کر لڑی جائے تاکہ اپنے سپاہی دشمن کے حملوں سے محفوظ رہتے ہوئے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر کے اسے پسپائی پر مجبور کر دیں۔ چنانچہ اگرچہ گھوڑے اور خچر ابھی تک میدان جنگ میں بہت کارآمد ہیں مگر درحقیقت ان کی جگہ متحرک گاڑیاں لیتی جا رہی ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ اہم اور کارآمد "ٹینک" ہیں جو اگرچہ جنگ عظیم میں بھی استعمال ہوئے تھے۔ لیکن موجودہ جنگ میں خاص طور پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔

ترقی یافتہ جنگی گاڑیاں

"ٹینک" دراصل بہت بڑے قسم کے آہن پوش بند موٹر یا صندوق ہیں جن کے چاروں طرف اور اوپر نیچے موٹے لوہے کی چادریں لگی ہوتی ہیں توپیں وغیرہ ان کے اندر رہتی ہیں اور اندر ہی سے چلائی جاتی ہیں ٹینک اونچی نیچی ہر قسم کی زمین پر چل سکتے ہیں اور خندقوں پر سے بھی کود سکتے ہیں۔ آج کل جنگ میں ٹینک کا استعمال اس طرح ہو رہا ہے کہ پہلے ہوائی جہاز دشمن پر بمباری کرتے ہیں اور پھر ٹینکوں کا ایک مضبوط بیڑہ دفعتہً حملہ کرتا ہے۔ جب ان کے حملے سے دشمن کی صفوں میں ابتری پھیل جاتی ہے تو پیدل فوج آگے بڑھتی ہے۔

پہلا متحرک گاڑیوں میں بیٹھ کر جنگ کرنے میں سب سے پہلی ایجاد کے متعلق جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طریقہ جنگ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور حضرت عیسیٰ سے پہلے ہی اکثر ملکوں کے سپاہی رتھوں میں بیٹھ کر جنہیں گھوڑے چلاتے تھے دشمن کی فوج پر تیر برسایا کرتے تھے مگر بارود کی ایجاد نے ان رتھوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو بیکار بنا دیا۔ ہلکی رکھنے کے لئے ان گاڑیوں کو لکڑی کا بنایا جاتا تھا لیکن گولی کے سامنے لکڑی کچھ کام نہ دے سکتی تھی لکڑی کی جگہ لوہا ضرور استعمال کیا جا سکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ گھوڑے زیادہ وزنی گاڑی کو چلا نہیں سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ میں اس قسم کی تمام گاڑیاں متروک ہوگئیں۔

خندقیں اور ٹینک

جنگ عظیم میں جب خندقوں میں بیٹھ کر جنگ ہونے لگی اور زمین میں خندقیں کھدنے لگیں تو ان موٹروں کے لئے راستہ اور بھی دشوار گذار ہو گیا اور جب یہ دیکھا گیا کہ ان خندقوں پر حملہ کرنے سے نفع کی بجائے نقصان زیادہ ہو رہا ہے تو متحرک جنگی گاڑیوں کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ اور سنہ ۱۹۱۵ء میں ایک برطانوی افسر لفٹننٹ کرنل لوسٹن کو ٹینک بنانے کا خیال آیا۔ دو برس کے بعد ۱۹۱۶ء میں سوم (فرانس) کے محاذ پر برطانوی ٹینکوں نے جنگ میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ جرمنوں کو اس نئے حربے سے سخت گھبراہٹ ہوئی مگر چونکہ یہ ٹینک شروع شروع میں اچھی طرح استعمال نہیں کئے جا سکے۔ اور ان میں خامیاں بھی تھیں اس لئے ان سے زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ دوسری طرف جرمنی نے ان کے جواب میں "ٹینک شکن" گولیوں کا استعمال شروع کر دیا۔ پھر بھی جب ان ٹینکوں میں اصلاحات کر دی گئیں اور اصلاح شدہ ٹینک ۱۹۱۷ء میں جنگ آمیان کے موقع پر کام میں لائے گئے تو اتحادی افواج کو بہت کامیابی ہوئی۔

مختلف ملکوں کے ٹینک

فرانس کے پاس ہلکے ٹینک کافی تعداد میں تھے۔ ہلکے ٹینک کا وزن آٹھ دس ٹن ہوتا ہے۔ اور رفتار کافی تیز یعنی تیس میل فی گھنٹہ تک۔ فرانس کے پاس جو ہلکے ٹینک تھے ان کا وزن ۵ ٹن تھا۔ ایسے ٹینکوں میں دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ بہت موٹا لوہا چاروں طرف لگا ہوا ہوتا ہے اور اندر ایک ٹینک شکن توپ اور ایک مشین گن ہوتی ہے موجودہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد فرانس نے جرمنی کا مقابلہ کرنے کے لئے جس نے بہت بڑے اور وزنی ٹینک بنائے تھے۔ بڑے بڑے ٹینکوں کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ ان میں سے ایک قسم کے ٹینک کا وزن ۵ ٹن تھا اس کے اندر دو توپیں اور دو مشین گنیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تھی۔

روس کے پاس بھی بہت زیادہ ٹینک ہیں اور امریکہ کے پاس بھی اچھے ٹینک بکثرت موجود ہیں۔ اٹلی کے ٹینک ہلکے اور تیز رفتار ہیں۔ جرمنی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس دو قسم کے ٹینک ہیں۔ ایک قسم کے ٹینکوں کا وزن ۵ ٹن ہے۔ اور دوسری قسم کے ٹینکوں کا ۱۲ ٹن۔ پہلی قسم کے ٹینکوں میں ایک چھوٹی توپ اور ایک مشین گن ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جرمنی نے بڑے ٹینک بھی بہت زیادہ تعداد میں تیار کر لئے ہیں اور فرانس پر حملہ کے موقعہ پر جس قدر ٹینک ایک وقت میں جرمنی میدان جنگ میں لایا اس سے پہلے کبھی اس قدر ٹینک ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکے۔ برطانیہ کے پاس جو سب سے پہلے گذشتہ جنگ میں "ٹینک" میدان میں لایا تھا تین قسم کے ٹینک ہیں۔ ہلکے بھی اور وزنی بھی جن کی رفتار بھی کافی ہے اور مسلح بھی اچھی طرح ہیں۔

ٹینک شکن حربے

گذشتہ جنگ عظیم میں ٹینک کی ایجاد کے ساتھ ساتھ "ٹینک شکن حربے" بھی ایجاد کر لئے گئے تھے۔ ان حربوں میں فولاد شکن گولیاں، سرنگیں، گڑھے اور بڑی بڑی توپیں تھیں۔ فولاد شکن گولیاں لوہے کی چادروں کو پار کر سکتی تھیں اور جنگ عظیم کے اختتام پر جرمنی نے ایسی گولیاں نکالی تھیں جو نصف انچ موٹے لوہے کو توڑ دیتی تھیں۔ جنگ عظیم کے بعد بہت سے زیادہ مضبوط اور بہتر فولاد شکن گولیاں بنائی گئی ہیں۔ برطانیہ نے ایک ایسا گولہ ایجاد کیا ہے جو ٹینک کے اندر گھس جانے کے بعد پھٹتا ہے جرمنی نے بھی اس قسم کا گولہ بنایا ہے۔ گڈھوں میں اگرچہ ٹینک گر پڑتے ہیں لیکن انہیں کھودنے میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ اور محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ سرنگیں زمین پر بچھا دی جاتی ہیں اور ٹینک جب ان پر سے گزرتے ہیں تو وہ پھٹ جاتی ہیں اور ٹینکوں کو نقصان پہنچتا ہے راستہ میں تار بھی لگا دئے جاتے ہیں جو اکثر ٹینکوں کے چاروں طرف پھنس جاتے ہیں اور پھر انہیں علیحدہ کرنے میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ موسم بھی ٹینک کے استعمال میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ پانی برسنے کے بعد جب زمین پر کیچڑ ہو جاتا ہے تو بھاری قسم کے ٹینک ایسی زمین پر نہیں چل سکتے بلکہ ان کے دھنس جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ البتہ ہلکے ٹینک ایسی زمین پر بھی چل سکتے ہیں لیکن وہ بھاری ٹینکوں کے مقابلہ میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے

بموں کی اقسام

بم کے نام سے تو ہر شخص کے کان آشنا ہوں گے مگر یہ بہت کم لوگوں

کو معلوم ہوگا کہ بم کی قسمیں کتنی ہوتی ہیں۔ ایک بم "زور کے ساتھ جھک سے اڑنے والا" کہلاتا ہے۔ اس قسم کے بموں کا وزن ۲۵ پونڈ یعنی تقریباً ۱۲ سیر سے ۲ ہزار پونڈ یعنی تقریباً ایک ہزار سیر (۲۵ من) تک ہوتا ہے اور جتنا ان کا وزن ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں۔ یہ بم کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر پھٹتے ہیں اور اس میں شگاف کر دیتے ہیں۔ اکثر بم زمین پر گرتے ہی پھٹ جاتے ہیں۔ مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک خاص وقفہ کے بعد یا مقررہ وقت پر پھٹتے ہیں۔ انہیں "دیر میں پھٹنے والا بم" کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ حال ہی میں لندن کے مشہور گرجا گھر "سینٹ پال" میں اسی قسم کا ایک جرمن بم گرا تھا۔ اس کے پھٹ جانے سے پہلے ہی وہاں سے ہٹا لیا گیا اور اس سے کچھ نقصان نہ پہونچ سکا۔ اس قسم کے بم جہاں نہیں گرتے ہیں نہیں تو ان کو وہاں سے ہٹا لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ان کوششوں کے دوران ہی میں پھٹ جاتے ہیں اور جو لوگ قریب ہوتے ہیں وہ ہلاک اور مجروح ہو جاتے ہیں۔

بموں کی ایک اور قسم "آتش زن" کہلاتی ہے۔ زیادہ تر اسی قسم کے بم پھینکے جاتے ہیں ان کا وزن تقریباً ایک سیر ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر اس قسم کے کئی بم ایک ساتھ پھینکے جاتے ہیں، کیونکہ اگر کسی جگہ صرف ایک "آتش زن" بم گرے اور اس پر مٹی یا لوہے کی کوئی چیز ڈھک دی جائے تو وہ پھٹ کر نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اس قسم کے بم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس پر ایک دم سے پانی ڈال دیا جائے۔ تو بجائے بجھنے کے اس کی آگ اور بھڑکتی ہے۔ جب اس قسم کے بموں کو بجھایا جاتا ہے۔ تو ان پر پانی کی پھوار ڈالی جاتی ہے۔ آتش زن بموں کو ٹین کے پیپوں میں بھی بھر دیا جاتا ہے۔ اور ان پیپوں کو ہوائی جہاز کے ذریعہ گرایا جاتا ہے۔ جب یہ پیپے زمین کے قریب پہونچتے ہیں تو وہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں جس قدر بم ہوتے ہیں وہ قریب قریب ایک ہی جگہ گرتے ہیں اس سے ایک ہی وقت میں کئی جگہ آگ لگ جاتی ہے جسے بجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور طرح کے بم بھی ہوتے ہیں جنہیں "پیٹرول کا بم" کہا جاتا ہے یہ بم ایسی جگہ پھینکے جاتے ہیں جہاں پہلے سے آگ لگی ہوتی ہے۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگ بجھنے کی بجائے زیادہ پھیل جائے کبھی کبھی یہ بم "آتش زن" بموں کے ساتھ بھی پھینکے جاتے ہیں تاکہ ایک آگ لگائے اور دوسرا اس آگ کو اور زیادہ بھڑکائے۔

بموں کے ساتھ ساتھ "ہوائی تارپیڈو" کا بھی بعض مرتبہ اخبارات میں ذکر آیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی تارپیڈو ابھی تک ایجاد نہیں ہوا اور اس ہوائی تارپیڈو کی اصلیت صرف اتنی سمجھنی چاہئے کہ وہ ایک طرح کا بہت وزنی بم ہے جس کی شکل تارپیڈو سے ملتی جلتی ہے۔ حال ہی میں ماسکو ریڈیو نے اعلان کیا تھا کہ جرمنی نے اب جو بم استعمال کرنا شروع کئے ہیں ان میں سے کچھ کے خول لوہے کے بجائے کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان بموں میں لوہے کے بموں جیسی طاقت نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی یہ دو تین مکانوں کو برباد کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

ہوائی اور جنگی جہاز

موجودہ جنگ میں فضائی جنگ نے جو وسعت اختیار کی ہے اس نے ہوائی جہازوں کی اہمیت بہت بڑھا دی ہے۔ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا ہوائی جہاز بحری جہازوں سے زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں؟ جہاں تک باربرداری کا تعلق ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہوائی جہاز اس کام میں نہیں لائے جا سکتے اور آج کل جبکہ ہتھیاروں کی جنگ سے زیادہ اقتصادی لڑائی کی طرف توجہ کی جا رہی ہے ہر لڑنے والے ملک کے لئے یہ امر بھی ضروری ہو گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کے پاس تجارت کا سامان اور زندگی کے ہر شعبہ میں کام آنے والی چیزیں بکثرت سے آتی رہیں اور دشمن کے پاس خام پیداوار اور دوسری قسم کی مصنوعات کہیں سے نہ پہونچ سکیں۔ ایسی صورت میں پلہ صرف اس ملک کا بھاری رہ سکتا ہے۔ جس کا بحری بیڑہ اس قدر طاقتور ہو اور اس کے پاس اتنی تعداد میں جہاز ہوں کہ اس کی درآمد و برآمد میں کوئی کمی واقع نہ ہونے پائے۔ اگر کسی ملک کے پاس ہوائی جہاز بہت زیادہ ہیں اور بحری جہاز نہیں تو اس کی تجارت کو ضرور نقصان پہونچے گا۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہوائی جہاز بحری جہازوں پر بم باری کر کے انہیں نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ لیکن جو ملک اپنے تجارتی جہازوں کے ساتھ مسلح بدرقہ بھی رکھتا ہے اسے ان سے کم نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن اس میں شک و شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں ہوائی جہازوں کی قوت بھی کچھ کم اہم نہیں اور اگر کسی ملک کے پاس حسب ضرورت ہوائی جہاز موجود نہ ہوں تو اسے سخت نقصان پہونچ سکتا ہے۔

تارپیڈو

جنگ شروع ہونے کے بعد اخباروں میں "تارپیڈو" یا "آبی بم" کے گولے کا نام برابر آتا رہا ہے۔ تارپیڈو بحری جہازوں کو غرقاب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب یہ کسی بحری جہاز سے ٹکراتا ہے تو جہاز میں سوراخ پیدا ہو جاتے ہیں اور جہاز فوراً ڈوب جاتا ہے۔ تارپیڈو ایک بیس فٹ لمبے اور دو فٹ موٹے لوہے کے سگار سے مشابہ ہوتا ہے جس کا ایک سرا موٹا اور دوسرا پتلا ہوتا ہے۔ موٹے سرے پر آتش گیر مادہ ہوتا ہے اور اندر کئی مشینیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کی رفتار ۴۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ تارپیڈو بہت قیمتی چیز ہے اور ایک تارپیڈو پر تقریباً

پچیس ہزار روپیہ صرف ہوتا ہے۔

تارپیڈو کا حملہ پانی کے اوپر اور نیچے دونوں جگہ ہو سکتا ہے۔ تارپیڈو ایک بہت بڑی نلکی (ٹیوب) میں رکھا جاتا ہے۔ اور کسی آتش زن مادہ سے داغا جاتا ہے۔ داغنے کے ساتھ ہی اس کے انجن چلنے لگتے ہیں اور وہ اپنی نلکی سے نکل کر پہلے ہوا میں جست کرتا ہے۔ پھر پانی کے اندر ڈوب جاتا ہے۔ اور جس طرف اس کی نلکی کا رخ ہوتا ہے۔ وہ اس طرف تیزی سے بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ تارپیڈو کے حملہ کے لئے ہوائی جہازوں سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر ہوائی جہاز دشمن کے بحری جہاز سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر سو فٹ کی بلندی سے تارپیڈو پھینکتا ہے۔ اور وہ پانی کے اندر ڈوبتے ہی دشمن کے جہاز کی سمت میں چلنے لگتا ہے۔ اور اگر جہاز سے ٹکرا جاتا ہے تو یہ جہاز ڈوب جاتا ہے۔

تارپیڈو سے بچنے کے لئے بڑے بڑے جہازوں پر ایک مشین گن لگا دی جاتی ہے۔ جو اس سے قبل کہ تارپیڈو جہاز سے ٹکرائے اسے توڑ کر تباہ کر دیتی ہے۔ لیکن اس مشین کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑے جنگی جہاز کے علاوہ اور کسی جہاز میں نہیں لگائی جا سکتی۔ تارپیڈو سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب جہاز تارپیڈو کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھے یا تارپیڈو کا خطرہ محسوس کرے تو فوراً اپنا رخ بدل ڈالے اس طرح تارپیڈو کے نشانہ پر بیٹھنے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ ایک تیسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ جہاز ایک ہی سمت میں نہ چلے بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اپنی سمتیں بدلتا رہے۔

بحری بیڑہ کی توپیں

بحری بیڑہ میں جتنی قسم کے جنگی جہاز ہوتے ہیں انہیں بیان کرنے کی اس لئے ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ان کا ذکر عام طور پر اخبارات میں آتا رہتا ہے۔ لیکن ان جہازوں کا خاص حربہ ان کی توپیں ہوتی ہیں اور اس موقعہ پر انہیں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

انگلستان کے جنگی جہازوں پر سب سے پہلے ۱۳۳۸ء میں توپیں نصب کی گئی تھیں۔ مگر تقریباً پانچسو برس تک ان میں کوئی اصلاح اور ترمیم نہیں کی گئی۔ ان توپوں میں ان کی نال کی طرف سے گولہ بارود بھرا جاتا تھا۔ ۱۸۳۵ء میں ان میں ٹھوس گولوں کی بجائے پھٹنے والے گولے استعمال کئے جانے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد نال میں چکر دار نالیاں بنوا دی گئیں جس کی وجہ سے گولہ نال کے اندر سے چکر کھاتا ہوا نکلنے لگا اور اس کی مار بھی بڑھ گئی۔ اس کے بعد معمولی بارود کی جگہ بے دہوئیں کی بارود کا استعمال شروع کر دیا گیا۔ معمولی بارود توپ داغتے وقت زور سے پھٹتی ہے اور گولہ کو باہر نکال دیتی ہے۔ مگر بے دہوئیں کی بارود جلنے لگتی ہے۔

اور اس کے جلتے ہی نال کے اندر گیس پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جو گولہ کو بہت زور سے دھکا دیکر باہر نکالتی ہے۔ اور اس گیس کا دھکا معمولی بارود کے گیس کے دھکے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

توپیں مختلف سائز کی ہوتی ہیں۔ لیکن ابھی تک ۲۲۔انچ کے دہانہ سے زیادہ بڑی توپ نہیں بنائی گئی ہے دو، چار، دس، بیس انچ کے دہانہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نال کا قطر اس قدر ہے اور اس کا گولہ بھی اتنے ہی انچ چوڑا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم سے اب تک ۱۶۔انچ دہانہ کی توپ سے بڑی کوئی توپ استعمال نہیں ہوتی تھی اور برطانیہ کے سب سے بڑے جنگی جہازوں "نیلسن" اور "روڈنے" کی توپوں کا دہانہ بھی ۱۶ ہی انچ ہے لیکن جرمنی نے فرانس کے ساحل پر جن لمبی مار کرنے والی توپوں کو نصب کر کے انگلستان پر بمباری کی ہے ان کے دہانے بائیس انچ بتائے جاتے ہیں۔

بہر حال ان توپوں کا وزن ۱۰۵ ٹن (تقریباً تین ہزار من) ہوتا ہے۔ اور لمبائی ۵۰ فیٹ۔ ان کے گولوں کا وزن ایک ٹن یا تقریباً ۲۸ من ہوتا ہے اور مار دس میل تک۔ ۱۶۔انچ دہانہ کی توپیں سب سے بڑے جہازوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ جنگی کروزروں (ہلکے جنگی جہاز) پر عموماً ۱۵۔انچ دہانہ کی توپیں ہوتی ہیں بھاری کروزروں پر ۸۔انچ دہانہ کی اور ہلکے ہلکے کروزروں پر ۷۔انچ دہانہ کی۔

پیراشوٹ

ہالینڈ اور بلجیم پر جرمنی کی فوج کشی کے دوران میں دنیا کو پہلی مرتبہ بڑی لڑائیوں کے ذریعوں میں اس نئے طریقہ جنگ کے اضافہ کا علم ہوا جس میں پیراشوٹ (محافظ چھتریوں) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ جنگ کے دوران میں بری لڑائیوں کے طریقوں اور ذریعوں میں جو جدتیں نظر آ رہی ہیں ان میں محافظ "چھتری بازوں" کا نظام ایک بالکل نئی چیز ہے۔

فوجی مبصرین کا خیال ہے کہ اگرچہ موجودہ لڑائی جنگ عظیم سے بالکل مختلف۔ لیکن اس میں جو اسلحہ استعمال کئے جا رہے ہیں وہ پہلے ہی اسلحہ کے ایسے ترقی یافتہ نمونے ہیں جنہیں ترقی پذیر عقل انسانی نے گزشتہ پچیس سال کے تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔ لیکن جہاں تک پیراشوٹ کا تعلق ہے وہ بذات خود کوئی نئی چیز نہیں بلکہ "پندرھویں صدی عیسوی میں "لیونارڈو ڈی ونسی" نے سب سے پہلے اس تخیل کو پیش کیا تھا۔ لیکن ۱۹۱۸ء تک کسی حکومت نے بھی انہیں فوجی ضروریات کی فہرست میں داخل کر لینا تو در کنار ہوا بازی کے لوازمات میں بھی شامل نہیں کیا۔ امن و سلام اور تجدید اسلحہ بندی کی گزشتہ بیس سالہ

مدت میں ہوائی جہازوں سے اترنے کے لئے ان چھتریوں کا استعمال شروع ہو گیا۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں تجربات کئے گئے۔ اور انجام کار مہذب متمدن اور آزاد و خود مختار ممالک میں یہ طریقہ عام ہو گیا۔

اولین تجربہ

شاید روس دنیا میں وہ سب سے پہلا ملک ہے جس نے محافظ چھتریوں کو ہوا بازوں کی حفاظت کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرنے کے علاوہ دوسرے مقاصد کے پیش نظر بھی ان کی ترمیم اور توسیع میں دلچسپی کا اظہار کیا اور کئی سال تک۔ دنیا روسی محافظ چھتری بازوں کے تفریحی مشاغل کی داستانیں کو شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنتی رہی۔ اس سلسلہ میں جو اطلاعات موصول ہوتی رہی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا تھا کہ روسی محافظ چھتری باز ہوا میں ایک معلق مینار کی طرح قائم ہو جاتے ہیں اور یہ کہ عوام ایسے مظاہروں اور ہوائی جہازوں سے کودنے کو نہ صرف پسند ہی کر رہے ہیں بلکہ خود بھی اس کی مشق کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔

ان قصوں کے علاوہ ہمیں یہ بات بھی باور کرائی گئی ہے کہ محافظ چھتریوں کا استعمال سرخ فوج یا کم از کم اس کے ایک حصہ کی فوجی تربیت کا ایک جزو بن گیا ہے اور سب سے آخر میں جب کہ اشالن تمام دنیا کو سرخ فوج کی قوت سے متاثر و مغلوب کرنے کا بے پناہ پروپیگنڈا کر رہا تھا۔ ہمیں یہ بھی جتایا گیا کہ روس جس مقام پر چاہے اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے سرخ فوج کی پوری کمپنی اور اس کا سامان اتار سکتا ہے۔ لیکن لوگ ہمیشہ ان باتوں کو بے سروپا قصے سمجھتے رہے۔ لیکن حالات نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ اس نے اس ایجاد کو دنیا میں خوف و دہشت پھیلانے کیلئے استعمال نہیں کیا۔ لیکن یہ اطلاعات بے بنیاد نہیں تھیں اور جرمنی نے انہیں صحیح ثابت کر دکھایا ہے۔

یہ واقعہ اب محتاج بیان نہیں رہا کہ عام فوجوں اور جنگ کے دوسرے ذرائع کے علاوہ اب دنیا میں "پانچویں دستہ" کے وجود کا مظاہرہ بھی ہو چکا ہے۔ اور اس نظام سے تعلق رکھنے والے لوگ پروپیگنڈا، نیز راستوں، پلوں اور آمد و رفت اور خبر رسانی کے ذریعوں کو بیکار کر کے دشمن کی مدد کرتے ہیں۔ شاید انہیں لوگوں کی وجہ سے جنگ کے زمانہ میں ان چھتریوں کا استعمال شروع ہوا ہے۔ کیونکہ کسی اجنبی ملک میں اترنے کے بعد محافظ چھتری بازوں کو صرف ایک ہی وقت ہو سکتی تھی ...... یہ کہ مناسب وقت آنے تک وہ لوگوں کی نظروں سے کس طرح پوشیدہ رہ سکیں گے۔ لیکن پانچویں دستہ کی موجودگی میں انہیں چھپ رہنے کے لئے کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جاتی ہے۔

. . . .

جنگ کا طریقہ

جس ملک میں ان چھتری بازوں سے کام لینا مقصود ہوتا ہے اس پر سب سے پہلے دشمن کے ہوائی جہاز حملہ آور ہو کر وہاں اضطراب و انتشار پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہاں کے پانچویں دستہ کے آدمی اس گھبراہٹ اور خوف کو اور بھی بڑھاتے رہتے ہیں۔ پھر ہوائی چھتریوں کے ذریعہ سے لوگوں کو اتار دیا جاتا ہے۔ اور یہ لوگ ضرورت کے مطابق یا تو اپنے دوستوں کے یہاں چھپ جاتے ہیں۔ یا لوگوں میں مل جل کر دوستوں کے مقابلہ میں انہیں شکست دینے کی کوششیں شروع کر دیتے ہیں اور جب اس ملک کی فوجیں لڑائی میں مصروف ہوتی ہیں۔ تو ان پر پیچھے سے حملہ کر دیتے ہیں۔

پانچواں دستہ (ففتھ کالم)

بین الاقوامی سیاسی حلقوں میں آج چند حروف کے اس چھوٹے سے مجموعہ نے جو اہمیت حاصل کر لی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ بیشک ٹینک، آتش افروز بم، بھین ڈالنے والی توپیں اور دشمن کی موت آشام فوجیں آج دنیا کے لئے اس درجہ ہولناک نہیں جتنا کہ "پانچویں دستہ" کا تصور۔ دنیا کا کوئی ملک بھی آج اس دستہ کی موجودگی سے خالی نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ جب پہلی مرتبہ ان الفاظ کو استعمال کیا گیا تھا تو ان کا پس منظر یہ نہیں تھا جسے آج ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور "ففتھ کالم" سے اس طرح فوج کے کسی مخصوص جزو یا شعبہ کی طرف اشارہ مقصود نہیں تھا۔ جس طرح بحری بری اور فضائی کے الفاظ سے ہوا کرتا ہے۔

۱۹۳۶ء میں جب کہ ہسپانیہ کے باشندے خانہ جنگی کی مصیبت میں مبتلا تھا اور جمہوریت پسندوں کے خلاف میڈرڈ پر پیشقدمی جاری تھی تو جنرل فرانکو کے ایک رفیق کار جنرل مولا نے شاید اخبارات کے بعض نمائندوں یا کچھ اور لوگوں سے ایک گفتگو کے دوران میں یہ الفاظ کہے تھے کہ

> ہمارے چار دستے میڈرڈ کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں
> اور پانچواں دستہ شہر کے اندر موجود ہے جو ہمیں اسے
> فتح کرنے میں مدد دے گا۔

خانہ جنگی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ہر دو مخالف جماعتوں کے ہمدرد ایک دوسرے کے ساتھ شامل رہا کرتے ہیں خصوصاً جب کسی خانہ جنگی کی بنیاد اصولی اختلافات پر قائم ہو تو کسی ایک خیال کے لوگوں کا دوسرے خیال کے لوگوں کی جماعت میں موجود ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہوتی نہ صرف اسی قدر بلکہ ایسے حالات میں ایک ہی خاندان کے لوگ ایک دوسرے کے

قید کر لیا وطن بچا لیا گیا کرتے ہیں ایسی صورت میں جنرل مولا کا لفظ ...
دستے کے جو الفاظ استعمال کئے گئے تھے ان سے اس کی مراد کسی مخصوص فوجی
دستے کی جانب اشارہ کرنا نہیں بلکہ ان فاشسٹ جمہوریت دشمن لوگوں کا تذکرہ
کرنا تھا جو شہر کے اندر موجود تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہسپانوی جنرل کے ان الفاظ نے نازی
جرمنی کے سامنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک نئی راہ کشادہ کر دی اور
ہر ہٹلر کی ذہانت اور طباعی نے انہیں الفاظ کی بنیاد پر ایک ایسی جماعت
کو منظم کرنا شروع کر دیا جو مستقل طور پر اس کی معاون ہو سکے۔ چنانچہ
اب جنرل مولا کے مذکورہ بالا الفاظ ایک منظم جماعت کی تشکیل کا باعث
بن چکے ہیں۔

اے نوجوانو!

(از حضرت نہالؔ سیوہاروی)

اے عزم والو۔ اے سیف رانو   اے ہمتوں کی سنگیں چٹانو!
معمارِ دوراں اپنے کو جانو   کر کے ہی چھوڑو جو دل میں ٹھانو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

ہمت کا اپنی سکہ بٹھاؤ   آفاق کے ہر گوشے پہ چھاؤ
فتح و ظفر کا پرچم اڑاؤ   زورِ جوانی ہاں آزماؤ
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

کیوں غیر کا ہو احساں گوارا   کافی ہے تم کو اپنا سہارا
پھولوں کا ندیوں پہ دھارا   مشرق تمہارا مغرب تمہارا
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

یہ کاخِ نیلی یہ چاند تارے   عالم اور اس کے دلکش نظارے
کرتے ہیں گویا یہ ہم اشارے   ہم سب تمہارے ہم سب تمہارے
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

تم جس کے آگے قیصر جھکی ہو   ایسا جلال ہمت وری ہو
تم تک رسائی کیوں موت کی ہو   تم زندگی ہو، تم زندگی ہو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

کوہِ گراں کو تم کچھ نہ سمجھو   بحرِ رواں کو تم کچھ نہ سمجھو
نُہ آسماں کو تم کچھ نہ سمجھو   دورِ زماں کو تم کچھ نہ سمجھو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

طوفاں اگر ہے ہستی تو کیا غم   پُر شور ہے یہ بستی تو کیا غم!
عشرت نہیں گر سستی تو کیا غم   ہے ولولوں کی مستی تو کیا غم
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

چرخِ کہن سے جنگ آزما ہو   برقِ چمن سے جنگ آزما ہو
دیوِ محن سے جنگ آزما ہو   ہر اہرمن سے جنگ آزما ہو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

الفت کی گنگا ہر سو بہا دو   بغض و حسد کا قصہ چکا دو
ہر تیرگی کو اذنِ فنا دو   مہر و وفا کی شمعیں جلا دو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

ہو جلوہ فرما یہ شاد کامی   خاکِ وطن ہو تم سے گرامی
ہندوستاں کے بن جاؤ حامی   ناپید کر دو رسمِ غلامی
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

آیا ہے زد میں برقِ تپاں کی   لازم نہیں کیا فکر آشیاں کی؟
تم پہ نظر ہے سارے جہاں کی   تم آبرو ہو ہندوستاں کی
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

تا چند فخرِ سرمایہ داری   کب تک ستم کی یہ ہرزہ کاری
ہیں اشکِ چشمِ دہقاں سے جاری   خاموش کیوں ہے غیرت تمہاری
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

یہ ارضِ نکبت پھر کامراں ہو   پھر عظمتوں کا دریا رواں ہو
دور اس چمن سے دورِ خزاں ہو   ہندوستاں پھر جنت نشاں ہو
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

ہمت طلسمِ مشکل کشا ہے   ہمت کے آگے مشکل ہی کیا ہے
ہمت کا شہپر پرِ ہما ہے   ذی ہمتوں کا حامی خدا ہے
اے نوجوانو۔ اے نوجوانو

نہال

جنوری ۱۹۳۶ء کی بات۔

جب میں باپ نہیں تھا

(ایک ناسمجھ کی سبق آموز آپ بیتی)

میری شادی کو گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ لیکن بہت عرصہ تک...
...... میں یہ احساس نہیں کر سکا کہ شادی شدہ لوگ کیونکر خوش رہ سکتے ہیں۔ شادی کیوں ہوتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ میرے دوست جب اپنی بیوی کے قصے مجھے سنایا کرتے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے میرے دل کو مسل کر سینے سے باہر نکال دیا ہے۔ اور اس کی جگہ انگیٹھی میں آگ بھر کر رکھ دی ہے۔ بہت دن کے بعد میرے ایک خاص دوست کو میری مخفیہ بیماری کا پتہ مل گیا۔ اس نے پوچھا۔

کیا تمہیں جریان کی بیماری ہے۔ میں نے کہا نہیں لیکن پھر اس نے کہا۔ کیا پیشاب سے پہلے اور اس کے بعد کوئی رطوبت خارج ہوتی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے خاص بات پوچھی۔ میں نے کہا میں یہ بات جانتا تو ضرور ہوں کہ ایسا ہوتا ہے۔ لیکن آج تک،

میرا یہ جواب سنکر وہ چونک اٹھا۔ اور تعجب سے کہا کہ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔ اگر اسی زمانے میں بتا دیتے، جب تمہاری شادی ہوئی تھی کہ تم جریان کے مریض ہو تو میں تمہیں صرف پندرہ دن میں تندرست کر دیتا۔ چنانچہ میرے دوست نے اسی وقت **زنانہ دواخانہ** کو خط لکھ کر **"جوہر اعظم"** دوا کی ایک شیشی تین روپے آٹھ آنے کو منگائی اور مجھے استعمال کے لئے دی۔ میں نے ترکیب کے مطابق اس دوا کا استعمال شروع کر دیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ دوا شروع کرنے کے ساتویں یا شاید آٹھویں دن وہ رطوبت خارج ہونی بند ہو گئی۔ اور مجھے اپنے اندر ایک خاص بات محسوس ہوتی دوا ابھی پوری ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک روز........ بیوی

جنوری ۱۹۳۶ء کی بات ہے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اپنے دوست کی مہربانی کی بدولت اب میں اس جوانی کی ہری بھری دنیا میں ایک ایسے خوش و خرم نوجوان کی طرح ہوں، جیسے کہ مجھ جیسی عمر کے انسان کو ہونا چاہیے۔ میری بیوی ایک بچہ کی ماں ہے۔ اور وہ جب اپنے بچے کو کھلاتی ہے۔ اور بچہ ٹھمک ٹھمک کر ماں کی طرف دوڑتا ہے اور ماں کے سر کے بال نوچتا ہے تو مجھے یہ بات یاد آتی ہے کہ **اس بچے کے باپ کا نام "جوہر اعظم" ہے**۔ کیونکہ جوہر اعظم دوا سے ہی میری جریان کی بیماری دور ہوئی۔ اور میری مخفیہ طاقت پھر مجھے مل گئی۔ کاش جریان کے تمام مریضوں کو معلوم ہو جائے، کہ اس دنیا میں جریان کی اگر کوئی بھرپور دوا ہو سکتی ہے تو وہ "جوہر اعظم" ہے۔ ایک شیشی کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے ہے۔ اس دوا پر عام فائدہ کے خیال سے محصول ڈاک معاف ہے۔

پس ناظرین میں سے جو لوگ میری طرح جریان کی بیماری میں مبتلا ہوں۔ اور پیشاب سے پہلے یا بعد میں قوت مردمی پانی کی طرح بہہ جاتی ہو یا بیوی سے شرمندگی ہوتی ہو تو انہیں چاہیے کہ **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ ۲۳۰ دہلی** کو خط لکھ کر "جوہر اعظم" دوا کی شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگا لیں۔ صرف ایک ہی شیشی تندرست بنا دے گی۔

جوہر اعظم وہی مشہور دوا ہے جسے ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا کامرشیل سوسائٹی نے کافی تجربہ کر کے عام اعلان کے ذریعہ پبلک کو مطلع کیا تھا کہ "جوہر اعظم" دوا جریان کے مریض کو یقیناً تندرست کرتی ہے اور تمام ملک سے پرزور اپیل کی تھی کہ جریان کے مریضوں کو اس دوا سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ کیونکہ آل انڈیا کامرشیل سوسائٹی نے جوہر اعظم کا بہت کافی تجربہ کرایا ہے۔ اور ہر جگہ ہر مریض کو اس دوا نے تندرست کر دیا چنانچہ ۱۹۲۶ء سے آج تک انجمن مذکور کی ہدایت کے مطابق اس دوا پر محصول ڈاک معاف ہے۔ اور کسی خریدار سے محصول پارسل نہیں لیا جاتا صرف دوا کی قیمت لی جاتی ہے۔

نوٹ:- ہندوستان سے باہر جو لوگ دوا منگائیں گے ان سے محصول ڈاک لیا جائے گا۔ کیونکہ انڈیا سے باہر محصول زیادہ لگتا ہے۔

جنگ عظیم کا ایک واقعہ افسانوی انداز میں

(از جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

عسکری صدر مقام سے آیا ہوا منقوط برقی پیغام جو اس کے سامنے تھا وہ اسے حل کرنے میں مصروف۔ ایک گھنٹہ کی مسلسل سعی اور خفیہ اشارات کے متعدد متعارف اور مخصوص طریقے استعمال کرنے کے بعد بالآخر وہ تمیں الفاظ سمجھ لینے میں کامیاب ہو گیا۔

جنرل لاڈیرل اپنے جنگ آزما، تند خو اور درشت مزاج احباب میں سب سے زیادہ خوش خلق، شگفتہ مزاج اور زندہ دل واقع ہوا تھا مگر معلوم نہیں کہ اس منقوط برقی پیغام میں کیا مندرج تھا کہ حل شدہ الفاظ کی فہرست کا ہر اضافہ اس کے چہرہ کی شگفتگی کو زائل اور اسے فکر و تردد اور اضطراب و انتشار کا آماجگاہ بنا رہا تھا۔

"ہوں! اچھا!" اس نے فیصلہ کن انداز میں آہستہ سے کہا اور سامنے کھڑے ہوئے اپنے ماتحت افسر کو چند مختصر ہدایات دینے کے بعد خود ایک گوشہ میں آویزاں ٹیلیفون کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ماتحت افسر فوراً کمرہ سے باہر چلا گیا، گرد و پیش کے کمروں میں ٹیلیفون، برقی تار اور ریڈیو کے آلات پر کام کرنے والے تمام ملازمین رخصت کر دیئے گئے۔ محافظین کی تعداد میں اضافہ کر کے انہیں کسی شخص کو بھی جنرل کی قیام گاہ تک آنے کی اجازت دینے کی ممانعت کر دی گئی اور جنرل نے محاذ جنگ پر متعین صدر شعبۂ مخابرات کو ملاقات کے لئے فوراً اپنی قیام گاہ میں طلب کیا۔ کچھ دیر کے بعد بھورے رنگ کی ایک فوجی موٹر کار سے ایک متوسط العمر متجسس نظر اور شکن بر جبیں افسر اترا اور محافظین کا سلام لیتا ہوا بعجلت تمام زینہ پر سے گذرتا ہوا بالائی منزل پر پہنچ گیا۔ جنرل کے محافظین خصوصی کا افسر آگے بڑھا نووارد افسر نے اسے غیر معمولی حالات میں استعمال کئے جانے والا "لفظ راہداری" بتلایا اور جنرل کے خاص کمرہ کی جانب چلا گیا۔

جنرل لاڈیرل اپنے خیالات میں مستغرق، بے چینی کے ساتھ کمرہ میں ٹہل رہا تھا کہ تین مرتبہ آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔

"آیئے" جنرل نے کہا، دروازہ کھلا اور صدر شعبۂ مخابرات جنرل کے روبرو کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کرنل ڈی پیچ!" جنرل نے مصافحہ کرنے کے بعد ایک خالی نشست [illegible] اشارہ کرتے ہوئے کہا: "بیٹھئے! میں نے بعض اہم امور میں [illegible] سے آپ کو [illegible] کی تکلیف دی ہے۔ وہ پیغام جسے [illegible] لئے ہم لوگ ایک عرصہ سے گوش برآواز بیٹھے ہوئے تھے بالآخر موصول ہو گیا۔ اس سے قبل کہ ذلیل روسی اعتراف شکست پر آمادہ ہوں، مجلس عظمیٰ نے آخری جدوجہد کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں معتبر اور موثق الفاظ میں یقین دلایا گیا ہے کہ بحری افواج بری عساکر کے ساتھ کامل طریقہ پر اشتراک عمل کریں گی۔ اور اس اہم مطمح نظر کو حاصل کرنے کے لئے ایک زبردست جنگی بیڑہ متعین بھی کیا جا چکا ہے مگر" جنرل نے کسی قدر توقف کے بعد کہا "میں نے ابھی آپ کو تکلیف دینے کی اصل وجہ بیان نہیں کی ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بائیں پہلو پر رکھی ہوئی آہنی الماری کو کھولا اور ایک خانہ میں محفوظ رکھے ہوئے کاغذات کو نکال کر میز پر رکھے اور مندرجہ اعداد پڑھنے کے بعد آہستہ سے کہا "بہر حال حکومت نے ہر ممکن طریقۂ کار اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ یہ رقم آخر تک کفایت کر سکے گی مگر فی الحال آغاز کار کے لئے کافی ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔"

کرنل ڈی پیچ صبر و سکون کے ساتھ جنرل کی تقریر سن رہا تھا جنرل نے جملہ ختم کیا تو اس نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"بیشک"

"مگر معاملہ اسی حد تک ختم نہیں ہو جاتا" جنرل نے اپنے مخاطب کو رازدارانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجلس عظمیٰ نے سد راہ خطرات و موانع کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور بشرط امکان ان سے محفوظ و مامون رہنے کے لئے بھی ایک معقول رقم مخصوص کر دی ہے۔"

جنرل خاموش ہو گیا اور اس امر کا اندازہ کرنے کے لئے کہ سامع پر اس کے آخری جملہ کا کیا اثر ہوا ہے بغور کرنل کی جانب دیکھنے لگا۔ کرنل اس گفتگو کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ مگر اپنے قیاس پر متیقن نہ ہونے کے باعث خاموش رہا۔

قدرتی موانع اور مشکلات سے لبریز، دشمن کے ملک میں، کامیاب مخبرانہ پیش قدمیاں، محض فوج کی عمدگی اور فوجی افسروں کی دماغی قابلیت پر منحصر ہوتی ہیں۔ کرنل ڈی پیچ پانچ زبانوں کا ماہر کامل اور تین زبانوں سے حسب ضرورت واقف تھا اور مراکش کی جنگ میں اس نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ ان کو مد نظر رکھتے ہوئے جنرل لاڈیرل کی استدعا پر اسے "صدر شعبۂ مخابرات" ایسے ممتاز اور اہم منصب کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

"خوب!" کرنل نے استقلال اور متانت کے ساتھ کہا "میں سمجھ گیا مجلس عملی نے اس اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک رقم خطیر صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر کس قدر رقم؟"

"مقصد کے مقابلہ میں بہت زیادہ" جنرل نے حل شدہ منقوطہ پیغام اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا "دس لاکھ فرانک! اسے مطالعہ کیجئے اور اگر آپ اس تجویز کو قابل عمل تصور کرتے ہیں تو یہ گرانقدر رقم موجود ہے۔"

"دس لاکھ فرانک!" کرنل نے مزید اطمینان حاصل کرنے کی نیت سے دریافت کیا "آپ نے دس لاکھ فرانک ہی تو فرمایا ہے؟"

"ہاں! دس لاکھ فرانک زرنقد کی صورت میں یا قبول کنندہ جس شکل میں بھی پسند کریں گے........" جنرل نے کسی قدر معنی خیز لہجہ میں کہا "...... ہمیں اس تجویز کی کامیابی کے متعلق اچھی طرح غور کرنے کے بعد کامل اطمینان حاصل کر لینا چاہئے یا بالفاظ صحیح تر یہ طریقہ کار کہیں تضیع زر ہی پر منتج نہ ہو۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن" کرنل نے آہستہ سے کہا "........ اگر حالات اپنی موجودہ صورت پر باقی رہے اور محاذ پر متعین ترکی عمال حرب میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا تو کامیابی کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"معتمد خصوصی نئی خندقوں کا معائنہ کرنے کے لئے گیا ہوا ہے" جنرل نے ملاقات ختم کر دینے کے انداز میں کہا "مگر حسب معمول یہ راز بھی ہم ہر سہ افراد کے درمیان محفوظ رہے گا۔"

کرنل اٹھا اور فوجی انداز میں سلام کرنے کے بعد باہر چلا گیا۔

وہ اہم اور پر اسرار ملاقات جس کے لئے مذکورہ بالا انتظامات عمل میں لائے گئے تھے ختم ہو چکی تھی۔ جنرل کا حکم پا کر مزید محافظین واپس چلے گئے گرد و پیش کے کمروں میں ٹیلیفون، برقی تار اور ریڈیو کے آلات پر کام کرنے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ مصروف عمل نظر آنے لگا اور جنرل کی قیام گاہ حسب سابق رونق و مصروفیت کا مرکز بن گئی۔

(۲)

"تحسین بے" وہ نوجوان ترک جو طویل نشانہ بازی کے لئے مشہور تھا جنگ کے اس محاذ پر ترکی افواج کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا!

مذکورہ بالا ملاقات سے کچھ دیر کے بعد کرنل ڈی پیج کو یا ثبوتی ذریعہ سے محاذ جنگ پر متعین ترکی عمال [illegible] کسی قسم کے تغیر واقع نہ ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ترکی افواج کے ایک حصہ کا سپہ سالار تحسین بے ایک اطالوی عسکری تربیت گاہ کا تربیت یافتہ ہے۔ کرنل ڈی پیج خود بھی اسی تربیت گاہ کا سابق طالب علم تھا اس لئے اس نے خیال کیا کہ شاید وہ تحسین بے سے واقف ہو مگر مسلسل غور کرتے رہنے کے باوجود وہ تحسین بے کا تصور اور اس کے متعلق کوئی واقعہ یاد کر لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

دفعتہً اس کے دماغ میں ایک خاص خیال پیدا ہوا اور اس نے مذکورہ بالا تربیت گاہ کے ان سابق ترکی طلباء کی فہرست کا جن سے اسے واقفیت حاصل تھی مطالعہ کیا تو تحسین بے کا نام بھی اس میں موجود تھا۔ کرنل ڈی پیج نے حیرت و مسرت کے مشترکہ جذبات سے متاثر ہو کر غیر ارادی طور پر مذکورہ بالا جملہ کہا اور چشم زدن میں اسے اپنے سابق ہم جماعت ترک نوجوان کے تمام واقعات یکے بعد دیگرے یاد آنے لگے۔

تحسین بے ایک چست و چالاک فہیم، ذوکی، حسین و خوبرو اور خوش وضع و شگفتہ مزاج نوجوان تھا مگر مالی کشمکش میں مبتلا۔ کرنل ڈی پیج اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ زمانہ طالب علمی میں اس کے تمام مصارف کا بار "لی کلیر مارس" ایک پارسی معین تربیت گاہ برداشت کرتا رہا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر کرنل نے اپنی مقصد براری کے لئے اسی کو منتخب کیا اور کسی مناسب و موزوں طریقہ ملاقات پر غور کرنے لگا۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پیشتر کرنل ڈی پیج نے فوجی وردی کی بجائے، ڈاکٹروں کا مخصوص لباس پہنا، چند ضروری ادویہ ساتھ لیں برنوس (لبادہ) شانوں پر ڈالا، نشان، امن خواہی کے طور پر ایک سفید جھنڈی ہاتھ میں لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے کے وسیع میدان سے گذرتا ہوا دشمن کی فرودگاہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ بیس منٹ کے بعد وہ قلعہ سلطانیہ کے بیرونی حصار کے سامنے موجود تھا۔ ایک ترک سارجنٹ ریوالور لئے ہوئے آگے بڑھا۔

"چاؤش آفندی!" کرنل نے شگفتہ ترکی زبان میں کہا "میں سپہ سالار تحسین بے سے ملنا چاہتا ہوں" سارجنٹ فوراً واپس گیا اور چند لمحات کے بعد ہی ایک لفٹیننٹ کو ہمراہ لئے ہوئے واپس آیا۔ کرنل لفٹیننٹ کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے اترا اور اظہار گرمجوشی کی نیت سے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا۔ ترک افسر نے مصافحہ کیا، ادویہ کو بغور دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ نووارد شخص کے ساتھ کوئی نقصان دہ چیز موجود نہیں اس نے سفید جھنڈی کرنل کی آنکھوں پر باندھی اور ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلا۔ ایک سپاہی گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ان کے ساتھ تھا کچھ دیر تک پر پیچ راستوں سے گذرنے کے بعد بالآخر کرنل کو ایک اسٹول پر بٹھا کر پٹی کھول دی گئی اور وہ متعدد افسروں کے ساتھ ایک خندق میں بیٹھا ہوا تھا۔

خندق میں تین افسر جو بظاہر کپتان معلوم ہوتے تھے اپنے اسلحہ کو صاف کر رہے تھے ان میں سے ممتاز ترین نظر آنے والے شخص نے نووارد مہمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟"

"میں اپنے سپہ سالار کی جانب سے سپہ سالار تحسین بے کی خدمت میں ایک خاص پیغام پہنچانے کے لئے آیا ہوں اور ......" کرنل نے بے تکلفی کے ساتھ جواب دیا: "یہ ادویہ بھی میں انہیں کی خدمت میں پیش کروں گا۔ گذشتہ ہفتہ ہمارے مجروحین کے ہسپتال کے لئے آپ حضرات نے جس فراخدلی اور ہمدردی کے ساتھ ہمیں ضروری ادویہ مرحمت فرمائی تھیں، ہم ان کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ ادویہ اسی سلسلہ میں واپس کی جارہی ہیں۔

ترک افسر خاموش رہا۔ ایک سپاہی نے کافی پیش کی اور سب لوگ بہت دیر تک کافی نوشی، سگریٹ کشی اور مختلف مسائل پر گفتگو میں مصروف رہے۔ کرنل ڈی پیچ نے ایک دو مرتبہ مسائل جنگ اور ترکی حکمت عملی کے متعلق بھی ان ترک افسروں کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اس بحث کا استقبال نہایت سرد مہرانہ انداز میں کیا گیا اور کرنل ڈی پیچ کو معذرت۔ اس کے بعد پھر اس سلسلہ میں کسی قسم کی سلسلہ جنبانی کی جرات نہ ہوسکی۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، ایک افسر اٹھا، آلہ سماعت کان سے لگانے کے بعد پیغام سنا اور "مناسب جناب!" کہہ کر اپنی جگہ واپس آگیا۔ کرنل ڈی پیچ کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھی گئی ایک سنتری اسے اندرونی حصار تک لایا اور کرنل کو ایک زینہ کے ذریعے بالائی منزل پر پہنچایا گیا یہاں پھر پٹی کھولدی گئی اور کرنل نے خود کو خوش پوش اور متبسم افسروں کی ایک جماعت کے درمیان پایا۔ گردوپیش کی ہر چیز اس مقام کے عسکری مرکز ہونے پر دلالت کررہی تھی۔ ان افسروں نے بھی کرنل سے متعدد سوالات کئے اور کرنل نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ انہیں وہی جواب دیدیا جو اس سے قبل اسی قسم کے استفسارات کے سلسلہ میں دے چکا تھا۔ مگر وہ ترک افسروں کی ذکاوت و ذہانت اور عقل و دانش کا معترف نظر آرہا تھا۔

تحسین بے، ترکی افواج کے ایک حصہ کا سپہ سالار اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا نووارد قاصد کی آمد کا انتظار کررہا تھا کہ اس کے مخصوص عملہ کا ایک افسر کرنل ڈی پیچ کو لئے ہوئے آیا اور سپہ سالار کا اشارہ پاکر سلام کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔

تحسین بے کا کمرہ قلعہ سلطانیہ کے باب عام سے متصل پوشیدہ عمارات کے احاطہ میں واقع تھا، کمرہ کے اندر دیواروں پر محاذ جنگ سے متعلق نقشے آویزاں تھے، الماریوں میں فوجی معلومات سے لبریز کتابیں قرینے کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ اور ایک گوشہ میں پیغام رسانی کے آلات نصب تھے۔ کرنل ڈی پیچ اس نظم و تربیت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔

سپہ سالار نے نووارد کا استقبال کرتے ہوئے اسے کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو یکجا کرنے میں مصروف ہوگیا۔ کرنل [illegible] نے اپنا کام ختم کیا، میز پر لگے ہوئے ایک سرخ بٹن کو تین مرتبہ دبایا، اپنے ریوالور کو دوسری میز پر رکھنے کے بعد نووارد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے تحسین بے آپ کے سامنے موجود ہے!"

"میں اپنے ہم وطن احباب کی جانب سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" کرنل نے ادویہ پیش کرتے ہوئے کہا: "گزشتہ ہفتہ آپ کے فوجی افسروں نے جس اخلاص و ہمدردی کے ساتھ ہمارے مجروحین کی اعانت کی تھی ہم لوگ اسے فراموش نہیں کرسکتے میں اسی سلسلہ میں یہ ادویہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"موسیو!" سپہ سالار نے شائستگی کے ساتھ جواب دیا "انسان مختلف اوقات میں مختلف طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہم جس طرح میدان جنگ میں خود کو ایک محب وطن اور بہادر سپاہی ثابت کرنے کے متمنی رہتے ہیں۔ اسی طرح عام زندگی میں انسانی فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی ہمارا دل بے چین رہتا ہے۔ آپ ان ادویہ کو واپس فرماکر مجھے اور ترک قوم کو شرمندہ کررہے ہیں۔"

"عسکری تربیت گاہ کو چھوڑے ہوئے ہم لوگوں کو ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے۔" نووارد نے مسکراتے ہوئے کہا، "مگر میرا خیال ہے کہ تحسین بے نے اپنے ہم جماعت ڈی پیچ کو فراموش نہ کیا ہوگا!"

تحسین بے نے مخاطب کے چہرہ کو بغور دیکھا یقیناً وہ ڈی پیچ ہی تھا۔ اطالوی عسکری تربیت گاہ کا سابق ممتاز ترین طالب علم ڈی پیچ پالی گاٹ! سپہ سالار نے گرم جوشانہ انداز میں کہا۔

"ڈی پیچ پالی گاٹ! آپ ہیں؟"

"دوست!" کرنل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "افسوس ہے کہ گردش روزگار نے دو صادق و مخلص دوستوں کو میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرائی پر مجبور کردیا ہے۔"

تحسین بے کے چہرہ پر اضمحلال و افسردگی کی علامات ظاہر ہوئیں مگر اس نے فوراً جواب دیا "موسیو ڈی پیچ! ترک محبت بھی کرسکتے ہیں اور جنگ بھی، ہم موجودہ جنگ میں شمولیت سے حتی الوسع پرہیز کرتے رہے مگر وطن عزیز کے مفاد کا تحفظ ترکی حکومت کا اولین فرض ہے......"

"......" تحسین بے نے دفعتہً اس گفتگو کو ختم کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"مجھے آپ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی لیکن میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں۔؟"

"یقیناً!" کرنل نے جواب دیا اور کچھ دیر تک توقف کرنے کے بعد

[illegible] کی جانب دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"موسیو! کمانڈن! ہماری حکومت ترک قوم کی بدخواہ نہیں بلکہ اس کا مقصد اپنے حقیقی دشمن کو تباہ کرنا ہے۔ اور وہ دشمن کون ہے؟ کوئی شخص بھی اس امر سے ناواقف نہیں ہم گلیشیا میں اس کے اثر و رسوخ کو زائل کر دینے کے متمنی ہیں اور بحر اسود تک پہونچنے کا راستہ......

......." اس نے معنی خیز اور مسحور کن نظروں سے تحسین بے کی جانب دیکھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ دیتے ہوئے کہا "میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں"

کرنل ڈی پیچ اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا تھا۔ وہ جانے کیلئے اٹھا اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر تحسین بے نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا لی ایک افسر کمرہ میں داخل ہوا اور حسب سابق اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے واپس لے گیا۔ ایک مرتبہ پھر اسے خندق میں ٹھہرنا پڑا اسکاچ اور سگریٹ سے اس کی تواضع کی گئی جس سے فراغت پانے کے بعد پہلے کی طرح اسے قلعہ کے بیرونی حصار کے باہر پہونچا دیا گیا۔ اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سعی لاحاصل کے نامعلوم انجام پر غور کرتا ہوا واپس چلا آیا۔

(۳۳)

ترکی عمال حرب کو بحر ایجین میں، دول متحدہ کی تازہ پیشقدمیوں کی اطلاع موصول ہو چکی تھی اور وہ پوری سرگرمی اور تندہی کے ساتھ مدافعتی تدابیر اختیار کرنے میں مصروف تھے۔ جرمن افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد دشمن کی تجویزوں کو ناکام بنانے کے لئے ایک خاص تدبیر اختیار کی گئی۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر آبنائے کے ہر گوشہ میں تباہ کن سرنگیں پھیلا دی گئیں۔ بحری اور بری فوجوں کو ملا کر انہیں طویل نشانہ بار توپوں کے ساتھ مناسب مقامات پر متعین کر دیا گیا اور تحسین بے کو مرکزی اسلحہ خانہ پر موجود رہنے کی اہم خدمت سپرد کی گئی۔

وزراء بحر و حرب و سپہ سالار اور جرمن اراکین عملہ کے علاوہ متعدد اعلیٰ فوجی افسر جدید انتظامات کے معائنہ کے لئے آئے۔ اس اجتماع خصوصی کو پردہ راز میں رکھنے کے لئے ہر ممکن انتظام کیا گیا تھا۔ مگر تحسین بے معتمد کلان کے ساتھ موجود تھا۔ معمر پاشا ناظر حربیہ نے نہایت احتیاط کے ساتھ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"پاشایان محترم! اس تجویز کے محرک تحسین بے ہیں، میں خود بھی اس پر غور کر چکا ہوں مگر آپ حضرات کی رائے معلوم کر لینے کے بعد میں اس مسئلہ پر اپنی قطعی رائے دونگا" کچھ دیر تک کامل خاموشی طاری رہی جس کے بعد جواد پاشا ایک سپہ سالار نے کھڑے ہو کر کہا۔

"حضرات! میں ضعیف العمر ہوں۔ میدان جنگ ہی ہمیشہ میرا مسکن رہا ہے اور آپ حضرات کی طرح میں بھی عزت کو دنیا کی ہر شے پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس لئے میں اس تجویز سے متفق الرائے نہیں ہو سکتا اور ایسی ہر تجویز کو سپاہیانہ خودداری کے خلاف سمجھتا ہوں"

جواد پاشا کی چالیس سالہ لبریز حرب و ضرب زندگی میں اس قسم کے متزلزل کر دینے والے، ہمت شکن اور جرات آزما صدہا مواقع پیش آ چکے تھے مگر ان کی غیور اور خوددار طبیعت کبھی ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"مگر" نو عمر ناظر حربیہ نے کہا "موجودہ صورت حالات بالکل مختلف ہے تحسین بے نے وطن عزیز کے ایک سعید فرزند کی طرح اصل حقیقت کو میرے روبرو بیان کر دیا ہے۔ اور اپنی موجودہ حالت کے پیش نظر ہم دس لاکھ فرانک کو کسی طرح بھی معمولی شے قرار نہیں دے سکتے" اس نے دوسرے سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "حمدی پاشا! آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں! میں ضروریات جنگ کو ہر شے پر مقدم خیال کرتا ہوں"

حمدی پاشا نے مختصر جواب دیا۔ "بجا ہے مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے"

"کیونکہ" جواد پاشا نے کھڑے ہو کر کہا "آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اس معاملہ میں اپنی آخری رائے قائم کر لی ہے اور موجودہ مجلس مشورہ کا عام رجحان بھی اسی جانب ہے اس لئے میں مودبانہ طریقہ پر اپنی رائے واپس لیتا ہوں"

"ہم اپنے حقیقی مقصد سے دست بردار نہیں ہو سکتے" ناظر حربیہ نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا اور سب لوگ مشورہ گاہ سے نکل آئے۔

"میں روپیہ لے لینے کا حامی ہوں تاکہ انہیں تنبیہ ہو جائے۔ اور وہ آئندہ اس قسم کی حرکات سے محترز رہ سکیں۔ ہمیں ان لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہیئے کہ ہم لوگ روپیہ کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن ربع مسکون کی تمام دولت بھی ہم سے ہماری آزادی کو نہیں خرید سکتی۔

کچھ دیر تک مزید تبادلہ خیالات کے بعد بالآخر ناظر حربیہ نے تحسین بے کو مختصر الفاظ میں چند ہدایات دیں اور سپہ سالار سلام کرنے کے بعد رخصت ہو گیا۔

قریب شام وزیر حرب نے تباہ کن سرنگیں پھیلانے والے شعبہ کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ طویل گفت و شنید کی، رقبہ مقررہ کے نقشہ کو بغور دیکھا، ہر قسم کی تفاصیل معلوم کیں اور ہر طرح سے مطمئن ہو جانے کے بعد اس نے اراکین عملہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دس لاکھ فرانک کے ساتھ جب پیش نظر تدابیر مدافعت کو بھی شامل کر لیا جائے تو دشمن کے نقصان عظیم کا تصور کچھ زیادہ دشوار نہیں"

(۴)

ناظر حربیہ سے اجازت و ہدایات حاصل کر لینے کے بعد سپہ سالار تحسین بے نے اپنے اراکین عملہ کو بعض ضروری ہدایات دیں اور ایک فوجی ڈاکٹر کا لباس پہن کر کرنل ڈی پیچ سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ دشمن کی فرودگاہ میں پہونچ کر اسے بہت دیر تک زحمت انتظار برداشت کرنی پڑی اور حفاظت کی چند تدابیر اختیار کرنے کے بعد اسے کرنل کے کمرہ میں پہونچا دیا گیا۔

تحسین بے نے کہا:-

"مسیو! میں اور میرے رفقائے کار آپ کی تجویز کو منظور کر لینے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ موعودہ رقم بصورت نقد کی صورت میں ادا کی جائے"

کرنل اظہار مسرت کرتے ہوئے اٹھا اور سپہ سالار تحسین بے کو جنرل لاابیل کی قیامگاہ پر لے گیا تاکہ جنرل کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد اس معاملہ میں وقت، مقام اور طریق ادائگی کا فیصلہ کیا جا سکے۔

جنرل لاابیل کو فوجی شعبہ محافظات کی وساطت سے ترکی مجلس مشورہ کے انعقاد کی اطلاع موصول ہو چکی اور سپہ سالار تحسین بے کی موجودگی اس اطلاع کی تصدیق کر رہی تھی۔ بہرحال طویل گفت و شنید کے بعد بالآخر جنرل نے کہا۔

"اچھا! ۱۸ مارچ کو غروب آفتاب کے بعد "طبی سامان" سے لدے ہوئے پانچ جہاز آپ کی فرودگاہ میں پہونچ جائیں گے انہیں بحفاظت تمام حاصل کر لینا آپ کا کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ [illegible] جو بہت جلد آنے والا ہے، آپ اور آپ کے رفقائے کار اپنا فرض ادا کرنے اور جمہوریہ فرانس کی نگاہوں میں "اعتبار جاوید" کا درجہ حاصل کر لینے سے قاصر نہ رہیں گے۔"

تحسین بے نے مسکراتے ہوئے جنرل کا شکریہ ادا کیا اور کرنل ڈی پیچ کی معیت میں کمرہ سے نکل آیا۔ خاردار تاروں سے بنے ہوئے حصار کے باہر "غدار ۹" کمانڈن کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولی گئی اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا آیا۔ اپنی فرودگاہ میں پہونچ کر تحسین بے نے چند افسروں کو دوسرے روز آنے والے "طبی سامان" کی نگہداشت پر متعین کیا اور خود ایک مجلس مشورہ میں شمولیت کے لئے چلا گیا۔

(۵)

رات کی تاریکی میں ایک چھوٹے سے قلعہ سے آنے والی برقی روشنی نے سطح سمندر کو منور کر دیا، دیوار پر بیٹھے ہوئے چند اعلیٰ فوجی افسر سامنے رکھے ہوئے ایک نقشہ کو بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ نصف گھنٹہ تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ دس بج کر دس منٹ پر ایک توپ چلنے کی آواز آئی اور شعلوں سے چمک کر توپ چلنے کی سمت کو ظاہر کیا [illegible] ایک نیم دستی جہاز سطح سمندر پر موجود تھا ایک لمحہ کے لئے برقی روشنی نے جہاز کی نقل و حرکت کو نمایاں کیا اور پھر تاریکی چھا گئی۔ منتظر افسر کامل سکوت اور توجہ کے ساتھ جہاز کی نقل و حرکت کو دیکھ رہے تھے۔

"پاسبان دستہ اطلاع دے چکا ہے لیکن مدافعتی توپیں خاموش ہیں"۔ قلعہ کی دیوار پر بیٹھے ہوئے افسروں میں سے ایک نے پریشانی کے ساتھ کہا "شاید کسی بدطینت اور غدار وطن نے ہمارے مفاد کو فروخت کر دیا ہے"! دفعۃً ایک اور جہاز نمودار ہوا اور پاسبان دستہ نے دوبارہ توپ سر کی مگر ساحل بحر کی مدافعتی توپیں اب بھی خاموش تھیں۔

افسروں نے سامنے رکھے ہوئے نقشہ کو دوبارہ دیکھا، متعدد خطوط اور سرخ نقطوں کے درمیانی فاصلہ پر غور کیا اور افسوس کے ساتھ کہا "دشمن مدافعتی خط اول کو عبور کر چکا ہے۔ مگر ابھی تک کوئی مدافعت نہیں کی گئی۔ یقیناً کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر ہونے والا ہے" پے در پے نمودار ہونے والے جنگی جہازوں نے ان پاسبان افسروں کو بدحواس اور سراسیمہ کر دیا۔ رات کی تاریکی میں حملہ آور بیڑہ مدافعت کے خط ثانی کو بھی عبور کر چکا تھا اور سپہ سالار تحسین بے نے حیرت انگیز طریقہ پر ایفائے عہد کر دکھایا تھا۔

دفعۃً توپوں کے گرجنے کی ہولناک آواز آئی۔ سمندر میں پھیلی ہوئی سرنگیں پھٹیں اور چشم زدن میں آبنائے کی فضا جہازوں کے پھٹنے، مختلف گیسوں اور بارود کی بدبودار گرد دیتے ہوئے لوگوں کو مایوسانہ [illegible] سے لبریز ہو گئی۔ حملہ آور بیڑہ بیچارگی کے عالم میں تباہ ہو رہا تھا۔ خط اول کی مدافعتی توپوں نے اپنا کام اب شروع کیا اور مخالف بیڑہ کے عقبی حصہ کو نشانہ بنا کر اس کی تباہی کی تکمیل کر دی۔

دس لاکھ فرانک کی گرانقدر رقم کیا اس بیڑہ کی تباہی کے لئے کافی نہ تھی؟

(۶)

تحسین بے اور حمدی پاشا اپنی کامیابی پر مسرور تھے ان کے محبوب وطن پر آنے والی غیر متوقع اور تباہ کن مصیبت دفع ہو چکی تھی اور وطن عزیز کا ہر فرزند غیر ملکی توپوں کی زد سے بالکل محفوظ تھا۔ اس واقعہ سے چند گھنٹہ کے بعد حمدی پاشا نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے اپنے رفقائے کار سے کہا۔

"آفندم! دس لاکھ فرانک کی پیشکش معمولی ترغیب نہیں ہوتی مگر والد تحسین بے نے اسے ٹھکرا دیا۔ وطن عزیز اپنے فرزندان سعید سے ایسی ہی ایمانداری اور فرض شناسی کا متوقع ہے"

جزیرہ نمائے بلقان

براعظم یورپ کا وہ جنوبی مشرقی خطہ جس میں، یونان، البانیہ بلغاریہ یوگوسلادیہ، اور رومانیہ کی ریاستیں واقع ہیں، جزیرہ نمائے بلقان کہلاتا ہے۔ اور اگرچہ یہ خطہ براعظم کے ایک طرف واقع ہے لیکن اپنی بعض خصوصیات کی بدولت اس براعظم کے سیاسی انقلابات اور تبدیلیوں میں غیر معمولی دخل حاصل ہے۔

یورپ میں موجودہ جنگ شروع ہونے کے بعد ہی سے اس جزیرہ نما کی ایک ریاست رومانیہ میں سیاسی اعتبار سے جو پیچیدگیاں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں وہ اگرچہ بظاہر رومانیہ کے حکمران شاہ کیرول کے حکومت سے دست بردار ہو کر ملک سے باہر چلے جانے اور رومانیہ پر جرمنی کے سیاسی اور اقتصادی اقتدار کے قائم ہو جانے کے بعد ختم ہو چکی ہیں لیکن ان تبدیلیوں سے جزیرہ نمائے بلقان کا معاملہ سلجھا نہیں بلکہ اور الجھ گیا ہے۔ اور دنیا کے سیاسی حالات تبدیلیوں اور الجھنوں کو دیکھتے ہوئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بلقان کی سیاست کا الجھاؤ کب اور کس طرح ختم ہو سکے گا اس وقت بلقان کے مسئلہ کی پیچیدگی اگرچہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہے لیکن جزیرہ نمائے بلقان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس خطہ کی کسی سیاسی الجھن پر کوئی لڑائی چھڑ جائے تو وہ خود ایک عالمگیر لڑائی بن سکتی ہے۔

اہمیت کے اسباب

یورپ کے سیاسی نقشہ کو سامنے رکھ کر اگر جزیرہ نمائے بلقان اور اس سے متصل دنیا کے بحری اور بری خطوں کو دیکھا جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ یورپ کے اس جزیرہ نما کی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے شمال میں، پولینڈ، چیکو سلاواکیہ، آسٹریا اور ہنگری واقع ہیں اور ان میں سے پہلے تین ممالک جرمنی کے قبضہ میں جا چکے ہیں اور چوتھا ملک یعنی ہنگری بھی عملی طور پر جرمنی ہی کے زیر اثر ہے۔ اور ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا حقیقت کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا کہ جزیرہ نمائے بلقان کی شمالی سرحد کا بیشتر حصہ جرمنی کی سرحد سے ملتا ہے۔ مشرق میں بحر اسود اور روس کا علاقہ یوکرین اور بحر ایجین واقع ہیں۔ اور جنوب اور مغرب میں بحر روم اور بحر ایڈریاٹک اس کی حد بندی کرتے ہیں۔

جزیرہ نمائے بلقان کی حدود اربعہ یعنی اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ملکوں اور سمندروں سے واقف ہو جانے کے بعد ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ یورپ سے دنیا کے دوسرے حصوں کو جانے والے بڑے بڑے سمندری راستوں کو چھوڑ دینے کے بعد بھی اگر کوئی شخص چاہے تو وہ بحر اسود، بحر ایجین، بحر روم اور بحر ایڈریاٹک سے گزر کر نہایت آسانی کے ساتھ ایشیا اور افریقہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ انہیں سمندروں کے راستہ سے تینوں براعظموں کے درمیان مستقل تجارتی تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں آبنائے جبرالٹر، نہر سویز اور درہ دانیال کو بند کر کے یورپ کی ایسی طاقتور حکومتوں کو کمزور اور پریشان کر دیا جا سکتا ہے۔ جن کی زندگی کا دارومدار ہی ان کے مشرقی مقبوضات پر ہے۔

ان سمندری راستوں کے علاوہ جزیرہ نمائے بلقان ہی وہ مقام ہے جہاں یورپ اور ایشیا خشکی کے راستہ سے ملے ہوئے ہیں اور یہ رستہ موصل کے تیل کے چشموں اور اس کے بعد ہندوستان تک پہونچتا ہے۔ اس طرح اس خطہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں پھر دریائے ڈینیوب نے جو فرانس کی سرحد کے قریب جرمنی کے ایک جنگل "بلیک فارسٹ" سے نکل کر جرمنی کے قدیم بوسیدہ قلعوں کو چھوتا ہوا ہنگری، سلاواکیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور رومانیہ کو سیراب کرنے کے بعد بحر اسود میں شامل ہو جاتا ہے۔ یورپ کے اس خطہ کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے، یہ دریا اگرچہ سردی کے زمانہ میں جم جاتا ہے۔ لیکن سردی کے موسم کے علاوہ ریاست ہائے بلقان کی باہمی اور بیرونی تجارت کا بہت بڑا ذریعہ ہے

جزیرہ نمائے بلقان کی مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے بعض حصوں میں جنگ اور امن کے زمانوں میں انسان کے کام آنے والی سب سے ضروری چیز یعنی "مٹی کے تیل" کے چشمے پائے جاتے ہیں اور اس خطہ کی یہ خصوصیت ایسی ہے جس نے اس سرزمین کو یورپ میں لڑنے والی موجودہ قوموں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔

گزشتہ چوتھائی صدی سے اگرچہ یورپ میں برطانیہ اور جرمنی ایک دوسرے کے مخالف بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اس زمانہ سے قبل کی یورپی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکے گی کہ اس

براعظم کی مختلف طاقتوں کے درمیان کسی نہ کسی مسئلہ پر ہمیشہ اختلافات موجود رہے ہیں اور ان اختلافات کی وجہ سے ہر فریق ہمیشہ اس خطہ پر اپنا اثر و اقتدار قائم رکھنے کی جدوجہد کرتا رہا ہے۔ اور جزیرہ نمائے بلقان کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں اختلافات و تغیرات کے جس قدر واقعات نظر آتے ہیں ان سب کا بنیادی سبب اسی حقیقت میں مضمر ہے۔

بلقانی قوموں کے باہمی اختلافات

جزیرہ نمائے بلقان کی اہمیت کے پیش نظر ضرورت تو اس امر کی تھی اس خطہ میں کوئی ایسی قومی مشترکہ اور مضبوط حکومت موجود ہوتی جو اسے غیروں کے اثر و دست برد سے بچا کر اس کی خصوصیتوں سے اسی کے باشندوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیتی لیکن ایشیا سے ملے ہوئے ہونے کی وجہ سے گزشتہ زمانہ میں بے شمار قومیں یہاں آکر آباد ہوتی رہی ہیں اور یورپ کی قوموں کے ساتھ مل جل کر ان میں کچھ ایسی خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں کہ براعظم یورپ کا یہ خطہ بہت سی تہذیبوں، زبانوں اور تمدنوں کا گھر بن گیا ہے اور ان اختلافات کی وجہ سے ایک طرف تو سیاسی اعتبار سے یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف بلقان سے باہر کی طاقتوں کو ہمیشہ اس بات کا موقع ملتا رہا ہے۔ کہ وہ کسی ایک ریاست کے خلاف اس کی ہمسایہ ریاست کو ابھار کر اپنا مقصد حاصل کریں۔

جنگ عظیم سے پہلے جزیرہ نمائے بلقان، روس اور آسٹریا کی اقتدار پسندانہ کشمکش کا میدان بنا رہتا تھا۔ روس کی خواہش تھی کہ اسے بحر اسود سے بحر روم تک جانے کا راستہ مل سکے لیکن اس جزیرہ نما یا کم از کم اس کے مشرقی حصہ پر اقتدار حاصل کئے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں آسٹریا کے توسل سے برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اطالیہ اس امر کی جدوجہد میں مصروف رہتے تھے کہ اس راستہ کو روسی تسلط میں جانے سے جس طرح بھی ہو سکے روکا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی برطانیہ فرانس اور اطالیہ یہ کوشش بھی کرتے رہتے تھے کہ ان متحدہ کوششوں سے کہیں بلقان پر آسٹریا کا اثر و اقتدار قائم نہ ہو جائے۔

جنگ عظیم کے دوران میں اور اس کے بعد بلقان میں جو تغیرات واقع ہوئے۔ یورپ کی بڑی بڑی اور جزیرہ نمائے بلقان کے معاملات سے تعلق رکھنے والی حکومتوں کو جنگ عظیم کے ردعمل سے گزرتے رہنے کی وجہ سے ان پر تمام توجہ کا موقع نہیں ملا اور اس عرصہ میں اس جنگ کے فاتحین کی رہنما انگریز قوم کو قدرتی طور پر اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ یورپ کے اس خطہ پر اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکے۔

سطور بالا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ یورپ کی تمام طاقتیں جزیرہ نمائے بلقان پر ہمیشہ اپنا اپنا اثر قائم کرنے کی خواہشمند رہی ہیں۔ لیکن جنگ عظیم اور اس کے بعد کے حالات سے اگرچہ برطانیہ اور اس کے جنگ عظیم کے ساتھی فرانس کے علاوہ سب کو میدان سے نکال دیا تھا لیکن یہ کشمکش ختم نہیں ہوگئی تھی اور بعد کے حالات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یورپ کی وہ تمام قومیں جو انیسویں صدی میں اس خطہ پر اقتدار قائم کرنے کی جدوجہد میں لگی رہی تھیں اس تمام عرصہ میں کسی موزوں وقت کی منتظر رہتی رہیں اور مناسب موقع آ جانے پر اب یہ کشمکش سیاسی توڑ جوڑ کی حد سے گزر کر فوجی طاقت کی نمائش اور اس کے استعمال تک پہونچ گئی ہے۔

جنگ عظیم کے بعد کی بلقانی ریاستیں

جنگ عظیم کے بعد یورپ کی حکومتوں کی نئی حد بندی کے ماتحت جزیرہ نمائے بلقان میں جو نئی اور پرانی ریاستیں باقی رہیں یا قائم ہوئیں وہ البانیہ یوگوسلاویہ، رومانیہ، بلغاریہ، یونان اور یورپین ٹرکی تھیں لیکن ان ریاستوں کی حد بندی یا قیام میں کچھ ایسے اسباب کام کر رہے تھے جن کی وجہ سے ان کے پرانے اختلافات نہ صرف باقی ہی رہے بلکہ ان میں اضافہ ہوگیا اور غیر بلقانی طاقتوں کو اس بات کا موقع مل سکا کہ وہ اپنی پرانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ان اختلافات کے پردہ میں جزیرہ نمائے بلقان کی آزاد ریاستوں کو حقیقی یا اصطلاحی اعتبار سے اپنا محکوم بنالیں۔

جنگ عظیم کے بعد جب جزیرہ نمائے بلقان کی نئی تقسیم ہوئی تو لڑائی میں جرمنی کا ساتھ دینے کی وجہ سے بلغاریہ کو اپنا کچھ علاقہ یونان اور یوگوسلاویہ کے حوالہ کر دینا پڑا تھا اور اس طرح اس کے جنگ عظیم سے پہلے کے رقبہ میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ رومانیہ اس جزیرہ نما کی سب سے بڑی ریاست بنا دی گئی تھی۔ اور رومانیہ کی پہلی حدود کے علاوہ اس میں ہنگری، بلغاریہ، آسٹریہ اور روس کے علاقوں ٹرانسلوانیا، ڈوبروجہ، بکوانیا اور بسارابیا کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔

یوگوسلاویہ کے نام سے جو نئی ریاست قائم کی گئی تھی اس میں جنگ عظیم سے پہلے کی بلقانی ریاستوں، مانٹی نیگرو اور سربیا کے علاوہ آسٹریہ ہنگری کے چار صوبے کروشیا، بوسنیا، دلماتیا اور دادیا کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ البانیہ کو اس کی پہلی حالت پر قائم رکھا گیا تھا۔ یونان کی پرانی حدود میں تھوڑے سے بلغاری علاقہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا اور ترکی حکومت کو بلغاریہ کے جنوب و مشرق کے ایک چھوٹے سے گوشہ میں محدود کر کے اسے یورپین ٹرکی کے نام سے جزیرہ نمائے بلقان کی ایک چھوٹی سی ریاست قرار دیدیا گیا تھا۔

جزیرہ نمائے بلقان کی ریاستوں کی مذکورہ بالا ترتیب اور تنظیم سے یہ بات سمجھ لینی دشوار نہیں کہ اگر ایک طرف ان ریاستوں میں مستقل اتحاد کا قیام دشوار ہوگیا تھا تو دوسری طرف ان میں سے ہر ریاست کو

کسی نہ کسی بڑی طاقت کی سرپرستی کی ضرورت تھی۔

نئی تبدیلیاں

جنگ عظیم میں جرمنی کو شکست نصیب ہوئی تھی اور اس شکست کے بعد اسے اپنا وجود باقی رکھنے کے لئے صلح کی جو شرطیں قبول کرنی پڑی تھیں وہ جلد از جلد انہیں توڑ کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا، اطالیہ اگرچہ جنگ عظیم میں جرمنی کا مخالف تھا لیکن اسے اس جنگ کے ختم ہونے پر اس کی خواہش کے مطابق حصہ نہیں ملا تھا۔ اور روس جہاں ایک تاریخی انقلاب کے بعد حکومت و ریاست کا ایک نیا نظام قائم ہو چکا تھا، شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا شدید مخالف ہونے کی وجہ سے دنیا کی شہنشاہیت پسند اور سرمایہ پرست قوموں کی آنکھوں میں کانٹا بنا ہوا تھا۔

گزشتہ چند سال کے عرصہ میں جرمنی اور اطالیہ کا جو طرز عمل رہا اکی ترقی اور طاقت کو ناپسند کرنے والے اس طرز عمل کو اس لئے برداشت کرتے رہے کہ انہیں اس میں روس کی مخالفت کا گہرا جذبہ کام کرتا ہوا نظر آ رہا تھا لیکن جرمنی روس کی طاقت کو اچھی طرح سمجھتا تھا اس لئے اشتراکیت کی مخالفت کا علمبردار ہونے کے باوجود اس نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے ایک طرف تو خود کو اس کی مخالفت سے بچا لیا اور دوسری طرف اپنے مخالفین کا اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ بلقان میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے یورپ کی تمام بڑی بڑی طاقتیں ہمیشہ جدوجہد کرتی رہی ہیں اور جنگ عظیم سے پہلے ان طاقتوں میں روس ایک طرف تھا اور یورپ کی باقی حکومتیں دوسری طرف لیکن اب ایک طرف روس ہے جو اگرچہ اشتراکی فلسفہ اور عقیدہ کے ماتحت دوسری قوموں اور ملکوں کو غلام بنا کر رکھنا نہیں چاہتا لیکن اس کی یہ خواہش ضرور ہے کہ دنیا بھر کے مزدوروں کے مرکز یعنی روس کو دشمنوں کے حملے سے بچانے کے لئے اس کے آس پاس ایسی حکومتیں ہوں جو اس کی مخالف اس کے دشمنوں کی دوست اور روس کے خلاف ان کی سازشوں میں شریک ہونے والی نہ ہوں دوسری طرف جرمنی ہے جو اگرچہ اس وقت روس کا کھلا ہوا دشمن تو نہیں لیکن اصولی طور پر اس کا شدید مخالف ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دلی مخالفت کو چھپاتے ہوئے جس طرح بھی ہو سکے بلقانی ریاستوں میں روسی اثر کو قائم نہ ہونے دے۔ اطالیہ، ہسپانیہ اور اب فرانس بھی اس خواہش میں جرمنی کے ساتھ ہیں، پھر موجودہ جنگ میں برطانیہ کو ناکام بنانے کے لئے بھی اطالیہ اور جرمنی جزیرہ نمائے بلقان پر اپنا پورا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور تیسری جانب برطانیہ ہے جو اپنی زندگی اور سلطنت کی بقا و حفاظت کے لئے بلقانی ملکوں سے الگ ہونے کے لئے تیار نہیں۔

سیاسی طاقتوں کی مذکورہ بالا جماعت بندی نے بلقان کو ان جماعتوں کے سیاسی اور فوجی سرگرمیوں اور کشمکش کا اکھاڑہ بنا دیا ہے اور البانیہ رومانیہ، اور یونان میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے۔ وہ سب غیر بلقانی طاقتوں کی اسی کشمکش کا نتیجہ ہے۔

البانیہ کا انجام

جزیرہ نمائے بلقان میں اگرچہ البانیہ ایک پس ماندہ اور چھوٹا سا ملک ہے لیکن فوجی اور سیاسی اعتبار سے بہت زیادہ اہم جو بحر روم میں داخل ہونے کے لئے بحر ایڈریاٹک بھی ایک راستہ ہے۔ اور اگرچہ اس سمندر کے مغربی ساحل پر اطالیہ واقع ہے لیکن البانیہ پر قبضہ کئے بغیر کوئی حکومت بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اسے اس سمندر پر پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ موسولینی نے اپریل ۱۹۳۹ء میں البانیہ کو اطالیہ کے زیر حمایت ملک قرار دے کر نہ صرف بحر ایڈریاٹک ہی کو اپنے لئے مخصوص کر لیا بلکہ اس طرح خود کو براہ راست بلقانی معاملات میں دخل دینے کا حقدار بھی بنا لیا۔

رومانیہ

سطور بالا میں بتایا جا چکا ہے کہ رومانیہ کی نئی حد بندی کے موقعہ پر اس میں بلغاریہ، ہنگری، روس اور آسٹریا کے صوبوں کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اگرچہ اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ ملک اپنے ان علاقوں کے چلے جانے پر خاموش ہو گئے تھے لیکن انہوں نے کبھی اس نقصان کو دل سے نہیں بھلایا اور مناسب وقت کا انتظار کرتے رہے۔

روس اور جرمنی کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہو جانے اور اس کے بعد ہر ہٹلر کی فوجی پیش قدمیوں کی مسلسل کامیابی نے جزیرہ نمائے بلقان کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ اول تو یہاں برطانیہ کی بجائے جرمن اور روس کے اثر و رسوخ میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسرے ان ممالک کے ساتھ جرمنی کی تجارت بڑھ گئی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کسی وقت جمہوریہ ترکیہ برطانیہ کی حمایت میں شریک جنگ ہونا بھی چاہئے تو بلقانی ریاستوں میں روس اور جرمنی کے وسیع اثرات اسے روکنے کے لئے کافی ہوں گے۔ اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے والے اس بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں کہ اس وقت اس جزیرہ نما پر جن ممالک کا اثر ہے وہ جرمنی اور روس ہیں۔

رومانیہ کو بلغاریہ کا وہ علاقہ جو جنگ عظیم کے بعد دیا گیا تھا اس میں تیل کے چشمے ہیں، رومانیہ اور جرمنی کے درمیان دریائے ڈینیوب ایک راستہ ہے، رومانیہ اسی مقام پر واقع ہے جہاں سے بلقان کے علاوہ وسطی اور مشرقی یورپ پر اچھی طرح نظر رکھی جا سکتی ہے اور رومانیہ ہی وہ ملک

تھا جس کی آزادی کی حفاظت کے لئے اتحادیوں نے وعدہ کر رکھا تھا۔

یورپ کی موجودہ جنگ شروع ہوئی تو ایک طرف تو رومانیہ کے ہمسایہ ملکوں نے اس سے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ شروع کیا دوسری طرف جرمنی نے ڈینیوب، تیل کے چشموں اور مشرق کو جانے والے بحری اور بری راستوں پر دخل حاصل کرنے اور بلقانی ممالک سے برطانوی اثر کو ختم کر دینے کے لئے رومانیہ پر اپنی سیاسی گرفت کو زیادہ مضبوط بنایا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ابھی رومانیہ پر برطانوی اثرات باقی تھے اور رومانیہ کے مخالفین کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے رومانیہ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو کہیں اتحادی اس کی مدد کے لئے نہ آجائیں۔

فرانس کی شکست نے جب دنیا پر اتحادیوں کی کمزوری کا راز کھول دیا تو اس حادثہ کے ایک ہی ہفتہ کے بعد روس نے رومانیہ سے بسارابیا اور شمالی بکوانیا کے علاقے واپس کر دینے کا مطالبہ کیا رومانیہ کی حکومت کو یہ مطالبہ تسلیم کر لینا پڑا اور ۲۸ جون کو روسی فوجیں ان علاقوں میں داخل ہوگئیں۔

روس کے بسارابیا پر قبضہ کر لینے اور اتحادیوں کی کمزوری کا راز کھل جانے کے بعد رومانیہ کی حکومت نے "محوری طاقتوں" کی موافقت کا اظہار کرتے ہوئے ۲ جولائی ۱۹۴۰ء کو برطانیہ کو اس کے ان مواعید سے آزاد کرنے کا اعلان کر دیا۔ جو اس نے رومانیہ کی آزادی کی حفاظت کے سلسلہ میں کر رکھے تھے۔ لیکن رومانیہ کی حکومت "محوری طاقتوں" کے ساتھ موافقت کے اس اعلان کے بعد بھی انقلاب سے محفوظ نہ رہ سکی اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ "محوری طاقتیں" رومانیہ پر ایک ایسے بادشاہ کو حکمران دیکھنے کے لئے تیار نہیں تھیں جس کی حکومت نے اگرچہ جرمنی اور اطالیہ کی دوستی کا اعلان کر دیا تھا لیکن اول تو وہ براہ راست جرمنی کے زیر اثر ملک ہنگری کے مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اور دوسرے وہ ضرورت کے وقت پھر اتحادیوں کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتا تھا۔

۲۱ اگست کو رومانیہ کی حکومت نے بلغاریہ کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے ڈوبروجہ کا جنوبی علاقہ اس کے سپرد کر دینے کا اعلان کر دیا۔ لیکن وہ ہنگری کے مطالبہ کو تسلیم کر کے ٹرانسلوانیا کا علاقہ اس کے حوالہ کر دینے پر تیار نہیں ہوئی اس موقعہ پر اطالیہ اور جرمنی نے مداخلت کر کے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کاونٹ کیانو اور ہروان ربن ٹروپ نے ۳۰ اگست کو ڈی آنا کے مقام پر یہ فیصلہ کیا کہ ٹرانسلوانیا کا علاقہ ہنگری کو واپس دیدیا جائے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے "محوری طاقتیں" اول تو رومانیہ کے بادشاہ کیرول پر اعتماد نہیں کرتی تھیں۔ دوسرے رومانیہ کے مقابلہ میں ہنگری کا طاقتور ہونا ان کے لئے زیادہ مفید تھا۔ اور ٹرانسلوانیا کے علاقہ کا ہنگری کے پاس چلے جانے سے رومانیہ اپنے مغربی استحکامات، اور سونے اور زنک کی کانوں کے علاوہ ۱۹ ہزار مربع میل رقبہ سے بھی محروم ہو جاتا تھا اور یہ امر براہ راست جرمنی کے لئے مفید تھے اس لئے وی آنا کانفرنس نے جو فیصلہ کیا وہ غیر متوقع نہیں تھا۔

رومانیہ کی حکومت اس فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور تھی لیکن ٹرانسلوانیا کے باشندوں نے نہ صرف اس فیصلہ کو ناپسند ہی کیا بلکہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ حتیٰ کہ رومانیہ کی وزارت کے ایک رکن نے وزارت کے ایک جلسہ میں یہاں تک کہدیا کہ اگر اس فیصلہ کے خلاف کوئی جدوجہد کئے بغیر اسے تسلیم کر لیا گیا تو ملک میں بغاوت رونما ہو جائے گی۔ محوری طاقتوں کے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود کو دشمن کے مقابلہ میں کمزور دیکھ کر رومانیہ کی وزارت نے ۳ ستمبر کو استعفا دیدیا اور نئی وزارت قائم ہوگئی جس میں محوری طاقتوں کے فیصلہ کے موافقین کی اکثریت تھی۔ رومانیہ کی فسطائی جماعت آئرن گارڈ نے شاہی محل پر گولیاں چلائیں اور نئے وزیر اعظم نے بادشاہ کیرول سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے لڑکے مائیکل کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ شاہ کیرول نے پہلے تو ملکی دستور کو معطل کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن بعد میں تاج و تخت سے دست بردار ہو کر رومانیہ سے چلا گیا۔

حکمران اور وزارت کی اس تبدیلی کے باوجود جرمنی ڈینیوب پر جو جرمنی کے ساتھ یورپ کے اس حصہ اور ایشیا کی تجارت کا واحد محفوظ ذریعہ ہے۔ جرمنی کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ۱۲ اکتوبر کو جرمن فوجوں نے رومانیہ کی طرف کوچ شروع کر کے ایک ہفتہ کے اندر پورے ملک پر تسلط حاصل کر لیا اور اب وہاں کی حکومت اور حکمران قطعی طور پر جرمنی اقتدار کے زیر اثر ہے۔

جرمنی کے اس اقدام نے اسے نہ صرف ڈینیوب کے زیریں حصہ پر متصرف کر دیا ہے۔ بلکہ اسے بحر اسود کے ساتھ بھی ملا دیا ہے اور اگر روس اور جرمنی کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ طے پا جائے جس کی رو سے روس بحر اسود میں جرمنی کی نقل و حرکت کو مانع نہ ہو تو یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جرمنی براہ راست ایشیا تک پہونچ چکا ہے۔ اس کے علاوہ اب وہ بلغاریہ کے بھی بالکل قریب پہونچ گیا ہے۔ اور چونکہ بلغاریہ جنگ عظیم کے دوران میں جرمنی کا معاون رہا تھا اور اب بھی وہ یورپ کی دوسری طاقتوں کے مقابلہ میں جرمنی کا زیادہ ہمدرد ہے۔ اس لئے۔ اب بلغاریہ اور جرمنی کے تعاون سے اس جزیرہ نما کو پورے طور پر فسطائیت کا حامی بنا کر جمہوری حکومتوں کی راہ میں شدید مشکلات حائل کی جا سکتی ہیں۔

یونان اور اطالیہ

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں عرض کیا جا چکا ہے جزیرہ نمائے بلقان

مشرقی اور مغربی طاقتوں کے لئے ہمیشہ سے ایک اہم خطہ رہا ہے اور جب مغرب کی کوئی ایسی دو طاقتیں جن کے مفادات مشرق سے وابستہ ہوں آپس میں متصادم ہوتی ہیں تو اس خطہ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ جرمنی کے مکمل بلقان پر اقتدار حاصل کر لینے کے بعد اس جزیرہ نما میں اب یونان ہی ایک ایسا ملک رہ گیا تھا جو ابھی اس جنگ میں غیر جانبدار تھا۔ لیکن اول تو اس کے قبضہ میں کئی ایسے مقامات ہیں جو اگر محوری طاقتوں میں سے کسی طاقت کے پاس ہوتے تو انہیں برطانیہ کے خلاف استعمال کر کے موجودہ لڑائی میں کامیابی حاصل کرنے کے امکانات پیدا کئے جا سکتے تھے دوسرے یونان کی حکومت برطانیہ کے زیر اثر ہے اور برطانیہ یونان کی آزادی کا ضامن ہونے کے سبب سے اگر چاہتا تو اطالیہ کے مقابلہ میں کسی نہ کسی وقت یونان کے ان بحری اور بری مستقروں کو استعمال کر سکتا تھا جن سے اطالیہ کو شدید نقصان پہونچایا جا سکے۔ اور تیسرے دنیا کے تمام مسلطاتی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ متحد و متفق ہونے کے باوجود کسی حال میں بھی اپنے ذاتی مفاد اور مصالح کو فراموش نہیں کرتے اور اس نظریہ کے ماتحت! طالیہ کے لئے یہ امر ناممکن تھا کہ وہ جزیرہ نما بلقان میں جرمنی کے روز افزوں اقتدار کو خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہے ان حالات میں اطالیہ کو اپنی توسیع حدود کے لئے ایک ہی مقام نظر آ سکتا تھا اور وہ مقام تھا "خطہ یونان" چنانچہ اطالیہ نے ۲۸ر نومبر ۱۹۴۰ء کو یونان پر حملہ کر دیا۔ اور اب ملک کے مختلف اطراف میں بحری بری اور فضائی لڑائیاں جاری ہیں۔

یونان اور اطالیہ کے درمیان لڑائی کی جو اطلاعات اب تک موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے مقابلہ میں اطالیہ کو زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لڑائی کا انجام خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جرمنی اطالیہ اور برطانیہ کے مابین جو لڑائی ہو رہی ہے یونان اور اطالیہ کی لڑائی اس پر گہرا اثر ڈالے گی۔ اور اگرچہ اس وقت تک اس لڑائی میں جرمنی کی جانب سے اطالیہ کو کسی قسم کی امداد ملنے کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اطالیہ کی شکست کے آثار نمایاں ہوتے تو جرمنی اطالیہ کی بھلائی کے لئے نہیں بلکہ یورپ کی موجودہ لڑائی میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے اسے امداد دینے پر مجبور ہوگا۔

یوگوسلاویہ

بلقانی ریاستوں میں اب محض یوگوسلاویہ ہی ایک ایسا ملک ہے جو ہنوز جنگ کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا لیکن یونان اور اطالیہ کی لڑائی نے اس کے مستقبل کو بھی تاریک بنا دیا ہے۔ اور اگر اس لڑائی میں جرمنی کی شرکت ناگزیر ہوئی تو اس کی فوجوں کے لئے یوگوسلاویہ سے گزرنا بھی ناگزیر ہوگا۔

اس وقت تک یوگوسلاویہ کی حکومت جنگ میں سختی کے ساتھ غیر جانبدار رہی ہے اور بار بار یہ اعلان کرتی رہی ہے کہ وہ اپنی غیر جانبداری اور آزادی کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے پر آمادہ ہے ان حالات میں اگر جرمنی نے اطالیہ کی امداد کے لئے یوگوسلاویہ سے گزرنا چاہا تو یا تو یوگوسلاویہ اس کا مقابلہ کرے گا جس کے بعد بظاہر اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں یا پھر وہ خاموشی کے ساتھ جرمنی کی خواہش کو قبول کرے گا۔ لیکن دونوں حالتوں میں اس ملک کی "تباہی یقینی ہے۔

ترکی

جزیرہ نمائے بلقان میں تغیرات اور تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے قدرتاً ترکی کا مسئلہ بھی پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب لڑائی ترکی کے دروازہ پر لڑی جا رہی ہے تو ترکی کا انجام کیا ہوگا۔ اور اس معاملہ میں اس کا طرز عمل کیا رہے گا۔؟

ہمیں کوئی شک نہیں کہ یورپین ترکی کو جزیرہ نمائے بلقان کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اب کہ لڑائی کے شعلے بلقان کی آخری حدود تک پہونچ چکے ہیں ہمیں ترکی کے مسئلہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن ہمیں اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اول تو ترکی کوئی فاصل ریاست (BUFFER STATE.) نہیں جس کی وجہ سے فریقین جنگ میں سے کسی فریق کو اسے عبور کرنے کی ضرورت پیش آئے دوسرے یورپین ترکی بلقان کے میدان جنگ سے ملحق تو ہے لیکن اس میں شامل نہیں تیسرے وہ بلقان اور یورپ کی لڑائیوں میں قطعاً غیر جانبدار ہے اور چوتھے ترکی پر جنگ کے کسی فریق کے حملہ آور ہونے کا اثر اشتراکی روس پر پڑے گا اور یورپ کی طاقتوں کا کوئی گروہ بھی فی الحال روس سے لڑائی مول لینے کے لئے تیار نہیں اس لئے یہ کہہ دینا حالات کے خلاف نہ سمجھا جائے گا کہ جہاں تک ترکی کا تعلق ہے اگر وہ خود ہی جنگ کے میدان میں نہ آ جائے تو اسے اس لڑائی سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ اور جہاں تک اسکے جنگ میں شریک ہونے کا تعلق ہے ہمیں صدر جمہوریہ ترکی عصمت انونو کے اس تازہ ترین اعلان کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو موصوف نے یونان اور اطالیہ کے مابین لڑائی شروع ہو جانے کے بعد کیا ہے۔ اور جس میں غیر مبہم اور ناقابل تاویل الفاظ میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ ترکی حکومت جنگ میں شریک ہو کر اپنے اعلان غیر جانبداری سے منحرف ہونے کے لئے تیار نہیں۔

طلسمی روغن کا جادو

ایک قطرہ کا کرشمہ

یہ ایک طلسمی روغن کا قطرہ ہے امریکہ کے ڈاکٹر رابنسن نے ایجاد کیا ہے اور اس کی اکثر کمال یہ ہے کہ جو شخص اس روغن کا ایک قطرہ لگائیگا اس کی کمزوری فوراً دور ہو جائیگی اور ایک قسم طاقت آجائے گی کمال یہ ہے کہ لگاتے ہی مسامات میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ہی مست ہو جاتا ہے انسان جو اس کا کرشمہ فوراً دیکھ لیتا ہے آپ بھی تجربہ کیجئے یہ جادو اثر رکھنے والا روغن ہے۔ طلسماتی خوبیاں استعمال کرنے پر ظاہر ہوتی ہیں صرف ایک قطرہ مردہ رگوں میں جان ڈالنے کیلئے کافی ہے دوا باندھنے یا کپڑا لپیٹنے کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی (قیمت فی شیشی — دو روپے سات آنے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

پتہ منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی

عورت بھوت بن گئی

جب عورت ہسٹریا جیسی بری بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ غیر شادی شدہ جوان لڑکیوں کو اس مرض میں زیادہ مبتلا پایا جاتا ہے۔ اس کے دورہ کے وقت پیٹ میں ایک گولہ سا اٹھتا ہے جو دماغ کی رگوں تک ابخرات کی شکل میں پہنچتا ہے۔ اور مریضہ کے ہاتھ پیروں میں اینٹھن پیدا ہو جاتی ہے وہ چیخنے چلانے، کپڑے پھاڑنے، ہاتھ پاؤں مارنے لگتی ہے۔ دانت پیسنے اور دیوار سے سر کو پھوڑنے لگتی ہے۔ یہ ذلیل مرض جس عورت کو ہو اس کو چاہئے کہ

لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی

سے ایک شیشی "ہسٹرین" کی منگالے۔ اس دوا سے ہسٹریا کا مرض جاتا رہے گا (اس بہترین دوا نے ہزارہا جوان عورتوں کو تندرست کر دیا ہے۔ یہ مرض کی جڑ کو کاٹ ڈالتی ہے۔ اور ایک شیشی کے استعمال کے بعد پھر دورہ عمر بھر کے لئے نہیں پڑتا۔ قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ) ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

جس سے بھی چاہے ملاقات

مست خوشبو کا کمال

بیسویں صدی میں جہاں سائنس اپنے کمالات پیش کر رہی ہے وہاں روحانی عالم نے بھی کشائش محبوب کے لئے بیسویں صدی میں ایک اسراری روغن بنایا ہے۔ اس خوشبو کا کمال یہ ہے کہ جس مست خرام محبوبہ کو چاہو اپنا بنا سکتے ہو۔ اس خوشبو کے چند قطرے لگا کر اس کے پاس سے گزر جاؤ وہ خود تمہاری تلاش میں بے چین نظر آنے لگا محبوب کو مست و بیخود کرنے اور اس کو تڑپانے کے لئے اس طلسمی خوشبو کا کمال ملاحظہ کیجئے آپ خود حیران ہوں گے کہ اس میں کونسا طلسمی اثر ہے کہ جس کو چاہو خود بخود کھنچا چلا آئے یہ خوشبو چالیس دن کی محنت اور روحانی کشش کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ اور عاشقوں کے لئے ان کی مراد پوری کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے سنگدل سے سنگدل عورت کو جو اس خوشبو کو سونگھے اپنا بنایا جا سکتا ہے اس خوشبو کو تسخیر کا طلسم محبت کا جادو اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے قیمت فی شیشی ... ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

پتہ۔ گڈلک ٹریڈ کمپنی دریا گنج نمبر ۵ دہلی

موٹا آدمی

اگر آپ قوت مردمی کی تلاش میں ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ آپ مرد بن جائیں تو **طلا مقوی** کی ایک شیشی استعمال کر لیجئے یہ ایک ایسا طلا ہے جو ایک ہفتہ میں نشو و نما میں فرق لاتا ہے۔ طاقت دیتا ہے۔ جو لوگ کوتاہی اور لاغری کے شاکی ہوں ان کو ضرور ایک شیشی استعمال کر لینی چاہئے خود بخود حیرت ہونے لگے گی۔ بڑی تعجب انگیز دوا ہے۔

اس کی مالش مایوسوں اور پوری طرح سے خوش نہ کرنے والوں کے لئے اکسیری اثر رکھتی ہے۔ مسامات میں بجلی کی طرح دوڑتا ہے اور عضو کو بڑھانے پھیلنے اور طاقت دینے کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ایک شیشی میں آپ مرد بن سکتے ہیں۔ آج ہی تجربہ کر لیجئے۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے (عہ) ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے (۸) علاوہ

مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے

منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی

جلاد میں ہے تیغ بدست آزادی
شور افگن ہر بلند و پست آزادی

بے خوف اجل ہیں عاشق آزادی کے
کس شوخ کی ہے ادائے مست آزادی

شب تابی انجم فلک آزادی
ہے خسرو روز کی جھلک آزادی

کیا خوب ہے اک حکیم مغرب کی یہ رائے
ہے خوان حیات کا نمک آزادی

مقصود دل پیر و جواں آزادی
ہر دل کی ہے حکمراں آزادی

اعلان بجا نہ کیوں ہو آزادی کا
ہے معبد قوم کی اذاں آزادی

طاقت دہ ہر نحیف ہے آزادی
وہ چارہ گر ضعیف ہے آزادی

عالم ہے حقیقتاً مثال بیمار
عالم کی مگر مسیح ہے آزادی

محتاج ہیں تیرے پیش و پس آزادی
کچھ تیز رہے اور فرس آزادی

ساون کی وہ جواں دھار گھٹا کی طرح
ہاں خوب برس برس برس آزادی

توحید کا درس مختصر آزادی
ہے راہ نجات کی خضر آزادی

مذہب کی حقیقت نہ سمجھنے والو!
مذہب نہیں کچھ اور مگر آزادی

میداں سے کبھی ہٹی نہیں آزادی
خنجر سے کبھی کٹی نہیں آزادی

ہر چند تشدد نے دبانا چاہا
بڑھتی ہی رہی گھٹی نہیں آزادی

ہر عصر میں گرم تگ و تاز آزادی
ہر عہد کی شان امتیاز آزادی

ہر چند زمانے کی ہوا ہو ناساز
ہوگی نہ کبھی زمانہ ساز آزادی

مہر و مہ و انجم کا جہاں آزادی
ضو ریز کراں سے تا کراں آزادی

فرعون زمیں کے ہوش اڑ جائیں نہ کیوں

[illegible]

سر مخزن احساس تمام آزادی
ہے بادۂ زندگی کا جام آزادی

بے آب بقا ہے جن کی مینائے حیات
ان مردہ دلوں پہ ہے حرام آزادی

ہے اپنی حیات معنوی آزادی
ہاتھوں سے نہ جانے دیجئے جی آزادی

زندہ ہے تو چھیڑ نغمۂ آزادی کا
ہے نغمۂ ساز زندگی آزادی

گونج محل و موج آبشار آزادی
ہر رنگ میں ہے ستیزہ کار آزادی

کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے آزادی کا
پابند قفس کی ہے پکار آزادی

آفاق میں ہے گرم ستیز آزادی
ہر موجۂ خون میں شعلہ خیز آزادی

سوتی ہوئی دنیائے غلامی کے لئے
الحق ہے پیام رستخیز آزادی

مطلوبۂ ارباب تمیز آزادی
جو فرد ہے لاکھوں میں وہ چیز آزادی

ملتی ہے اسی قوم کو آقائی دہر
جس قوم کی ہوتی ہے کنیز آزادی

وہ جوش فزائی میں ہے فرد آزادی
نامرد کو بھی بنائے مرد آزادی

پا پڑ ہے ہزار بیلتی آزادی
طوفان ستم ہے جھیلتی آزادی

سرگرم تحکم ہو جہاں آتش جبر
شعلوں سے وہاں ہے کھیلتی آزادی

ہے گرم اثر سے جس کے نبض اقوام
اقوام کا وہ ترانہ ہے آزادی

ہے عید ہر ایک سانس آزادی کا
رکھتی ہی نہیں شمار عید آزادی

تزئین جہان آب و گل آزادی
یعنی ہے بہار مستقل آزادی

رونق ہے جہاں میں دم سے آزادی کے
ہے پیکر آفاق میں دل آزادی